إتمام البرهان

فی رد

توضیح البیان

(مکمل چار حصے)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ

مکتبہ صفدریہ
نزد مدرسہ نصرۃ العلوم
گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

…لِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن جو شئے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

اِتمامُ البُرہان

فی رَدِّ توضیحُ البیان

علمائے کرام نے قرآن کریم کے مختلف زبانوں میں متعدد تراجم امت مسلمہ کی سہولت کے لئے کئے ہیں، اردو زبان میں بھی کئی تراجم ہیں اور متعدد تراجم میں شعوری یا غیر شعوری طور پر اغلاط بھی موجود ہیں لیکن بریلوی حضرات کے اعلیٰ حضرت نے قرآن کریم کے لفظی ترجمہ میں جو اپنے من مانے اور باطل عقائد داخل کئے ہیں اور ان کے لائق شاگرد مراد آبادی صاحب نے اپنی تفسیر میں ان تراجم کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا جو زور صرف کیا ہے کسی زبان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی ہم نے فرض کفایہ ادا کرتے ہوئے بعض بزرگوں کے حکم اور مشورہ سے تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین میں خالص علمی انداز میں ان غلط تراجم اور ان کی خود ساختہ تفاسیر پر گرفت کی تھی بس پر ان کی جماعت کے ایک نام نہاد محقق اور مدقق صاحب کی باسی کڑی میں ابال آگیا اور توضیح البیان کے نام سے رطب و یابس اکٹھا کر کے ایک ضخیم کتاب لکھ ماری اس توضیح البیان کا خالص علمی انداز سے رد اس زیر نظر کتاب اتمام البرہان میں کیا گیا ہے جو کئی سال سے لکھی ہوئی تھی مگر کثرتِ مشاغل نیز علالت کی وجہ سے نظر ثانی کا موقع نہیں مل سکا تھا، اس کے کئی حصے ہیں پہلا یہ ہے انشاء اللہ العزیز جویانِ حق کو اس میں خاصا علمی مواد ملے گا اور ٹھوس حوالوں کو پڑھ کر وہ بڑے مطمئن ہوں گے اس کو پڑھ کر کچھ چہرے ضرور اداس بھی ہوں گے مگر یہ ایک فطری بات ہے جو ہمارے بس کی نہیں ہے۔ وَاللّٰہُ یَقُولُ الْحَقَّ وَہُوَ یَہْدِی السَّبِیْلَ۔

احقر

ابو الزاہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ و

صدر مدرس مدرسہ "نصرۃ العلوم" گوجرانوالہ

۵ شوال ۱۴۰۱ھ / ۶ اگست ۱۹۸۱ء

طبع پنجم اگست ۲۰۱۰ء

نام کتاب .... اتمام البرہان مکمل چار حصے

مصنف .... شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

تعداد .... گیارہ سو (۱۱۰۰)

ناشر .... مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

قیمت .... دوسو پچاس روپے (-/۲۵۰)

﴿ملنے کے پتے﴾

☆ مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ بنوری ٹاؤن کراچی
☆ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی
☆ مکتبہ امدادیہ ملتان
☆ کتب خانہ مجیدیہ ملتان
☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ الاظہر بانو بازار رحیم یار خان
☆ مکتبہ الحسن حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
☆ مکتبہ عثمانیہ میاں والی روڈ تلہ گنگ
☆ مکتبہ حلیمیہ درہ پیزو لکی مروت
☆ مکتبہ رحمانیہ قصہ خوانی پشاور
☆ مکتبہ حنفیہ فاروقیہ اردو بازار گوجرانوالہ
☆ مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک
☆ مکتبہ فاروقیہ ہزارہ روڈ حسن ابدال
☆ ادارۃ الانور بنوری ٹاؤن کراچی
☆ مکتبہ حقانیہ ملتان
☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
☆ اقبال بک سنٹر نزد صالح مسجد صدر کراچی
☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
☆ اسلامی کتب خانہ اڈا کاکی ایبٹ آباد
☆ مکتبہ العارفی فیصل آباد
☆ مکتبہ صفدریہ چوھڑ چوک راولپنڈی
☆ والی کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
☆ ظفر اسلامی کتب خانہ گکھڑ
☆ مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک

☆ ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

☆ کتب خانہ صفدریہ، حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

فہرس

رائے گرامی

حضرت العلام مولانا عبد الرّیان صاحب کلیم دام مجدہم
فاضل دارالعلوم دیوبند و مدرس پشاور یونیورسٹی

باسمہٖ تبارک وتعالیٰ!

محبّی ومکرّمی شیخ الحدیث صاحب زید مجدکم وعنایتکم۔

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج؟

آپ کو معلوم ہے کہ سُنّت اور بدعت میرا دل پسند موضوع ہے۔ اس لیے اتمام البرہان کا مطالعہ بہت ذوق وشوق سے کیا بعض مقامات مکرّر سہ کرّر پڑھے اور ہر مرتبہ نیا کیف حاصل ہوا آپ کی فرمائش نہ بھی ہوتی تو پھر بھی میں اپنا تأثر آپ سے چھپانے کی کوشش ہرگز نہ کرتا۔ کتاب پڑھنے کے بعد جو تأثر میں نے لیا ہے اس کی تفصیل اس لیے لکھ رہا ہوں تاکہ اگر میرا تأثر غلط ہو تو آپ اس کی اصلاح فرمادیں گے۔ کتاب اتمام البرہان فی رد توضیح البیان صوری اعتبار سے خوب اور معنوی اعتبار سے خوب تر کا مصداق ہے معلومات اتنی مفید اور اہم ہیں کہ کتاب کا مطالعہ شروع کرنے کے بعد ختم کیے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ اندازِ بیان انتہائی دلچسپ، لہجہ متین، استدلال محققانہ، اور نکات عارفانہ ہیں۔ آپ کے حقیقت نگار قلم نے اہلِ سنّت کی حمایت اور اہلِ بدعت والحاد کی تردید میں دلائل کا انبار لگا دیا ہے جو بات کہی گئی ہے میزانِ عدل میں تول تول کر کہی گئی ہے۔ اہلِ بدعت کے مخصوص مسائل پر یک جا اتنا مواد اتمام البرہان چارحصّوں کے علاوہ شاید ہی کسی اور کتاب میں مل سکے میری نظر میں اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیّت اور امتیازی وصف یہ ہے کہ فریقِ مخالف کی اکثر لمبی لمبی عبارتیں خود ان ہی کے الفاظ میں اور یا معمولی اختصار کے ساتھ نقد کی کسوٹی پر پرکھ کر تحلیل وتجزیہ کے بعد کھوٹ اور سونا الگ الگ قاری کے سامنے رکھ دیا ہے۔

(اسکے بعد مولانا موصوف نے کتابت وغیرہ کی متعدد اغلاط کی نشاندہی فرمائی ہے جو بحمد اللہ تعالیٰ اب درست کردی گئی ہیں۔ صفدر) طالب الخیر مع الخیر ہے۔ فقط والسّلام!

عبد الرّیان ۱۲ فروری ۱۹۸۶ء

سخن گفتنی

مُبَسْمِلاً وَّ مُحَمِّدِلاً وَّ مُصَلِّیًا ۰ اما بعد راقم الحروف نے محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے صرف احیاء دین کی غرض سے متعدد کتابیں تحریر کی ہیں جو بحمد اللہ تعالیٰ کئی کئی بار طبع ہو چکی ہیں اور خواص و عوام نے ان سے خوب استفادہ کیا ہے اور ان میں درج شدہ ٹھوس اور واضح دلائل اور معقول براہین اور صریح عقلی و نقلی حوالوں کی بہت ہی زیادہ قدر کی گئی ہے اور ان کے معرض وجود میں آنے کو بجد سراہا گیا ہے اور قدر دان حضرات نے خوب دادِ تحسین دی ہے۔ مگر اہل بدعت حضرات کو ان سے بیحد کوفت ہوئی ہے اور وہ ان سے خاصے سیخ پا ہوتے ہیں۔ ایسی مدلل کتابوں سے ان کا پریشان ہونا ایک نفسیاتی امر ہے۔ خیر ہماری بلا سے کوئی خوش ہو یا ناخوش، ہمارا خالقِ حقیقی ہم سے راضی ہو جائے اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت حقہ سے شرک و بدعت اور رسم و رواج کے دبیز پردے دور ہو جائیں۔ دین اسلام اپنی اصلی شکل میں لوگوں کے سامنے آ جائے اور محفوظ ہو جائے جس پر وہ کاربند ہو کر دونوں جہانوں میں سرخرو ہو جائیں تو یہ ہمارے لئے سب سے بڑی سعادت ہے۔ آخر بدعات و رسومات کی شبِ ظلمت اور تاریکی کب تک فضا پر چھائی رہے گی حکمتِ خداوندی کے تحت آخر آفتابِ ہدایت کا ظہور بھی تو ایک فطری امر ہے۔ ؎

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

فریق مخالف کے اعلیٰ حضرت نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے جس میں انہوں نے پوری ملت اسلامیہ کے معتبر اور مستند مفسرین کرام کے خلاف اور اسلامی تعلیم کے برعکس کئی مقامات پر اپنے اختراعی عقائد و نظریات کو پیش نظر رکھ کر اور قواعد عربی کو بالائے طاق رکھ کر محض اپنی مرضی کا ترجمہ کیا ہے تاکہ عوام الناس یہ سمجھ لیں کہ یہ اختراعی عقائد و نظریات تو قرآن کریم کے تحت اللفظ ترجمہ سے ثابت ہیں پھر ان کے صحیح اور حق ہونے میں کیا شبہ اور کلام ہو سکتا ہے ؟ ہم نے اپنی کتاب تنقید متین ص ۲۵ تا ۲۸ میں ان کے غلط لفظی ترجمہ کی بعض مثالیں عرض کی ہیں ان کو قارئین کرام وہاں ہی ملاحظہ کر لیں۔ مزید چند مثالیں یہاں بھی دیکھ لیں تاکہ حقیقت اَلَمْ نَشْرَحْ ہو جائے۔

(۱) اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (پ۵، النساء:۱۰۵) — اے محبوب! بیشک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری۔ ص ۱۳۹

اس میں خانصاحب نے اے محبوب کے الفاظ لفظی ترجمہ میں زائد کر کے تحریف کا دروازہ کھولا ہے۔

(۲) فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (پ۷، انعام:۵۲) — پھر انہیں تم دور کرو تو یہ کام انصاف سے بعید ہے۔ ص ۱۹۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بالاتفاق معصوم ہے اس میں کوئی نزاع نہیں ہے اور کسی لفظ کی تفسیر میں احسن سے احسن اور بہتر سے بہتر تعبیر اختیار کرنا بھی محل نزاع سے خارج ہے لیکن لفظی ترجمہ میں فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کا ترجمہ تو یہ کام انصاف سے بعید ہے ہرگز لفظی ترجمہ نہیں ہو سکتا۔

(۳) قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا (پ۱۱، یونس:۴۹) — تم فرماؤ میں اپنی جان کے برے بھلے کا (ذاتی) اختیار نہیں رکھتا ص ۳۱۰

اس ترجمہ میں اگرچہ یہ احتیاط کی گئی ہے کہ لفظ ذاتی تو سین میں درج کیا ہے لیکن عوام الناس کے لئے اپنے باطل نظریہ ذاتی اور عطائی کے لئے چور دروازہ تو کھول کہ اگرچہ آپ ذاتی طور پر نافع اور ضار نہیں مگر عطائی طور پر ہیں۔

④ حَتّٰۤی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ (پ۱۳، یوسف: ۱۱۰) یہاں تک کہ جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی اُمید نہ رہی ص۳۵۹

یہاں اعلیٰ حضرت نے ظاہری اسباب لفظی ترجمہ میں اپنی طرف سے بڑھائے ہیں متن میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

⑤ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (پ۱۶، مریم: ۱۱۰) تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔ (ص۴۴۱)

اس مقام پر ظاہر صورت الخ کے الفاظ خانصاحب نے ترجمہ میں اپنی طرف سے زائد کئے ہیں۔

⑥ اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ (پ۲۱، عنکبوت: ۴۵) اے محبوب پڑھو جو کتاب تمہاری طرف وحی کی گئی (ص۵۸۱)

یہاں بھی اے محبوب کے الفاظ لفظی ترجمہ میں اپنی طرف سے بڑھائے ہیں۔

⑦ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا (پ۲۲، الاحزاب: ۴۵) اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر (ص۶۱۴)

یہاں نبی کا ترجمہ غیب کی خبریں بتانے والے اور شاہد کا معنی حاضر ناظر کر کے اپنا باطل عقیدہ ثابت کیا ہے۔ حالانکہ پہلی ہی وحی میں آپؐ نبی بنا دیئے گئے ہیں اور اس وقت متعارف غیب کی کوئی خبر نازل نہیں ہوئی تھی۔

⑧ فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِكَ (پ۲۵، الشوریٰ: ۲۴) اور اللہ چاہے تو تمہارے اوپر اپنی رحمت و حفاظت کی مہر کردے (ص۷۰۳)

اس جگہ قلب کا لفظی ترجمہ کھا گئے ہیں اور اپنی رحمت و حفاظت کے الفاظ لفظی ترجمہ میں اپنی طرف سے بڑھا گئے ہیں۔

⑨ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا (پ۲۶، الفتح: ۸) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر (ص۷۴۰)

یہاں بھی شاہد کا ترجمہ حاضر و ناظر سے کر کے اپنے فاسد عقیدہ کی ترجمانی کی ہے جو روح اسلام کے سراسر خلاف ہے

(۱۰) وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ﴿پ۲۷ النجم:۱﴾ اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اُترے (صنٓ۷۶)

قارئین کرام غور فرمائیں کہ لفظی ترجمہ میں اعلیٰ حضرت نے یہ کیا کچھ داخل کر دیا ہے اگر اس آیت کا لفظی ترجمہ کر کے یہ الفاظ اس کی تفسیر میں تحریر کرتے تو پھر معاملہ جدا تھا مگر صد افسوس کہ یہ سب کچھ انہوں نے لفظی ترجمہ میں کیا ہے۔

(۱۱) خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ ﴿پ۲۷۔ الرحمٰن:۳،۴﴾ انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا۔ ماکان وما یکون کا بیان انہیں سکھایا۔

غور فرمایئے کہ انسان کا معنیٰ اعلیٰ حضرت نے انسانیت کی جان محمد کیا اور بیان سے ماکان و مایکون کا بیان لے لیا۔

(۱۲) يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ﴿پ۲۸، التحریم:۱﴾ اے غیب بتانے والے (نبی) تم اپنے اُوپر کیوں حرام کئے لیتے ہو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی۔

اس میں خانصاحب نے لفظی ترجمہ میں اپنے اُوپر کے الفاظ بڑھاتے ہیں جو ایک قسم کی تحریف ہے۔

(۱۳) وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ﴿پ۲۶، محمد:۱۹﴾ اے محبوب، اپنے خاصوں اور عام مرد اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگ

اس میں اے محبوب کے الفاظ اور لِذَنْبِكَ کا معنیٰ اپنے خاصوں کا کر کے خانصاحب نے لفظی ترجمہ میں نہایت غلط راہ نکالی ہے یہ یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معصوم ہونا اجماعی عقیدہ ہے اس مقام سے ذنب سے خطائے اجتہادی اور لغزش اور خلاف اولیٰ وغیرہ کوئی بات بھی مراد ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ”نزدیکاں رابیش بود حیرانی“ لیکن لفظی ترجمہ جو خانصاحب نے کیا ہے وہ آپ کے سامنے ہی تو ہے۔

(۱۴) لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ﴿پ۲۶، الفتح:۲﴾ تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے (صنٓ)

خانصاحب نے یہاں ک ضمیر خطاب سے تمہارے اگلوں اور تمہارے پچھلوں کا لفظی ترجمہ کر کے اپنی جان پر ظلم کیا ہے

(۱۵) عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًا ٥ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (پ۲۹، جن ۲۶) غیب جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے

اس ترجمہ میں اظہار علیٰ غیبہٖ کے معنی مسلط کر کے علم غیب کے بارے میں اپنا بے بنیاد عقیدہ داخل کیا ہے۔

(۱۶) وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (پ۳۰، الضحیٰ: ۷) اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔ ص ۸۳۶

اس میں اپنی محبت میں اور اپنی طرف کے الفاظ لفظی ترجمہ میں داخل کر کے اپنے غلو کا ثبوت دیا ہے۔

(۱۷) اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ (پ۲۹، المزمل: ۱۵) بیشک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجے کہ تم پر حاضر ناظر ہیں ص ۸۳۶

اس میں بھی خانصاحب نے شاہد کا معنی اور لفظی ترجمہ حاضر ناظر کر کے محض اپنے بے بنیاد عقیدہ کی پاسبانی کی ہے۔

قارئین کرام! ہم نے خانصاحب سے قرآن کریم کی متعدد آیات کریمات کے غلط تراجم کے چند نمونے باحوالہ عرض کر دیئے ہیں فرصت نہیں کہ ان کے پورے ترجمہ کو بالاستیعاب دیکھا جا سکے اور چند اغلاط کی طرف ہم نے تنقید متین میں اشارہ کیا تھا مثلاً خانصاحب وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ کا معنی کرتے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں (ص ۱۹۴) جس کی تفسیر ان کے لائق شاگرد صدر الافاضل مرادآبادی یہ کرتے ہیں نہ میرا دعویٰ ذاتی غیب دانی کا ہے الیٰ ان قال اس آیت سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم عطائی کی نفی کس طرح مراد نہیں ہو سکتی الخ (ص ۱۹۴) اور مثلاً خانصاحب قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا کا معنی ایک مقام میں یہ کرتے ہیں یہ تم فرما دو میں اپنی جان کے بھلے برے کا خود مختار نہیں (ص ۲۵۳) اور ان کے شاگرد رشید مرادآبادی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں

تو حاصل کلام یہ ہوگا کہ اگر ہیں نفع وضرر کا ذاتی اختیار رکھنا الخ (ص ۲۵۳) قرآن کریم کی کسی ایک آیت کریمہ کا غلط ترجمہ بھی سنگین جرم ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خانصاحب نے اپنے تمام غلط عقیدے مثلاً علم غیب عطائی ۔ ماکان و مایکون کا علم ۔ عطائی اختیارات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا اور حقیقت میں نور ہوتے ہوئے ظاہر صورت بشری میں جلوہ گر ہونا وغیرہ وغیرہ قرآن کریم کے لفظی ترجمہ میں گھسیٹر دیئے ہیں اور یہ تمام مشرکانہ عقیدے ہیں اس سے بڑھ کر قرآن کریم کی تحریف اور کیا ہو سکتی ہے ؟ اور اس سے بڑا ظلم قرآن کریم پر اور کیسا ہو سکتا ہے ؟ افسوس ہے کہ علماء کرام کی اکثریت اس کی طرف توجہ نہیں دے رہی ۔ اگرچہ بعض علمائے کرام نے اب بعض اغلاط کی نشان دہی کی ہے مگر آنے والی نسلوں کو تحریف معنوی سے بچانے کے لئے جتنی محنت درکار ہے وہ نہیں ہوئی اور نہ ہو رہی ہے ہمارا مقصد یہاں ان عقائد پر بحث کرنا نہیں ہے کیونکہ بفضلہ تعالیٰ ہم نے مسئلہ علم غیب پر ازالۃ الریب میں اور مسئلہ حاضر و ناظر پر تبرید النواظر اور تفریح الخواطر میں اور مسئلہ مختار کل پر دل کا سرور میں اور مسئلہ نور و بشر پر تنقید متین میں باحوالہ مبسوط بحث کر دی ہے یہاں تو صرف خانصاحب کی بعض اغلاط کی نشاندہی کرنا ہے جو قارئین کرام کے سامنے ہے ہم تو خانصاحب اور ان کے حواریوں سے بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ ع

خویش را تاویل کن نے ذکر را

ہمارا مقصد خانصاحب کے ترجمہ کی اغلاط کا استیعاب نہیں اور نہ یہ ہمارے بس کا روگ ہے صرف چند اغلاط کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ انہوں نے لفظی ترجمہ میں اپنے اختراعی اور خود ساختہ عقائد کے اثبات کے لئے کس دیدہ دلیری اور جسارت سے کام لیا ہے اور ان کے لائق شاگرد مراد آبادی صاحب کی بعض تفسیری اغلاط کا کچھ نمونہ بھی ہم نے تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین میں عرض کر دیا ہے بجائے اس کے کہ فریق مخالف ان اغلاط کو ٹھنڈے دل سے سوچتا اور آنے والی نسلوں کو اس تحریف معنوی سے بچانے کی فکر کرتا اور خود اس تحریف معنوی سے بیزاری کا اظہار کرتا ۔ الٹا انہوں نے اس کی تائید کی ٹھان لی ہے اور فریق مخالف کے بقول ان کے محقق اور مدقق وکیل نے توضیح البیان نامی ایک کتاب

لکھ ماری ہے جو چار سو تئیس صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں وہی پرانی اور فرسودہ باتیں اور تاویلیں پیش کی گئی ہیں جو ان کے بڑے پیش کرتے چلے آتے ہیں جن میں اکثر باتوں کا ٹھوس اور باحوالہ جواب ہم اپنی متعدد کتابوں میں دے چکے ہیں ایسا لگتا ہے کہ مؤلف توضیح البیان نے ان کو دیکھا اور پڑھا ہی نہیں اور یا کبوتر کی طرح بالکل ان سے آنکھیں ہی بند کر لی ہیں، انہوں نے اپنی کتاب میں تعلی، لن ترانی اور چیلنج بازی کے ذریعہ مفت میں ایک دشوار گھاٹی کو سر کرنے اور اپنے ناخواندہ حواریوں کو مغالطہ دینے اور ان سے سستی داد تحسین حاصل کرنے کی بے جا کاوش کی ہے مگر علمی اور تحقیقی میدان میں ان مغالطہ آفرینیوں کا کیا مقام ہے؟ اور ان سے اہل علم کب مغالطہ کھاتے اور کھا سکتے ہیں؟ وہ تو ان مغالطات کے دام ہمرنگ زمین سے نکلنے کے لئے قطعاً کوئی دشواری محسوس نہیں کریں گے کیونکہ ؎

ہے یاد مجھے نکتۂ سلمان خوش آہنگ دنیا نہیں مردانِ جفاکش کے لئے تنگ

توضیح البیان کے سطحی مغالطات کے جوابات کی سرے سے کوئی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ ان میں سے بیشتر مغالطات کے جوابات ہم اپنی کتابوں میں دے چکے ہیں جن کا کوئی معقول جواب فریق مخالف نے تاہنوز ہمیں نہیں دیا اور نہ آئندہ کسی صحیح و معقول علمی جواب کی ان سے کوئی توقع ہے۔ دیدہ باید۔ اور بعض ایسے بیجان مغالطات ہیں جن کو عالم اور محقق تو کیا ایک معمولی سمجھ والا آدمی بھی بخوبی دلائل کے سیلاب میں ڈبو سکتا ہے مگر چونکہ عوام الناس بڑے سطحی قسم کے ہوتے ہیں اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں وہ اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں کہ موٹی ضخیم اور حجم والی کتاب توضیح البیان کا جواب ہے جبھی تو اس کا جواب کسی سے نہیں ہو سکا اس لئے ہم نے اس کا جواب دینا ضروری سمجھا ہے ہم اس کتاب میں ان کے قابلِ قدر اور بزعم ان کے مشکل اور لاینحل مغالطات کو نقل کر کے ان کے اختصار سے جوابات عرض کریں گے جن سے اصل حقیقت نکھر کر سامنے آجائے گی اور عامۃ المسلمین حقیقت کی تہ تک پہنچ جائیں گے کیونکہ جب طرفین کے دعاوی اور دلائل سامنے نہ آئیں تو کاروائی یک طرفہ رہتی ہے اور حقیقت کھل کر سامنے نہیں آتی اسی لئے تو جمہوری ملکوں میں حزب اختلاف کا

وجود ملکی اور ذہنی مسائل کو حل کرنے کے لئے ضروری تصور کیا جاتا ہے اور جمہوری ممالک میں حزبِ اختلاف کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ؎

وہی جہاں ہے تیرا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں جو تیری نگاہ میں ہے

اور جب قارئین کرام کو ذہنی مغالطات کی حقیقت معلوم ہو جائے گی تو دیگر عام مغالطات کی حقیقت خود بخود سامنے آجائے گی اور السکوت فی معرض البیان بیان کا علمی لطف آجائے گا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ مؤلف توضیح البیان کو بھی اپنے گلشن کی حقیقت معلوم ہو جائے گی اور شاید ان کو یوں گویا ہونا پڑے کہ ؏

گلشن میں کچھ بہار کے ساماں ہوئے تو ہیں

باب اوّل

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی مَنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ نَبِیِّنَا وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۔ وَقَالَ اَیْضًا وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَھُمُ الْبَغْیُ ھُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ۝ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا ۔ وَقَالَ اَیْضًا اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ اَمَّا بَعْدُ ۔ جتنا مظلوم اس دور میں اسلام ہے شاید ہی اتنا مظلوم کوئی اور ہو جس کی عالم اسباب میں وجہ یہ ہے کہ اس کا مؤثر نگران اور مدافع کوئی نہیں دنیا میں غلط سے غلط آرڈر اور حکم کی حفاظت کے لئے سنگینوں کی نوکیں ہر وقت تیار رہتی ہیں لیکن اس مظلوم کی جو من مانی تعبیر اس دور میں کوئی کر دے کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہے حتّٰی کہ غیر اسلامی اُمور کو خالص اسلام بنانے والے موجود ہیں مگر ان پر کوئی قدغن نہیں اور ضروریات دین کے منکر اور ماؤل موجود ہیں مگر ان پر کوئی پابندی نہیں مگر آہ اس پر بھی ؎

مری حسرت کی نظروں ہی پہ ظالم اس قدر بگڑا
کہیں درد جگر سے چشم تر ہوتی تو کیا ہوتا

اس پیش نظر کتاب میں ہم محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے توضیح البیان کی اصل عبارت اور کہیں اس کا ماحصل با حوالہ نقل کر کے تردید کریں گے اُس کے مفہوم کو اور ہمارے جوابات کو

بنظرِ غائر و انصاف دیکھنا قارئین کرام کا کام ہے۔

غیب بتانے والے نبی خانصاحب نے یاایھا النبی کے معنی اے غیب بتانے والے نبی کئے ہیں ہم نے اس پر تنقید متین میں گرفت کی کہ اگر غیب سے بعض خبریں مراد ہے تو بجا ہے لیکن اگر کلی غیب مراد ہے جس میں تمام خبریں شامل ہوں تو یہ درست نہیں (اور خانصاحب غیب سے کلی غیب ہی مراد لیا کرتے ہیں) کیونکہ نبوت تو آپؐ کو غارِ حرا میں عطا ہوئی تھی اور پہلی وحی ملنے کے ساتھ ہی آپؐ نبی تھے مگر آپؐ کو غیب کی سب خبریں وہاں عطا نہیں کی گئی تھیں تو کیا معاذ اللہ تعالیٰ آپؐ اس وقت نبی نہ تھے؟ (محصلہ ص ۲۶، ۲۷) اس پر مؤلف توضیح البیان گرفت کرتے ہوئے اور بزعم خویش علمی دھاک بٹھلاتے ہوتے موج میں آکر بارہ جوابات دیتے ہیں جن کا خلاصہ مع جوابات درج ذیل ہے۔

اوّل۔ علامہ قاضی عیاضؒ نبی کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں (ہم نے عربی عبارت اختصاراً ترک کر دی ہے اور ترجمہ مؤلف توضیح البیان کا ہی ہے اور آئندہ بھی ہم اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے عربی عبارات نہیں نقل کریں گے بلکہ ترجمہ پر ہی اکتفا کریں گے الا ماشاء اللہ تعالیٰ۔ صفدر) نبی اسے کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ غیب پر مطلع کر دے اور اسے یہ بتلا دے کہ وہ نبی ہے۔ اور اس وقت نبی فعیل بمعنی مفعول کے ہوگا یا نبی کا معنی ہے جو ان (امور غیبیہ) کی خبر دے جنہیں اللہ نے اسے دے کر بھیجا ہے اور اس وقت فعیل بمعنی فاعل ہوگا (شفاء ج ۱ ص ۱۶۰) قاضی عیاضؒ کے کلام سے ثابت ہوا کہ نبی کا معنی غیب جاننا بھی ہے اور غیب بتلانا بھی اگر بمعنی مفعول ہو تو غیب جاننا معنی ہے اور اگر بمعنی فاعل ہو تو غیب بتلانا اس کا معنی ہے اور یہی قاضی عیاضؒ شفاء ج ۱ ص ۱۶۱ پر لکھتے ہیں نبوت غیب پر مطلع ہونے کا نام ہے انتہیٰ بلفظہ (ص ۳۵، ۳۶ توضیح البیان معروضات)

الجواب: مؤلف مذکور نے اپنے پیشرو بزرگوں کی طرح علامہ قاضی عیاضؒ کی اس عبارت سے صریح دھوکہ دینے کی بیجا کوشش کی ہے کیونکہ جو بات ہم نے تنقید متین میں کہی ہے شفا کی یہ عبارات سرِ مو اس کے خلاف نہیں بلکہ عین مطابق ہے کیونکہ ہم نے

یہ کہا تھا کہ غیب سے اگر بعض خبریں مراد ہے تو بجا ہے اور اگر کل غیب مراد ہے تو یقیناً غلط ہے اور یہی کچھ قاضی عیاض رحؒ فرماتے ہیں کاش کہ مؤلف مذکور اگر شفا کی دوسری مفصل عبارات کو بھی پیش نظر رکھتے تو معاملہ صاف کھل کر سامنے آجاتا چنانچہ قاضی عیاض رحؒ تحریر فرماتے ہیں۔

فاما ما تعلق منها بامر الدنیا فلا یشترط فی حق الانبیاء العصمۃ من عدم معرفۃ الانبیاء ببعضها او اعتقادها علی خلاف ما ھی علیہ ولا وصم علیھم فیہ اذھمتنھم متعلقۃ بالآخرۃ وانبائھا وامر الشریعۃ وقوانینھا وامور الدنیا تضادھا الخ (شفا ص۲۵۴)

بہرحال وہ علوم جن کا تعلق دنیوی اُمور سے ہے سو ان میں سے بعض کے نہ جاننے سے اور ان کے متعلق خلاف واقعہ اعتقاد قائم کر لینے سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا معصوم ہونا ضروری نہیں ہے اور ان اُمور کے نہ جاننے کی وجہ سے اُن پر کوئی دھبہ نہیں آتا کیونکہ ان کی تمام تر ہمت اور توجہ آخرت اور اس کی خبروں اور شریعت اور اس کے قوانین کے ساتھ متعلق ہے اور دنیوی اُمور ان کے برعکس ہیں۔

علامہ قاضی عیاض رحؒ کی یہ صریح اور غیر مبہم عبارت صاف طور پر یہ بتاتی ہے کہ نبی کے لئے تمام اُمور کا علم ضروری نہیں اور نہ یہ نبی کے معنی اور اس کے مفہوم میں شامل ہے۔ مؤلف مذکور کے رد کے لئے قاضی عیاض رحؒ کی یہ عبارت ہی بالکل کافی ہے اس کی مزید تفصیل ازالۃ الریب میں ملاحظہ فرمائیں۔

دوم۔ مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ علامہ شیخ قاسم رحؒ المتوفی ۸۷۹ھ شرح مسائرہ میں نبی کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لفظ نبی فعیل بمعنی مفعول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی سے اسرار غیبیہ کی خبریں دی ہیں بلفظہٖ شرح مسائرہ مع المسائرہ ص۲۱۷ (ص۳۶ معروضات)

الجواب: یہ حوالہ بھی مؤلف مذکور کو سود مند نہیں ہے کیونکہ نزاع اس امر میں ہے

کہ نبی کے معنی اور مفہوم میں تمام خبروں کا جاننا اور بتانا داخل ہے یا نہیں ؟ سو علامہ قطلو بغا رحؒ کی اس عبارت سے تو یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ نبی کے مفہوم میں تمام خبریں جاننا اور بتانا داخل ہے وہ خود اس کے خلاف تصریح کرتے ہیں۔

انما نهى عن الكلام فى حقيقة الروح وهى غير معلومة للبشر اصلاً بل هى فى علم الله تعالىٰ الذى احاط بكل شئ علمًا (شرح المسايره ج ۲ ص۱۰۹ طبع مصر)	حقیقتِ روح کے بارے میں کلام کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اور یہ بشر کو اصلاً معلوم نہیں بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے جس نے ہر چیز کو علم میں احاطہ کر رکھا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ روح کی حقیقت بقول علامہ قاسم رحؒ کسی بشر کو معلوم نہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نبی بھی شامل ہیں اگر نبی کے مفہوم اور معنٰی میں ہر ہر چیز کو جاننا اور اس کی خبر دینا داخل ہوتا تو ضروری امر ہے کہ روح کی حقیقت کا علم بھی ان کو ہوتا جس کی وہ خبر دیتے بلکہ اس سے زیادہ صراحت سے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

قال عبد الله بن بريدة ان الله تعالىٰ لم يطلع على الروح ملكًا مقربًا ولا نبيًا مرسلًا (ايضًا ج ۲ ص۱۰۱)	امام عبد اللہ بن بریدہؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے روح (کی حقیقت) پر نہ تو کسی مقرب فرشتہ کو اطلاع دی ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو

ان کی ایسی تصریح کی موجودگی میں یہ دعوٰی کرنا اور لوگوں کو یہ باور کرانا کہ نبی کے معنی اور مفہوم میں ہر ہر چیز کا جاننا اور اس کے بارے میں خبر دینا داخل ہے قطعاً بے بنیاد امر ہے اور حقیقت سے اس کا ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے ۔ نبوت کے لئے نزول وحی و قرآن سب سے بڑا اعزاز ہے ۔ ؎

یہ جلوۂ حق سبحان اللہ یہ نورِ ہدایت کیا کہنا ،
جس سینے میں قرآں اُترا ہو اس سینے کی عظمت کیا کہنا

سوم : مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ دس علماء دیوبند کی نقل زیخ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نبوۃ کا معنٰی ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام پاکر غیب کی بات بتانا اور نبی کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی بناء پر غیب کی باتیں بتانے والا (لغات المنجد عربی اردو ص۱۲۴)

اگر اعلیٰحضرت نے نبی کے معنی غیب بتلانے والا کیا ہے تو آپ کیوں سیخ پا ہو گئے ہیں بلکہ شامی کباب کی طرح جل بھن کر لگے ہذیان کرنے اپنے جغادری مولویوں کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا (محصلہ ص ۳۶ معروضات)

الجواب: علماء دیوبند کی نقل بیخ کا متفقہ فیصلہ بھی مؤلف مذکور کو ہرگز مفید نہیں اس لئے کہ علماء دیوبند کا جب نصوص قطعیہ کے تحت عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کلی غیب نہیں تو پھر ان کے مرضی کے خلاف ان کی عبارت سے یہ مطلب اور معنی کشید کرنا کہ وہ کلی غیب مراد لیتے ہیں قطعاً غلط ہے اور یہ بالکل توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کا مصداق ہے ان حضرات نے جو معنیٰ کیا ہے وہی کچھ ہم کہتے ہیں اور وہی کتب اسلام سے ثابت ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ سے بذریعہ وحی اطلاع پاکر غیب کی بعض خبریں بتاتے ہیں لیکن جب انہوں نے غیب کی ایک خبر بھی نہیں بتائی تھی صرف وحی ہی سے نوازے گئے تھے وہ نبی اس وقت بھی تھے لہذا معلوم ہوا کہ نبی کے مفہوم میں غیب شامل نہیں ہاں بعد کو اخبار غیب سے نوازے گئے۔

چہارم: مؤلف مذکور راقم اثیم کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ نے لکھا ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ سے وحی پاکر احکام خداوندی بتاتے ہیں اور غیب کی خبریں بھی بتلاتے ہیں دیکھئے اس عبارت میں آپ نے نبی علیہ السلام کے لئے عطائی علم غیب مان لیا، حالانکہ تنقید متین ص ۱۹۳ پر آپ لکھتے ہیں خانصاحب کا یہ بے بنیاد دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر نہیں بلکہ عطائی طور پر علم غیب حاصل تھا اور دل کا سرور کے سرورق کی پشت پر اپنی ایک کتاب کے اشتہار میں آپ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ذاتی اور عطائی ہر طرح علم غیب ماننا شرک ہے اب بتلایئے کہ آپ کے کلام میں اور ایک مجنون کی بڑ میں کیا فرق رہ گیا؟ آپ جس شئے کو ایک جگہ بے بنیاد اور شرک قرار دیتے ہیں دوسری جگہ اس کا اقرار و اعتراف کرتے ہیں (ص ۳۷ معروضات)

الجواب: مؤلف مذکور تو دل میں بڑے ہی خوش ہوتے ہوں گے کہ انہوں نے راقم اثیم کے کلام میں تظاہر تعارض قائم کر کے عظیم محاذ فتح کر لیا ہے اور ان کے علم و تحقیق سے

بے بہرہ ہم مسلک لوگ بھی اس جواب کو سنہری جواب تصور کرتے ہوں گے مگر یقین جانیے کہ اس میں مچھر کے پر جتنا وزن بھی نہیں ہے اور تنکوں کا یہ پل آپ لوگوں کو ہی مبارک ہو سکتا ہے عقل مندوں کو بات سمجھائی بھی جا سکتی ہے اور وہ خود ہر بات سمجھنے کی اہلیت بھی رکھتے ہیں مصیبت تو آپ جیسے مجنونوں کو سمجھانے کی ہے جن کی ساری ناکارہ زندگی چوری کھانے میں گذرتی ہے۔ اور خون دینے کی نوبت نسبتہً بہت ہی کم آتی ہے سو گذارش ہے کہ بحمد اللہ تعالیٰ راقم کے کسی کلام میں تعارض نہیں اور بفضلہ تعالیٰ راقم نے کامل استادوں سے تعلیم حاصل کی ہے اور کم و بیش چالیس تک پڑھایا ہے۔ راقم نے جو چیز ثابت کی ہے وہ غیب کی خبریں ہیں اور جس چیز کی نفی کی ہے وہ علم غیب ہے وہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر حاصل تھا اور نہ عطائی طور پر اگر آپ کو انباء الغیب اخبار الغیب اور علم غیب میں فرق معلوم نہیں یا آپ کے لائق استادوں نے آپ کو نہیں بتایا تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے! آپ دیوبندی مسلک کے کسی طالب علم ہی سے یہ فرق معلوم کر لیتے اور اب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہم نے یہ فرق ازالۃ الریب مسئلہ علم غیب اور حضرت ملا علی القاریؒ اور تفریح الخواطر وغیرہ کتابوں میں عرض کر دیا ہے۔ ملاحظہ کر لیں ؎

باغ عدن سے اے غم ہستی بہ صد نیاز
لایا ہوں ایک صید ترے دام کے لئے

پنجم و ششم و ہفتم مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ آپ نے تحریر کیا ہے لیکن جس مطلق اور کلی غیب کے اثبات کے درپے خانصاحب ہیں اس کا علم اور بتانا کسی طرح نبی کے معنی و مفہوم اور ان کے منصب میں داخل نہیں ہے؟ اعلیٰ حضرت نے تو یا ایہا النبی کا معنی اے غیب بتانے والے نبی بتلاتے ہیں تو تم نے کلی غیب کہاں سے لیا جبکہ اعلیٰ حضرت نے کلی غیب کا ذکر نہیں کیا پھر کلی غیب پر غیض و غضب اور اعلیٰ حضرت کے صحیح ترجمہ پر ناراضگی کا کیا جواز۔ آپ اپنے فرقہ کے عالم دین سمجھے جاتے ہیں سفید جھوٹ نہ بولا کیجئے آپ نے کلی کا پیوند لگا کر اسرائیلی ذہن کا مظاہرہ کیا ہے اور اگر

یہ کہا جائے کہ اگرچہ خانصاحب نے یہاں کلی کا ذکر نہیں کیا لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے لہذا یہ بھی اسی پر محمول ہے تو جواب یہ ہے کہ عقیدہ تو امور غیبیہ سے ہے جب آپ کے نزدیک رسول اللہ سے علم غیب منتفی ہے تو آپ پر یہ غیب کیسے منکشف ہو گیا؟ اور اگر مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تحریر سے یہ عقیدہ ثابت ہے تو چشم ما روشن دل ما شاد اعلیحضرت کی وہ نص پیش کیجئے جس سے یہ ثابت ہو کہ نبی وہ ہوتا ہے جو کلی غیب کو جانے میں آپ کو تمام متبعین دیوبند سمیت چیلنج کرتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت کی کسی عبارت سے یہ عقیدہ ثابت کریں اور اگر نہ ثابت کر سکے اور ان شاء اللہ قیامت تک ثابت نہ سکیں گے تو اپنے اس جھوٹ و افتراء سے رجوع کر لیں (محصلہ ص ۳۷ و ۳۸ معروضات)

الجواب: مؤلف مذکور کو غصہ تھوک دینا چاہیئے غصہ کسی دلیل اور برہان کا نام نہیں ہے اگر خان ہونے کی وجہ سے آپ راقم کو اسرائیلی ذہن کا مالک کہتے ہیں تو معاف رکھنا آپ کے اعلیحضرت بھی خانصاحب ہی تھے اس لئے وہ بڑے اور راقم اسرائیلی کہلائیں گے اور ان کا متشددانہ ذہن تو آپ اور آپ کی جماعت سے بھی مخفی نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ مولانا کوکب صاحب کے علاوہ آپ تمام حضرات ملی بھگت کر کے خانصاحب کے متشدد ہونے کے باوجود ان کے اخلاق کے ترانے اور گیتیں گاتے رہیں تو اس سے حقیقت تو نہیں چھپ سکتی۔ حقیقت آخر حقیقت ہی ہوتی ہے۔ بلا شبہ اس مقام پر خانصاحب نے لفظ کلی تو نہیں بولا مگر وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ابتداء آفرینش سے تا دخول جنت و نار سب ماکان و ما یکون اور ان میں سب اشیاء کا احاطہ اور ہر ہر ذرہ کا تفصیلی علم مانتے ہیں اور اسی کا نام ہماری اصطلاح میں کلی علم غیب ہے جس کو خانصاحب اپنی بعض کتابوں میں بعض علم غیب سے تعبیر کرتے ہیں ولا مشاحۃ فی الاصطلاح گویا خانصاحب کا بعض بھی سارے جہان کے کُل سے لمبا ہے ہم تو بفضلہ تعالیٰ جھوٹ نہیں بولتے نہ سفید نہ رنگیلا لیکن آپ بھی آخر مولوی ہیں کم از کم رنگیلے جھوٹ ہی سے اجتناب کیا کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ

دیگراں را نصیحت اور خود میاں فضیحت

کا مصداق ہو جائیں خانصاحب نے اگرچہ لفظاً اس مقام پر کلی کا ذکر نہیں کیا لیکن وہ عموماً اور ہر مقام پر لفظ غیب سے جمیع ما کان وما یکون ہی مراد لیتے ہیں اور اہل حق سے اُن کا اختلاف اور نزاع بلکہ عناد بھی اسی بات میں ہے اس لئے اُن کے ذہن کے مطابق یہاں کلی ہی مراد ہے۔ رہا آپ کا یہ کہنا کہ عقیدہ تو امور غیبیہ سے ہے جب آپ کے نزدیک رسول اللہ سے علم غیب منتفی ہے تو آپ پر یہ غیب کیسے منکشف ہو گیا؟ سو گذارش یہ ہے کہ آپ کا یہ جملہ مجنونوں کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اس لئے کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ علم غیب اور چیز ہے جس کی نفی ہے۔ اور اُمور غیبیہ یا اخبار الغیب اور انباء الغیب اور چیز ہے جس کا دلائل قطعیہ سے ثبوت ہے جب نفی اور ثبوت کا محل ایک نہیں تو ان کو آپس میں ٹکرانے کا کیا مطلب؟ باقی آپ کا راقم اثیم کو تمام علماء دیوبند سمیت سے یہ چیلنج کرنا کہ آپ کے اعلیٰ حضرت کی کسی عبارت سے یہ بتایا جائے اور بزعم آپ کے یہ قیامت تک ناممکن ہے تو یہ چیلنج آپ کی اپنے اعلیٰ حضرت کی کتابوں سے جہالت کا رونا ہی نہیں رو رہا بلکہ کھلا نوحہ کر رہا ہے افسوس کہ آپ کو اپنے ہی اعلیٰ حضرت کی مغالطات سے پُر تالیفات ہی کا علم ہوتا تو بھی ایک بات تھی سر دست ہم آپ کا غرور توڑنے کے لئے چند حوالے عرض کرتے ہیں اگر آپ نے اس کے خلاف قلم اٹھایا تو پھر انشاء اللہ العزیز ہم مزید کچھ عرض کریں گے۔ یار زندہ صحبت باقی۔

(۱) آپ کے اعلیٰ حضرت امام قسطلانی رح کی مواہب لدنیہ (کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے یا اپنا مزعوم عقیدہ کشید کرتے ہوئے صفدر) کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں

النبوۃ ھی الاطلاع علی الغیب — نبوت کے معنی ہی یہ ہیں کہ غیب کا جاننا۔

(خالص الاعتقاد ص۲۵)

(۲) آپ کے اعلیٰ حضرت حضرت مجاہد رح کے منافقین سے متعلق ایک بے سند اثر کو (جو درمنثور ج۳ ص۲۵۴ وغیرہ میں منقول ہے) قرآن کریم کی آیت کریمہ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ الآیۃ کا شانِ نزول قرار دے کر بڑی موج میں آ کر اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے ہوئے یہ لکھتے ہیں۔ یہاں اللہ عزوجل یہ حکم لگا رہا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیب دانی

سے منکر ہو وہ کافر ہے وہ اللہ ورسول سے ٹھٹھا کرتا ہے وہ کلمہ گوئی کرکے مرتد ہوتا ہے۔ الخ (خالص الاعتقاد ص۲۷) وما ہو بالغیب ؟ کا جملہ حضرت مجاہد رح کا قول ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد بتا کر یہ لکھنا کہ یہاں اللہ عزوجل یہ حکم لگا رہا ہے الخ خانصاحب کی بے انتہا دیدہ دلیری ہے قطع نظر اس بات سے ان دونوں حوالوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نبوت کے معنی ہی یہ ہیں کہ غیب کا جاننا اور بقول خانصاحب جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب دانی سے منکر ہو وہ کافر ہے اس سے بصراحت یہ معلوم ہوا کہ نبوت کے مفہوم میں غیب دانی شامل ہے اور اس کا انکار کفر و ارتداد ہے اب یہ ملاحظہ کیجئے کہ خانصاحب کے نزدیک جو غیب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ثابت ہے وہ کیسا ؟ اور کتنا ہے چنانچہ خانصاحب لکھتے ہیں۔

(۳) بیشک حضرت عزت عظمتہ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمامی اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا شرق تا غرب عرش تا فرش سب انہیں دکھایا ملکوت السموٰت والارض کا شاہد بنایا، روز ازل سے روز آخر تک کا سب ما کان وما یکون انہیں بتایا اشیائے مذکورہ سے کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا علم عظیم حبیب کریم افضل الصلوٰۃ والتسلیم ان سب کو محیط ہوا نہ صرف اجمالاً بلکہ ہر صغیر و کبیر ہر رطب و یابس جو پتہ گرتا ہے زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ کہیں پڑا ہے سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا والحمد للہ حمداً کثیراً بلکہ یہ جو کچھ بیان ہوا ہرگز ہرگز محمد رسول اللہ کا پورا علم نہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین وکرم بلکہ علم حضور سے ایک چھوٹا حصہ ہے ہنوز احاطہ علم محمدی میں وہ ہزار در ہزار بے حد و بےکنار سمندر لہرا رہے ہیں جن کی حقیقت وہ جانیں یا اُن کا عطا کرنے والا ان کا مالک مولیٰ جل وعلا والحمد للہ العلی الاعلیٰ الخ

(انباء المصطفیٰ ص۳)

فرمائیے جناب روز ازل سے روز آخر تک کوئی چیز ایسی باقی رہ جاتی ہے جو بقول خانصاحب کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم نہ ہو بلکہ بقول خانصاحب کے یہ سب کچھ ایک چھوٹا حصہ ہے جو آپ کے سمندر بے کنار کے ہزار در ہزار حصہ کو بھی نہیں

پہنچا اور لطف یہ ہے کہ یہ سارا کچھ بقول خانصاحب کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف اجمالاً ہی معلوم نہیں بلکہ ہر ہر ذرّہ تفصیلاً معلوم ہے فرمایئے کلّی غیب اور کس بلا کا نام ہے ؟ اور یہ سب کچھ خانصاحب کی عبارت سے ثابت ہے

(۴) خانصاحب نکرہ کے تحتِ نفی میں واقع ہونے اور لفظ کل کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں تو بحمد اللہ تعالیٰ کیسے نص صریح قطعی سے روشن ہوا کہ ہمارے حضور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم کو اللہ تعالیٰ عزوجل نے تمام موجودات جملہ ما کان وما یکون الیٰ یوم القیٰمۃ جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا اور شرق وغرب، وسماء وارض وعرش وفرش میں کوئی ذرّہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا وللہ الحجۃ السامیۃ اھ (ابناء المصطفیٰ ص۲) جناب! یہ آپ کے اعلیحضرت ہیں جو عبارت کی ٹی ٹی سے بول رہے ہیں اس سے زیادہ صراحت اور کس طرح ہو سکتی ہے ؟ اور آپ کس جہالت میں مبتلا ہو کر راقم اثیم اور علماء حق علماء دیوبند کو چیلنج کر رہے ہیں ؟ معاف رکھنا یہ آپ کے درس کا مخصوص یا فہم و بصیرت سے محروم تلامذہ کا حلقہ نہیں کہ آپ جو بیان کر دیں اس پر وہ سر دھنتے رہیں اور واہ واہ کی صدا بلند کرتے رہیں یہاں بفضلہٖ تعالیٰ آپ کے مغالطات اور مکائد کو مخفی گوشوں سے اُجاگر کرنے والے اور آپ کے مبلغ علم کو طشت از بام کرنے والے بھی موجود ہیں۔ باقی خانصاحب جس طرز استدلال کو نص صریح قطعی سے تعبیر کرتے ہیں وہ ان کا صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے اس کی پوری تحقیق ازالۃ الریب میں ملاحظہ فرمائیں یہ یاد رہے کہ خانصاحب کا یہ دعویٰ کہ روز ازل سے روز آخر تک کی تمام اشیاء اور ہر ذرّہ ذرّہ کا تفصیلی علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہے ایک تو کفریہ دعویٰ ہے اس لئے نہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ مساوات لازم آتی ہے۔ (کیونکہ مساوات علم باری کا کسی کے نزدیک وہم و تصور بھی نہیں) اور نہ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بالاستقلال اور ذاتی طور پر ان مذکورہ اشیاء کا علم ثابت کیا جا رہا ہے (کیونکہ غیر اللہ کے لئے بالاستقلال اور ذاتی علم کا کوئی بھی

قائل نہیں) بلکہ اس لئے یہ نظریہ اور عقیدہ کفریہ ہے کہ اس سے بیشمار نصوص قطعیہ قرآنیہ کا رد یا کم از کم تاویل لازم آتی ہے اور ضروریات دین میں تاویل بھی کفر سے نہیں بچاتی (ملاحظہ ہو عبارات الحکیم علی الخیالی ص۱۲۶ اور مزید تحقیق ازالۃ الریب میں دیکھیں)

ششم: مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ غیب کلی سے کیا مراد ہے۔ جمیع معلومات الٰہیہ؟ اگر یہ مراد ہے تو اعلیٰ حضرت نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور کے علم کو اللہ کے علم کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر کے ساتھ ہوتی ہے (الملفوظ ج۱ ص۶۴) اور اگر جمیع ما کان وما یکون مراد ہے تو اس کا حصول تدریجی طور پر نبی علیہ السلام کے لئے دلائل قاہرہ سے ثابت ہے لیکن اس سے یہ کیسے لازم آگیا کہ نبی کے مفہوم میں کلی غیب کا جاننا داخل ہے اس کی پوری بحث اس کتاب کے باب علم غیب میں آرہی ہے۔ (محصلہ ص۳۸ و ۳۹ مسرضات)

الجواب: خانصاحب غیب کلی سے جمیع معلومات الٰہیہ مراد نہیں لے رہے اور نہ ہمارا ان کے خلاف یہ دعویٰ ہے اور نہ یہ الزام ہے وہ علم غیب کلی کا اطلاق جمیع ما کان وما یکون پر ہی کرتے ہیں جیسا کہ پہلے ان کی عبارات کے حوالہ سے یہ بات عرض کی جاچکی ہے لیکن تدریجی طور پر جمیع ما کان وما یکون کے علم کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حصول پر آپ کے پاس اور آپ کے خانصاحب کے پاس کونسی قطعی دلیل موجود ہے؟ ذرا مہربانی فرما کر اس قطعی الدلالۃ آیت کریمہ یا خبر متواتر یا اجماع قطعی کا حوالہ تو دیں اور اپنی علمی پٹاری سے ایسی دلیل نکالیں تو سہی دلائل قاہرہ کا ذکر ہی چھوڑیئے ایک ہی دلیل قاہر اور صریح پیش کر دیجئے کہ اس دلیل قاہر سے جمیع ما کان وما یکون کا علم آپ کے لئے ثابت ہے اور اس کے بعد وحی کا ایک حرف بھی نازل نہیں ہوا (کیونکہ آخر وہ بھی تو ما کان وما یکون میں داخل ہے) میں آپ کو اور آپ کی پوری جماعت کو چیلنج کرتا ہوں کہ ایسی کوئی قطعی اور صریح دلیل پیش کریں اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک آپ پیش نہیں کر سکیں گے دیدہ باید۔ باقی یہ بات پہلے عرض کی جاچکی ہے کہ آپ کے خانصاحب نبوت کے مفہوم ہی میں غیب کا جاننا

ثابت کرتے ہیں اور غیب بھی وہ جس کا تذکرہ خود ان کی عبارات سے نقل کیا جا چکا ہے اور خود مؤلف مذکور نے بھی اس عبارت میں جمیع ما کان وما یکون پر کلی غیب کا اطلاق تسلیم کیا ہے باقی آپ کی پوری بحث جب باب علم غیب میں آئے گی تو ہم بھی ضرورت پڑی تو انشاء اللہ تعالیٰ وہاں کچھ عرض کریں گے کیونکہ بفضلہ تعالیٰ ع کلک ما نیز زبانے وبیانے دارد

نہم ۹: مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ اس عبارت میں سرفراز صاحب نے کہا ہے کہ حضور کے لئے مطلق غیب نہ ثابت ہے نہ منصب نبوت کے لائق ہے کاش آپ نے شرح تہذیب ہی کسی بریلی کے طالب علم سے پڑھی ہوتی تو آپ کو سمجھا دیتا کہ مطلق الشئ یتحقق بتحقق فردما سرفراز صاحب مطلق غیب تو غیب کے ایک فرد کے ثبوت سے بھی ہو جائے گا یا دیوبند کے عشاق رسول کے نزدیک رسول اللہ کے لئے علم غیب کا ایک فرد بھی ثابت نہیں (ص ۳۱)

الجواب: بحمد اللہ تعالیٰ سرفراز تو چالیس سال سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھا پڑھا کر بوڑھا ہو گیا ہے اس کو بفضلہ تعالیٰ اب کوئی کتاب کسی محقق دیوبندی عالم سے بھی پڑھنے کی ضرورت نہیں چہ جائیکہ وہ کسی بریلی سے اور پھر مبتدی طالب علم سے پڑھے مگر معاف رکھنا آپ خود علم سے بے بہرہ ہیں اور ہمہ دانی کے جہل مرکب کا شکار ہیں زیادہ مناسب ہے کہ آپ بھی کسی دیوبندی عالم سے بھی کچھ عرصہ استفادہ کریں تاکہ آپ کو علم سے بھی کوئی حصہ حاصل ہو جائے آپ کے معلومات کے لئے عرض ہے کہ ایک ہے الغیب المطلق اور ایک ہے مطلق الغیب بالفاظ دیگر ایک ہے الشئ المطلق اور ایک ہے مطلق الشئ ان دونوں میں بڑا فرق ہے مطلق الشئ کا تحقق تو ایک فرد کے تحقق سے بھی ہو جاتا ہے لیکن الشئ المطلق عام ہے وہ اپنے تمام افراد کے ایک ایک فرد کے لئے عام ہے اس کا تحقق کسی ایک فرد کے تحقق سے پورا نہیں ہوتا اس کا تحقق جبھی ہوگا جب اس کے تمام افراد متحقق ہو جائیں آپ اپنے مطالعہ کو ذرہ وسعت دیں اور شرح تہذیب سے آگے نکل کر اور علمی کتابیں بھی دیکھیں صرف

آپ کی راہنمائی کے لئے ہم ایک حوالہ یہاں عرض کئے دیتے ہیں آپ حافظ ابن القیمؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) کی کتاب بدائع الفوائد ج ۴ ص ۱۶۱ تا ۱۶۲ کا ملاحظہ کریں جہاں انہوں نے الامر المطلق اور مطلق الامر وغیرہ الفاظ کے علمی طور پر دس فرق بیان کئے ہیں اور بات اپنے کسی لائق اور کہنہ مشق استاد سے (بشرطیکہ دستیاب ہو جائے) دریافت فرمائیں کہ کلی غیب کے جملہ کے ساتھ جو لفظ مطلق بولا جاتا ہے اس سے الغیب المطلق مراد ہوتی ہے یا مطلق الغیب؟ بحمداللہ تعالیٰ علماء دیوبند جو صحیح معنی میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشاق میں سے ہیں وہ تو اس کا فرق بخوبی جانتے ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ مثبت کیا چیز ہے اور منفی کیا چیز ہے؟ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی جماعت کو بھی سمجھ عطا فرمائے تاکہ ضلوا واضلوا کے چکر سے نکل کر لوگوں کی صحیح راہنمائی کر سکیں کیونکہ سمجھے بغیر کتابیں پڑھنا اور پڑھانا بحمل اسفاراً کا مصداق تو ہو سکتا ہے لیکن اس سے فہم وبصیرت اور خدا خوفی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

دہم مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ آپ نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے کہ نبی غیب کی خبر بتاتے ہیں اس کے بعد لکھتے ہیں کہ مطلق غیب نبی کے لئے ثابت نہیں کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مطلق غیب بعض امور غیبیہ کے منافی ہے اگر آپ کو مطلق غیب اور بعض امور غیبیہ کے مطلب کی سمجھ نہیں تو کسی سے سمجھ کر تصنیف شروع کی ہوتی، اگر سمجھ تھی تو پھر کیا نشہ میں ڈوب کر لکھ رہے تھے الخ (ص ۲۹)

الجواب۔ الحمدللہ تعالیٰ راقم کو تصنیف شروع کرنے سے پہلے ہی ایسی علمی اصطلاحات کی سمجھ تھی کیونکہ جن اساتذہ کرام سے راقم اثیم نے پڑھا ہے وہ اپنے وقت کے ماہر استاد تھے البتہ گذارش ہے کہ آپ کو اعتراض کرنے سے پہلے ایسی علمی اصطلاحات کی ضرور تمیز حاصل کر لینی چاہیئے تھی تاکہ شرمندگی حاصل نہ ہوتی یہاں مطلق غیب سے مطلق الغیب مراد نہیں جس کا تحقق کسی ایک فرد کے تحقق سے ہو جاتا ہے اور جو امور

غیبیہ کو بھی شامل ہے بلکہ یہاں الغیب المطلق کے معنی میں ہے جو کلی غیب کے معنیٰ میں ہے اور یہ امورِ غیبیہ کے مدمقابل ہے اور دونوں کا بڑا فرق ہے جس کی طرف باحوالہ اشارہ پہلے کر دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو علمی اصطلاحات سمجھنے کی توفیق بخشنے گو بداہت کے ساتھ اس کی توقع نہیں کہ سمجھ آسکے۔

یازدہم۔ راقم اثیم نے تنقید متین میں لکھا تھا کہ اگر نبی کے مفہوم میں کلی غیب شامل ہو تو جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبوت مل گئی تھی لیکن غیب کلی حاصل نہ تھا تو خانصاحب کے قاعدہ سے لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ آپؐ اس وقت نبی نہ تھے مؤلف مذکور اس کا حوالہ دے کر اور پھر آگے اس کا خلاصہ بیان کر کے لکھتے ہیں

سرفراز صاحب کا یہ اعتراض انتہائی خام اور طفلانہ ذہنیت کا حامل ہے۔ سنیئے سرفراز صاحب۔ اس وقت بھی نبی علیہ السلام کو بے شمار علوم غیبیہ کا علم تھا ازاں جملہ یہ ہے (۱) جبرائیل عم کا علم ہوا اور وہ عالم غیب سے ہیں (۲) حضور کو وحی کا علم ہوا اور وحی عالم غیب سے ہے (۳) حضور کو ذات حق کا علم ہوا، اور ذات حق غیب الغیوب سے ہے (۴) اقرأ باسم ربك سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا علم ہے اور صفت ربوبیت عالم غیب سے ہے (۵) الذی خلق سے صفت خالقیت کا علم ہوا اور یہ عالم غیب سے ہے (۶) علم الانسان مالم یعلم میں مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ بتلایا کہ حضرت آدمؑ کو جمیع اسماء کا علم عطا فرمایا اور اس کا غیب ہونا واضح ہے (دیکھئے تفسیر خازن ج ۴ ص ۳۹۴) اور اس کے تحت یہ بھی مفسرین نے ذکر فرمایا ہے کہ الانسان سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے یعنی پہلی وحی کے موقع پر ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ سب کچھ بتلا دیا گیا جس کو آپ نہ جانتے تھے اور یہ سرفراز صاحب اور جمیع ذریت دیوبند پر بھاری عذاب ہے (خازن ج ۴ ص ۳۹۴) انتہی بلفظہ (ص ۴۰)

الجواب: مؤلف مذکور نے یہ جو لکھا ہے ممکن ہے کہ ان کی جماعت کی طفل تسلی اور اشک شوئی تو ہو جائے لیکن علمی دنیا میں اس لفظی شعبدہ بازی کا ہرگز

کوئی مقام نہیں ہے۔

اوّلاً۔ اس لئے کہ نزاع اور اختلاف بے شمار امورِ غیبیہ میں نہیں ہے بلکہ کلی غیب میں ہے جو آپ کے اعلیٰ حضرت اور آپ کی اصطلاح میں جمیع ما کان و ما یکون ہے اور اس ابتدائی وحی سے یہ ثابت نہیں ہے۔

وثانیاً آپ نے بڑا زور مار کر بے شمار علوم غیبیہ کے معروض از اں جملہ سے صرف چھ کا عدد پورا کیا ہے اور چھ کا عدد قابل شمار ہے بے شمار نہیں۔

وثالثاً اگرچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اور وحی عالمِ غیب میں سے ہیں اور ان کا علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہلی وحی کے موقع پر ہوا لیکن آپ کا یہ کہنا کہ ذات حق کا علم بھی آپ کو اسی موقع پر ہوا یہ آپ کا خالص جاہلانہ نظریہ ہے ذات حق کا علم تو مشرکین مکہ کو بھی تھا جو سر تا سر شرک میں ڈوبے ہوئے تھے (جس کے دلائل گلدستۂ توحید میں ملاحظہ کریں) کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چالیس سال کی عمر تک ذات حق تعالیٰ کا علم نہ تھا؟ اگر ایسا ہی تھا تو بتلایئے کہ آپ نبوت ملنے سے قبل غارِ حرا میں عبادت کس کی کرتے تھے؟ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نبوت سے قبل بتوں کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کا جب گوشت پیش کیا گیا تو آپ نے صاف اور صریح الفاظ میں یہ کیوں فرمایا کہ

ولا آکل الا ما ذکر اسم اللہ علیہ — میں صرف وہی چیز کھاؤں گا جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔
(بخاری ج ۱ ص ۵۴۰)

اگر آپ وحی ملنے سے قبل ذاتِ حق تعالیٰ کو نہیں جانتے تھے تو آپ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے؟

رابعاً آپ کا یہ لکھنا کہ صفت ربوبیت اور صفت خالقیت کا علم آپ کو ابتدائے وحی کے موقع پر ہوا قطعاً مردود ہے اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت اور خالقیت کا علم مشرکین مکہ کو بھی تھا اور وہ اس کے منکر نہ تھے (دیکھئے گلدستۂ توحید) تو نبی معصوم کے بارے میں یہ باطل نظریہ کہ چالیس سال تک آپ کو نبوت ملنے سے قبل صفت ربوبیت

اور خالقیت کا علم نہ تھا ایک مجنونانہ بڑ ہے پیغمبر نبوت ملنے سے قبل بھی اللہ تعالیٰ ہی کو رب اور خالق مانتے ہیں اور ایک لمحہ بھی ان پر ایسا وقت نہیں آتا جس میں معاذ اللہ تعالیٰ غیر اللہ کے رب اور خالق ہونے کا وہ تصور کرتے ہوں حافظ ابن الہمام الحنفیؒ (المتوفی سنہ ۸۶۱ھ) قاضی ابوبکر محمد بن الطیبؒ الباقلانی المالکیؒ (المتوفی ۴۰۲ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

انہ لم یبعث من اشرک باللہ طرفۃ عین (المسایرہ مع المسامرہ ص ۸۱ ج ۲ طبع مصر) — کسی ایسی شخصیت کو نبوت نہیں عطا کی گئی جس نے آنکھ جھپکنے کے اندازہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا ہو۔

وخامسًا حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر اس مقام پر بالکل غیر متعلق بات ہے، بات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ابتداء وحی کی ہو رہی ہے علاوہ حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ بھی مؤلف مذکور کو سودمند نہیں ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کے نام بتائے گئے ہیں مثلاً اس کو ذات کہتے ہیں اس کو گھوڑا کہتے ہیں اس کو بیل کہتے ہیں اس کو بکری کہتے ہیں وغیرہا وغیرہ ان کے تمام افراد اور افراد کی تمام کیفیات اور ان کے جملہ حالات کی تعلیم کا ذکر کہاں ہے جس سے کلی غیب ثابت کیا جا رہا ہے؟ مزید بحث ازالۃ الریب میں دیکھیں۔

سادسًا مؤلف مذکور کا موج میں آکر یہ دعویٰ کرنا کہ پہلی وحی کے موقع پر ہی حضور کو سب کچھ بتلا دیا جس کو آپ نہ جانتے تھے: الخ افتراء اور سفید جھوٹ ہے کیونکہ اگر سب کچھ آپ کو اس موقع پر بتلا دیا تھا تو دیگر اور کا نشہ ہی چھوڑ دیتے قرآن کریم کے اس کے بعد پورے تئیس سال میں نزول کے کیا معنیٰ؟ اور اس کے ذریعہ آپ کو وقتاً فوقتاً سوالات اور واقعات اور احکام وغیرہا سے آگاہ کرنے کا کیا مطلب؟ خدا کے بندے مولوی ہو کر اتنا صریح اور سفید جھوٹ تو نہ بولا کیجئے کچھ تو خالق و مخلوق سے شرم کیجئے جب آپ کا مفروضہ ہی ایک نری افتراء ہے تو سرفراز اور ذریت دیوبند پر یہ کیسے عذاب ہو سکتا ہے؟ علمی دنیا میں عقل و خرد کی باتیں کیا کریں بے عقلی کا یہاں

کیا واسطہ ہے؟ مگر افسوس کہ۔

رہے نہ اہل بصیرت تو بے خرد چمکے!!
فروغ نفس ہوا عقل کے زوال کے بعد

۱۲ دوازدہم: سرفراز صاحب نے کہا ہے کہ پہلی وحی کے موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ماضی اور مستقبل سے متعلق غیب کی خبریں نہیں دیں سوال یہ ہے کہ اس تنقید کی کیا ضرورت ہے؟ اگر اعلیٰ حضرت نے اس طرح فرمایا ہوتا کہ نبی وہ ہوتا ہے جو آئندہ یا گذرے زمانے کی خبریں دے تب تو اس تنقید کا کوئی منشاء ہوتا، لیکن اعلیٰ حضرت نے تو فرمایا ہے کہ غیب بتانے والے کو کہتے ہیں پس اعلیٰ حضرت نے نبوت کے مفہوم میں مطلق غیب جاننے کا ذکر کیا ہے لہٰذا اس کا رد جب ہوگا جب آپ یہ ثابت کریں کہ پہلی وحی کے موقع پر حضور کو مطلق غیب کا علم نہ تھا اور ہم سطور بالا میں ذکر کر چکے ہیں کہ حضور کے لئے اس موقع پر غیب کا علم ثابت تھا بلکہ ماضی اور مستقبل کا غیب بھی شامل تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات ماضی مستقبل اور حال تینوں زمانوں کو شامل ہیں، وللہ الحمد علیٰ ذٰلک یا ایھا النبی کے ترجمہ پر سرفراز صاحب نے اپنی بے علمی، بے مائیگی اور عناد نبوت سے جو اعتراض کیا تھا بحمد اللہ العزیز بتارد یہ وہ ہے ہم نے اس کا حساب بے باق کر دیا ہے اھ (۱۲)

الجواب: پہلے گذر چکا ہے کہ آپ کے اعلیٰحضرت نے نبوت کا معنٰی غیب کی خبریں بتانا لکھا ہے اتنی بات تو قدریاً اور حضرات بھی لکھتے ہیں لیکن شاہ صاحب روز ازل سے لے کر روز آخر تک جمیع ما کان وما یکون کا علم تفصیلاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ثابت کرتے ہیں کما مر ابتداً انصاب پر بدستور بحالہٖ پہاڑ کی طرح وزنی اعتراض موجود ہے اور آپ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے اور بحمد اللہ تعالیٰ سرفراز کے مضبوط دعاوی اور محکم دلائل اور اٹل براہین کا جواب آپ کے بس کا روگ بھی نہیں ہے اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مشتہز الغیب آپ کو پہلی وحی کے وقت بھی حاصل تھا جو امور غیبیہ انباء الغیب اور اخبار الغیب کی مد میں ہے اور الغیب المطلق

جس کو جمیع ما کان وما یکون کا مفصل علم یا کلی علم غیب کہتے ہیں آپ کو زندگی کے کسی لمحے تک بھی حاصل نہ تھا، ماضی اور مستقبل کے علم غیب سے اگر امور غیبیہ مراد ہیں تو وہ محل نزاع نہیں اور اگر جمیع ما کان وما یکون مراد ہے تو وہ کسی قطعی اور صریح دلیل سے آپ کو حاصل نہیں باقی اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات کے لحاظ سے ماضی حال اور مستقبل کسی زمانہ کا محتاج نہیں اور نہ یہاں ظرف و مظروف کا معاملہ ہے اگر یہ مراد ہے کہ ان زمانوں میں مثلاً اللہ تعالیٰ کی تخلیق و ترزیق احیاء و اماتت وغیرہ صفات خداوندی کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور ان صفات کے ظہور کے تمام مظاہر کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تفصیلاً جانتے ہیں تو یہ بھی قطعاً باطل و مردود اور نصوص قطعیہ کے صریح خلاف ہے اور یہی امر اہل حق اور اہل بدعت کے درمیان اختلافی اور نزاعی ہے مؤلف مذکور نے اثنا عشریہ سے قارورہ ملاتے ہوئے بارہ وجوہ تو بیان کئے مگر اپنی جہالت اور کم فہمی کی وجہ سے ہمارے اعتراضات کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکے ان کو صرف قرآن کریم کی نصوص قطعیہ احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ضد ہے جس کی وجہ شرک و بدعت میں غلو اور انہماک ہے اس لئے بھینگے آدمی کی طرح کوئی چیز ان کو اپنی اصلی شکل میں نظر ہی نہیں آرہی اور نہ آسکتی ہے جس طرح توحید و سنت اور شرک و بدعت آپس میں جمع نہیں ہو سکتے اسی طرح شرک و بدعت کے ساتھ علم و بصیرت اور انابت الی اللہ اور اطاعت رسول اور سلامت روی بھی اکٹھی نہیں ہو سکتی۔ تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے۔ ع

سب مل گیا اُسے جسے اللہ مل گیا

باب دوم

استعانت از غیر اللہ تعالیٰ

ہم نے تنقید متین میں مولوی نعیم الدین صاحب سے آیت اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کی تفسیر میں اس جملہ پر کہ اُس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے عقیدہ باطلہ ہے کیونکہ مقربانِ حق کی امداد امداد الٰہی ہے استعانت بالغیر نہیں الخ باحوالہ تنقید کی تھی مؤلف توضیح البیان ہمارے پیش کردہ سوالوں کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکے۔ ہم بالانصاف حضرات کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ وہ تنقید متین میں اس بحث کا ضرور مطالعہ کریں اور انصاف سے فرمائیں کہ مؤلف مذکور نے ان میں سے کس کا باحوالہ جواب دیا ہے صرف عوام کو کچھ کر دکھانے کی خاطر ادھر اُدھر کی باتیں لکھ کر چند صفحات ضرور سیاہ کئے ہیں اور عوام کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ جواب ہو گیا۔ جو باتیں انہوں نے ص ۱۵ تا ۲۷ میں کہی ہیں ان کا نہایت اختصار کے ساتھ اجمالی خاکہ یہ ہے۔

۱۔ مفسرین کرامؒ نے ہر باب میں استعانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی مختص کی ہے خواہ مافوق الاسباب امور میں ہو یا ماتحت الاسباب امور میں مدارک میں ہے استعانت کو مطلقاً ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ ہر مستعان کو شامل ہو (مدارک کی عبارت میں مستعان فیہ کے الفاظ ہیں افسوس ہے کہ مؤلف توضیح البیان کو مستعان اور مستعان فیہ کا فرق بھی معلوم نہیں لیکن تصنیف کا شوق ضرور ہے بقدر) خازن میں ہے تیری عبادت اور باقی امور کی انجام دہی پر تجھ سے اعانت طلب کرتے ہیں جمل میں ہے حذف مفعول سے

استعانت کے تمام اُمور کو شامل ہونے کا فائدہ حاصل ہوا۔

۲۔ مفسرین کرام تو ہر قسم کی استعانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص فرما رہے ہیں اور سرفراز صاحب نے صرف مافوق الاسباب امور میں استعانت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کر کے قرآن کریم کی خالص تحریف کی ہے چنانچہ تنقید متین صفحہ ص ۲۷ میں ہے استعانت کی ایک قسم کا نصوص شرعیہ سے جواز ثابت ہے وہ یہ کہ کوئی شخص کسی زندہ یا پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز طلب کرے جو عادۃً اس کے بس و اختیار میں ہو اس کو ماتحت الاسباب یا ظاہری استعانت کہا جاتا ہے انتہیٰ۔ سرفراز صاحب نے مجوسیوں کی طرح تقسیم کار کر لی ہے کچھ کام خدا کے ساتھ خاص کر دیئے اور کچھ بندوں کے ساتھ۔

۳۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے فرمایا کہ استعانت خواہ بلاواسطہ ہو یا بے واسطہ ہر استعانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے بندوں کے ہاتھ پر اُمور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ ان کا تعلق اور ایجاد اللہ ہی کا خاصہ ہے اور بندوں کے ہاتھ سے جس قسم کے امور بھی ظاہر ہوں وہ صرف بلحاظ کسب بندوں سے صادر ہوتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استعانت کے اختصاص اور عدم اختصاص کا مدار استقلال اور عدم استقلال ہے نہ کہ مافوق الاسباب و ماتحت الاسباب جیسا کہ سرفراز صاحب نے علمی بے مائیگی کی وجہ سے ایسا یقین کر لیا ہے۔

۴۔ استعانت کے جواز و عدم جواز کا مدار استقلال اور عدم استقلال ہے مافوق الاسباب و ماتحت الاسباب نہیں خود دیوبند کے محمود الحسن صاحب نے اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے تحت اپنی تفسیر میں لکھا ہے اگر مقبول بندے کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کی جائے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے استعانت ہے انتہیٰ۔ جو بات مولوی نعیم الدین صاحب نے کہی وہی بات تمہارے شیخ نے کہی اور جو فتویٰ کفر و شرک کا ان پر لگتا ہے سوان پر بھی لگنا چاہیئے اب تو غلطی سے توبہ کیجئے (محصلہ)

الجواب: آپ ترتیب وار ہر ایک شق کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ حضرات مفسرین کرام نے جو کچھ کہا ہے وہ سب بجا ہے اور ان کی پیش اور بیان کردہ

کوئی بات اور حوالہ ہمارے خلاف نہیں وہ سب ہماری تائید میں ہیں بات صرف سمجھنے کی ہے استعانت ظاہری ہو یا باطنی مافوق الاسباب ہو یا ماتحت الاسباب مستقل ہو یا غیر مستقل خلق کے درجہ میں سب اللہ تعالیٰ سے مختص ہے بایں معنیٰ کہ ہر چیز کا خالق صرف وہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مکلف مخلوق کو ایک صفت عطا کی ہے جس کا نام حضرات متکلمین کے نزدیک کسب ہے مافوق الاسباب امور میں نہ بندے کا خلق کے لحاظ سے دخل ہے اور نہ کسب کے لحاظ سے اور ماتحت الاسباب امور میں بندے کے خلق کا تو کوئی دخل نہیں ہاں البتہ اس کے کسب کا دخل ضرور ہے اور اسی اعتبار سے ان کی نسبت بندوں کی طرف کی جاتی ہے ہم نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ وغیرہ حضرات کی متعدد عبارتیں اس سلسلہ میں باحوالہ نقل کی ہیں لیکن افسوس کہ مؤلف مذکور ان کو گیارھویں کی کھیر کا میٹھا سمجھ کر پی گئے ہیں صرف مالابدمنہ کی ایک عبارت کا سرسری حوالہ دیا ہے جس کی بقدر ضرورت بحث آگے آرہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ اور بندوں کے لئے کسب کی اس صفت کو خود مؤلف مذکور نے توضیح البیان ص۵۲ میں ان الفاظ سے تسلیم کیا ہے اور بندوں کے ہاتھ سے جس قسم کے امور بھی ظاہر ہوں وہ صرف بلحاظ کسب بندوں سے صادر ہوتے ہیں بلفظہٖ جہاں علماء ملت ماتحت الاسباب اور غیر مستقل کے الفاظ بولتے ہیں ان سے ان کی مراد یہی کسب ہوتا ہے یہ مؤلف مذکور کی نادانی ہے کہ وہ ماتحت الاسباب اور غیر مستقل کو الگ الگ امور تصور کئے بیٹھے ہیں بیشک الفاظ تو جدا جدا ہیں لیکن مآل دونوں کا ایک ہی ہے حضرات متکلمینؒ نے خلق اور کسب کا فرق بیان کرتے ہوئے ایک فرق یہ بیان کیا ہے کہ

ان الکسب واقع بآلۃ والخلق لا بآلۃ (شرح العقائد ص۶۶)	کسب آلہ سے واقع ہوتا ہے اور خلق کا وقوع آلہ کے بغیر ہوتا ہے۔

آلہ ظاہری ہو جیسے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء یا باطنی ہو جیسے قلب اور عقل وغیرہ اس سے واضح ہوا کہ کسب سبب اور آلہ کا محتاج ہوتا ہے اور خلق کے لئے سبب اور آلہ کی ضرورت نہیں ہوتی الغرض جس چیز کو وہ ماتحت الاسباب سے تعبیر کرتے ہیں

بین کسب کہلاتی ہے جس کا اقرار خود مؤلف مذکور کو ہے ان کی علمی استعداد اور قابلیت پر حیرت ہوتی ہے کہ وہ کسب و خلق کی تعبیر کا اقرار تو کرتے ہیں مگر ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب کے الفاظ سے گھبراتے ہیں کَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ اور ایک فرق یہ بیان کیا ہے۔

والکسب لا یصح انفراد القادر بہ والخلق یصح (شرح العقائد ص۶۶)	کسب میں اس پر قدرت رکھنے والے کا انفراد و استقلال صحیح نہیں ہے اور خلق میں صحیح ہے۔

اور اس کی تشریح یوں کی گئی ہے۔

لان قدرة العبد غیر مؤثرة فلا یصدر منه الفعل الا بقدرة الله سبحانه والخلق یصح فان الله سبحانه یخلق ما شاء بلا حاجة الی کسب العبد (نبراس ص۲۷۵)	اس لئے کہ بندہ کی قدرت مؤثر نہیں ہے سو اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بغیر فعل صادر نہیں ہو سکتا اور خلق میں صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہے پیدا کرتا ہے اسے بندہ کے کسب کی حاجت ہی نہیں ہے۔

کسب و خلق کا پہلا فرق تو یہ تھا کہ کسب سبب و آلہ کے ذریعہ ہوتا ہے یعنی ماتحت الاسباب ہے اور خلق اسباب و آلات سے بالاتر ہے یعنی مافوق الاسباب اور اب دوسرا فرق یہ بیان ہوا ہے کہ کسب میں کاسب کی قدرت مؤثر نہیں ہوتی اور نہ وہ اس میں منفرد اور مستقل ہوتا ہے اور خلق میں قادر کی قدرت مؤثر ہوتی ہے اور وہ اس میں منفرد اور مستقل ہوتا ہے گویا جس امر کو حضرات متکلمین کسب و خلق سے تعبیر کرتے ہیں وہی دوسرے الفاظ میں بالاستقلال اور غیر بالاستقلال ہے۔ غرضیکہ مآل کے لحاظ سے کسب و خلق، ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب اور مستقل اور غیر مستقل کے عنوان میں کوئی فرق نہیں ہے لہذا مؤلف مذکور کا غیر مستقل کے جملہ پر زور صرف کرنا اور ماتحت الاسباب کے لفظ سے بدکنا نری جہالت ہے۔

حضرات مفسرین کرامؒ کے جملہ پیش کردہ حوالے ہماری تائید کرتے ہیں کہ ہر قسم کی استعانت اللہ تعالیٰ سے مختص ہے خلق کے درجہ میں تو بالکل ظاہر ہے اور کسب کے درجہ

ہیں بایں طور کہ بندہ کو اسباب و آلات۔ اعضاء و جوارح وغیرہ عطا کرنا پھر ان میں تاثیر کا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور بندہ کو جس قدر اختیار حاصل ہے وہ ماتحت الاسباب غیر مستقل اور کسب ہے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) استعانت، کی بحث کرتے ہوئے اس میں یہ تحریر فرماتے ہیں۔

واگر عام است در امور دنیا و دین پس وجہ این اختصاص آنست کہ ہر کہ غیر خود را اعانت می کند منتہائے کار او آنست کہ در دل او داعیۂ اعانت آں غیر می اندازند و این فعل فعل او تعالیٰ است پس گویا بندہ می گوید کہ غیر ترا اعانت من ممکن نیست مگر چوں او را تو اعانت فرمائی تا اسباب اعانت بہم رساند باز در دل او داعیۂ اعانت من اندازی پس من از وسائط قطع نظر می کنم و غیر از اعانت ترانمی بینم (تفسیر عزیزی پ ۱ ص ۳۵)

اور اگر یہ دنیوی اور دینی امور کے لئے عام ہے تو وجہ اس اختصاص کی یہ ہے کہ جو شخص کسی غیر کی اعانت کرتا ہے تو اس کا انتہائی کام یہ ہے کہ اس کے دل میں غیر کی اعانت کا سبب پیدا کر دیا جائے اور یہ کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے تو گویا بندہ یوں کہتا ہے کہ تیرے بغیر میری اعانت کسی سے ممکن نہیں مگر جب کہ تو اس کی اعانت فرمائے کہ تو اعانت کے اسباب پیدا کر دے پھر تو اس کے دل میں میری امداد کا داعیہ پیدا کر دے سو میں وسائط سے قطع نظر کرتا ہوں اور تیری امداد کے بغیر اور کچھ نہیں دیکھ رہا۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ مخلوق کی اعانت اسباب کے تحت ہوتی ہے جن کو عطا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور مخلوق کے دل میں کسی کی اعانت کا داعیہ اور محرک پیدا کرنا بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے اور اسباب کے تحت مخلوق جو کسی کی اعانت کرتی اور کر سکتی ہے تو وہ ظاہری اعانت ہے چنانچہ خود حضرت شاہ صاحبؒ بحث کو جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں۔

پس مرد مومن را کہ از شرک مے گریزد   سو مرد مومن کو جو شرک سے گریز کرتا ہے

اول وہلہ باید کہ اعانت غیر را کہ بظاہر اعانت است ودر معنیٰ اصلاً قدرت ندارد از نظر بیندازد و باعانت قادر حقیقی اکتفاء نماید الخ
(تفسیر عزیزی پ ۱ ص ۳۵)

چاہیئے کہ پہلے ہی مرحلہ میں غیر کی اعانت کو جو ظاہراً تو اعانت ہے مگر حقیقت میں وہ بالکل قدرت نہیں رکھتا بالکل نظر انداز کردے اور قادر حقیقی کی امداد پر ہی اکتفاء کرے۔

اس سے بالکل واضح ہو گیا کہ غیر اللہ کی اعانت صرف ظاہری ہوتی ہے اور درحقیقت اس کو اس پر کوئی قدرت نہیں ہوتی۔

۲۔ حضرات مفسرین کرامؒ نے جو کچھ کہا ہے بحمد اللہ تعالیٰ وہی کچھ سرفراز نے کہا ہے اور وہ قرآن کریم کے عین مطابق ہے اس کی تحریف ہرگز نہیں مگر خود مؤلف مذکور سوء فہم اور جہل مرکب کا شکار ہیں۔ جو علمی باتیں سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے، اور الٹا راقم اثیم سے کہا جا رہا ہے کہ سرفراز صاحب نے مجوسیوں کی طرح تقسیم کار کرلی ہے کچھ کام خدا کے ساتھ خاص کردیئے اور کچھ بندوں کے ساتھ اور جبر سے خود بھی مستقل اور غیر مستقل اور تخلیق وکسب کی دو قسمیں تسلیم کر کے بقول خود مجوسیوں کے زمرہ میں شامل ہو گئے ہیں کہ کسب بندے کا فعل تسلیم کرتے ہیں اور خلق خدا تعالیٰ کا تعجب ہے کہ چھاننی کو کوزے کے دو سوراخ تو نظر آتے ہیں لیکن اپنے بیشمار سوراخ نظر نہیں آتے خود تقسیم کار کرلیں تو درست اور اگر سرفراز کرلے تو معاذ اللہ تعالیٰ مجوسیوں میں شامل ہو جاتے؟ سبحان اللہ تعالیٰ ع

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ استمداد کے جائز اور ناجائز طریقوں پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

مدد خواستن دو طور می باشند مدد خواستن مخلوقے از مخلوقے مثل آنکہ از امیر و بادشاہ نوکر و گدا در مہمات خود مدد می جویند و عوام

مدد چاہنا دو طریقوں سے ہوتا ہے اول مخلوق کا مخلوق سے مدد چاہنا جیسا کہ نوکر اور گدا اپنی ضرورتوں میں امیر اور بادشاہ سے مدد

الناس از اولیاء دعامی خواہند کہ از جناب
الٰہی فلاں مطلب مارا درخواست
نمایند این نوع مدد خواستن در شرع
از زندہ و مردہ جائز است ۲ دوم آنکہ
بالاستقلال چیزیکہ خصوصیت بجناب
الٰہی دارد مثل دادن فرزند یا بارش
باران یا دفع امراض یا طول عمر و مانند
این چیز ہا بے آنکہ دعا و سوال از جناب
الٰہی در نیت منظور باشد از مخلوقے
درخواست نماید این نوع حرام مطلق
بلکہ کفر است و اگر از مسلماناں کسے
از اولیائے مذہب خود خواہ زندہ باشند
یا مردہ این نوع مدد خواہد از دائرہ مسلمانان
خارج مے شود الخ
(فتاوٰی عزیزی ج ۱ ص ۳۳ و ۳۴)

چاہتے ہیں اور عوام الناس اولیاء کرامؒ سے دعا
کراتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارے فلاں کام
کے لئے درخواست کریں اس قسم کی مدد چاہنا
شریعت میں زندہ سے ہو یا مردہ سے جائز
ہے ۲ دوسری یہ کہ اس چیز میں مستقل ہونا جناب
باری تعالیٰ کی خصوصیت ہو جیسے لڑکا دینا
یا بارش برسانا یا امراض کا دور کرنا یا عمر لمبی کرنا
اور ان کی مانند دیگر اشیاء بغیر اس کے کہ نیت
میں دعا اور سوال جناب الٰہی سے منظور ہو
مخلوق سے درخواست کرے تو یہ قسم مطلقاً
حرام بلکہ کفر ہے اور اگر مسلمانوں میں سے
کوئی اپنے مذہب کے اولیاء کرامؒ میں سے
خواہ زندہ ہوں یا مردہ اس قسم کی امداد
طلب کرے تو وہ مسلمانوں کے دائرہ سے
خارج ہو جائے گا۔

اس عبارت میں استمداد کی پہلی قسم وہی ہے جو ماتحت الاسباب اور کسب کے درجہ میں ہے۔ جو بقول حضرت شاہ صاحبؒ شرع میں جائز ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو خلق کے درجہ میں ہے جس میں اللہ تعالیٰ مستقل و منفرد ہے جس میں بندے کا کچھ اثر اور دخل نہیں اور وہ مافوق الاسباب ہے اس قسم کی استمداد مخلوق سے طلب کرنا حرام بلکہ کفر ہے مؤلف مذکور انصاف سے فرمائیں (اگر ان کے ہاں انصاف نام کی کوئی چیز ہے) کہ جو بات سرفراز نے تنقید متین میں کہی تھی کہ استعانت کی ایک قسم کا نصوص شرعیہ سے جواز ثابت ہے الخ کیا یہ وہی نہیں ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمائی ہے؟ اور کیا اس تقسیم کار کی وجہ سے آپ حضرت شاہ صاحبؒ پر بھی معاذ اللہ

تم معاذ اللہ تعالیٰ مجوسی ہونے کا فتویٰ صادر کریں گے یا یہ تنبیر بنی سرفراز گنہگار کے لئے ہی وقف ہے؟

۳۔ ہم نے باحوالہ یہ بات ثابت کی ہے کہ خلق و ایجاد صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے ہم نے اس کا انکار نہیں کیا نہ امور عادیہ میں اور نہ غیر عادیہ میں یہ مؤلف مذکور کی کم فہمی ہے کہ جہالت کی وجہ سے وہ کچھ کا کچھ سمجھ رہے ہیں جس کسب کو وہ بندوں کی صفت تسلیم کرتے ہیں ہم بھی صرف اُسی کے تحت اور اُسی کے مطابق بات کر رہے ہیں اور مؤلف مذکور کا استعانت کے اختصاص اور عدم اختصاص کا مدار استقلال اور عدم استقلال پر رکھنا اور مافوق الاسباب و ماتحت الاسباب کا انکار کرنا ان کی جہالت کا زندہ پائندہ کرشمہ ہے جس کی بقدر ضرورت بحث پہلے ہو چکی ہے۔

۴۔ حضرت شیخ الہندؒ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بالکل بجا اور صحیح ہے اور انہوں نے وہی کچھ فرمایا ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے استمداد کی جائز قسم میں تحریر فرمایا ہے کہ عوام الناس از اولیاء دعامی خواہند الخ یہی استعانت ظاہری۔ غیر مستقل اور ماتحت الاسباب ہے حضرت شیخ الہندؒ کی عبارت میں غیر مستقل کا لفظ دیکھ کر بلا سوچے سمجھے اور بلا وجہ مؤلف مذکور نے خوشی کا اظہار کیا ہے اور خود حقیقت کو نہیں سمجھے مؤلف مذکور کا اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ غلط چیز کو ترک کر کے حق کو قبول کر لیں، نہ اپنی آخرت برباد کریں اور نہ مخلوق خدا کی راہ ماریں اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔ ؎

تیری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجیب نہیں کہ یہ چہار سُو بدل جائے

مافوق الاسباب اُمور میں رسول اللہ سے استعانت

مؤلف مذکور نے یہی سرخی قائم کی ہے اور پھر ص۴۲، ۵، ۶ و ۷ میں غیر متعلق حوالے نقل کر کے عوام الناس کو صریح دھوکہ دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ سرفراز صاحب امور عادیہ میں ظاہری استعانت کو جائز قرار دیتے ہیں اور غیر عادیہ

ہیں ناجائز مگر دلائل عقلیہ و نقلیہ دونوں سے یہ باطل و مردود ہے احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اُمورِ غیر عادیہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضؓ نے استعانت کی اور آپ نے ان کی مدد کی (محصلہ)

۲۔ مشکوٰۃ ص۵۳۲ میں بخاری شریف کی روایت ہے کہ غزوۂ خیبر میں حضرت سلمہؓ بن اکوعؓ کی پنڈلی کو چوٹ لگی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے دم فرمایا وہ ٹھیک ہو گئے اور فرماتے ہیں کہ آج تک مجھے تکلیف نہیں ہوئی (محصلہ) مشکوٰۃ ص۳۱۲ میں بخاری کے حوالہ سے روایت ہے کہ حضرت ام سلمہ رضؓ کے پاس چاندی کی ڈبیا میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بال مبارک تھے جب کسی کو نظر لگتی یا کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ حضرت ام سلمہؓ کے پاس جاتا وہ ڈبیا کو پانی میں ڈال کر نکالتیں پس وہ شخص اس پانی کو پیتا (محصلہ)

لطیفہ۔ مؤلف مذکور کی عربی دانی ملاحظہ کریں کہ وہ اذا اصاب الانسان عین او شیٔ کا معنی یوں کرتے ہیں جب کسی شخص کی آنکھ میں یا کسی اور جگہ زخم پہنچا، ان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ اصابتہ عین کا معنی نظر لگنا ہے آنکھ میں زخم نہیں ہے، شاید مؤلف مذکور العین حق کا معنی آنکھ حق اور سچی ہوتی ہے کریں مشکوٰۃ ص۳۷۴ میں مسلم کے حوالہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک مخصوص جُبّہ تھا جو بالآخر حضرت اسماءؓ کے پاس چلا گیا، جب کوئی بیمار ہو جاتا تو وہ حضرات اس کو دھو کر پلاتے اور اس کے توسل سے شفاء طلب کرتے۔ (محصلہ)

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پہنے ہوتے کپڑوں، آپ کے بالوں اور آپ کی پھونک سے لوگ شفاء حاصل کرتے تھے یہ مافوق الاسباب امور میں استعانت ہے جڑی بوٹی اور دواؤں کی طرح یہ اسباب عادیہ نہیں کہ ہر ایک کے لباس، پھونک اور بالوں سے شفاء حاصل ہو۔ (محصلہ)

۴۔ سرفراز صاحب یہ بتائیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے یہ شرک کیوں کیا؟ اور

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ تم میرے پاس ٹوٹی ہوئی ٹانگ لے کر کیوں آئے ہو میں تو کسی کو نفع وضرر نہیں پہنچا سکتا تم یہ ٹانگ کسی جراح اور طبیب کے پاس لے جاؤ میں تو لیس احکام شرعیہ پہنچانے آیا ہوں (محصلہ)

۵۔ سرفراز صاحب آنکھیں کھول کر ذرہ ہوش میں آکر جواب دو کیا یہ صحابہ کرامؓ مشرک ہوئے یا نہیں! یا رافضیوں کی طرح صحابہ کرامؓ پر بھی ہاتھ صاف کرو گے، اور اپنے عناد فطری کی وجہ سے رسول اللہ پر کیا حکم لگاؤ گے (محصلہ)

الجواب: ایسا محسوس اور معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف مذکور کو علم وفہم سے کوئی مس ہی نہیں ہے ان کے نزدیک علم شائد مولویانہ وضع قطع اور جبہ و دستار کا ہی نام ہے آپ علی الترتیب جواب ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ہم نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے حوالہ سے اُمور عادیہ اور غیر عادیہ کا اور ان میں جواز استعانت اور عدم جواز کا فرق واضح کر دیا ہے نیز استعانت ظاہری کا مطلب بھی عرض کر دیا ہے کسی عقلی اور نقلی دلیل سے اور کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے امور غیر عادیہ میں مدد طلب کی ہو یہ مؤلف مذکور کا نرا مفروضہ اور خام خیالی ہے لَا شَکَّ فِیْہِ۔

۲۔ جتنے حوالے اور حدیثیں مؤلف مذکور نے پیش کی ہیں اور ان سے انہوں نے اپنے باطل دعوٰی پر جو استدلال کیا ہے وہ سراسر مردود اور باطل ہے اس لئے کہ وہ بیچارے غلط فہمی کا شکار رہیں۔

اولاً۔ اس لئے کہ جس طرح دوا ایک سبب ہے اسی طرح دُعا اور بزرگوں کے تبرکات (جن سے شفا حاصل ہو جاتی ہے) بھی ایک سبب ہے جس طرح حسّی سبب پر کبھی نتیجہ مرتب ہوتا ہے اور کبھی مرتب نہیں ہوتا اسی طرح دعا پر بھی جو ایک معنوی اور روحانی سبب ہے کبھی نتیجہ مرتب ہوتا ہے اور کبھی مرتب نہیں ہوتا نفس دعا ایک سبب ہے ہاں اس پر شفاء کا مرتب ہو جانا خارق عادت ہے حضرت امام غزالیؒ

(المتوفی ۵۰۳ھ) فرماتے ہیں کہ

فالدعاء سبب لرد البلاء ووجود الرحمة كما ان الترس سبب لدفع السلاح والماء سبب لخروج النبات من الارض الخ (ہامش بزازیہ ص۵۱)

دعا ردِ بلا اور وجودِ رحمت کا سبب ہے جیسے ڈھال ہتھیار سے بچانے کا سبب ہے اور پانی زمین سے سبزہ نکلنے کا سبب ہے

اس لحاظ سے دعا مافوق الاسباب امر نہیں اور نہ دعا کرنا کرانا غیر عادی امور میں داخل ہے ہاں اس پر شفا کا ترتب خرق عادت امر ہے (الخیالی ص۱۲۰)

وثانیاً حضرات صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس لئے تو ہرگز حاضر نہیں ہوتے تھے کہ معاذ اللہ تعالیٰ آپ ان کو شفاء دے سکتے تھے اور دے رہے تھے ایسا باطل نظریہ حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں تو کوئی بدمذہب بھی نہیں رکھتا ان حضرات کا آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور پیارے رسول ہیں اور بہ نسبت دوسروں کے آپ کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے آپ ہاتھ اٹھائیں اور دعا فرمائیں تو اللہ تعالیٰ شفا دے گا مرد تو بہر مرد تھے عورتیں بھی جو عموماً ناقصات عقل و دین کی مد میں ہیں ان کا بھی یہی نظریہ تھا چنانچہ بخاری ج ۲ ص۸۴۴ میں روایت ہے کہ ایک کالے رنگ کی دراز قد بی بی (حضرت ام زفر شعیرہؓ) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ حضرت مجھے مرگی کا دورہ پڑ جاتا ہے۔ فادع اللہ لی الحدیث آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا فرمائیں۔ دعا میں یہی ہوتا ہے کہ ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں منہ سے دعائیہ کلمات نکالے جاتے ہیں اور یہ سب کچھ ماتحت الاسباب ہے اور امور عادیہ میں سے ہے ہاں اس پر شفاء کا نتیجہ مرتب کرنا خرق عادت امر ہے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اسی طرح آپ کے کپڑوں اور بالوں سے تبرک حاصل کرنا اور ان کی برکت اور توسل سے اللہ تعالیٰ سے شفا طلب کرنا بجا اور درست ہے مگر اس کو مافوق الاسباب یا امور غیر عادیہ سے تعبیر کرنا بالکل غلط ہے یہ چیزیں خود خرق

عادت نہیں ہیں ہاں اس اختیار کردہ طریقہ پر اثر مرتب کرنا خرقِ عادت ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور دونوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے فاین الثریٰ من الثریا کاش کہ مؤلف مذکور اس واضح فرق کو سمجھ لیں کہ علم ایک گہرا سمندر ہے۔ جس میں غوطہ خوری کے لئے ماہر استادوں سے تلمذ ضروری ہے ے

سلسلہ سُننی کا ہے اک بحرِ ناپیدا کنارہ
اور اس دریائے بے پایاں کی ہیں موجیں ہزار

۳۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑوں اور بالوں اور منہ مبارک سے دعا کرتے وقت پھونک مارنے کو مافوق الاسباب کہنا علم و خرد کا منہ چڑانا ہے کیونکہ یہ سب چیزیں عالمِ اسباب کی ہیں پھر محض کپڑے، بال اور پھونک تو بلاشک کوئی چیز نہیں، لیکن جب ان بالوں، کپڑوں اور پھونک کی نسبت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی طرف ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس مبارک نسبت سے یہ اُمور ایک قوی سبب قرار پا گئے ہیں خود مؤلف مذکور ص ۸ میں لکھتے ہیں۔ انگلی سے اشارہ کرنا دُعا کے لئے ہاتھ اٹھانا یہ کسب ہے الخ اور ظاہر امر ہے کہ کسب تحت الاسباب ہے نہ کہ مافوق الاسباب۔ الغرض مبارک نسبت کو بھی ملحوظ رکھئے اور کسب و خلق کو بھی اور عقل و خرد کا خیال بھی کیجئے ادھر اور اُدھر کی باتوں میں نہ الجھئے مگر

تیرے محیط میں کہیں بھی گوہرِ زندگی نہیں ! !
ڈھونڈ چکا ہیں موج موج دیکھ چکا صدف صدف

۴۔ جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شرک کیا ہی نہیں تو سرفراز پر کیا مصیبت پڑی ہے کہ وہ پاک ہستیوں اور نفوس قدسیہ کی طرف شرک کی نسبت کرے البتہ سرفراز یہ ضرور گذارش کرے گا کہ آپ کہیں سے علم نافع حاصل کریں (اور وہ دیوبندیوں ہی سے حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ علم ان کی وراثت ہے اور شرعی قاعدہ ہے کہ وراثت صلبی اولاد کو ملا کرتی ہے لقیط اور لے پالک کو نہیں ملا کرتی) اور اپنے سوء مزاج کا روحانی علاج کرائیں رہا مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ آپ نے اس صحابی کو جراح و طبیب کے پاس کیوں نہیں بھیجا،

اور یہ کیوں نہیں فرمایا کہ میں کسی کو نفع وضرر نہیں پہنچا سکتا (محصلہ) تو یہ صرف ایک مغالطہ ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علاج کے دونوں طریقے ثابت ہیں دعا کے ذریعہ سے بھی اور دواء کے ذریعہ سے بھی مؤلف مذکور کو کتب حدیث میں کم ازکم کتاب الطب ہی غور سے پڑھ لینا چاہیئے اور آپ کا یہ ارشاد بھی یاد رکھنا چاہیئے۔

تداووا فان اللہ تعالیٰ لم یضع داءً الاوضع لہٗ دواءً الحدیث (ابوداؤد ج ۲ ص۱۸۳ واللفظ لہٗ ومسند ج ۴ ص۱۹۷ وموارد الظمآن ص۳۳۹)	علاج کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں رکھی جس کے لئے اس نے علاج نہ رکھا ہو الخ

اور مؤلف مذکور کو یہ روایت بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے۔

عاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً بہٖ جرح فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادع لہٗ طبیب بنی فلان قال فدعوہ فجاءہٗ الحدیث (مجمع الزوائد ج ۵ ص۸۴ رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح)	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک زخمی آدمی کی بیمار پرسی کی اور فرمایا کہ اس کے لئے فلاں قبیلہ کے طبیب کو بلاؤ چنانچہ انہوں نے اس کو بلایا اور وہ آگیا۔

اس صحیح حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوگیا کہ آپ نے حکیم اور طبیب کی طرف مراجعت کا حکم بھی دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر امتی کی سہولت کے لئے دونوں طریقے بتائے ہیں دعاء کا بھی اور طبیب طلب فرما کر اس سے علاج ومعالجہ کا بھی مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیئے کہ شرعی دائرہ میں رہ کر علاج ومعالجہ بھی فی الجملہ احکام شرعیہ میں داخل ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو کتب حدیث میں محدثین کرامؒ باب الطب کو کبھی جگہ نہ دیتے یہ مؤلف مذکور کی کوتاہ فہمی ہے کہ وہ اس سے صرف نظر کرتے ہیں اور یوں گویا ہیں کہ آپؐ یوں فرماتے کہ میں تو بس احکام شرعیہ پہنچانے آیا ہوں (محصلہ) اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ دے بشرطیکہ ان کو اس کی طلب بھی ہو ؎

مثل کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی !!
اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لَاتَخَف

۵۔ بحمد اللہ تعالیٰ سرفراز کی آنکھیں تو اس دن سے کھلی ہوئی ہیں جس دن سے اس کو علماء دیوبند سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا ہے اور وہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بلند مقامات اور دینی کارناموں کو تاریخی طور پر بخوبی جانتا ہے اس کو ان کے خلاف کچھ کہنے کی ہمت ہی نہیں وہ تو ان کے نقشِ قدم پر چلنا اور ان کی پیروی کرنا اپنے لئے فخر سمجھتا ہے رہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ارفع اور اقدس ذات پر معاذ اللہ تعالیٰ کوئی حکم لگانا یا سوءِ ادب کی ادنیٰ سی نسبت بھی کرنا تو یہ کسی بے حیا آدمی ہی کا کام ہی ہو سکتا ہے کوئی مسلمان اس کا ادنیٰ تصور بھی نہیں کر سکتا یہ مؤلف مذکور کی نادانی ہے کہ انہوں نے عوام الناس کے جذبات کو بلاوجہ اُبھارنے کے لئے اس قسم کی تعبیر سے کام لیا ہے ہم تو ببانگ دہل کہتے ہیں کہ ؎

جو اِس دُنیائے فانی میں طلب گارِ ہدایت ہو
وہ سچے دل سے پیغمبر کا پیرو کار ہو جائے

خلق اور کسب | مؤلف مذکور نے یہ عنوان قائم کیا ہے پھر اس کے بارے میں صـ۸۰ـ میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ اس مقام پر یہ حضرات کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو نبی کا معجزہ ہے اور معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے یہ محض دھوکہ دہی کے سوا کچھ نہیں کیونکہ نبی کا معجزہ ہو یا ولی کی کرامت یا عام لوگوں کے افعال سب کا حقیقتہً خالق اور فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے بندوں کی طرف ان افعال کی نسبت خواہ عادیہ ہوں یا غیر عادیہ محض ظاہری اور صوری طور پر ہوتی ہے۔ لہٰذا افعال عادیہ اور غیر عادیہ میں خلق یا کسب کے لحاظ سے تفریق کرنا بداہتہً باطل ہے۔

۲۔ افعال عادیہ کی نسبت سرفراز صاحب بندوں کی طرف تسلیم کرتے ہیں ہم وہ آیات پیش کرتے ہیں جن میں افعال غیر عادیہ کی نسبت بندوں کی طرف کی گئی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے تین مضمون قرآن کریم سے نقل کئے ہیں اور ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا نقل کیا

ہے تاکہ بقول مؤلف مذکور کے فریق ثانی پر اتمام حجت ہو ہم ان آیات اور ان کے ترجمہ کا خلاصہ بیان کرتے جس کے پاس کتاب کا علم تھا، اس نے کہا کہ میں آنکھ جھپکنے سے پہلے وہ (تخت) تیرے سامنے لاکر کھڑا کر سکتا ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ میں تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ پھر حضرت عیسٰی علیہ السلام کے باذن اللہ تعالیٰ مٹی کی چڑیاں بنا کر ان میں پھونک کر اڑا دینے مردوں کو زندہ کرنے مادر زاد اندھوں کو بینا کر دینے اور جذام والے کو اچھا کر دینے کا تذکرہ کیا ہے (محصلہ)

۳۔ ان بالا آیات میں افعال غیر عادیہ کی نسبت مخلوق کی طرف کی گئی ہے حقیقت یہ ہے کہ عام افعال کی طرح معجزات اور کرامات کے ساتھ دو قدرتیں متعلق ہوتی ہیں۔ ایک انبیاء اور اولیاء کی قدرت بلحاظ کسب کے اور ایک اللہ کی قدرت بجہت خلق اور ایجاد کے پس نبی علیہ السلام کا دم کرنا، انگلی سے اشارہ کرنا، دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا یہ کسب ہے اور اللہ تعالیٰ کا تکلیف دور کرنا چاند شق کر دینا سورج پلٹا دینا یہ خلق ہے اور ان افعال کی نسبت نبی علیہ السلام کی طرف بلحاظ کسب ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلحاظ خلق ہے اور جس طرح عوام بشر کی قدرت اختیار میں افعال عادیہ ہوتے ہیں اسی طرح خواص بشر اور اولیاء اللہ کی قدرت میں افعال غیر عادیہ ہوتے ہیں سرفراز صاحب کا صرف امور عادیہ میں بندوں سے استعانت جائز رکھنا علمی بے مائیگی اور بصیرت سے محرومی کے سوا کچھ نہیں ہے (محصلہ)

الجواب: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف مذکور کو کتب کلام و عقائد اور معتبر علماء کی کتابیں پڑھنے اور دیکھنے کی توفیق ہی نصیب نہیں ہوئی ورنہ وہ اس قسم کی غلط باتیں ہرگز نہ کہتے اور نہ غیر متعلق امور کا تذکرہ کر کے عوام کو مغالطہ میں مبتلا کرتے ہم ترتیب سے ان کے مغالطات کا رد کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ اہل حق کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے معجزہ ہو یا کرامت امور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اس میں نہ تو اختلاف ہے اور نہ اختلاف کی کوئی گنجائش ہے لیکن معجزہ اور کرامت میں باوجود اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خلق سے صادر ہوتے ہیں نبی اور ولی کا اختیار نہیں ہوتا۔

بخلاف امور عادیہ کے کہ ان میں بندے کا اختیار ہوتا ہے بالفاظ دیگر معجزہ اور کرامت میں کسب بھی نہیں ہوتا اور باقی افعال میں کسب ہوتا ہے مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ اہل حق معجزہ کو خدا تعالیٰ کا فعل کہہ کر دھوکہ دہی کے مرتکب ہیں یا افعال عادیہ اور غیر عادیہ میں خلق اور کسب کے لحاظ سے تفریق کرنا بداہتہً باطل ہے۔ خالص جہالت اور علم و بصیرت سے محرومی کی واضح ترین نشانی اور علامت ہے۔ علامہ آمدیؒ وغیرہ نے عقلی اور فنی طور پر صرف علمی انداز میں ھل یتصور کے جملہ سے یہ بحث تو نقل کی ہے کہ کیا اس کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ معجزہ مقدور رسول ہے یا نہیں! ایک گروہ اس کو مقدور کہتا ہے اور دوسرا منکر ہے لیکن یہ صرف تصوری۔ امکانی اور علمی بحث ہے۔ معجزہ کی تعریف میں وہ بنیادی طور پر یہ تحریر فرماتے ہیں کہ معجزہ کی سات شرطیں ہیں۔

الاول ان یکون فعل اللہ تعالیٰ او ما یقوم مقامہ من التروک (شرح العقائد العضدیہ للدوانی ج ۲ ص ۹۵ وشرح المواقف ص ۶۶۵ طبع لکھنؤ)

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہو یا اس کے قائم مقام ہو جیسے ترک (مثلاً آگ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ جلانا کیونکہ اس میں ترکِ احراق ہے۔ وفیہ بحث علمی)

اس سے صاف طور پر یہ ثابت ہوا کہ معجزہ اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہوتا ہے اس میں کسی اور کا دخل بالکل نہیں ہوتا قاضی عیاضؒ (المتوفی ۵۴۴ھ) معجزہ کی بحث کرتے ہوتے اور اس کی مثالیں بیان کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں۔

مما لا یمکن ان یفعلہ احد الا اللہ تعالیٰ فیکون ذلک علیٰ ید النبی من فعل اللہ تعالیٰ الخ (شفا ص ۱۲۲ طبع مصر)

معجزہ ایک ایسی چیز ہے کہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر اس کو کوئی اور کر سکے گو وہ نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے مگر وہ فعل اللہ تعالیٰ ہی کا ہوتا ہے۔

اور اس کی شرح نسیم الصفا میں ہے۔

قال المتکلمون وتختص المعجزۃ بکونہا حضرات متکلمینؒ فرماتے ہیں کہ معجزہ خصوصیت کے

فعل اللہ تعالیٰ ولیست داخلۃ تحت قدرۃ البشر — ساتھ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور یہ بشر کی قدرت میں داخل نہیں ہے

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) معجزہ پر طویل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

بلکہ این مبنی است بر آنکہ معجزہ فعل نبی نیست بلکہ فعل خدائے تعالیٰ است کہ بر دست وے اظہار نمودہ بخلاف افعال دیگر کہ کسب این از بندہ است وخلق از خدا تعالیٰ ودر معجزہ کسب نیز از بندہ نیست اھ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۱۶ طبع ناصری دہلی)

بلکہ یہ اس بات پر مبنی ہے کہ معجزہ نبی کا فعل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو اس نے نبی کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا بخلاف دیگر افعال کے کہ ان میں کسب بندہ سے ہے اور خلق خدا تعالیٰ سے اور معجزہ میں کسب بھی بندہ سے نہیں ہے۔

اور نیز وہ لکھتے ہیں۔

چہ معجزہ وکرامت فعل خدا تعالیٰ است کہ ظاہر می گردد بر دست بندہ بجہت تصدیق وتکریم وے نہ فعل بندہ است کہ صادر می گردد بقصد واختیار او مثل سائر افعال (ترجمہ فتوح الغیب ص ۲۷)

کہ معجزہ اور کرامت خدا تعالیٰ کا فعل ہے جو بندہ کی تصدیق وتکریم کے طور پر بندہ کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے یہ بندے کا فعل نہیں ہوتا جو دیگر افعال کی طرح اس کے قصد واختیار سے صادر ہو۔

مؤلف مذکور دیگر حوالوں کو عموماً اور حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ کے حوالوں کو خصوصاً بار بار دیکھیں کہ وہ کیا فرما گئے ہیں؟ اور کیا معجزہ کو اللہ تعالیٰ کا فعل کہہ کر دسوکہ دہی کا بے بنیاد الزام ہم پر ہی عائد ہوتا ہے یا حضرات متکلمینؒ اور حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ کو بھی اس سے کچھ حصہ ملے گا؟ مؤلف مذکور کو رعایت اور مصلحت سے بالاتر ہو کر ضرور کچھ کہنا پڑے گا مگر ہو بامعنیٰ کیونکہ سے

صاحبِ الفاظ کو دفتر سے بھی سیری نہیں
صاحبِ معنیٰ کو بس اک لفظ کافی ہو گیا!

ہم اس سے زیادہ یہاں کچھ نہیں کہنا چاہتے اس لئے کہ بفضلہ تعالیٰ ہم نے اپنی کتاب راہ ہدایت میں احیاء العلوم۔ مقدمۂ ابن خلدون۔ مسایرۃ ومسامرۃ۔ تہافت الفلاسفہ لابن رشدؒ اور تفہیمات الٰہیہ وغیرہ کتابوں سے باحوالہ مبسوط بحث کر دی ہے وہ اسی میں ملاحظہ کر لی جائے۔

الغرض یہ بات طے شدہ ہے کہ معجزہ اور کرامت کا حکم ایک ہی ہے وہ یہ کہ دونوں اللہ تعالیٰ کا فعل اور وہبی ہیں اور وہ نبی اور ولی کا فعل نہیں اور نہ وہ کسبی اور اختیاری ہیں مندرجہ بالا حوالوں میں یہی حقیقت بالکل عیاں کی گئی ہے اگر مؤلف مذکور کو ان سے تسلی اور اطمینان نہیں تو ہم ان کو ان حوالوں کے تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کرتے کیونکہ بحمد اللہ تعالیٰ ہم علمی میدان میں بڑے وسیع الصدر ہیں حق بات کو دلیل اور برہان سے تسلیم کرتے اور کراتے ہیں سینہ زوری سے کام نہیں لیتے ہم ان کی تسلی کے لئے ان کے اعلیٰ حضرت کا سردست ایک حوالہ عرض کرتے ہیں ملاحظہ کیجئے۔

عرض۔ کیسی کی کرامت کسبی بھی ہوتی ہے ؟

ارشاد۔ کرامت سب کی وہبی ہوتی ہے اور وہ جو کسب سے حاصل ہو بھان متی کا تماشا ہے لوگوں کو دھوکہ دینا ہے (ملفوظات حصہ چہارم ص۱۳ طبع یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ) مؤلف مذکور ہی انصاف سے فرمائیں کہ ہم گنہگار کرامت کو وہبی تسلیم کر کے اس کو کرامت تسلیم کریں یا کسبی اور اختیاری تسلیم کر کے اس کو بھان متی کا تماشا مانیں؟ اور کیا (معجزہ کی طرح) کرامت کو وہبی تسلیم کر کے حقیقت پسندی کا ثبوت دیں یا کسبی مان کر لوگوں کو دھوکہ دیں ؟ آپ نے تو یہ کہا ہے کہ معجزہ کو خدا کا فعل کہنا محض دھوکہ ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں ؟ اور آپ کے اعلیٰ حضرت یہ فرماتے ہیں کہ کرامت کو کسبی کہنا دھوکہ ہے اب فرمائیں کہ دھوکہ باز کون ہے ؟ حجاب کی ضرورت نہیں اِنّم آپ کا محرم راز ہے فرمائیے بات آپ کی صحیح ہے یا آپ کے اعلیٰ حضرت کی، کچھ تو لب کشائی فرمائیے ؟ ؎ تیری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری

میری دعا ہے تیری آرزو بدل جائے!

۲۔ افعال غیر عادیہ میں بندوں کی طرف نسبت سے آپ کی کیا مراد ہے۔؟ اگر یہ مراد ہے کہ ان کے ہاتھ پر وہ افعال صادر ہوتے ہیں تو اس کا کون منکر ہے؟ اور اگر یہ مراد ہے کہ معجزہ اور کرامت وغیرہ افعال غیر عادیہ میں مخلوق کا دخل ہوتا ہے اور یہ ان کے کسب واختیار سے صادر ہوتے ہیں تو باحوالہ گذر چکا ہے کہ یہ نظریہ قطعاً غلط ہے اور جو تین مضمون آپ نے اپنے اس غلط دعوٰی کے اثبات پر قرآن کریم سے پیش کئے ہیں ان سے آپ کا مدعٰی ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔

اوّل تو اس لئے کہ مشہور قول کی بناء پر بلقیس کا تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ان کا وزیر حضرت آصف بن برخیا لایا تھا۔ اور خود مؤلف مذکور نے ص۱۱ میں یہ لکھ کر اس کو تسلیم کیا ہے کہ قول مشہور یہی ہے انتہٰی یہ واقعہ ایک قول کے رُو سے حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ اور دوسرے کے رُو سے ان کے مومن صحابی اور وزیر کی کرامت ہے اور کرامت درحقیقت نبی کا معجزہ ہوتا ہے جو ان کی پیروی میں حاصل ہوتی ہے اور پہلے گذر چکا ہے کہ معجزہ اور کرامت کسبی اور اختیاری نہیں ہوتے اس لئے یہ آپ کو مفید نہیں اور

دوم اس لئے کہ خود اس آنے والے فرشتے کی تصریح ہے اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ کہ (اے مریمؑ) میں تو تیرے رب کا فرستادہ۔ سفیر، قاصد اور ڈاکیا ہوں، اور قاصد اور ڈاکیا از خود کچھ نہیں دیا کرتا وہی کچھ حوالے کیا کرتا ہے جو اس کو پیچھے سے ملا ہوتا ہے اس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا کام صرف اتنا تھا کہ انہوں نے حضرت مریمؑ کو بشارت دی اور تفسیر آپ کے صدر الافاضل کے جبریل نے ان کے گریبان میں یا آستین میں یا دامن میں یا منہ میں دم کیا اور وہ بقدرت الٰہی فی الحال حاملہ ہوگئیں ص۴۲۴ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف اس امر کی نسبت صرف اس معنی میں ہے کہ یہ فعل ان کے ہاتھ پر صادر ہوا جس کو حضرت جبرائیل یا حضرت مریم علیہما السلام کی کرامت سے اگر تعبیر کر دیا جائے تو شاید نامناسب نہ ہوگا لیکن عمل دخل اس کا روائی میں قدرت الٰہی ہی کا تھا لہٰذا یہ واقعہ بھی آپ کو سود مند نہیں ہے یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم کو حضرت عیسٰی علیہما السلام کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری سنائی تھی چنانچہ ارشاد ہے

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ	جب فرشتوں نے مریم سے کہا اے مریم اللہ
يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ	تجھے بشارت دیتا ہے اپنے پاس سے ایک
الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ الآية	کلمہ کی جس کا نام عیسٰے بن مریم ہے۔

(پ۳، ال عمران - ۱۵)

علاوہ ازیں جو کام اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سپرد کئے ہیں وہ ماتحت الاسباب ہیں مافوق الاسباب نہیں چنانچہ آپ کے اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں۔

"اللہ اکبر حاکم حقیقی عز جلالہ پاک ہے اس سے کہ کسی سے توسل کرے، وہی اکیلا حاکم اکیلا خالق اکیلا مدبر ہے سب اُس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں اس نے عالم اسباب میں ملائکہ کو تدبیر اُمور پر مقرر فرمایا ہے قال تعالیٰ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا اھ (احکام شریعت حصہ سوم ص۱۶۴)"

الغرض اس واقعہ سے افعال غیر عادیہ اور مافوق الاسباب اُمور کو مخلوق کی طرف نسبت کر کے ان میں ان کا اختیار ثابت کرنا پھر اس سلسلہ میں ان سے استعانت کا جواز ثابت کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور کا زعم باطل ہے ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور

سوم اس لئے کہ یہ جتنے واقعات مذکور ہیں حضرت عیسٰے علیہ السلام کے معجزات ہیں اور پہلے باحوالہ عرض کیا جا چکا ہے کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اس میں نبی کا کسب اور دخل نہیں ہوتا۔

۴۔ ان آیات میں افعال کی نسبت مخلوق کی طرف صرف اس لئے کی گئی ہے کہ یہ اُمور اس کے ہاتھ پر صادر ہوئے ہیں نہ اس لئے کہ ان افعال میں مخلوق کا کوئی کسب اور دخل ہے جیسا کہ مؤلف مذکور کا زعم باطل ہے رہا ان کا یہ کہنا کہ معجزہ اور کرامت میں کسب نبی اور ولی کا ہوتا ہے اور خلق خدا کی ہوتی ہے اور نیز یہ لکھنا کہ خواص بشر کی قدرت افعال غیر عادیہ میں ہوتی ہے لہٰذا ان سے استعانت درست ہے قطعاً

باطل اور سراسر مردود ہے کَمَا مَرَّ بِالتَّنَبِہ دم کے لئے نبی کا پھونک مارنا اور دعائے لئے ہاتھ اٹھانا اور شق قمر کے لئے انگلی مبارک کا اشارہ کرنا یہ کسب ہے لیکن معجزہ ان امور کا نام نہیں ہے معجزہ دم کے بعد اس کے نتیجہ میں بیمار کو شفاء کا حاصل ہو جانا، اور اسی طرح دعا کے بعد تکلیف کا رفع ہو جاتا اور انگلی مبارک سے اشارہ کرنے کے بعد چاند کا شق ہو جانا ہے اور یہ امور کسباً بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیار میں نہ تھے یہ صرف اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں جو آپ کے ہاتھ پر صادر ہوئے اللہ تعالیٰ مؤلف مذکور کو فہم وبصیرت عطا فرمائے تاکہ وہ بات کو سمجھ سکیں اور غلط بحث کا ارتکاب نہ کریں مؤلف مذکور خود بھی دعا کریں کہ وہ حقیقت آشنا ہو جائیں ؎

تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی !!

مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے

<u>سرفراز صاحب کی بحث شرک میں پہلی غلطی</u> مؤلف مذکور نے یہ عنوان قائم کر کے آگے جو کچھ لکھا ہے اس کا نہایت اختصار کے ساتھ خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ سرفراز صاحب ماتحت الاسباب اور ظاہری استعانت کے جواز کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ عادۃً یہ بندے کے اختیار میں ہوتے ہیں پس اختیار سے کیا مراد ہے؟ اگر علیٰ وجہ الایجاد ہے تو یہ شرک ہے اور اگر علیٰ وجہ الکسب ہے تو یہ کسب و اختیار امور غیر عادیہ میں بھی ہوتا ہے تو پھر ان میں استعانت کیوں شرک اور ناجائز ہے۔

۲۔ مافوق الاسباب امور میں استعانت کا قرآن کریم سے ثبوت ہے سورۂ نمل میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار والوں سے فرمایا تم میں سے کون بلقیس کا تخت مجھے لا کر دیتا ہے چنانچہ وہ تخت بالآخر لا کر ان کے سامنے رکھ دیا گیا اگر مافوق الاسباب امور میں غیر اللہ سے استعانت شرک ہے تو کیا اس فتویٰ کی زد براہ راست حضرت سلیمان علیہ السلام پر پڑتی ہے یا نہیں؟ کیا قرون ثلاثہ میں انبیاء علیہم السلام کو مشرک قرار دیا جاتا تھا؟ (معاذ اللہ تعالیٰ) میں اپنے ہم مسلک علماء سے عرض کرتا ہوں کہ وہ ان لوگوں کے مشرک قرار دینے کے حکم پر صبر کریں کیونکہ وہ تو

حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھی مشرک قرار دینے سے نہیں چوکتے یہ شبہ نہ ہو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خادم سے یہ کام کیوں لیا؟

اولاً: جواب یہ ہے تاکہ ان کو خدمت کا موقع اور شرف نصرت عطا ہو۔

وثانیاً: جب خدام کی طاقت اور وسعت اختیار کا یہ عالم ہے تو آقا کی شان کا کیا عالم ہوگا؟

وثالثاً۔ اس میں اشارہ ہے کہ اُمور مافوق الاسباب میں استعانت جائز ہے ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایسا مطالبہ نہ کرتے۔

ورابعاً اس میں اشارہ ہے کہ مافوق الاسباب امور میں تصرف صرف انبیاء کرام علیہم السلام سے مختص نہیں بلکہ کرمِ الٰہی سے یہ تصرفات اولیاء اللہ کو بھی حاصل ہوتے ہیں اس کے بعد انہوں نے شرح عقائد ص۲۲۶ سے علامہ نسفیؒ اور علامہ تفتازانیؒ کا حوالہ نقل کیا ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں مثلاً مسافت بعید کا مدت قلیلہ میں طے کر لینا اور آصف بن برخیا کا تخت بلقیس کو پلک جھپکنے میں لے آنا۔

۳۔ اگر سرفراز صاحب کو یہ شبہہ ہو کہ یہ تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کا واقعہ ہے پس ہمارے لئے یہ کیسے حجت ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بغیر انکار کے کوئی واقعہ بیان فرمائیں تو اس کے حجت ہونے میں رتی بھر شک نہیں قمر الاقمار ص۶ میں ہے کہ شرائع سابقہ کو جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بغیر انکار کے بیان فرمائیں تو وہ ہمارے لئے حجت ہے جیسا کہ اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ میں قصاص کا حکم۔ جب اسرائیلی اولیاء کو مافوق الاسباب اُمور پر قدرت ہے تو اس امت کے اولیاء کو یہ اعزاز کیوں حاصل نہیں جب کہ خیر اُمت کا تاج اس امت کے سر پر رکھا گیا ہے اب ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ جب مافوق الاسباب امور میں استعانت شرک ہے تو انبیاء کرام اس شرک کو کیوں کرتے رہے؟ اللہ تعالیٰ نے بلا انکار اس کا ذکر کیوں کیا؟ اور حضرت سلیمان کی اس استعانت پر مؤاخذہ کیوں نہیں ہوا؟ آپ کا خدا تعالیٰ پر کیا فتویٰ ہے کہ اس نے خالص شرک کی تائید کی۔ معاذ اللہ تعالیٰ

۴۔ یہ تو مافوق الاسباب اُمور میں زندوں سے استعانت تھی اب ہم ان سے استمداد کا ثبوت پیش کرتے ہیں جن کو سرفراز صاحب زندہ نہیں سمجھتے مشکوٰۃ ص۵۴۵ میں دارمی کے حوالہ سے روایت ہے کہ مدینہ طیبہ میں سخت قحط پڑ گیا، تو لوگوں نے حضرت عائشہ رضؓ سے شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک کو دیکھ کر اس کے مقابل آسمان کی جانب سوراخ کر دو کہ قبر مبارک اور آسمان کے درمیان حجاب نہ رہے چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا تو خوب بارش ہوئی یہ واقعہ نشر الطیب ص۳۰۳ میں بھی نقل کیا گیا ہے سوال یہ ہے کہ لوگ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس شکایت لے کر کیوں گئے؟ براہ راست خدا سے دعا کیوں نہ کی؟ اگر لوگوں نے یہ شرک کر ہی لیا تھا تو حضرت عائشہ رضؓ اُن کو نمازِ استسقاء کا حکم دیتیں جو مروج طریقہ تھا، سرفراز صاحب کے نزدیک اس خود ساختہ شرک کا حکم کیوں دیا؟ اور جن کو یہ حکم دیا تھا وہ صحابہ رضؓ اور تابعین رحؒ تھے انھوں نے حضرت عائشہ رضؓ کی اصلاح کیوں نہ کی کیونکہ ام المومنین رضؓ نے اس امر تکوینی یا امر مافوق الاسباب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر سے استعانت کی ہے اور آپ امور تکوینیہ اور مافوق الاسباب امور میں استعانت کو شرک کہتے ہیں؟ تو آپ کا ام المومنین رضؓ اور ان نفوس قدسیہ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ شامی رحؒ کی عبارت سے بھی مافوق الاسباب اُمور میں استعانت کا جواز ثابت ہے چنانچہ وہ ج۱ ص۴۱ میں لکھتے ہیں کہ حضرت معروف کرخی رحؒ عظیم مشائخ میں سے تھے مجاب الدعوات تھے اور ان کی قبر سے بارش طلب کی جاتی تھی ان کی وفات دوسری صدی ہجری میں ہوئی ہے بریلویوں کو قبر پرستی کا طعنہ دینے والے دیدۂ عبرت سے اس عبارت کو پڑھیں اور غور کریں کہ قبر کے نزدیک دعا مانگنے سے بارش کا حاصل ہو جانا سبب عادی ہے یا غیر عادی اگر سبب عادی ہے تو ہر قبر کے پاس دعا مانگنے سے بارش نہیں ہوتی اور معروف کرخی رحؒ کی قبر کے پاس دعا مانگنے کی کیا خصوصیت باقی رہی؟ اب ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اپنی حاجات اور مشکلات میں قبر پر جا کر دعا مانگنا اور صاحب قبر کو وسیلہ بنانا یہ عہد صحابہ رضؓ تابعین رحؒ اور اتباع ابی حنیفہ رحؒ کے معمولات میں ہے یا چودھویں صدی کی بدعت ہے؟ اگر کوئی چیز بدعت ہے، تو مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب اُمور میں فرق کرنا ہے اور تصرفات اولیاء کا انکار

کرنا ہے۔ اور کمالات انبیاء سے عناد ہے۔ اسباب شرک میں زمان و مکان کا فرق کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے امکان کذب کا عقیدہ ایجاد کرنا ہے (محصلہ ص ۹ تا ۱۶)

الجواب: ہم نے مؤلف مذکور کے دلائل اور حوالوں کا مکمل خاکہ نہایت اختصار کے ساتھ انہی کے اکثر الفاظ میں عرض کر دیا ہے کیونکہ ؎

سُن تو سہی کہ غیب سے آتی ہے کیا صدا
الفاظ خود دکھائیں گے گرمی سے بول کر

اب آپ ہر شق کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ پہلے تفصیل سے یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ مافوق الاسباب اور غیر عادیہ اُمور میں جن کو معجزات اور کرامات سے تعبیر کیا جاتا ہے مخلوق کا نہ تو کسب ہوتا ہے اور نہ بس واختیار یہ اُمور محض اللہ تعالیٰ کے افعال ہوتے ہیں جو مخلوق کے ہاتھ پر صادر ہوتے ہیں مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ ان میں مخلوق کا کسب و اختیار ہوتا ہے سراسر باطل ہے جب یہ اُمور ان کے بس کا روگ ہی نہیں تو اُن میں مخلوق سے استعانت شرک بھی ہے اور ناجائز بھی ہے اس کو شرک نہ کہنا اور جائز کہنا نری نادانی ہے۔

۲۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بلقیس کے تخت کا فوراً حاضر کر دیا جانا یہ مشہور قول کی بناء پر حضرت آصف بن برخیا کی کرامت تھی اور ولی کی کرامت نبی کا معجزہ ہوتا ہے حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ عثمانی تحریر فرماتے ہیں یعنی یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا۔ اللہ کا فضل ہے کہ میرے رفیق اس درجہ کو پہنچے جن سے ایسی کرامات ظاہر ہونے لگیں اور چونکہ ولی کی خصوصاً صحابی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ اور اس کے اتباع کا ثمرہ ہوتا ہے اس لئے حضرت سلیمانؑ پر بھی شکر گزاری عائد ہوئی (ص ۴۹۲) اور آپ کے صدر الافاضل لکھتے ہیں۔ اس سے آپ کا مدعا یہ تھا کہ اس کا تخت حاضر کر کے اس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اپنی نبوت پر دلالت کرنے والا معجزہ دکھا دیں الخ (ص ۵۴۹) جب یہ کاروائی کرامت اور معجزہ ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اس میں مخلوق کا کوئی بس اور اختیار نہیں ہوتا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا اپنے درباریوں سے یہ فرمانا کہ تم میں

کون ہے کہ وہ اُس کا تخت میرے پاس لے آئے الخ مؤلف مذکور نے اس جملہ سے استمداد و استعانت سمجھ رکھی ہے ہو سکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایسا فرمانا ایک حیرت انگیز چیز کی طرف محض توجہ دلانا ہو جو عنقریب وقوع پذیر ہونے والی تھی یا اپنے ان درباریوں کا ایک گونا امتحان لینا ہو اور وہ تخت خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کی دعا کی برکت سے آگیا ہو لہٰذا اس کارروائی میں غیر سے استمداد و استعانت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا آخر ایک تفسیر یہ بھی تو ہے اس کو آپ کیوں نہیں لے لیتے کہ "ہینگ لگے نہ پھٹکڑی" اگر آپ کو ہماری بات پر یقین نہیں آتا تو نہ کریں اپنے صدر الافاضل ہی کی تفسیر سُن لیں وہ لکھتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا لاؤ حاضر کرو آصف نے عرض کیا آپ نبی ابن نبی ہیں اور جو رُتبہ بارگاہِ الٰہی میں آپ کو حاصل ہے یہاں کس کو میسّر ہے؟ آپ دعا کریں تو وہ آپ کے پاس ہی ہوگا۔ آپ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو، اور دعا کی اُسی وقت تخت زمین کے نیچے نیچے چل کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے قریب نمودار ہوا انتہیٰ (بلفظہٖ صفحہ ۵۵)

لیجئے اب تو قصہ ہی طے ہوگیا کہ یہ ساری کارروائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی اپنی دعا کی برکت سے ہوئی اور دعا قبول کرنے والا صرف خدا تعالیٰ ہے مخلوق کا کوئی فرد نہیں لہٰذا اس واقعہ کو مخلوق سے مافوق الاسباب اُمور میں استعانت طلب کرنے کی مد میں ذکر کرنا کھلی جہالت ہے اور اگر کرامت کے طور پر ان سے تخت منگوانے کا مطالبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیا ہے جیسا کہ مشہور ہے تو اس لئے نہیں کہ کرامت کسب و اختیار کی چیز ہوتی ہے بس اس لئے کہ ہمارا یہ رفیق رجوع الی اللہ کرے گا یا اسم اعظم کی برکت سے دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر یہ کارروائی صادر فرمادے گا۔ آپ کے صدر الافاضل لکھتے ہیں آپ کے وزیر آصف بن برخیا جو اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم جانتے تھے بلفظہٖ (صفحہ ۵۵)

الغرض یہاں مافوق الامر میں استمداد و استعانت اُس مد کی نہیں جس کے اثبات کے مؤلف مذکور درپے ہیں کہ مافوق الاسباب اُمور میں بھی مخلوق کا کسب و اختیار

ہوتا ہے جب ایسا نہیں ہے تو نہ تو اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام پر کوئی فتویٰ لگتا ہے اور نہ ان پر کوئی زد آتی ہے اور نہ خیر القرون والوں کو اس سلسلہ میں کچھ کہنے کی ضرورت تھی خواہ مخواہ خیر القرون مشہود لہا بالخیر کا تذکرہ کر کے اپنے ناخواندہ حواریوں کو خوش نہ کریں اور نہ عوام کو دھوکہ دیں ہاں اپنے آپ کو اور اپنی جماعت کے علماء کو شرک ترک کرنے کی ضرور تلقین کریں اور مشورہ دیں کیونکہ وہ شرک کے دلدل سے کسی طرح نکلنے پر آمادہ نہیں اور نہ اس نوناوے کے چکر سے ان کے لئے نکلنا مقدر ہے آخر نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی ارشاد خداوندی ہی تو ہے باقی شبہ کو حل کرنے کے لئے مؤلف مذکور نے جو نکات بیان کئے ہیں تو وہ بالکل بے سود ہیں۔

اوّل اور دوم تو اس لئے کہ ایک تعبیر کی رُو سے یہاں خدام سے خدمت لینے کی نوبت ہی نہیں آئی اور نہ کرامت میں مخلوق کی قدرت اور وسعتِ اختیار کا کوئی دخل ہوتا ہے کما مرّ اور

سوم اور چہارم اس لئے کہ نہ تو مافوق الاسباب اُمور میں مخلوق سے استعانت جائز ہے اور نہ یہ اُمور اُن کے لیس و اختیار میں ہوتے ہیں مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے۔ باقی علامہ نسفیؒ اور علامہ تفتازانیؒ کے حوالے علی الراس والعین ہمارے مدعیٰ کے بالکل مطابق ہیں ہم کرامت کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور اس کے خرق عادت ہونے کو بھی۔ مؤلف مذکور نے جو کچھ کہا ہے صرف بے سمجھی میں کہا ہے ہماری دُعا اور آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں سمجھ دے مگر ؎

آرزو دنیا میں کب نکلی اولوالابصار کی
چشمِ موسیٰ کو بھی حسرت رہ گئی دیدار کی

۳۔ ہم اس بات کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہیں کہ پہلی شریعتوں کا کوئی حکم اگر قرآن کریم اور حدیث شریف میں بلا نکیر بیان کیا گیا ہو تو وہ ہمارے لئے حجت ہے لہٰذا فقہائے کرام کا حوالہ فضول بھرتی ہے حوالہ کی وہاں ضرورت ہوتی ہے جہاں کوئی منکر ہو ہاں ہم اس امر کے صاف منکر ہیں کہ بنی اسرائیل کے اولیاء کو مافوق الاسباب اُمور پر قدرت تھی اور اس

کے بھی بادلائل منکر ہیں (جن میں سے بعض پہلے گزر چکے ہیں) کہ اس امت کے اولیاء کرام کو مافوق الاسباب اُمور پر قدرت حاصل ہے اس امتِ مرحومہ کے سر پر خیر الانام کا تاج اس لیے بنیادی وجہ سے نہیں رکھا گیا اس کے وجوہ اور ہیں جن میں ایک اسلام نص قطعی میں منصوص ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے جب مافوق الاسباب اُمور میں مخلوق کا سرے سے کوئی دخل ہی نہیں تو ان اُمور میں ان سے استعانت کا کیا معنیٰ؟ اور جب حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے کبھی شرک کیا ہی نہیں تو سرفراز سے پوچھنے کا کیا مطلب ہے؟ جب حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے غیر اللہ سے مافوق الاسباب استعانت کی ہی نہیں (کیونکہ یہ اُمور مخلوق کے بس و اختیار ہی میں نہیں ہیں کما مرّ لہٰذا ان سے استعانت کا کیا معنیٰ؟) تو ان پر فتویٰ لگاتے یا اللہ تعالیٰ پر فتویٰ لگانے کا (معاذ اللہ تعالیٰ) مطالبہ مست ملنگوں یا شعبدہ بازوں کی بے تکی اور بے ربط باتوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے ؎

نہیں ہے علم ان میں جہل کی مستی کا جھگڑا ہے
یہ باتیں غیر ثابت ہیں زبردستی کا جھگڑا ہے!

۴۔ مؤلف مذکور بزعم خویش زندوں سے مافوق الاسباب استعانت تو ثابت کر چکے جس کا حشر آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اب تصویر کا دوسرا رُخ وہ یوں اختیار کرتے ہیں اور یوں گویا ہیں کہ اب ہم ان سے استمداد کا ثبوت پیش کرتے ہیں جن کو سرفراز صاحب زندہ نہیں سمجھتے۔ اس کا جواب ہم اس کے سوا اور کچھ نہیں عرض کرتے کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین راقم الحروف نے تسکین الصدور میں دلائل قاہرہ سے یہ بات ثابت کی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور قبر و برزخ میں سب سے اعلیٰ اور ارفع زندگی ہی ان حضرات کی ہے اور اسی طرح شہداء اور مومنین بلکہ کفار اور عصاۃ بھی درجہ بدرجہ قبروں میں زندہ ہیں لہٰذا سرفراز پر یہ الزام لگانا کہ وہ ان کو زندہ نہیں سمجھتا خالص جھوٹ نرا بہتان اور محض افتراء ہے اور اس بات کی بھی راقم الحروف تسکین الصدور میں (جو پہلی بار ۱۳۸۸ھ ۱۹۶۸ء میں طبع ہوئی

ہے اور توضیح البیان کی سن طباعت ۱۳۸۹ھ ۱۹۶۹ء ہے) باحوالہ تصریح گذر چکا ہے کہ مسئلہ توسل حق اور صحیح ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس آپ سے طلب سفارش کرنا جائز اور درست ہے اور فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ کی صریح عبارات اس پر پیش کی گئی ہیں اور طبع دوم میں مزید تشریح موجود ہے۔ لہٰذا دارمی کی روایت کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے توسل جس میں آپ مدفون و آرام فرما ہیں بالکل بجا ہے البتہ عند القبر بطور دعا اور اس کارروائی کے ذریعہ نزول باران کے توسل کو امور تکوینیہ اور مافوق الاسباب امور سے تعبیر کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور نے کہا ہے نرا جہل مرکب ہے کیونکہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے کو وہ خود بھی کسب اور ماتحت الاسباب مانتے ہیں کما مرّ اور اس کارروائی کی وجہ سے نہ تو حضرت عائشہؓ پر کوئی فتویٰ لگتا ہے اور نہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ پر کیونکہ یہ کارروائی غائبانہ نہ تھی بلکہ قبر کے پاس ہوتی تھی اور بطور توسل تھی اور تنقید متین ص ۳۲۳ میں کسی زندہ کے بعد اور پاس ہی موجود شخص سے ہماری مراد یہی ہے کہ قریب ہو بعید نہ ہو۔ اسی طرح شامی رحہ کا حوالہ بھی ہرگز ہمارے خلاف نہیں ہے ہاں اس کو مافوق الاسباب کہنا جیسا کہ مؤلف مذکور نے کہا ہے علم سے بےخبری پر مبنی ہے کیونکہ حضرت معروف کرخیؒ مجاب الدعوات تھے اور ان کی قبر کے پاس ان سے بذریعہ توسل و دعا ہی سے یہ کارروائی ہوتی تھی عند القبر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں اور عام اموات کے سماع میں اختلاف ہے جو حضرات سماع موتٰی کے قائل ہیں وہ ایسی دعا کے بھی قائل ہیں تسکین الصدور میں اس کی باحوالہ بحث موجود ہے۔ اس کو دھینگا مشتی مافوق الاسباب قرار دینا کونسی دیانت ہے؟ اور مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ بریلویوں کو قبر پرستی کا طعنہ دینے والے اس عبارت کو بغور پڑھیں الخ سو گذارش ہے کہ ایسی صاف عبارت کو بغور پڑھنے کی حاجت ہی نہیں ہے غور وہاں کیا جاتا ہے جو بات مشکل ہو معاف فرمانا بریلویوں پر جن کے آپ وکیل ہیں اور آپ پر قبر پرستی کا طعنہ بدستور باقی ہے وہ اس طرح کہ آپ خود لکھتے ہیں کہ مافوق الاسباب امور میں انبیاء کرام اور اولیاء عظام

علیہم السلام کو قدرت و اختیار حاصل ہے اور معجزہ و کرامت ان کے کسبی افعال ہیں اور قبر کے پاس دعا کو آپ ما فوق الاسباب امر کہتے ہیں لہٰذا آپ اور آپ کے ہم مسلک بریلوی حضرات جب قبر سے ایسی کارروائی کریں گے اور کرتے ہیں تو اس میں خدائی اختیارات مخلوق کے لئے ثابت کرتے اور کریں گے یہی شرک ہے اور قبر پرستی کا طعنہ آپ پر بدستور باقی ہے بخلاف اہلِ حق کے جو سماع موتٰی کے قائل ہیں وہ عند القبر دعا کو ماتحت الاسباب امر سمجھتے ہیں لہٰذا ان پر کوئی طعنہ نہیں ہو سکتا اور ان کے نزدیک عند القبر دعا امر عادی اور ماتحت الاسباب امر ہے حضرت معروف کرخیؒ کی قبر کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہ مُجاب الدعوات بزرگ تھے اور یہ ترجمہ آپ نے خود شامیؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کیا یہ وجہ تخصیص کافی نہیں ہے؟ افسوس ہے کہ آپ کو اپنے نقل کئے ہوتے حوالوں کی بھی سمجھ نہیں ہے بحمد اللہ تعالیٰ سرفراز کو توحید و شرک اور سنت و بدعت میں فرق سمجھنے کی اہلیت ہے اُس کو کسی سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے اس نے تسکین الصدور اور سماع المُوتٰی وغیرہ کتابوں میں باحوالہ بحث کی ہے کہ عند القبر دعا کرانا اور اس کی مُردہ سے التجا کرنا (جو ہماری نسبت تو وہ مُردہ ہے لیکن قبر اور برزخ میں وہ زندہ ہے) اپنی شرائط کے ساتھ قائلین سماع موتٰی کے نزدیک جائز اور صحیح ہے اور ان کتابوں میں باحوالہ ہم نے خلافت راشدہ کے دور سے اس کا اثبات کیا ہے اور جن لوگوں نے اس کو بدعت کہا ہے ان کا خوب رد کیا ہے آپ ذرہ اپنے مطالعہ کو وسعت دیں اور راقم کی دیگر ٹھوس اور مدلل اور علمی کتابیں بھی ملاحظہ کریں انشاء اللہ العزیز آپ کو ان کتابوں سے بے بہا معلومات حاصل ہوں گے باقی مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ ما فوق الاسباب و ماتحت الاسباب میں فرق کرنا بدعت ہے یہ ان کی خالص جہالت ہے قارئین کرام پہلے باحوالہ پڑھ چکے ہیں کہ ماتحت الاسباب اُمور میں بندے کا کسب ہوتا ہے مگر ما فوق الاسباب اُمور مثلاً معجزہ و کرامت وغیرہ میں اس کا کسب نہیں ہوتا اس لئے علمی لحاظ سے اس واضح حقیقت میں فرق نہ کرنا بدعت ہے جس کے مرتکب مؤلف مذکور ہیں نیز مؤلف مذکور

کا یہ لکھنا کہ تصرفات اولیاء کا انکار کرنا اور کمالات انبیاء سے عناد کرنا بدعت ہے تو یہ ان کی کم علمی بے شعوری اور قلّتِ تدبر کی واضح دلیل ہے کیونکہ حضرات اولیاء کرام کے لئے مافوق الاسباب تصرفات ہرگز ثابت نہیں اور نہ کرامت وغیرہ ان کے اختیار اور کسب کی چیز ہے ان کے لئے ایسے تصرفات ثابت کرنا اگر کفر نہیں تو ان کے بدعت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے عناد بدعت ہی نہیں خالص کفر ہے مگر بات یہ ہے کہ جس طبقہ کی طرف آپ اشارہ کر رہے ہیں اس نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے عناد کب؟ اور کہاں؟ اور کیسے کیا ہے؟ اس کی نشاندہی کریں، تاکہ ہم بھی کچھ کہنے کے حق میں ہوں اپنے اعلیٰحضرت کی طرح بلا وجہ دھاندلی پر ہرگز نہ دبیں ان کی ایسی سب باتیں افتراء اور بے دلیل ہیں ہم نے ان کے بعض لایعنی شبہات کا معقول جواب عبارات اکابر حصہ اول میں دے دیا ہے مزید کی انتظار فرمائیں انشاء اللہ تعالیٰ طبیعت صاف ہو جائے گی اور کوئی مسہل لینے کی بحمد اللہ تعالیٰ ہرگز حاجت اور ضرورت پیش نہ آئے گی اسی طرح مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ اسبابِ شرک میں زمان و مکان کا فرق کرنا اور امکان کذب کا عقیدہ ایجاد کرنا بدعت ہے انشاء اللہ تعالیٰ امکان کذب کی بحث تو اپنے مقام پر آرہی ہے اس کے بارے میں وہاں ہی کچھ عرض کیا جائے گا باقی اسباب شرک میں زمان و مکان کا فرق ملحوظ نہ رکھنے سے کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ جیسے قریب سے کسی کو پکارنا جائز ہے اسی طرح بعید سے بھی پکارنا جائز ہے اور جس طرح قریب سے کوئی سنتا ہے اسی طرح دور کے مکان اور بعید سے بھی کوئی سنتا ہے اور جس طرح زمانہ حال کے مشاہدہ کئے ہوئے حالات کو کوئی دیکھتا اور جانتا ہے اسی طرح وہ آئندہ اور ماضی کے مفصل حالات کو بھی جانتا ہے تو یہ خالص شرک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی قریب و بعید کی پکار کو یکساں نہیں سنتا نہ جانتا ہے اور اسی طرح آج اور کل کے حالات کو یکساں اور قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی اور نہیں جانتا وہی سمیع و بصیر ہے اور وہی ہر زمانہ کی بات کو جانتا ہے حیرانگی ہے کہ مؤلف مذکور کے ذہن سے وما تدری

نفس مّاذَا تَكْسِبُ غَدًا کی نص قطعی کیوں اوجھل ہوگئی ہے؟ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو فہم توحید و سنت کی توفیق بخشے۔ علاوہ ازیں اگر شرک کے اسباب میں زمان و مکان کا کوئی فرق نہیں تو مؤلف مذکور ہی بتائیں کہ جس طرح کعبۃ اللہ ایک مکان ہے اور اس کا طواف نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ عبادت ہے کیا اسی طرح روضۂ اقدس اور حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبروں کا طواف بھی جائز ہے؟ لباب المناسک اور المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط ص ۳۴۲ وغیرہ کتابوں میں تو اس کاروائی کو بدعت اور حرام لکھا گیا ہے تو کیا زمان اور مکان کا فرق ہے یا نہیں؟ مستزاد براں فریق مخالف علم غیب ذاتی اور عطائی اور قدرت بالاستقلال اور عدم استقلال کا فرق کرتا ہے سوال یہ ہے کہ اس فرق کو آخر کیوں ملحوظ رکھا جاتا ہے محض اس لئے کہ اس سے ان کی گاڑی چلتی ہے؟ اگر شرک کے اسباب میں زمان و مکان کا فرق نہیں تو ذاتی و عطائی اور مستقل و غیر مستقل کا فرق کہاں سے آگیا؟ خلاصۂ امر یہ ہے کہ جہاں فرق کو ملحوظ رکھنا ہے وہاں اس کو ضرور ملحوظ رکھا جائے گا۔ غالباً ایسے موقع کے لئے کہا گیا ہے کہ:ع

گر فرق مراتب نکنی زندیقی

سرفراز صاحب کی شرک کی بحث میں دوسری غلطی یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے جو کچھ اس کے ذیل میں لکھا ہے اس کا نہایت اختصار کے ساتھ تجزیہ یہ ہے

۱۔ سرفراز صاحب نے شرک کی تعریف میں زندہ اور پاس ہی موجود شخص کی دو قیدیں لگائی ہیں اور اس کا فائدہ یہ بتایا ہے کہ فاعینونی بقوۃ میں وہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء اولیاء اور شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں کہ نہ تو وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں اور نہ قریب ان سے اس قسم کی استعانت بہر صورت شرک ہے جس کو مٹانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور شریعت حقّہ اس کے لئے وقف ہے ظاہری استعانت سے مطلق استعانت یا ما فوق الاسباب استعانت کا جواز ثابت کرنا اور عوام الناس کو مغالطہ دینا جیسا کہ

مولوی نعیم الدین صاحب نے کہا ہے اہل علم کی شان نہیں سرفراز صاحب کی اس عبارت میں کئی طرح کی بحث ہے۔

اوّل۔ اعینونی سے جو خاص استعانت ثابت ہے اس کے بارے میں کہنا کہ مطلق استعانت ثابت نہیں علمی افلاس کا اظہار ہے کیونکہ مطلق الشئ یتحقق بفردٍ مّا۔

دوم: سرفراز صاحب زندہ اور قریب سے ماتحت الاسباب امور میں استعانت کو جائز قرار دیتے ہیں اور میت و بعید اور مافوق الاسباب امور میں استعانت کو شرک قرار دیتے ہیں سوال یہ ہے کہ ماتحت الاسباب امور میں استعانت مطلقاً جائز ہے۔ یا عدم استقلال کے اعتقاد کی حیثیت سے پہلی تقدیر پر لازم آئے گا کہ ماتحت الاسباب امور میں مستعان کو بالذات سمجھ کر استعانت کرے تو جائز ہے حالانکہ اس کے شرک ہونے میں کسی کو کلام نہیں اور دوسری تقریر پر ثابت ہوا کہ غیر مستقل سمجھ کر استمداد درست ہے ثابت ہوا کہ جواز و عدم جواز کا مدار مستعان کو مستقل بالذات سمجھنے پر ہے نہ کہ امور ماتحت الاسباب پر کیونکہ وہ تو شق اوّل میں بھی موجود ہے اور شرک سے مفر نہیں پس ثابت ہوا کہ شرک تب ہو گا جب مستعان کو مستقل بالذات سمجھ کر استعانت کی جائے خواہ زندہ ہو یا مردہ قریب ہو یا بعید ماتحت الاسباب میں ہو یا فوق الاسباب میں۔

۲۔اگر ایسا نہ ہو تو لازم آئے گا کہ زندہ سے استعانت جائز اور مردہ سے شرک قریب سے جائز بعید سے شرک زندہ کو سجدہ کیا جائے تو جائز، مُردہ کو کرے تو شرک، زندہ کے کے نام پر جانور ذبح کرے تو جائز، مُردہ کے نام پر تو ہو شرک، زندہ کو خدا کہے تو جائز مُردہ کو کہے تو ناجائز قریب کو مالک ارض و سما کہے تو جائز بعید کو کہے تو شرک قریب کے لئے نماز پڑھے تو جائز بعید کے لئے شرک لاحول ولا قوۃ الا باللہ ان نادانوں کو آج تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ شرک کس کو کہتے ہیں اور ان کی خود ساختہ توحید نے ان کو شرک کے دلدل میں پھنسا دیا کہ انہوں نے میت اور بعید سے استعانت کو شرک کہہ کر کروڑوں زندہ اور قریب افراد کو خدا کا

شریک بنا دیا۔

۳۔ متقدمین کی تعریف کو کیوں اختیار نہ کیا۔ شرح عقائد نسفی ص ۵٦ میں ہے اشراک مجوس کی طرح کسی کی الوہیت میں بمعنی وجوب وجود کے شریک کرنا ہے یعنی خدا کو کسی کے سوا اللہ اور واجب الوجود اعتقاد کیا جائے (شاباش مؤلف مذکور آپ نے خوب ترجمہ کیا ہے اور اسی کا نام ہے عربی دانی لاحول ولا قوۃ الا باللہ صفدر) یا بت پرستوں کی طرح کسی کو مستحق عبادت سمجھا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو امر شرک ہو اس میں زمان ومکان اور افراد کی تخصیص نہیں ہوا کرتی جو شرک ہے وہ ہر شخص کے لئے شرک ہے ہر وقت شرک ہے جیسے سجدہ عبودیت پہلے بھی شرک تھا اب بھی ہے۔ یا جیسے سجدہ زید کو کریں تب شرک ہے عمر کو کریں تب شرک ہے پس زندہ سے استعانت کا جائز ہونا اور مردہ سے استعانت کا شرک ہونا ایک ابلیسی منطق ہے جو کسی دیندار اور ہوشمند کی عقل میں نہیں آئے گی۔

۴۔ سرفراز صاحب نے یہ سبق اکابر دیوبند سے سیکھا ہے اس کے بعد مؤلف نے براہین قاطعہ ص ۵۱ کی وہ مشہور عبارت پیش کی جو علم محیط زمین الخ سے شروع ہوتی ہے سوال یہ ہے کہ جب علم محیط زمین غیر خدا کے لئے ثابت کرنا شرک ہے تو حضور علیہ السلام کے لئے ثابت کیا جائے تب بھی شرک ہے یہ کونسا قاعدہ ہے کہ ابلیس کے لئے جائز ہو اور حضور علیہ السلام کے لئے ناجائز کیا اس زعم فاسد میں ابلیس کو خدا کا شریک ماننا جائز ہے؟ اور حضور علیہ السلام کو ناجائز؟ براہین قاطعہ کے مصنف تو جہاں جانا تھا وہاں پہنچ گئے سرفراز صاحب ہی اپنے تمام اعوان وانصار کو بلا کر یہ پرانا قرضہ جو نصف صدی سے اعلیٰ حضرت کا تمہارے ذمہ ہے چکا دیں، اور آج تک ذریت دیوبند اس کا جواب نہ دے سکی۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین

۵۔ شرک کی تعریف سرفراز صاحب کے معتمد علیہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے الفوز الکبیر میں یہ کی ہے کہ شرک یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ کی صفات مختصہ میں سے کوئی صفت اس کے غیر کے لئے ثابت کی جائے اور خاصہ وہ ہوتا ہے جو اس میں پایا جائے اور غیر میں

نہ پایا جائے سرفراز صاحب کہتے ہیں کہ مردہ اور بعید سے استعانت شرک ہے کیا خُدا مُردہ اور بعید ہے وہ تو حی و قیوم اور شاہ رگ سے بھی قریب ہے شرح عقائد اور الفوز الکبیر کی عبارت سے معلوم ہوا کہ مدارِ شرک تین چیزیں ہیں خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود کہا جائے یا اس کو مستحق عبادت سمجھا جائے یا اللہ کی صفات مختصہ مثلاً علم ذاتی ایجاد اور قدرت ذاتیہ میں سے کوئی صفت غیر کے لئے ثابت کی جاتے۔ یہ نکات سرفراز صاحب سے اوجھل رہے ہیں۔

۶۔ تنقید متین میں ہم نے یہ لکھا تھا کہ مشرکین غیر اللہ سے اُن کو مستقل سمجھ کر استعانت نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اُن کو عون الٰہی اور امداد الٰہی کا مظہر سمجھ کر استعانت کرتے تھے کیونکہ دنیا میں کسی مشرک نے غیر اللہ کو حقیقی مستعان کبھی نہیں سمجھا کہ اسے واجب الوجود کا درجہ اس نے دیا ہو (محصلہ) مؤلف مذکور اس پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ مردود ہے اوّل اس لئے کہ سرفراز صاحب نے اپنی بے علمی سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ دُنیا میں آج تک کسی نے خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود نہیں بنایا حالانکہ ہم شرح عقائد کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں جس عبارت کا صریح منطوق یہ ہے کہ مجوس دو واجب الوجود مانتے تھے اور نبراس ص۲۶۵ میں ہے کہ وہ دو الٰہہ یزدان خالق خیر اور اہرمن خالق شر تسلیم کرتے تھے اور تفسیر کبیر میں وجعلوا للہ شرکاء الجن کی تفسیر میں امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ بعض مشرکین کا ایک گروہ کواکب کو واجب الوجود تسلیم کرتا ہے (محصلہ)

دوم اس لئے کہ سرفراز صاحب نے عطائی اختیارات مان کر استعانت کرنے کو بھی شرک قرار دیا ہے اور آگے الفوز الکبیر سے شرک کی تعریف یہ نقل کی کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ میں سے کوئی صفت غیر اللہ کے لئے مانی جائے حالانکہ عطائی اختیارات اللہ تعالیٰ کی صفت ہو ہی نہیں سکتی ہم پوچھتے ہیں کہ مخلوق کے اختیارات ذاتی ہیں یا عطائی پہلی صورت میں مخلوق خالق پر غالب آجائے گی اور دوسری صورت میں خدا تعالیٰ کے غیر متناہی شرکاء لازم آئیں گے یہ تو فرمن المطر وقام تحت المیزاب کا مصداق ہے [illegible] کی توحید جیسے ثابت کرتے ہوئے وہ تمام مسلمانوں کو مشرک بناتے رہے تھے۔

سوم اس لئے کہ مشرکین کی استعانت اس لئے شرک نہ تھی کہ وہ عطائی اختیارات

والوں سے استعانت کرتے تھے جیسا کہ سرفراز صاحب کا ناپاک اعتقاد ہے بلکہ ان کی استعانت اس لئے شرک تھی کہ وہ مستعان کو غیر مستقل اور ممکن ماننے کے باوجود مستحق عبادت سمجھتے تھے جیسا کہ شرح عقائد کے حوالہ سے گذر چکا ہے اور قرآن کریم میں ہے وَمَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی۔ ہم ان بتوں کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے کہ یہ ہم کو اللہ کے قریب کر دیں۔

۷ تنقید متین ص۹۳ میں سرفراز صاحب نے صدر الافاضل کے ذہن کے عدم صفائی اور ناہمواری کا شکوہ کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ ملنگوں کی طرح نشہ میں سرشار ہو کر لکھتے ہیں لیکن سرفراز صاحب کا قلم شراب میں ڈوبا ہے پہلے تو وہ ما فوق الاسباب استعانت کو شرک قرار دیتے ہیں پھر مطلقاً عون الٰہی کے مظہر ہونے کو شرک کہتے ہیں آگے چل کر عطائی اختیارات سے استعانت کو بھی شرک کہتے ہیں چلئے چھٹی ہوئی اب ما فوق الاسباب زندہ یا مردہ قریب یا بعید جن کے لئے بھی عطائی اختیارات مانے جائیں شرک لازم آئے گا اور ذاتی اختیار مان کر غیر اللہ سے استعانت کی جائے تو سرفراز صاحب کی تعریف کے تحت شرک نہ ہو گا خواہ مخلوق کا تفوق ہی خالق پر ثابت ہو جائے غور کیجئے کہ صدر الافاضل کے علم پر طعنہ کرنے والے کس قدر علمی بے مائیگی کا شکار ہیں۔ (محصلہ از ص۱۶ تا ص۲۳)

الجواب: مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ کہا ہے علمی دنیا میں اس کی کوئی حیثیت نہیں صرف مغالطات ہیں جن کو لکھ کر وہ اپنے بے علم اور کم فہم حواریوں سے داد تحسین چاہتے ہیں ہم اختصار کو ملحوظ رکھ کر جوابات عرض کرتے ہیں غور فرمائیں

۱۔ اولاً اعینونی سے جو استعانت ثابت ہے وہ ما تحت الاسباب کی استعانت ہے یہ وہ نہیں جس کو فریق مخالف ثابت کرنا ہے کیونکہ حضرت ذوالقرنین نے حاضرین سے ان کی بدنی خدمات کا مطالبہ کیا تھا اور بدنی قوت خلق تو اللہ تعالیٰ کی ہے مگر کسب بندے کا ہوتا ہے حضرت ذوالقرنین نے ان سے کسب ہی کا سوال کیا تھا اور غائبین سے نہیں بلکہ حاضرین سے کیا تھا نہ کہ خلق اور ما فوق الاسباب

اعانت کا مؤلف مذکور ہمیں علمی افلاس کا طعنہ دیتے ہیں ہمارا ہمہ دانی کا دعویٰ تو ہرگز نہیں ہم علمی دنیا میں اپنے آپ کو طالب علم ہی تصور کرتے ہیں لیکن الاستعانۃ المطلقہ اور مطلق الاستعانۃ کا فرق بھی بحمد اللہ تعالیٰ ہم جانتے ہیں اور پہلے اس کی بقدر ضرورت بحث گذر چکی ہے کہ الشیئ المطلق کا اور مقام ہوتا ہے اور مطلق الشیئ کا اور ہوتا ہے، مؤلف مذکور خود علمی افلاس کا شکار ہیں مگر بلاوجہ وہ طعنہ دوسروں کو دیتے ہیں امید ہے کہ ہماری اس راہنمائی سے وہ طعنہ زنی سے بھی باز آجائیں گے اور ان کی علمی غلطی بھی دور ہو جائے گی یہ الگ بات ہے کہ وہ یہ احسان مانیں یا نہ مانیں۔ ؎

جنہیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا تو نے
وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی

دوئم: سرفراز زندہ اور قریب سے ماتحت الاسباب امور میں استعانت کو اس لیئے جائز قرار دیتا ہے کہ اسلامی اصول اور ضوابط کے لحاظ سے یہ درست ہے میّت سے استعانت میں تفصیل ہے اگر براہ راست اس سے مراد مانگنا ہے تو ناجائز اور شرک ہے اور اگر عند القبر اس سے دعا کی التجا کرتا ہے تو سماع موتٰی کے مجوزین حضرات کے نزدیک یہ کاروائی درست ہے اور اس کی تفصیل سماع الموتٰی میں کر دی گئی ہے باقی بعید سے استعانت اس لئے حرام اور شرک ہے کہ اس میں پیغمبر اور ولی اور بزرگوں کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب تسلیم کرنا لازم آتا ہے اور یہ عقیدہ اسلام کی روح کے خلاف ہے چنانچہ فتاوٰی بزازیہ ج ۶ ص۳۱۶ اور البحر الرائق ج ۵ ص۱۲۴ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ من قال ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر (مجموعہ فتاوٰی مولانا عبد الحی ج ۱ ص۳۵) جو شخص یہ کہے کہ بزرگوں کی روحیں حاضر ہیں اور وہ جانتی ہیں تو ایسا شخص کافر ہے۔

اور مافوق الاسباب امور میں چونکہ بندے کا فعل اور کسب بالکل نہیں ہوتا، اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ معجزہ و کرامت میں فعل صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہوتا ہے اس میں بندے کے کسب کا دخل نہیں ہے اس لئے مافوق الاسباب امور میں بندے کے فعل و کسب کو تسلیم کرنا اگر شرک نہیں تو اور کیا ہے؟ شرک کے سینگ تو نہیں ہوتے،

کہ وہ اس کی علامت سے پہچانا جا سکے ماتحت الاسباب اُمور میں استعانت کا مدار بالذات اور عطائی صفت پر نہیں ہے کیونکہ جب ممکن کا وجود ہی ذاتی نہیں تو اس کی کسی صفت کا بالذات ہونا کہاں سے آگیا؟ بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ ان امور میں بندے کا کسب ہوتا ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کسب میں بندہ مستقل اور منفرد نہیں ہوتا وہ اللہ تعالیٰ کی خلق کا محتاج ہوتا ہے اور خلق میں کسی کی احتیاج نہیں ہوتی، تو ماتحت الاسباب اُمور میں استعانت کے جواز و عدم جواز کا مدار اس پر ہے کہ ان میں بندے کا فعل اور کسب ہوتا ہے لہذا جائز ہے اور مافوق الاسباب اُمور میں بندے کا کسب نہیں ہوتا، اس لئے ایسے اُمور میں مخلوق سے استعانت شرک ہے کیونکہ جو فعل اللہ تعالیٰ کا ہے اس میں مخلوق کو دخیل تصور کر لیا جاتا ہے تو اس میں مدار مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب پر ہے چنانچہ زندہ اور قریب سے (خواہ وہ مردہ ہی کیوں نہ ہو) کہ اس سے دعا کی التجاء کی جائے استعانت اس کے کسب کی وجہ سے ہے لہذا جائز ہے اور بعید اور مافوق الاسباب میں اس کے کسب کا کوئی دخل نہیں لہذا اس سے استعانت شرک ہے حضرات متکلمین کے بیان کردہ اس واضح فرق کو نظر انداز کرنا کسی بھی دیانتدار کا کام نہیں ہو سکتا۔

۲۔ مؤلف مذکور نے اپنے ناخواندہ حواریوں کو خوش کرنے کے لئے محض لفاظی سے کام لے کر اہل حق پر الزام لگا کر جو یہ کہا ہے کہ زندہ کو سجدہ کیا جائے تو جائز ہے مردہ کو ناجائز اور شرک ہے زندہ کے نام پر جانور ذبح کیا جائے تو جائز ہے مردہ کے لئے ہو تو شرک ہے زندہ کو خدا کہے تو جائز ہے مردہ کو کہے تو ناجائز ہے قریب کو مالک ارض و سما کہے تو جائز ہے بعید کو کہے تو شرک ہے زندہ کے لئے نماز پڑھے تو جائز ہے مردہ کے لئے پڑھے تو شرک تو یہ محض دجل و تلبیس ہے اس لئے کہ مؤلف مذکور اصل بات ہی نہیں سمجھے اور نہ انہیں ضد و تعصب و تحزّب میں مبتلا رہنے کے ساتھ اس کی توفیق ہی ہو سکتی ہے ہم نے زندہ اور قریب و بعید وغیرہ سے استعانت کا فرق ابھی اوپر عرض کر دیا ہے۔ رہا سجدہ تعظیمی تو وہ پہلی شریعتوں

میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام تک جائز جائز تھا ہماری شریعت میں وہ بھی حرام کر دیا گیا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۹۱ وغیرہ) لہٰذا اب سجدۂ تعظیمی نہ تو مخلوق میں سے کسی زندہ کے لئے جائز ہے اور نہ مردہ کے لئے، اور سجدۂ عبادت تو کسی شریعت میں غیر اللہ کے لئے جائز نہیں رہا، لہٰذا اس میں زندہ اور مردہ کا فرق کرنا اور دوسروں کو طعن دینا خبث باطن کی نشانی ہے اسی طرح غیر اللہ کے نام پر تقرب و تعظیم کے طور پر جانور ذبح کرنے میں زندہ اور مردہ کا کوئی فرق نہیں وہ بہر کیف ناجائز ہے آخر اتنی بات تو مؤلف مذکور کو معلوم ہی ہو گی کہ حضرات فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی بادشاہ وغیرہ آئے اور اس کی تعظیم و تقرب کے (جیسا کہ آج کل کسی بڑے آدمی کے آنے پر توپیں داغی جاتی ہیں اور توپوں کی سلامی دی جاتی ہے) جانور کو بھینٹ پر چڑھایا جائے اور ذبح کیا جائے تو وہ حرام ہے اگرچہ اس کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا جائے۔ (تنقید متین میں اس کے حوالے دیئے گئے ہیں اور مزید بحث اس کتاب میں آگے آ رہی ہے ان شاء اللہ) نیز مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ زندہ کو خدا کہے تو جائز اور مردہ کو کہے تو ناجائز یہ بھی ایک نرا دجل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی واجب الوجود اور حی القیوم ہے اسی کو خدا کیوں نہ کہا جائے؟ اس کے مقابلہ میں باقی سب مخلوق ہے اور فانی ہے کوئی فی الحال اور کوئی بالمآل اس کو کیونکر خدا بنایا جائے؟ باقی مخلوق میں سے کس کو کسی مسلمان نے خدا کہا ہے؟ اور اس کی کسی بات سے یہ صراحتاً لازم آتا ہے؟ اپنی کم فہمی کو اور ناقص قیاس کو کسی کے گلے مڑھ دینا کہاں کا انصاف و دیانت ہے؟ اسی طرح لِلّٰہِ ملک السمٰوٰت والارض صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے، لہٰذا یہ صفت اس کے بغیر نہ تو کسی زندہ میں متحقق ہو سکتی ہے اور نہ مردہ میں اس لئے یہاں قریب بعید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اسی طرح نماز ایک عبادت ہے، اور اللہ تعالیٰ کے بغیر عبادت کسی کے لئے جائز نہیں ہے قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ الآیۃ اس کی واضح دلیل ہے الغرض ان مغالطات کا نام دلیل و برہان نہیں اور نہ ان سے کسی کو شبہ ہوتا ہے اور نہ کسی کو اطمینان و تسلی ہو سکتی ہے ایسے اوہام سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ ؎

یا رب مجھے محفوظ رکھ اُس بُت کے ستم سے ۔ میں اس کی عنایت کا طلبگار نہیں ہوں

بے شک شرک صرف شرک ہے لیکن اس کو سمجھنے کی بھی ضرورت ہے خانہ ساز اور اختراعی طریقوں سے وہ نہیں سمجھا جا سکتا اور نہ شیطانی ذہن استعمال کر کے اس کی سمجھ آسکتی ہے اس کے سمجھنے کے لئے نیک نیتی اور نصوص قطعیہ کی طرف مراجعت شرط ہے۔ اور ان صفات سے مؤلف مذکور اور ان کے ہمنوا بالکل محروم ہیں اور قارئین کرام اس کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

۴۔ بحمد اللہ تعالیٰ براہین قاطعہ کی عبارت کی تشریح ہم نے عبارات اکابر حصہ اول میں کر دی ہے اور آپ کے اعلیٰ حضرت کے قائم کردہ اعتراضات کا خوب خوب جائزہ لیا ہے۔ ڈھینگیں مارنے کی ضرورت نہیں آپ اس کی طرف مراجعت کریں اور دیکھیں کہ کس طرح بفضلہ تعالیٰ تنہا اس راقم اثیم نے ہی اس شیطانی اور ابلیسی اعتراض کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر کر رکھ دی ہیں اور اس بے جان اور لایعنی اعتراض کو حل کرنے کے لئے کسی اور دیوبندی کو تکلیف دینے کی ہرگز کوئی حاجت ہی نہیں ہے اور علمی سطح پر بقدر ضرورت ہمارے متعدد اکابر اس کے جوابات پہلے دے بھی چکے ہیں اور اہل علم پر یہ مخفی نہیں ہے اگر آپ حضرات میں سے کسی نے کچھ کہا تو انشاء اللہ تعالیٰ پھر دیکھا جائے گا۔

نہ چھیڑ ہم کو اے رہرو جبینو — سراپا درد سے معمور ہیں ہم

۵۔ مؤلف مذکور نے انتہائی دجل کے ساتھ الفوز الکبیر کی عبارت کا صرف ابتدائی حصہ ہی نقل کیا ہے ان کا فریضہ تھا کہ وہ پوری عبارت یا کم از کم اس کا سرسری مفہوم ہی نقل کر دیتے حالانکہ ہم نے تنقید متین ص ۳۹ تا ۴۲ میں مکمل عبارت نقل کی ہے جس سے حقیقت شرک آفتاب نیمروز کی طرح بالکل عیاں ہو جاتی ہے اسی طرح مؤلف مذکور وہ سب حوالے شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کر گئے ہیں جو ہم نے تفہیمات الٰہیہ۔ حجۃ اللہ البالغہ اور بدور بازغہ فتاویٰ شاہ رفیع الدین صاحبؒ اور ارشاد الطالبین وغیرہ سے تنقید متین میں عرض کئے ہیں کیونکہ ان کا حوالہ دینے سے مؤلف مذکور کی سب ترکی ختم ہو جاتی ہے اور عوام کو مغالطہ دینے کی سب راہیں بالکل مسدود ہو جاتی ہیں، اور فوز الکبیر کے حوالہ سے جو

ادھوری عبارت انہوں نے نقل کی ہے وہ بھی خبر سے ان کے خلاف جاتی ہے وہ اس طرح کہ شرک کا مطلب اس عبارت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ میں سے کوئی صفت غیر اللہ کے لئے ثابت کی جائے اور خاصہ یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز میں پایا جائے اور غیر میں نہ پایا جائے پہلے باحوالہ یہ بات عرض کر دی گئی ہے کہ مؤلف مذکور یہ کہتے ہیں کہ اور جس طرح عوام البشر کی قدرت واختیار میں افعال عادیہ ہوتے ہیں اسی طرح خواص البشر اور اولیاء اللہ کی قدرت میں افعال غیر عادیہ ہوتے ہیں (ص۸) اور نیز وہ مخالفین کا مسلک نقل کرتے ہوتے لکھتے ہیں یہ حضرات کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو نبی کا معجزہ ہے اور معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے یہ محض دھوکہ دہی کے سوا کچھ نہیں الخ (ص۷) اور ہم پہلے باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ حضرات متکلمین فرماتے ہیں کہ معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اس میں بندے کا کسب نہیں ہوتا مگر مؤلف مذکور اللہ تعالیٰ کے اس فعل اور خاصہ کو خواص البشر اور اولیاء کے لئے بھی تسلیم کرتے ہیں اور جوش میں آکر ص۱۵ میں لکھتے ہیں اور ثابت ہوا کہ ما فوق الاسباب امور میں بھی غیر اللہ سے استعانت جائز ہے۔ اور ص۲۴ میں لکھتے ہیں اور انبیاء و اولیاء کے افعال میں کسب کا تعلق اُمور غیر عادیہ سے بھی ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جو فعل صرف اللہ تعالیٰ کا ہے تو یہ اس کا خاص فعل غیر اللہ میں کیسے آگیا؟ اور کیا یہ شرک نہیں ہے؟ اور ہم نے تنقید متین ص۳۴ میں حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ کا حوالہ بھی دیا تھا جس کو مؤلف مذکور سیون اپ کی بوتل سمجھ کر پی گئے ہیں جس میں یہ بھی تھا کہ شرک یہ کہ اللہ کی صفت کسی اور میں جانے مثلاً کسی کو سمجھے کہ اس کو ہر بات معلوم ہے الیٰ قولہٖ اور اس کو مختار جان کر اس سے حاجت طلب کرے۔

الغرض ان سب حوالوں کو مؤلف مذکور غٹ غٹ کر کے پی گئے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ختم اور گیارہویں شریف کے لذیذ کھانے اور لاہور کی سبزی منڈی کے رنگا رنگ اور گوناگوں پھل کھا کھا کر ان کا معدہ اتنا وسیع اور قوی ہو گیا ہے کہ ڈکار لینے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی مگر ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ

علمی میدان میں ان کو اس طرح غلط نتیجے نکالنے کے لئے کوئی نہیں چھوڑے گا ان کو سب حساب بے باق کرنا پڑے گا ؎

نا قص مقدموں سے نکلیں گے جو نتیجے !!
ان پر وثوق صحت لے محترم کہاں تک

ہم نے پہلے مُردہ سے استغاثت کی بقدر ضرورت تفصیل عرض کر دی ہے اور اسی طرح بعید سے بھی۔ بے شک خدا تعالیٰ زندہ اور حی وقیوم ہے وہ مُردہ نہیں اور نہ اس پر موت آسکتی ہے اور نہ وہ بعید ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے بعض کو آپ غیر اللہ کے لئے تسلیم کرتے ہیں اور یہی شرک ہے اصولی طور پر شرک کی تعریف میں شرح عقائد اور الفوز الکبیر میں جو کچھ کہا گیا ہے علی الرأس والعین وہ بالکل صحیح ہے بنیادی لحاظ سے مدار شرک یہی چیزیں ہیں لیکن صفات مختصہ میں صرف علم ذاتی ایجاد اور قدرت ذاتیہ ہی نہیں بلکہ ہر ہر چیز کا جاننا اور معجزہ وکرامت کا صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہونا اور مافوق الاسباب اُمور اور اُمور غیر عادیہ میں صرف الٰہی کی قدرت کا ہونا وغیرہ وغیرہ بھی اس کی صفات میں داخل ہے اور ان امور کو آپ خواص بشر اور اولیاء کے لئے ثابت کر کے خالص شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں، یہی وہ علمی نکات ہیں جن تک آپ کی نابالغ نگاہ نہیں پہنچ سکی اور آپ سے اس کی کوئی توقع بھی نہیں ہے ؎

علم دیں مفقود ہے گُم ہے صراط مستقیم
خضر راہ بنتا ہے ہر غول بیاباں ان دنوں

واجب الوجود | مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ سرفراز صاحب نے اپنی بے علمی سے یہ دعویٰ کیا کہ دُنیا میں آج تک کسی نے خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود نہیں مانا حالانکہ ہم بھی شرح عقائد سے نقل کر چکے ہیں الاشراک الخ الی قولہ اس عبارت کا صریح منطوق یہ ہے کہ مجوس دو واجب الوجود مانتے تھے الی قولہ ان کے علاوہ کواکب پرستوں کی ایک جماعت بھی کواکب کے واجب الوجود ہونے کا اعتقاد رکھتی تھی دیکھئے تفسیر کبیر الخ (توضیح البیان ص۱۰۲)

الجواب: اجمالاً جواب کے لئے اتنی ہی بات کافی ہے کہ ہم نے مشرکین کے بارے میں یہ کہا ہے کہ وہ دو واجب الوجود تسلیم نہیں کرتے صرف ایک ہی مانتے ہیں مجوس اور کواکب پرستوں کے بارے میں ہم نے ایسا نہیں کہا مگر ہم قدرے تفصیل سے بات عرض کرتے ہیں تاکہ معاملہ بالکل عیاں ہو جائے۔ یہود۔ نصارٰی صابئین اور مجوس وغیرہ اگرچہ الکفر ملۃ واحدۃ کے قاعدہ کے مطابق سب کافر و مشرک ہیں لیکن یہ فرقے باوجود مشرک ہونے کے مشرکین سے الگ گروہ تصور ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕیْنَ وَالنَّصٰرٰی وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا الآیۃ (پ۱۷ الحج ۲)	بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی ہیں اور نصرانی ہیں اور مجوسی ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حرف واو کے ساتھ جو مغایرت کے لئے آتا ہے۔ یہود اور نصارٰی اور صابئین اور مجوس کو مشرکوں سے الگ فرقے بیان فرمایا ہے اگرچہ قدر مشترک سب میں کم و بیش شرک قطعاً پایا جاتا ہے لیکن ان فرقوں کو الگ الگ بیان فرما کر وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا سے مشرکوں کو جدا بیان کیا ہے اسی طرح نصارٰی کی تثلیث اور اقانیم ثلاثہ کی رٹ ایک واضح حقیقت ہے اور اللہ تعالیٰ نے وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ میں اسی کا رد کیا ہے اور یہود و نصارٰی دونوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ ۚ وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِیَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ (پ۱۰۔ التوبۃ، ع ۵، آیت ۳۱)	بنا لیا انہوں نے اپنے مولویوں اور اپنے پیروں کو رب اللہ تعالیٰ کے ورے اور مسیح بن مریم کو بھی اور ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا مگر صرف اس کا کہ ایک ہی معبود کی عبادت کریں اس کے بغیر کوئی الٰہ نہیں وہ پاک ہے اس سے جس کو انہوں نے شریک بنایا۔

اس آیت کریمہ سے صراحۃً ثابت ہوا کہ یہود اور نصارٰی (اگرچہ ان کا اصل دین حق تھا جو توحید پر مبنی تھا مگر بعد کو انہوں) نے شرک کیا اور یُشْرِكُوْنَ کا جملہ اس کی واضح دلیل ہے لیکن باوجود

کہ یہود و نصاریٰ بعد کو شرک کے مرتکب ہوئے وہ فرقہ اور بعض احکام کے لحاظ سے مشرکین سے الگ تصور ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ اپنی شرائط کے ساتھ مسلمانوں کے لئے ان کا ذبیحہ حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے حالانکہ ارشاد خداوندی ہے۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ اور نکاح مت کرو مشرک عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔

حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ (المتوفی ۱۲۳۰ھ) اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں باقی یہود و نصاریٰ کی عورت سے نکاح درست ہے ان کو مشرک نہیں فرمایا (موضح القرآن ص۵۶) یعنی نکاح (اور ذبیحہ) کے لحاظ سے اور فرقہ کے جُدا ہونے کے لحاظ سے وہ مشرکوں سے الگ اور جُدا ہیں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ بدور بازغہ ص۱۲۴ میں (جن کا حوالہ ہم نے تنقید متین میں دیا ہے مگر مؤلف مذکور اس کو پی گئے ہیں) یہود اور نصاریٰ کو مشرکین سے الگ فرقہ بیان کرتے ہوئے ان کا شرکیہ عقیدہ بیان کرتے ہیں اس تفصیل کے پیش نظر ہم نے تنقید متین ص۳۹ میں یہ لکھا تھا کہ کیونکہ دنیا میں کسی مشرک نے غیر اللہ کو حقیقی مستعان کبھی نہیں سمجھا ایں طور کہ اس کو واجب الوجود تسلیم کیا ہو الخ بات صرف مشرکین کے بارے میں ہو رہی ہے اور تنقید متین ص۳۷ میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اور یہی مشرکین مکہ کا شرک تھا الخ مگر مؤلف مذکور نے علمی طور پر خیانت کرتے ہوئے ہماری عبارت اور مراد کو بالکل مسخ کر کے یہ لکھ مارا ہے کہ سرفراز صاحب نے اپنی بے علمی سے یہ دعویٰ کیا کہ دنیا میں آج تک کسی نے خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود نہیں مانا الخ حیرت ہے کہ مؤلف مذکور میں علمی اصطلاحات سمجھنے کی خود اہلیت نہیں مگر وہ بے علمی کا طعنہ دوسروں کو دے رہے ہیں ہمیں تو اپنی بے علمی کا کھلے لفظوں اقرار ہے لیکن ہم مؤلف مذکور کے ممنون احسان ہوں گے کہ وہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ پر بھی ایسا ہی آواز کسنے جائیں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

دریں جا باید دانست کہ ہیچ کس در عالم نیست کہ برائے خدا شریکے در وجوب وجود | اس جگہ جاننا چاہیے کہ کوئی شخص جہان میں ایسا نہیں کہ وہ وجوب الوجود اور علم اور قدرت

وعلم وقدرت وحکمت اعتقاد کند اما فرقہائے بسیار در چیزہائے دیگر از راہ غفلت برائے او تعالیٰ شرکاء مقرر کردہ اند الخ
(تفسیر عزیزی پارہ الم ص ۱۲۶)

اور حکمت میں خدا تعالیٰ کا شریک اعتقاد کرے لیکن بہت فرقوں نے غفلت کی وجہ سے اور چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے شریک مقرر کئے ہیں

راقم اثیم نے تو صرف مشرکوں کے بارے میں کہا تھا کہ ان میں کوئی بھی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے بغیر دُنیا میں کسی کو واجب الوجود تسلیم کرتا ہو۔ راقم کی مراد صرف اصطلاحی مشرک ہیں نہ کہ لغوی ہم نے اس کا انکار نہیں کیا کہ نصاریٰ تین نہیں مانتے اور نہ اس کا انکار کیا ہے کہ مجوسی دو واجب الوجود نہیں مانتے اور نہ صابئین اور کواکب پرستوں کے بارے میں یہ کہا ہے کہ وہ متعدد الٰہ نہیں مانتے اپنی اپنی جگہ پر سب مشرک ہیں لیکن قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق یہود و نصاریٰ اور مجوس و صابئین مشرکین سے جدا اور الگ الگ فرقے ہیں مگر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ دُنیا میں کوئی شخص واجب الوجود کے طور پر اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں مانتا مؤلف مذکور ہی یہ بتائیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے بدن میں بھی بے علمی کا نیزہ پیوست ہوگا یا اس کا رخ صرف ہماری طرف ہی ہے غرضیکہ مؤلف مذکور کی جس خام منطق سے ہم بے علم قرار پاتے ہیں بعینہٖ اسی سے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ بھی گھائل ہوتے نظر آرہے ہیں خدا کرے کہ مؤلف مذکور اپنی منطق کی ناکامی کو سمجھ لیں ؎

مفتوح ہو گئے بھول گئے شیخ اپنی بحث
منطق شہید ہو گئی میدان جنگ میں

امام رازیؒ امام رازیؒ نے اگرچہ بعض مجوس کے بارے میں یہ کہا ہے کہ وہ دو واجب الوجود مانتے ہیں لیکن مشرکین کے بارے میں وہ بھی فرماتے ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو واجب الوجود ماننے والا ابھی تک نہیں پایا گیا چنانچہ وہ اس مسئلہ پر مبسوط بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

اعلم انہ لیس فی العالم احد یثبت للہ ... تو جان لے کہ جہان میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ

شريكاً يساويه في الوجود والقدرة والعلم والحكمة وهذا مما لم يوجد الى الأن لكن الثنوية يثبتون الهين احدهما حليم يفعل الخير والثاني سفيه يفعل الشر. اما اتخاذ معبود سوى الله تعالى ففي الذاهبين الى ذالك كثرة الفريق الاول عبدة الكواكب وهو الصابئة فانهم يقولون ان الله تعالى خلق هذه الكواكب وهذه الكواكب هي المدبرات لهذا العالم قالوا فيجب علينا ان نعبد الكواكب و الكواكب تعبد الله تعالى اھ

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۱۲)

کے لئے ایسا شریک ثابت کرتا ہو جو وجود، قدرت علم اور حکمت میں اس کے مساوی ہو۔ ایسا شخص آج تک نہیں پایا گیا ہاں ثنویہ (یعنی مجوسی) دو الٰہ ثابت کرتے ہیں ایک حلیم جو خیر کرتا ہے اور دوسرا بے وقوف جو شر کرتا ہے، باقی رہے اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو معبود بنانے والے تو اس طرف جانے والوں کی کثرت ہے پہلا گروہ کواکب پرستوں کا ہے جو صابئین کہلاتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو پیدا کیا ہے اور یہی ستارے اس جہان کے مدبّر ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم ستاروں کی پرستش کریں اور ستارے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

امام رازیؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کواکب پرست ستاروں کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق تسلیم کرتے ہیں واجب الوجود ازلی اور قدیم نہیں مانتے اور ان کی عبادت کو اللہ تعالیٰ کے ہاں تقرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کواکب پرستوں کا اعتقاد یہ تحریر فرماتے ہیں۔ اُن کا اعتقاد یہ ہے کہ ہر چند وجوب الوجود اور علم اور قدرت اور حکمت خاص خدا کے واسطے ہے لیکن اُس نے جہان کے کارخانوں کو آسمان کے ستاروں کو دے رکھا ہے اور تدبیر خیر اور شر کی انہیں کے حوالہ کی ہے الخ (تفسیر عزیزی سورہ بقرہ مترجم اردو ص ۹۸ و فارسی ص ۱۲۷)

نیز امام رازیؒ یہ تحریر کرتے ہیں کہ مجوسی دو الٰہ تسلیم کرتے ہیں ایک خالق خیر جس کو یزدان کہتے ہیں اور دوسرا خالق شر جس کو اہرمن کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اہرمن وہی ہے جس کو ہم اپنی شریعت میں ابلیس کہتے ہیں (تفسیر کبیر ج ۱۳ ص ۱۱۲)

شرح مواقف صا۵۸ میں ہے کہ اہرمن سے وہ شیطان مراد لیتے ہیں اور اس امر کی مزید وضاحت کرتے ہُوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

ثم اختلفوا فالاکثرون منهم علی ان اهرمن محدث ولهم فی کیفیة اقوال عجیبة والاقلون منهم علی انه قدیم ازلی اهـ (تفسیر کبیر ج۱۳ ص۱۱۱)

پھر انہوں نے آپس میں اختلاف کیا ہے ان میں اکثر کہتے ہیں کہ اہرمن محدث (یعنی حادث) ہے اور اس کے حدوث کی کیفیت میں ان کے عجیب اقوال ہیں اور ان میں تھوڑے یہ کہتے ہیں کہ وہ قدیم ازلی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سب مجوسی اہرمن کو ازلی قدیم اور واجب الوجود تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان میں اقل یہ نظریہ رکھتے ہیں اور ان کی اکثریت اس کو محدث مانتی ہے ع

زبان خلق کو نقّارۂ خدا سمجھو

شرح عقائد میں الاشراک الخ سے جو شرک کی دو قسمیں بیان کی ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شرک صرف ان دو صورتوں میں منحصر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ شرک کی دو عام صورتیں ہیں جو اکثر لوگوں میں پائی جاتی ہیں نہ یہ کہ شرک ان ہی میں بند ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۝ (پ۸ - الانعام ۱۴)

اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑیں اور اگر تم ان کا کہنا مانو تو اس وقت تم مشرک ہو

حالانکہ شیاطین کی اطاعت شرح عقائد میں شرک کی بیان کردہ دونوں صورتوں میں سے کوئی نہیں مگر ہے شرک حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ تفصیل انواع شرک کا عنوان قائم کرکے شرک کی مزید قسمیں بیان کرتے ہُوئے ارشاد فرماتے ہیں اور شریک کرنے والے سوائے عبادت کے اور چیزوں میں پس وہ لوگ بہت ہیں بعضے اُن سے وہ ہیں کہ ذکر کرنے میں اوروں کو خدا کے ساتھ برابر کرتے ہیں اور نام دوسروں کا مانند نام خدا کے تقرب کی راہ سے ذکر کرتے ہیں اور بعضے اُن سے وہ لوگ ہیں کہ ذبح اور نذر اور قربانیوں میں خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں اور بعضے اُن سے وہ آدمی ہیں کہ نام رکھنے

ہیں بندۂ فلاں اور عبد فلاں کہتے ہیں اور یہ شرک فی التسمیہ ہے (جیسے عبد المصطفےٰ اور عبدالرسول اور عبدالنبی وغیرہ ۔ صفدر) اور بعضے اُن سے وہ لوگ ہیں کہ واسطے دفع بلاؤں کے دوسروں کو بُلاتے ہیں (جیسے یا شیخ عبد القادر جیلانی رح شیئاً للہ او رامداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن یا شیخ عبد القادرا وغیرہ صفدر) ایسے ہی واسطے حاصل کرنے منافع کے دوسروں کی طرف رجوع کرنے میں مستقل سمجھ کر نہ اس طرح سے کہ توسّل اُن دوسروں سے کریں کہ یہ شرک نہیں اور بعضے اُن سے وہ آدمی ہیں کہ نام دوسرے کو خدا کے نام کے ساتھ بیچ مقام علم اور قدرت کے برابر کرتے ہیں چنانچہ نسائی اور ابن ماجہ نے ابن عباس رضؓ سے روایت کی ہے کہ ایک دن ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہا۔

مَا شَاۤءَ اللّٰہُ وَشِئْتَ — یعنی جو چیز خدا نے چاہی اور تم چاہو ہو جائے گی۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جعلتنی للہ ندًا بل ما شاء اللہ وحدہٗ — یعنی مقرر کیا تو نے مجھ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بلکہ خدا ہی کی مشیّت سے ہر چیز ہوتی ہے الخ

(تفسیر عزیزی مترجم اردو صفحہ ۸۸ سورۃ البقرہ تحت قولہٖ تعالیٰ فلا تجعلوا للہ انداداً و تفسیر عزیزی فارسی صفحہ ۱۲۷ و ۱۲۸ طبع لاہور) ہم نے قطع مسافت کے طور پر صرف اردو ترجمہ پر اکتفاء کی ہے اس عبارت سے قبل حضرت شاہ صاحبؒ نے انواعِ شرک میں مبتلا قوموں میں پانچ قوموں کی قدرے تفصیل کے ساتھ نشاندہی کی ہے۔ پہلا گروہ ثنویہ یعنی مجوسیوں کا، دوسرا صابئین کا، تیسرا ہنود کا، چوتھا پیر پرستوں کا اور پانچواں جماعت جُہّال کا ان کی تفصیل کے بعد پھر مذکور بیان ارشاد فرمایا ہے غرضیکہ شرک ان ہی دو قسموں میں بند نہیں ہے جن کا ذکر شرح عقائد میں ہوا شرک کی بے شمار اور لاتعداد قسمیں ہیں جن میں سے بعض وہ ہیں جن کا ذکر حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے کیا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں شرک کی ایک اور قسم بھی عرض کر دیں تا کہ مؤلف مذکور کی آنکھیں کھل جائیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاۤؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (پ۱۱ یونس ع۲)

اور پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا اس چیز کی جو نہ نقصان پہنچا سکے ان کو نہ نفع، اور کہتے ہیں یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس تو کہہ کیا تم اللہ کو بتلاتے ہو جو اس کو معلوم نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہ پاک ہے اور برتر ہے اس سے جس کو شریک کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ مشرک غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں (مثلاً ان کو سجدہ کرنا ان کے نام پر جانوروں کو ذبح کرنا ان کا طواف کرنا، ان کے نام کی نذر و نیاز دینا وغیرہ) لیکن اس کی پوجا اور پرستش کی اصل علت لِمّا اور سبب ان کا یہ باطل نظریہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے لئے سفارش کرتے ہیں (اور سفارش سے مافوق الاسباب سفارش مراد ہے کہ دور دراز سے غائبین کو پکارا جائے اور سفارشی بنایا جاتے کیونکہ اس طرح کرنے سے اس کے لئے علم غیب اور حاضر و ناظر کی صفت ماننی پڑے گی اور یہ خالص شرک ہے رہی عالم اسباب کی بالمشافہ ایک دوسرے کے لئے سفارش تو وہ محل نزاع نہیں ہے اس لئے کہ اس کا قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثبوت ہے مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا اور اِشْفَعُوْا فلتوجروا بخاری ج ۲ ص۸۹) اور اسی آیت کریمہ کے آخری حصہ میں اس کو شرک سے تعبیر کیا ہے۔ سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

اب اس پر غور کرنا ہے کہ مشرک کن کن لوگوں کو مافوق الاسباب سفارشات کی مد میں اپنا سفارشی بناتے ہیں کتنی سادہ قسم کے اور کتنی حیلہ جو لوگ صرف اصنام و اوثان کا ذکر کر کے اصل بات سے پہلو تہی کرتے ہیں تاکہ ان کے لئے شرک کا چور دروازہ کھلا رہے ہم امام رازیؒ سے اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں ایک عبارت نقل کرتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں

ورابعها انهم وضعوا هذه الاصنام والاوثان على صور انبيائهم واكابرهم

ان میں چوتھی صورت یہ ہے کہ لوگوں نے یہ اصنام اور اوثان اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اکابر

وزعموا انهم متى اشتغلوا بعبادة هذه التماثيل فان اولئك الاكابر تكون شفعاؤهم عند الله تعالى ونظيره في هذا الزمان اشتغال كثير من الخلق بتعظيم قبور الاكابر على اعتقاد انهم اذا عظموا قبورهم فانهم يكونون شفعاء لهم عند الله تعالى اھ
(تفسیر کبیر ج ۱۷ ص۶۰)

کی صورتوں پر بناتے ہیں اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ وہ جب ان تصاویر کی عبادت میں مشغول ہوں گے تو وہ اکابر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی سفارش کریں گے اور اس زمانہ میں اس کی نظیر یہ ہے کہ بہت سے لوگ اکابر کی قبور کی تعظیم میں مشغول ہیں اس اعتقاد سے کہ جب وہ اکابر کی قبروں کی تعظیم کریں گے تو وہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کریں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین کے اس گروہ کا مقصد صرف بتوں اور قبروں کی تعظیم نہیں بلکہ ان حضرات سے اُمیدِ شفاعت رکھنا ہے جن کی صورت پر بُت ہیں اور جو اپنی قبور میں آرام فرما ہیں۔ اس عبارت میں انبیاء اور اکابر کا جملہ خصوصیت سے قابل توجہ ہے۔ مؤلف مذکور ہی بتائیں کہ کیا جاہل قبر پرستوں اور پیر پرستوں کی اکثریت اس دھندے میں مبتلا نہیں ہے؟ اور کیا دور دراز کے سفر اختیار کر کے ان کی اکثریت میلوں اور عرسوں کی شکل میں حضرات اولیاء کرامؒ کی قبور پر حاضر نہیں ہوتی؟ اور کیا وہاں سجدے۔ طواف اور نذریں اور چڑھاوے نہیں چڑھاتی؟ بتلائیے کمی کس چیز ہے آخر مشرکین مکہ بھی تو اپنے معبودوں کے بارے میں یہی کہتے تھے مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللهِ زُلْفٰى کہ ہم ان کی عبادت اور پوجا (جس میں سجدہ۔ طواف۔ نذر منت ان کے نام پر جانور ذبح کرنا اور ان کے ناموں کی قسمیں اٹھانا وغیرہ افعال شامل ہیں) نہیں کرتے مگر صرف اس لئے کہ یہ ہمیں خدا تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں اور یہ تقرب ان کے زعم سے هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللهِ کی مد میں ہوتا تھا۔ کما مرّ

سوال یہ ہے کہ اگر مشرکین کا یہ عقیدہ ہوتا کہ یہی اکابر سب کچھ دینے والے ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنانے کا کیا مطلب ہے یہ یاد رہے کہ اس کا مصداق صرف بُت ہی نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور نے اپنے پیشرو بڑوں کی طرح یہاں بھی مغالطہ دیا ہے اس

ہیں اللہ تعالیٰ کے بغیر سب معبود داخل ہیں جن میں انسان فرشتے، جن بلکہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام وغیرہم سبھی داخل ہیں جیسا کہ تفسیر کبیر کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے اور اس مسئلہ کی مکمل بحث گلدستہ توحید میں ملاحظہ کریں۔

الغرض مشرکین اس لئے ان کی عبادت کرتے تھے کہ یہ ان کے سفارشی ہیں اور بزعم خویش وہ ان میں ایسی صفات تسلیم کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی میں نہیں پائی جا سکتیں مثلاً علم غیب۔ حاضر ناظر اختیار کل اور تصرف فی الامور وغیرہ اور یہی شرک کی جڑیں ہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ ؎

خدا کے واسطے یادِ خدا کر اے اکبر　　بتوں کے عشق میں جاں اپنی کیوں گنواتا ہے

۷ ہم نے تنقید متین میں مؤلف مذکور کے صدر الافاضل کے متضاد حوالے دے کر ان کے ذہن کی عدم صفائی اور ناہمواری کا تذکرہ کیا تھا کاش کہ مؤلف مذکور ان متضاد حوالوں کا ذکر بھی کر دیتے تو کیا ہی اچھا ہوتا تاکہ قارئین کرام خود اندازہ لگا لیتے لیکن وہ محض تعصب تکبر اور تحزب میں مبتلا ہو کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے بلا سوچے سمجھے نری لفاظی سے انتقامی کاروائی کرتے ہوئے راقم سے الجھ رہے ہیں اور عطائی اختیارات اور زندہ و مردہ اور قریب و بعید کے الفاظ کے چکر میں پڑ کر (جن کا جواب پہلے ہم عرض کر چکے ہیں) عوام کو مغالطہ دے رہے ہیں اور خواہ مخواہ تعلّی کرتے ہیں ؎

ملا ہے ہم کو یہ مضمونِ روشن چشمِ بینا سے !!!
کہ چھوڑی جس نے خود بینی اسے سب کچھ نظر آیا

صاحب مالابد منہ کی عبارت سمجھنے میں سرفراز صاحب کی غلطی | بہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے لکھا ہے کہ شرک کی بحث میں مولوی سرفراز صاحب نے مالابد منہ ص سے ایک عبارت نقل کی ہے۔ الشرک ھو اعتقاد ان لغیر اللہ اثراً فوق ما وھبہ اللہ من الاسباب الظاھرۃ وان لشیٔ من الاشیاء سلطاناً عما خرج عن قدرۃ المخلوقین اور اس عبارت کے ظاہری ترجمہ سے یہ تاثر دینے کی سعی

مذموم کی ہے کہ امور مافوق الاسباب میں استعانت شرک ہے اوّل تو عبارت میں سرے سے کہیں استعانت کا ذکر نہیں مولوی سرفراز صاحب نے بددیانتی سے کام لے کر محض اپنا عقیدہ باطلہ ثابت کرنے کے لئے اس عبارت میں استعانت کو زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کی ہے۔

ثانیًا۔ اس عبارت کا مفاد محض یہ ہے کہ مخلوق کے لئے قدرت علیٰ وجہ الکسب ثابت ہے اور قدرت علیٰ وجہ الایجاد نہیں اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے کسی فرد کو اسباب ظاہرہ یعنی اسباب اور آلات کسب سے زیادہ اثر نہیں دیا اور کسب کے بعد اثر کا مرتبہ ایجاد ہے جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے پس مخلوق کے کسی فرد کی قدرت کسب اور اس کے اسباب ظاہرہ سے متجاوز نہیں اور کسب کا تعلق امور عادیہ اور غیر عادیہ دونوں کے ساتھ ہے عوام کے افعال میں کسب کا تعلق امور عادیہ سے اور انبیاء و اولیاء کے افعال میں کسب کا تعلق امور غیر عادیہ سے بھی ہوتا ہے۔

ثالثًا۔ یہ کہ اگر اس عبارت میں اسباب ظاہرہ کا وہ مطلب لیا جائے جو مولوی سرفراز صاحب نے سمجھا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ مخلوق کو قدرت صرف ماتحت الاسباب العادیہ پر ہوتی ہے تو معجزات اور کرامات کا انکار لازم آئے گا حالانکہ معجزات کو معتزلہ بھی مانتے ہیں اور ایسے بدترین عقیدہ کی نسبت صاحبِ مالابدمنہ کی طرف کرنا حیاداروں کا کام نہیں۔ انتہٰی بلفظہٖ (ص ۲۳، ۲۴)

الجواب: مؤلف مذکور نے اس عبارت میں جس طرح جہالت اور بے حیائی سے کام لیا ہے وہ انہی کا کام اور کمال ہو سکتا ہے؟ اور یہ سارا بے مغز کلام ان کو کسی طرح مفید نہیں ہے۔

اولاً: اس لئے کہ اگرچہ لفظ استعانت لفظاً مذکور نہیں لیکن مشرک کی مراد یہی ہوتی ہے کہ جب وہ غیر اللہ کے لئے اسباب ظاہرہ سے مافوق اور بالاتر طاقت کا اعتقاد رکھتا ہے اور اس کی قدرت کو مؤثر سمجھتا ہے تو تب ہی وہ اس سے استعانت کیا کرتا ہے اور خود مؤلف مذکور بار بار یہ لکھتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کے لئے امور غیر عادیہ میں بھی کسب ہوتا ہے

اور ان سے استعانت ہی کے سلسلہ میں انہوں نے خواہ مخواہ چند صفحات سیاہ کئے اور بلا وجہ ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا ہے۔

وثانیاً: اس لئے کہ خلق اور ایجاد کے بارے میں تو کوئی مسلمان یہ تصور ہی نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر یہ صفت بھی کسی کو حاصل ہے یا ہو سکتی ہے مخلوق کی بات تو صرف کسب کے درجہ کی ہے اور کسب بھی صرف امور عادیہ میں ہوتا ہے امور غیر عادیہ میں مخلوق کا قطعاً کوئی کسب نہیں ہوتا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے مؤلف مذکور مجنون آدمی کی طرح بار بار وہی رٹ لگاتے اور محض پانی بلوتے ہیں اور روح شریعت سے ناواقفی کی بنا پر ہی وہ بار بار یہ لکھنے اور اس پر مصر ہیں کہ اور انبیاء و اولیاء کے افعال میں کسب کا تعلق امور غیر عادیہ سے بھی ہوتا ہے معاذ اللہ تعالیٰ گویا بقول مؤلف مذکور حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی صفت حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور اس میں مخلوق کا کسب نہیں ہوتا مگر مؤلف مذکور ہیں کہ وہ ان امور غیر عادیہ میں بھی مخلوق کا کسب تسلیم کرتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ غیر کے لئے تسلیم کرنا شرک نہیں تو نہ معلوم مؤلف مذکور کے ہاں شرک کس بلا کا نام ہے؟

وثالثاً: اس لئے کہ سرفراز کے کسی کلام اور عبارت سے معجزات اور کرامات کا انکار لازم نہیں آتا۔ بلکہ سرفراز تو معجزات اور کرامات کو دلائل قاہرہ سے ثابت کرتا ہے راہ ہدایت اور ضوء السراج وغیرہ کتابیں اس کا ناقابل تردید اور ننند ثبوت ہے یہ مؤلف مذکور کا نرا دجل یا کوتاہ فہمی کا نتیجہ ہے کہ معجزات و کرامات کا وجود اور وقوع صرف اسی صورت میں تسلیم کرتے ہیں جس میں ان امور غیر عادیہ میں حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کسب اور دخل ہو اگر ان کا کسب نہ ہو تو وہ معجزہ اور کرامت ہی نہ رہیں اور ہم مؤلف مذکور کے اعلیٰ حضرت کے حوالہ سے عرض کر چکے ہیں کہ کرامت میں مخلوق کے کسب کو تسلیم کرنے کے بعد یہ بھان متی کا تماشا تو ہو سکتا ہے مگر کرامت نہیں ہو سکتی قرآن کریم میں جابجا مذکور ہے کہ جب کفار و مشرکین نے حضرات انبیاء کرام

علیہم الصلوٰۃ والسلام سے معجزات و آیات کا مطالبہ کیا تو انہوں نے صاف لفظوں میں فرمایا
وَمَا کَانَ لَنَا اَنْ نَّاْتِیَکُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ اور ہمارا کام نہیں کہ ہم تمہارے پاس کچھ سند لے آئیں مگر اللہ کے حکم سے

اور حضرت امام الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جب مشرکین مکہ کچھ نے فرمائشی معجزات طلب کئے تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ اعلان کر دیں۔
قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ تم فرماؤ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں

ایسی صریح آیات کی موجودگی میں یہ بے بنیاد دعویٰ کرنا کہ امور غیر عادیہ اور مافوق الاسباب امور میں اور معجزات و کرامات میں مخلوق کا کسب دخل ہے نہ صرف یہ کہ قرآن کریم کی مخالفت ہے بلکہ معجزات و کرامات کے صحیح وجود کا انکار ہے اور ان کو معاذ اللہ تعالیٰ بھان متی کا تماشا بنانا ہے اور ہم نے آپ ہی کے اعلیٰ حضرت کا حوالہ دے کر اپنی وفاداری کا ثبوت دیا ہے کیونکہ ع

حیا والے وفاداروں سے کترایا نہیں کرتے

صاحب مالابدمنہ کی طرف جس عقیدہ کی نسبت کی گئی ہے وہ خود ان کی صریح عبارت میں مذکور اور قرآن کریم۔ حدیث شریف اور اجماع امت کے عین مطابق ہے البتہ اس کے نہ سمجھنے میں مؤلف مذکور کی بدعقیدگی اور سوء فہم شامل ہے اور ہمارے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہے اور نہ ایسے لوگوں کا اس جہان میں کوئی علاج ہو سکتا ہے ؎

لحد کی فکر بھی لازم ہے غافل فکر عالی میں
مآلِ کار بھی کچھ سوچ لے اے بے خبر اپنا

افتراء عظیم

مؤلف مذکور نے راقم کے اس جملہ سے کہ نہ وہ (حضرات انبیاء و اولیاء و شہداء علیہم السلام) اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں اور نہ تو یہ غلط نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس عبارت میں مولوی سرفراز صاحب نے انبیاء و شہداء اور اولیاء کی حیات کا بلا کسی قید کے انکار کر دیا چلئے قصہ ہی ختم ہوا (ص ۲۴) اس کے بعد مؤلف مذکور نے یہ عنوان قائم کیا ہے دیوبندی بدعت خوارج اور معتزلہ کی فرع ہے اور پھر

شامی کا حوالہ دیا ہے کہ خوارج نے حضرت علیؓ کے خلاف خروج کیا اور مخالفین کی تکفیر کی عبدالوہاب نجدی نے بھی (یہ عبدالوہاب نہیں محمد بن عبدالوہاب ہے جو حنبلی المسلک تھا) مخالفین کو مشرک کہا پھر فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۷۹ کا حوالہ دیا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب اچھا آدمی تھا حنبلی تھا عامل بالحدیث تھا (محصلہ) اور ج ۲ ص ۱۱ میں لکھا ہے کہ وہ متبع سنت تھا۔ دیندار تھا (محصلہ) اور معتزلہ حیات الاموات کی نفی کر کے عذاب قبر وغیرہ مسائل کا انکار کرتے ہیں، اسی طرح وہابیہ انبیاء اولیاء کی حیات کی نفی کر کے استمداد وغیرہ کا انکار کرتے ہیں شرح عقائد ص ۷۲ میں ہے کہ بعض معتزلہ اور روافض عذاب قبر کے منکر ہیں اس لئے ہم انبیاء اولیاء اور شہداء کی حیات پر گفتگو کرتے ہیں جس کا مولوی سرفراز صاحب نے مطلقاً انکار کر کے اپنی جان پر ایمان پر ظلم عظیم کیا ہے اس کے بعد حیات انبیاء دنیاوی اور جسمانی ہے کا عنوان قائم کر کے وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ الآیۃ سے اور اس کی تفسیر میں صاوی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انبیاء اور شہداء کی حیات حقیقی ہے اور ابوسعود کرخی جمل اور بے شمار محققین اہل سنت کا یہی مسلک ہے اور پھر المہند ص ۱۶ کا حوالہ دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے پھر مشکوٰۃ ص ۱۲۱ سے فنبی اللہ حی یرزق کی حدیث اور اس کی شرح مرقاۃ سے نقل کی ہے اس کے بعد الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون کی حدیث شرح الصدور بیہقی اور ابویعلی کے حوالہ سے نقل کی ہے اس کے بعد مسلم کی روایت نقل کی ہے کہ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا وھو قائم یصلی فی قبرہٖ اور اس حدیث کو مرقات اور شرح الصدور ص ۸۷ میں بھی نقل کیا ہے اور شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات اور جذب القلوب میں انبیاء کی جسمانی حیات پر کافی طویل بحث کی ہے پھر حیات اولیاء کی سرخی قائم کر کے تفسیر کبیر ج ۳ ص ۹۵ اور ملا علی قاریؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں پھر لکھتے ہیں بہرحال حق یہ ہے کہ اہل سنت کا اولیاء اللہ کی برزخی حیات پر اتفاق

ہے اگر مولوی سرفراز صاحب اس کا انکار کرکے کسی اور فرقہ میں اپنی جگہ بنائیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں انبیاء، شہداء اور اولیاء کی حیات پر یہاں اختصاراً کلام کیا ہے آگے حاضر ناظر میں تفصیلی بحث کریں گے اس کے بعد پھر ہم استعانت اور استغاثہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں (محصلہ ص ۲۵ و ۲۶ و ۲۷ و ۲۸)

الجواب: مؤلف مذکور نے یہ جتنی کاوش کی ہے بالکل بے سود ہے کیونکہ حضرات انبیاء کرام اولیاء عظام اور شہداء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات برزخی اور قبر کی زندگی تو درکنار راقم اثیم بمع اپنے جملہ اکابر کے تمام اموات کی عام اس سے کہ وہ مومن ہوں یا کافر قبر میں حیات تسلیم کرتا ہے اور تسکین الصدور کی کتاب کا موضوع ہی یہ مسئلہ ہے مؤلف مذکور کا راقم کی طرف حضرات انبیاء کرام اور حضرات شہداء واولیاء علیہم السلام کی قبر کی حیات کے انکار کی نسبت کرنا سفید جھوٹ خالص افتراء اور نرا بہتان ہے اور اس کا مصداق ہے کہ ع

بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن

مؤلف مذکور نے اس مسئلہ کے سلسلہ میں جو نامکمل اور ادھورے حوالے دیئے ہیں راقم نے ان سے کہیں بڑھ کر مکمل اور بے شمار حوالے تسکین الصدور میں درج کئے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ ایسے ٹھوس اور صریح حوالے مؤلف مذکور کا کوئی استاد بھی نہیں پیش کر سکتا۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

قارئین کرام سے استدعا ہے کہ وہ مؤلف مذکور کے دجل میں نہ آئیں اور ضرور ایک بار تسکین الصدور اور سماع الموتیٰ کا مطالعہ کریں بفضلہ تعالیٰ یہ حقیقت بالکل آشکارا ہو جائے گی کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ ؎

میں ڈھونڈتا جاؤں یارانِ وطن کو کیا پتہ اپنا
خدا جانے مجھے لے جائے ہمت کس بیاباں میں

استمداد کا ثبوت احادیث سے یہ عنوان قائم کرکے مؤلف مذکور نے پہلے تو مشکوٰۃ ص ۸۴ سے حضرت ربیعہؓ بن کعب کی روایت مسلم کے حوالہ سے نقل کی کہ میں نے

ایک رات آپ کے ساتھ گذاری اور آپ کے لئے وضو کا پانی اور دیگر ضروریات لے کر حاضر ہؤا تو آپ نے اس کارگذاری پر خوش ہو کر فرمایا سَلْ مانگ انہوں نے کہا کہ میں جنّت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں آپؐ نے فرمایا کہ تو کثرت سجود سے میری مدد کر، شیخ عبدالحق اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں کہ سوال کو مطلق رکھنے سے آپ نے فرمایا کہ مانگ، اور کسی مطلوب خاص کے ساتھ مقید نہ کیا معلوم ہؤا کہ تمام امور آپؐ کے ہاتھ میں ہیں جسے چاہیں جو چاہیں اللہ عزوجل کے اذن سے عطا فرماتے ہیں (مؤلف مذکور نے بدست ہمت و کرامت اوست میں کرامت کے لفظ کا ترجمہ ہی نہیں کیا تاکہ قلعی نہ کھل جائے یعنی یہ کاروائی آپ کے دستِ ہمّت اور کرامت اور معجزہ کی وجہ سے ہو گی) اس کے بعد حضرت ملا علی القاریؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپؐ نے سوال کو مطلق لکھا ہے اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو خزائن حق سے ہر اس چیز کے عطا کرنے پر قادر کر دیا جس کا آپ ارادہ فرمائیں آگے ابن سبعؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنّت کی زمین آپؐ کو عطا فرمائی ہے اس سے جس کو چاہیں جتنی قدر چاہیں عطا فرمائیں پھر موج میں آکر لکھتے ہیں کہ ان عبارات سے معلوم ہؤا کہ آپ اذنِ الٰہی سے جو چاہیں جسے چاہیں دیں خواہ امور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ انگلیوں سے چشمے جاری کر کے کثیر التعداد صحابہ کرام رضؓ کو سیراب کر دینا، سلمہؓ بن اکوع کی شکستہ پنڈلی کو دم فرما کر درست کر دینا مافوق الاسباب العادیہ کے طور پر امداد کے چمکتے ہوئے ایسے دلائل ہیں جن کی تابناکیوں سے اہل تنقیص کی آنکھیں گڑی جا رہی ہیں پھر آگے لکھتے ہیں کہ حضرت ربیعہؓ نے آپؐ سے جنّت کا سوال کیا حالانکہ جنّت کا دینا عادۃً کسی کے بس اور اختیار میں نہیں ہے اگر یہ شرک تھا تو آپ روک دیتے بلکہ او غیر ذالک فرما کر آپؐ بار بار مانگنے کی اور اپنی ذات سے حاجت روائی کی ترغیب دے رہے ہیں اور ازلی محروم شرک کی تسبیح رول رہے ہیں کیا سل ای اطلب حاجۃ کے بعد بھی سرفراز صاحب کا یہ ہذیان قابل توجہ رہ جاتا ہے کہ کتب حدیث کے وافر ذخیرہ میں ایک بھی صحیح اور صریح حدیث ایسی نہیں جس میں یہ تعلیم دی گئی ہو کہ مافوق الاسباب طور پر اہل اللہ سے استعانت کرو

اس کے بعد انہوں نے بحوالہ حصن حصین ص۲۲ طبرانی سے حضرت عتبہ بن غزوان کی ابن سنی سے حضرت ابن مسعودؓ کی اور ابن ابی شیبہ اور بزار سے حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے جس میں آتا ہے کہ وان ارادعونا فلینقل یا عباد اللہ اعینونی الحدیث پھر کثرت طرق سے اس کی تحسین کا دعویٰ کیا ہے اس کے بعد شواہد الحق ط۱۳ طبرانی اور بیہقی کے حوالہ سے اور نشر الطیب ص۳۰ کے حوالہ سے حضرت عثمانؓ بن حنیف کی طویل حدیث بیان کی جس میں ایک نابینا شخص کے آنے کا تذکرہ کیا جو آپ کے توسل سے بینا ہو گیا پھر جوش میں آکر لکھتے ہیں اس حدیث سے استعانت مافوق الاسباب العادیہ میں فی الحیات بھی ثابت ہوئی اور بعد الوصال بھی لیکن سرفراز صاحب کو اس سے کیا غرض وہ فقدان بصیرت اور عناد انبیاء کی وجہ سے یہی کہتے رہیں گے کہ استعانت کے باب میں ایک حدیث بھی موجود نہیں اس کے بعد شواہد الحق ص۲۲۵ قرۃ العینین ص۱۹۱ کے حوالہ سے بیہقیؒ اور ابن ابی شیبہؒ کی وہ روایت نقل کی جو مالک الدارؓ کے حوالہ سے آتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کہ ایک شخص نے آپؐ کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر آپؐ سے بارش کے نزول کی دعاء کی التجا کی تو آپؐ نے خواب میں فرمایا کہ جا کر عمرؓ سے کہہ دو کہ بارش ہو گی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مدارک ج۱ ص۲۶۸ وشواہد الحق ص۲۹۹ اور نشر الطیب ص۲۰۳ کے حوالہ سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک پر ایک شخص نے حاضر ہو کر آپ سے شفاعت طلب کی جو قبول ہو گئی محصلہ ص۲۹ تا ۳۵)

الجواب: مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ تحریر کیا ہے بالکل بے فائدہ ہے

اولاً: اس لئے کہ حضرت ربیعہؓ بن کعب کی روایت کا مطلب اور فریق مخالف کے استدلال کا جواب اور حضرت ملا علی القاریؒ اور شیخ عبدالحق رحؒ کی عبارات کا مطلب ہم نے دل کا سرور ص۱۹۰ تا ص۲۰۱ میں مفصل دے دیا ہے مؤلف مذکور کا فریضہ ہے کہ وہ اس کا مطالعہ کریں۔

وثانیاً: اس صحابیؓ نے آپؐ سے جنت کا سوال نہیں کیا بلکہ آپؐ کی شفاعت اور دعا کی برکت سے جنت میں آپؐ کی رفاقت کا سوال کیا تھا آپؐ اس انداز سے سوال کو کیوں

شرک فرماتے اور کیوں اس کو رد کرتے ؟ دعا کا حوالہ ہم نے دل کا سرور ص۱۹۵ میں اور شفاعت کا حوالہ ص۲ میں بیان کر دیا ہے وہاں ہی ملاحظہ کریں۔

ثالثًا حضرت ملا علی القاریؒ اور حضرت شیخ عبدالحق کی عبارات کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ معاذ اللہ تعالیٰ آپ کو کلی اختیار حاصل تھا اور آپ نفع و ضرر کے مالک تھے اور اُخروی نجات اور جنّت دینا آپ کے اختیار میں تھا حضرت ملا علی القاریؒ کا حوالہ راہِ ہدایت ص۱۴۸ میں اور حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ کا حوالہ ص۱۵۲ میں ملاحظہ کریں۔ اور ان کا ایک اور حوالہ یہاں بھی ملاحظہ فرمالیں وہ بخاری ج۲ ص۲ کی اس حدیث

یا فاطمۃ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سلینی ما شئت من مالی لا اغنی عنک من اللہ شیئًا	اے فاطمہؓ بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے مال سے جو تو چاہے مانگ لے میں اللہ کی گرفت سے تجھے نہیں بچا سکتا۔

کی تفسیر کرتے ہوئے آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ

مراد آنست کہ اگر مالی در ملک من باشد بطلب اما نجات آخرت در ملک من نیست اشعۃ اللمعات ج۴ ص۲۷۵ طبع نولکشور لکھنؤ	مراد یہ ہے کہ میرے ملک میں مال ہو تو تو طلب کر بہر حال آخرت کی نجات میرے اختیار میں نہیں ہے۔

اگر جنّت آپ کی جاگیر ہوتی تو کم از کم آپ اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کو تو عطا فرما دیتے نجات آخرت اس کے سوا اور کیا ہے کہ دوزخ سے آدمی بچ جائے اور جنّت اُسے نصیب ہو جائے دعا اور شفاعت کا مسئلہ جُدا ہے اور اختیار و ملک کا مسئلہ الگ ہے خلط مبحث علماء کی شان کے لائق نہیں۔

رابعًا یہ روایت مسند احمد ج۴ ص۵۹ میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سوال کر میں تجھے دوں میں نے کہا حضرت! آپ مجھے مہلت دیں تاکہ میں اپنے بارے غور کر سکوں آپؐ نے ارشاد فرمایا غور کر لو میں نے غور کیا تو میں نے سوچا کہ دنیا کا معاملہ تو ختم ہونے والا ہے میں نے کہا کہ اس سے بہتر اور کچھ نہیں کہ میں اپنے لئے اپنی آخرت کے لئے کچھ لے لوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا آپ نے

فرمایا تمہاری کیا حاجت ہے ؟

فقلت یا رسول اللہ اشفع لی الی ربک عزوجل لیعتقنی من النار الحدیث	میں نے کہا یا رسول اللہ آپ میرے لئے اپنے رب عزوجل سے شفاعت کریں تاکہ وہ مجھے دوزخ سے رہائی عطا فرمائے الخ

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں سَلْ کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے کوئی حاجت مانگ تاکہ میں تجھے تیری خدمت کے مقابلہ میں تحفہ کے طور پر دوں کیونکہ شریف لوگوں کا یہی وتیرہ اور نشان ہے کیونکہ وہ خدمت کا صلہ دیا کرتے ہیں) (بحوالہ فتح الملہم ج ۲ ص ۹۶) اور علامہ سندیؒ فَأَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اپنی حاجت پر جو جنت میں میری مرافقت ہے میری مدد کر اور اس سے مراد اس حاجت کی شان بتانا ہے اور یہ بتانا ہے کہ اس میں تیری مدد کی بھی ضرورت ہے اور مجھ سے اس کا محض سوال ہی کافی نہیں ہے (بحوالہ فتح الملہم ج ۲ ص ۹۷)

نیز سندیؒ نے یہ معنیٰ بھی نقل کیا ہے کہ تو اپنے نفس کی اصلاح کر میں بھی تیرے لئے اللہ تعالیٰ سے تیرے نفس کی اصلاح کا سوال اور دعا کروں گا (حاشیہ نسائی ج ۱ ص ۱۲۸)

ان تمام حوالوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دنیا کی چیزوں کے سوال کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا تاکہ ان میں معاذ اللہ تعالیٰ آپ کے مختار کل ہونے کا تصور کیا جائے، بلکہ سوال کا تعلق صرف دوزخ سے نجات اور جنت میں آپ کی رفاقت سے تھا اور وہ بھی اس طور پر نہیں کہ آپ مالک و مختار ہیں بلکہ آپؐ کی دعا اور شفاعت کی برکت سے کیونکہ روایت میں تصریح ہے کہ آپ اپنے رب سے شفاعت کریں تاکہ وہ مجھے دوزخ سے رہائی نصیب فرمائے کیونکہ جنت کا عطا کرنا اور دوزخ سے بچانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نہیں چنانچہ غنیمت کے سلسلہ میں خیانت کرنے کے بارے میں ایک مشہور اور صحیح حدیث ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ مجرم کہے گا۔

یا رسول اللہ اغثنی فاقول لا املك لك شیئا قد ابلغتك (الحدیث)	یا رسول اللہ میری امداد فرمائیں (آپ فرماتے ہیں) سو میں کہوں گا میں تیرے لئے کسی چیز کا مالک

(بخاری ج ۱ ص۲۳ ۴) نہیں ہیں نے تجھے حکم پہنچا دیا تھا۔

اس کے ترجمہ اور شرح میں حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ لکھتے ہیں

می گوید آں یکے از شما فریاد رس مراد خلاص کن ازیں عذاب پس می گویم من مالک نیستیم من مرترا چیزے را از خلاص دادن و دفع کردن ایں عذاب تحقیق رسانیدم من ترا شریعت را و ترسانیدم و مبالغہ کردم و تو نہ کردی ظاہراً برائے زجر و تعذیب و شفاعت اینہا تا خیرے میرود و اگر نہ کنند ہم واجب نیست (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص۳۸۹)

کہے گا تم میں سے کوئی ایک کہ میری امداد کریں اور اس عذاب سے مجھے چھڑائیں سو میں کہوں گا کہ میں تیرے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں نہ چھڑانے کا اور نہ اس عذاب کے دفع کرنے کا بلا شبہ میں تجھے شریعت پہنچا چکا اور تجھے ڈرا چکا اور خوب مبالغہ کر چکا مگر تو نے عمل نہ کیا ظاہراً زجراور ان کو عذاب میں مبتلا رکھنے اور ایسے لوگوں کی شفاعت کی تاخیر کے بارے میں یہ ارشاد ہوگا اور اگر آپ ان کی شفاعت نہ کریں تب بھی واجب نہیں ہے۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ مجرموں کو عذاب سے بچانا اور اس سے خلاصی دلانا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیار میں نہیں ہے اور نہ آپ اس کے مالک ہیں الغرض حضرت ربیعہؓ کی روایت سے یہ ثابت کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنت کے مالک تھے بالکل غلط ہے اور ابن سبعؒ جیسے غیر معصوم اور غیر مجتہد کے قول کی وجہ سے یہ باور کرانا کہ جنت آپ کی جاگیر تھی قطعاً بے بنیاد امر ہے بات صرف اتنی تھی کہ ان کے حق خدمت کے سلسلہ میں آپ خوش اور راضی ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لئے دعا کرنا چاہتے تھے اور حضرت ربیعہؓ بھی یہی اعتقاد رکھتے اور سمجھتے تھے کہ یہ آپ کی شفاعت اور دعا سے ہی ہوگا اور اگر یہ کسی دنیوی کام سے وابستہ ہے تو طلبۂ علم کے معلومات کے لئے عرض ہے کہ حضرت ربیعہؓ کی یہ روایت صحیح ابوعوانہ ج ۲ ص۱۸۱ اور نسائی ج ۱ ص۱۲۹ میں بھی موجود ہے اور مستدرک ج ۳ ص۵۲ کی روایت میں ہے کہ حضرت ربیعہؓ آپ کے خادم تھے (وکان یخدم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) روایت میں آتا ہے کہ میں آپؐ کی خدمت

کرتا تھا آپؐ نے فرمایا اے ربیعہؓ تو شادی نہیں کرتا میں نے کہا بخدا میں شادی نہیں کرتا اور مسند طیالسی ص۱۶۱ کی روایت میں ہے کہ میں آپؐ کی خدمت کیا کرتا تھا، آپؐ نے فرمایا تو شادی نہیں کرتا میں نے کہا مجھے توفیق بھی نہیں اور آپؐ کی خدمت بھی ترک نہیں کرنا چاہتا آپؐ نے دوبارہ فرمایا تو میں نے یہی جواب دیا، آپؐ نے سہ بار فرمایا تو میں نے ہاں کر دی آپؐ نے فرمایا کہ فلاں انصار کے خاندان کے پاس جاؤ اور فلاں عورت کا رشتہ مانگو چنانچہ میں گیا اور انہوں نے میری شادی کرا دی (محصلہ) بہت ممکن ہے کہ آپ کی مراد سل سے یہی معاملہ ہو۔

وخامسًا انگلیوں سے پانی کا نکلنا اور حضرت سلمہؓ کی پنڈلی کا درست ہو جانا، اللہ تعالیٰ کے فضل سے بطور معجزہ تھا اور معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے نبی کا فعل نہیں ہوتا اور نہ اس میں ان کا کسب و اختیار ہوتا ہے کما مر

وسادسًا حضرت ربیعہؓ کی حدیث سے جو کچھ ثابت ہے وہ شفاعت اور دعا ہے اور وہ ما فوق الاسباب امور میں داخل نہیں اور اس کے نتیجہ میں جو اثر اور خرق عادت امر ثابت اور صادر ہونے کی توقع ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فعل اور اس کا فضل ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی اختیار نہیں مؤلف مذکور کا اس حدیث سے ما فوق الاسباب العادیہ استعانت ثابت کرنا نری جہالت ہے علم و خرد سے اس کا کوئی تعلق و واسطہ نہیں ہے۔

وسابعًا اعینونی یا عباد اللہ کی حدیث پر بحث ہم نے گلدستۂ توحید اور تفریح الخواطر میں کر دی ہے وہاں ہی ملاحظہ کریں اسی طرح حضرت عثمانؓ بن حنیف کی روایت کا مطلب ہم نے تسکین الصدور میں عرض کر دیا ہے اس سے جو کچھ ثابت ہے ہم پر زور طریقہ پر اس کے قائل ہیں بحث تسکین الصدور میں دیکھیں البتہ اس استعانت کو ما فوق الاسباب اور ما فوق الامور العادیہ استعانت کہنا جیسا کہ مؤلف مذکور نے کہا ہے علم سے بالکل بے خبری پر مبنی ہے اسی طرح مالک الدارؒ کی روایت مع پوری تفصیل کے نیز اعرابی کا واقعہ مع ٹھوس اور صریح حوالوں کے ہم نے تسکین الصدور اور سماع الموتی میں نقل کر کے اس سے استدلال

کیا ہے ان تمام اُمور کے جواب سے ہم بفضلہ تعالیٰ فارغ الذمہ ہیں اور ہمیں ایسے اوہام کی زنجیر کی کڑیاں کاٹنے کے لئے تلوار کی حاجت نہیں۔ ؎

فتوٰی ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دُنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر

استمداد کا ثبوت اعلام امت سے

یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے اشعۃ اللمعات ج ۱ ص۷۱۵ سے حضرت امام غزالیؒ کے حوالہ سے طویل عبارت استمداد کے بارے میں لکھی ہے اور پھر بڑے مزے میں آکر اور خوش ہو کر لکھتے ہیں اب سرفراز صاحب سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ دو شیخ محقق دہلویؒ کی ان تصریحات اور اولیاء اللہ سے استمداد فی الحیات وبعد الممات کی تشریحات کی وجہ سے شیخ پر شرک کا فتوٰی لگائیں گے؟ یا اپنی بے بصیرتی اور بے علمی کا اعتراف کر کے اپنی بدعقیدگی سے رجوع کریں گے؟ اس کے بعد انہوں نے اشعۃ اللمعات ج ۳ ص۴۰۱ کے حوالہ سے واما استمداد باھل القبور منکر شدہ اند الخ کی طویل عبارت نقل کی ہے (محصلہ ص۳۵ تا ص۴۳)

الجواب: مؤلف مذکور کا یہ وتیرہ ہے کہ وہ محض حوالہ دے کر ہی بڑے خوش ہو جاتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ انہوں نے دیوبند کے مضبوط حصن اور ناقابل تسخیر قلعہ کو فتح کر لیا ہے اور خیر سے حقیقت کو خود نہیں سمجھتے ہم نے تسکین الصدور اور اب نئی کتاب سماع الموتٰی میں اس پر سیر حاصل بحث کر دی ہے کہ اہل قبور سے اگر بایں معنٰی استمداد ہے کہ ان سے دعا کرائی جائے اور دعا کرنے والا یہ سمجھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں اور وہ ان کی دعا کو قبول فرماتا ہے تو جو حضرات سماع الموتٰی کے قائل ہیں وہ اس کو درست سمجھتے ہیں اور اکثر اکابر علماء دیوبند بھی فی الجملہ سماع الموتٰی کے قائل ہیں کیونکہ اہل حق کے ہاں قبر میں روح اور جسم کے تعلق سے حیات حاصل ہوتی ہے اور ان کو علم ادراک اور شعور حاصل ہوتا ہے اور زیارت کرنے والوں کے سلام و کلام اور لب و لہجہ سے وہ ان کو پہچانتے ہیں اس لئے مجوزین سماع الموتٰی حضرات کے ہاں اہل قبور سے ایسی دعا کرانا جائز ہے لیکن اگر

استمداد کرنے والے یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ اہل قبور کے امداد دینے میں معاذ اللہ تعالیٰ اہل قبور کا تصرف چلتا ہے اور وہ خود قدرت رکھتے ہیں تو یہ ممنوع و حرام ہے ہم مؤلف مذکور کا نقل کردہ ترجمہ بعض بعض مقامات سے عرض کرتے ہیں تاکہ معاملہ بالکل بے غبار اور روشن ہو جائے چنانچہ وہ ص۴۵ میں ترجمہ یوں کرتے ہیں خصوصاً متقین کے حق میں جو اولیاء اللہ ہیں اور ممکن ہے کہ انہیں اللہ کی طرف سے برزخ میں ایسا مرتبہ حاصل ہو جیسا قیامت میں انہیں منصب شفاعت عطا ہو گا جس کی وجہ سے وہ ان زائرین کے حق میں جو اُن سے متوسل ہیں دعاء اور شفاعت کریں گے اور بھلا اس کی نفی پر کونسی دلیل قائم ہے الخ اور ص۹ ۳تا ۴۰ میں عبارت کے ایک حصہ کا اس طرح ترجمہ کرتے ہیں۔ یہ جو ہم نے سمجھا ہے وہ تو یہ ہے کہ دعا کرنے والا اُس بندۂ مقرب کے توسل سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ اے بار اِلٰہ اس بندۂ مقرب کی برکت سے جسے تو نے بے اندازہ الطاف و اکرام سے نوازا ہے میری حاجت کو پورا فرما کہ تو ہی معطی کریم ہے یا دعا مانگنے والا اس بندۂ مقرب کو ندا کرتا ہے کہ اے بندۂ خدا اے اللہ کے ولی میری شفاعت کر اور اللہ سے دعا کر اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کر کہ مجھے میرا سوال اور مطلوب عطا فرمائے اور یہ بندۂ مقرب درمیان میں صرف وسیلہ ہوتا ہے اور قادر اور فاعل سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہوتا اور اولیاء اللہ تو اللہ کے فعل اور قدرت میں فنا ہوتے ہیں اور اولیاء کو نہ اب قبروں میں کسی امر پر قدرت ہوتی ہے اور نہ جس وقت دنیا میں تھے اس وقت کسی چیز پر قدرت تھی اور امداد و استمداد کا جو معنٰی ہم نے ذکر کیا ہے اگر موجب شرک اور غیر اللہ کی طرف توجہ کو مستلزم ہوتا جیسا کہ منکر کا زعم فاسد ہے تو چاہیے تھا کہ صالحین سے طلب دعا اور توسل زندگی میں بھی ناجائز ہوتا۔ حالانکہ یہ بجائے ممنوع ہونے کے بالاتفاق جائز اور مستحسن و مستحب ہے الخ اور ص۴۱ میں عبارت کے ایک حصہ کا یوں ترجمہ کرتے ہیں ہاں اگر اولیاء اللہ کے حق میں زائرین کا یہ اعتقاد ہو کہ وہ امداد میں مستقل ہیں (فارسی عبارت یوں ہے کہ اہلِ قبور متصرف و مستبد و قادر اند بے توجہ بحضرت حق والتجاء جناب تعالیٰ الخ) اور اللہ کی جناب میں توجہ کیے بغیر بطور خود ذاتی قدرت سے امداد کرتے ہیں جیسے بعض جہلاء کا عقیدہ ہے کہ وہ قبر کی تقبیل اور سجدہ کرتے ہیں اور اس کی

طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور یہ تمام افعال ممنوع اور حرام ہیں اور عوام جہلاء کے افعال کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ خارج از بحث ہیں الخ

الغرض ہم نے تسکین الصدور میں مسئلہ توسل پر سیر حاصل بحث کر دی ہے یہ مؤلف مذکور کی انتہائی جہالت ہے کہ وہ راقم اور راقم کے اکابر کے مسلک اور راقم کی کتابوں سے بالکل جاہل ہیں اور صرف ایک کتاب کو سامنے رکھ کر محض تعصب میں مبتلا ہو کر بے سمجھی یہ اس کا رد کرتے اور اپنے گھر بیٹھے ہوئے ہی ہماری طرف غلط باتیں منسوب کرتے ہیں اور پھر ان کی تردید کرتے ہیں اور یوں شیخ چلی کی طرح خانہ ساز پلاؤ پکاتے رہتے ہیں عوام الناس سے غلط سنی سنائی باتوں کی طرف نہ جائیں ہماری کتابیں دیکھیں کہ ان میں کیا لکھا ہے۔ ؎

ازل ہی سے میکدے میں کبھی ہم نہیں گئے !
دنیا کو اعتبار نہ آئے تو کیا کریں ہم

استمداد کا انکار بدعت ہے

یہ سرخی قائم کر کے مؤلف مذکور اس کے تحت لکھتے ہیں کہ دیگر فوائد کے علاوہ شیخ محقق رح کی اس عبارت سے یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ استمداد اولیاء کا انکار گیارہویں صدی کی بدعت ہے اور اولیاء اللہ سے استعانت کرنے والوں پر شرک کا فتوٰی صادر کرنا اس فرقہ ضالہ کی اختراع ہے جس کے بارے شیخ محقق فرما رہے ہیں کہ وہ ان کے زمانہ کے قریب ظاہر ہوا ہم نے علماء دیوبند کے لئے عموماً اور سرفراز صاحب کے لئے خصوصاً تاریخ کا آئینہ پیش کر دیا ہے وہ اس آئینے میں اپنے آپ کو دیکھیں اور سوچیں کہ غیر اللہ سے استمداد کو شرک کہہ کر انہوں نے اپنا قارورہ کس جماعت سے جاملایا ہے۔ امام رازیؒ تفسیر کبیر ج ۴ ص۸۵ پر یہ فرماتے ہیں انبیاء علیہم السلام۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس قدر علوم و معارف عطا فرمائے ہیں جن سے وہ مخلوقات کے دلوں اور روحوں پر تصرف کرنے کی قدرت رکھتے ہیں نیز اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قدر قدرت اور طاقت دی ہے جس سے مخلوق کے بواطن پر تصرف کر سکتے ہیں۔ انتہیٰ بلفظہٖ (ص۴۴)

الجواب: اہلِ قبور سے توسل اور عند القبور طلبِ دعا کے مطلقاً انکار کی نسبت علماء دیوبند اور سرفراز کی طرف کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور نے کہا ہے انتہائی درجہ کی خیانت ہے ہم نے پہلے اشارہ کر دیا ہے (اور تسکین الصدور اور سماع الموتیٰ میں اس کی مفصل با حوالہ بحث موجود ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سماع میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے عام موتیٰ کے بارے سماعِ موتیٰ کے قائلین اس توسل کے جواز کے قائل ہیں اور علماء دیوبند کی اکثریت سماعِ موتیٰ کی قائل ہے غرضیکہ حضرت شیخ محقق صاحبؒ کی عبارت سے جس استمداد کا جواز ثابت ہے ہم اس کے قائل ہیں ہاں جس توسل کو حضرت شیخ صاحبؒ ممنوع اور حرام کہتے ہیں اس کو ہم بھی صرف بدعت ہی نہیں بلکہ ممنوع اور حرام کہتے ہیں ہم نے فتاویٰ رشیدیہ سے اس کا شرک ہونا واضح کر دیا ہے نیز ہم نے سماع الموتیٰ میں باحوالہ یہ بات بھی عرض کر دی ہے کہ اس جائز استمداد کا انکار کس نے کیا ہے اور کب کیا ہے ؟ یہ انکار گیارہویں صدی کا نہیں بلکہ پہلے کا ہے بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے تاریخ بھی پڑھی ہے اور اس کا پس منظر بیش منظر اور زیرِ منظر بھی جانتے ہیں لہذا ہمیں تاریخی آئینہ نہ دکھائیے خود دیکھنے کی کوشش کیجئے باقی حضرت امام رازیؒ کا جو حوالہ مؤلف مذکور نے نقل کیا ہے وہ بالکل غیر متعلق ہے اس لئے کہ امام رازیؒ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اس قدر علوم و معارف عطا فرمائے ہیں جن سے وہ مخلوقات کے دلوں اور روحوں پر تصرف کرتے ہیں یعنی وہ علوم اور معارف لوگوں کو سکھاتے بتاتے اور پڑھاتے ہیں اور لوگ ان کو قبول کر کے اور ان سے متاثر ہو کر ایسے سنور تے ہیں کہ ان کی کایا ہی پلٹ جاتی ہے اور جو جاہل و بد و ظالم و خونخوار اور اپنی ہی لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے والے تھے جہانبان اور پاسبان بنتے ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عمدہ تعلیم اور اچھی تربیت سے فیض یافتہ ہو کر وہ مخلوق خدا کے لئے راہنما بنتے ہیں اور خدائی تعلیم اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خصوصاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جامع اور اکمل تعلیم سے آراستہ ہو کر وہ باطنی اور قلبی اعتبار سے اُن روحانی اقدار تک پہنچے جن کی مثال دُنیا پیش کرنے سے یکسر قاصر و عاجز ہے مولانا حالی مرحوم نے کیا ہی خوب فرمایا ہے ؎

لئے علم وفن اُن سے نصرانیوں نے | کیا کسب اخلاق روحانیوں نے
ادب ان سے سیکھا صفاہانیوں نے | کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے

ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ تاریک دنیا میں چھوڑا

حضرت امام رازیؒ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مافوق الاسباب اور مافوق الامور العادیہ قدرت وطاقت حاصل تھی اگر ایسا ہوتا تو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تصرف کر کے اپنے بیٹے قابیل کو اپنے مظلوم اور بے گناہ بھائی ہابیل کے قتل سے روک دیتے اور حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی بیوی واعلہ اور بیٹے کنعان کو ایمان کی دولت سے نواز دیتے اور حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی بیوی واہلہ کو کبھی کفر وشرک پر مرنے نہ دیتے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے باپ آزر کو کفر وشرک پر مرنے سے بچا لیتے اور امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے محسن چچا اور مجازی مربی عبد مناف ابو طالب کو ایمان کی نعمت سے سرفراز فرما دیتے کہاں تک ان قطعی اور ٹھوس واقعات کا ذکر کیا جائے یہ شمار سے بھی باہر ہیں۔ خود امام رازیؒ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا الآیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

والمراد ان انزال العذاب علی الاعداء واظهار النصرة للاولياء لايقدر عليه احد الا الله سبحانه	اس سے مراد یہ ہے کہ دشمنوں پر عذاب نازل کرنے اور دوستوں کی مدد کرنے پر بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو قدرت حاصل نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۷ ص ۱۰۱)

جب اس آیت کریمہ کے پیش نظر سردار دو جہاں اور خلاصۂ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے تصرف کی قدرت نہیں تو اور کسی کو کیسے؟ اور کہاں سے اور کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟ نیز امام رازیؒ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

امّا ان یفسر الرشد بالنفع حتی یکون تقدیر الکلام لا املك لکم غیّا ولا رشدا ویدل علیہ قراءۃ ابی غیّا ولا رشدا ومعنی الکلام ان النافع والضار والمرشد والمغوی ھو اللہ تعالٰی وان احدًا من الخلق لا قدرۃ لہ علیہ (تفسیر کبیر ج ۳۰ ص ۱۶۴)

یا نور شد کی تفسیر نفع سے کی جائے حتٰی کہ تقدیر کلام یہ ہوگی کہ میں تمہارے لئے گمراہی اور ہدایت کا مالک نہیں ہوں اور اس پر حضرت ابی رض کی قرأت دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے غیّا ولا رشدا پڑھا ہے اور اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ نافع اور ضار اور ہدایت دینے والا اور گمراہ کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور بلا شبہ مخلوق میں سے کسی کو بھی اس پر قدرت حاصل نہیں ہے

یہ آیت کریمہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے جس سے امام رازیؒ کی تفسیر کی روشنی میں صاف عیاں ہے کہ نافع اور ضار اور مُرشد اور مُغوی اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کر دے۔ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَیُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ حضرت امام رازیؒ کی ایسی واضح اور صریح عبارات کی موجودگی میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہ حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم السلام کے لئے لوگوں کے دلوں پر تصرف کے قائل ہیں سراسر باطل اور قطعاً مردود ہے جس تصرف کا انہوں نے ذکر کیا ہے وہ صرف علم وعرفان وعظ وارشاد اور اخلاق کریمانہ سے اثر پذیری کا تصرف ہے اور وہ بھی صرف اسی کو حاصل ہوتا ہے جو اس کا طالب ہو اور اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو اور ایسے لوگ نسبتاً کم ہیں۔ ؎

خدا کے واسطے دنیا سے دل سے منہ جو موڑے ہیں
وہی ہیں مستند انساں مگر افسوس تھوڑے ہیں

معجزات اور کرامات کے ذریعہ تصرف

یہ یاد رہے کہ ہم حضرات انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ایسے تصرفات کے منکر ہیں جن میں ان کے فعل اور کسب کا دخل ہو اور جو فعل حقیقۃً ان کی طرف منسوب ہو جیسا کہ مؤلف مذکور کہتے ہیں نیز اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قدر قدرت

اور طاقت دی ہے جس سے مخلوق کے بواطن پر تصرف کر سکتے ہیں بلفظ ہم کہتے ہیں کہ ایسی قدرت اور طاقت اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے ہاں معجزہ اور کرامت حق ہے لیکن معجزہ اور کرامت میں نبی اور ولی کا فعل اور کسب نہیں ہوتا وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہوتا ہے جو ان کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے اس کی بفضلہ تعالیٰ بما لا مزید علیہ اور سیر حاصل با حوالہ بحث ہم نے اپنی کتاب راہ ہدایت میں کر دی ہے اس مبسوط اور مفصل بحث کو اسی میں ملاحظہ کریں۔ اور بقدر ضرورت پہلے عرض کی جا چکی ہے۔

الغرض معجزہ اور کرامت کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی اہل بدعت مغالطہ کا شکار ہیں اور ایسے تصرفات صرف قلوب ہی میں نہیں بلکہ عالم میں بھی رونما ہوتے ہیں لیکن ان کا ان میں کسب اور دخل نہیں ہوتا ان میں فعل صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہوتا ہے علامہ ابن خلدون رح لکھتے ہیں کہ

وقد یوجد لبعض المتصوفة واصحاب الکرامات تأثیراً ایضاً فی احوال العالم ولیس معدوداً من جنس السحر وانما هو بالامداد الالٰهی لان طریقتهم ونحلتهم من آثار النبوة وتوابعها الخ (مقدمہ ابن خلدون ص۵۰۲)

کبھی کبھی صوفیاء کرام اور اصحاب کرامات سے احوالِ عالم میں تأثیر بھی پائی جاتی ہے اور یہ جادو کی قسم میں شمار نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی امداد سے ہوتی ہے کیونکہ ان اکابر کا طریقہ اور نسبت آثار نبوت اور اس کے توابع سے ہے (جب کہ جادو کو نبوت سے کوئی تعلق نہیں ہے)

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل واضح ہے مزید تشریح کی حاجت نہیں ہے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رح خرقِ عادات پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

ان اقسام میں سے ایک تاثیر ہے اور یہ دو قسم کا ہے ایک تو یہ کہ مرید کے باطن میں تاثیر کرے اور اس کو حق و علا کی طرف جذب کرے دوسری تاثیر عالم کون فساد میں کہ حق تعالیٰ اس کی دعاء اور اس کے ارادہ کے موافق ظہور میں لائے الخ (ارشاد الطالبین ص۲۱)

اس سے ثابت ہوا کہ اس تاثیر کا اثر ظاہر کرنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے صاحب کرامت کا کام صرف دعا ہے اور اپنے دل میں جذب کا ارادہ ہے نہ یہ کہ ان کو تصرف کا اختیار اور قدرت حاصل ہوتی ہے حاشا وکلا۔ ؎

جان اللہ نے لی جسم ہوا داخل گور !
ہم نے بھی دل میں یہ سمجھا کہ ہمارا کیا تھا

معجزہ و کرامت اور سحر و شعبدہ بازی میں مابہ الامتیاز فرق

بحث تو بڑی طویل ہے ہم اس کو نہیں چھیڑنا چاہتے

یہاں صرف یہ بات عرض کرنا چاہتے ہیں کہ سطحی نگاہ میں معجزہ و کرامت اور جادو میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس میں بھی ایک گونہ تصرف ہوتا ہے اور لیکن حقیقتاً ان میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے وہ اس طرح کہ نبی تو منجانب اللہ تعالیٰ مبعوث و معصوم ہوتے ہیں ان کے ہاتھ پر معجزہ صادر ہوتا ہے اور ولی وہ ہوتا ہے جو مومن اور متبع سنت ہو اس کے ہاتھ پر کرامت صادر ہوتی ہے اور جادو اور مسمریزم کافر اور بدعقیدہ اور فاجر کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے۔ علامہ ابن خلدون رحؒ نے اس پر خاص بحث کی ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ سحر اور شعبدہ بازی غیر مسلموں کے ہاتھ پر بھی صادر ہوتے ہیں چنانچہ ہندوستان کے جوگیوں سوڈانیوں اور زنگیوں میں ایسے غیر مسلموں کا خصوصیت سے انہوں نے ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون رحؒ ص۴۹۹) اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحؒ تحریر فرماتے ہیں کہ کشف اور خرقِ عادت اور تصرفِ عالم کون و فساد میں ریاضت سے حاصل ہو سکتا ہے اور اسی لئے حکماء اشراقیین اور ہند کے جوگی اس سے بہرہ یاب ہو جاتے ہیں اور یہ کمالات اہل اللہ کی نظر میں اعتبار سے ساقط ہیں جو نخود و جو کے بھاؤ بھی نہیں خریدے جاتے الخ (ارشاد الطالبین ص۳۵) دجال لعین کے ہاتھ پر جو کچھ صادر ہوگا وہ بھی اسی جادو کی قسم سے ہے اور ابن صیاد کا دُخ والا کشف بھی اسی مد کا ہے اور ایسا کشف غیر مسلموں کو بھی ہوتا ہے چنانچہ حافظ ابن القیم رحؒ لکھتے ہیں کہ

الکشف الجزئی المشترک بین المؤمنین ایسا کشف جزئی مومنین اور کفار نیکوں اور بدوں

والکفار والابرار والفجار الی قولہ ولذالک یقع من الکفار کالنصاریٰ وعابدی النیران والصلبان الخ (مدارج السالکین ج۲ ص۲۲۷)

میں مشترک ہے (پھر فرمایا) اور اسی لئے یہ نصاریٰ آتش پرست اور صلیب پرستوں سے واقع ہوتا ہے

خود حضرت امام رازیؒ ہاروت و ماروت کی تفسیر میں جادو پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

واما اھل السنۃ فقد جوّزوا ان یقدر الساحر علی ان یطیر فی الھواء ویقلب الانسان حمارًا والحمار انسانًا الا انھم قالوا ان اللہ تعالیٰ ھو الخالق لھذہ الاشیاء عند ما یقرأ الساحر رقی مخصوصۃ و کلمات معینۃ الخ (تفسیر کبیر ج۳ ص۲۱۳)

اہل السنت والجماعت اس کو جائز قرار دیتے ہیں کہ جادوگر اس پر قادر ہے کہ فضا میں اڑے اور انسان کو گدھا اور گدھے کو انسان بنادے مگر اہل السنت والجماعت ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ جادوگر جب مخصوص منتر اور متعین کلمات پڑھتا ہے تو اس وقت ان اشیاء کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

یعنی جادو کا کسب اور فعل تو جادوگر کا ہے لیکن اس کے جادو کے نتیجہ میں ہوا میں اڑنے کے فعل اور انسان کو گدھا اور گدھے کو انسان بنانے کے فعل کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اہل السنت والجماعت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے جو دلائل قطعیہ پر مبنی ہے کہ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ اور وہی باقی ہے باقی سب فانی ہے

لن ترانی شوکتِ انساں بنے تو مٹ بھی گئے
خدا کا نام ہی عالم میں برقرار رہا

دیوبند کے مسلّم اکابر سے استعانت کا ثبوت

مؤلف مذکور نے یہ سرخی جما کر آگے لکھا ہے کہ ہم سرفراز صاحب کے معتمد شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا حوالہ دیتے ہیں جو انہوں نے ہمعات میں حدیث نفس کے علاج میں فرمایا ہے مشائخ کی ارواح طیبہ کی طرف متوجہ ہو ان کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھے یا ان کی قبر کی زیارت کے لئے جائے اور ان سے انجذاب

کی بھیک مانگے۔ پس لامحالہ شاہ صاحبؒ کی ان تمام عبارتوں کو (جو ہم نے تنقید متین میں مفصل اور باحوالہ نقل کی ہیں اور مؤلف مذکور نہ تو اس کا جواب دے سکے ہیں اور نہ ہی انہوں نے قارئین کرام کے سامنے وہ عبارتیں پیش کی ہیں تاکہ ان صریح اور ٹھوس عبارتوں سے قارئین کرام متأثر نہ ہوں۔ صفدر) جن میں انہوں نے استعانت کو شرک کہا استعانت علیٰ وجہ العبادت یا مستقل بالذات پر محمول کرنا پڑے گا ورنہ استعانت سے علم مراد ہو تو شاہ صاحبؒ اپنی تحقیق سے خود مشرک قرار پائیں گے اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ہم شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے حوالے عرض کرتے ہیں جن پر سرفراز صاحب نے بہت زیادہ اعتماد کیا ہے اور سوچے سمجھے بغیر ان کی عبارتیں پیش کی ہیں چنانچہ وہ تفسیر عزیزی پ۳۰ ص۵ میں فرماتے ہیں وصال پانے والے اولیاء اور دیگر صلحاء مومنین سے استفادہ اور استعانت جاری وساری ہے اور ان اولیاء وصلحاء سے افادہ اور امداد بھی متصور ہے بخلاف ان مردول کے جن کو جلا دیا جاتا ہے کیونکہ ان سے یہ امور ان کے مذہب میں بھی جائز نہیں ــــ شاہ صاحبؒ کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ اولیاء سے بعد الوصال استعانت اور ان کا مدد کرنا مسلمانوں کی خصوصیت اور امداد و استمداد نہ ہونا کفار کا خاصہ ہے غور فرمائیے کہ استعانت کا انکار کرکے سرفراز صاحب نے اپنا قارورہ کس جماعت سے جا ملایا ہے نیز شاہ صاحبؒ کے نزدیک جن اموات سے استعانت جائز نہیں وہ وہ مُردے ہیں جو جلا دیئے گئے ہوں سرفراز صاحب نے اولیاء اللہ سے استعانت کو ناجائز قرار دے کر معاذ اللہ ان کو جلے ہوئے مردوں میں شامل کر دیا، اور کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا اور لاکھوں اولیاء اللہ کی توہین کی اور اسلام پر یہ بھی وار کی جس کو کوئی غیرت مند مسلمان برداشت نہیں کرسکتا نیز تفسیر عزیزی پ۳۰ ص۱۱۳ میں مرنے کے بعد کے حالات شاہ صاحبؒ نے بیان فرماتے ہوئے فرمایا وہ خواص اولیاء اللہ جنہوں نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا ہے وفات کے بعد بھی دنیا میں تصرف کرنے کی طاقت پاتے ہیں اور ان کا امورِ اخروی میں مستغرق ہونا بسبب وسعت ادراک کے دنیا کی طرف توجہ کرنے سے مانع نہیں ہوتا، اویسی سلسلہ کے حضرات اپنے باطنی کمالات ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور حاجت مند ان سے حاجت طلب کرتے

ہیں اور مراد پاتے ہیں اور ان کی زبانِ حال اس وقت یوں گویا ہوتی ہے کہ اگر تم بدن سے میری طرف بڑھو گے تو میں روح سے تمہاری طرف پیش قدمی کروں گا۔ ابنائے بدعت سے عموماً اور سرفراز صاحب سے خصوصاً یہ گذارش ہے کہ وہ شاہ صاحبؒ کی اس عبارت کو بغور پڑھیں کہ دین کی جس شاہراہ کو انہوں نے اپنایا ہے اس کی منزل کہیں دانہ سفر تو نہیں اولیاء سے استعانت کو شرک کہہ کر انہوں نے صحابہؓ سے لے کر آج تک کے تمام صلحاء کو مشرک بنا ڈالا ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا دنیا کی جھوٹے وقار کی خاطر ہمیشہ کی ذلت کو اختیار کر لینا بڑے خسارے کا سودا ہے۔ یہی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اقرأ باسم ربك کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے تفسیر عزیزی پ۳۰ ص۲۴۵ میں فرماتے ہیں کہ خواجہ باقی باللہؒ نے نانبائی سے خوش ہو کر فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ مجھے اپنا ہم شکل بنا دیجئے فرمایا، تو اس کو برداشت نہ کر سکے گا اور کچھ مانگ اس نے اسی سوال پر اصرار کیا اور خواجہ انکار فرماتے رہے بس جب اصرار بہت بڑھا تو آپ اندر لے گئے اور اس پر توجہ کی جب باہر آئے تو دونوں کی شکل و صورت میں فرق نہ تھا اور لوگوں کو امتیاز کرنا مشکل ہو گیا، بس اتنا فرق تھا کہ حضرت خواجہ ہوشیار تھے اور نانبائی مدہوش و بے خود تھا اب سرفراز صاحب ہی بتائیں کہ کیا ہم شکل بنا دینا خلاف عادت نہیں ہے؟ اگر ہے تو وہ نانبائی مشرک اور خواجہ باقی باللہؒ شرک کی تقریر کرنے والے ہوئے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا اور اگر ہم شکل بنا دینا خرق عادت نہیں تو کیا سرفراز صاحب بھی کسی کو ہم شکل بنا سکتا ہے؟ سرفراز صاحب جہل و عناد کی وجہ سے شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالعزیزؒ اور تمام اکابر اسلام کے گلوں پر خنجر شرک رکھ دیں مگر اس کو کیا کریں گے شرک کی یہ تلوار دیوبند کو بھی نہیں بخشتی، ارواح ثلاثہ ص۳۲۲ میں ہے کہ مولوی معین الدین صاحب جو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے بڑے صاحبزادے تھے وہ حضرت کی ایک کرامت (جو بعد وفات واقع ہوئی) بیان کرتے ہیں کہ ہمارے نانوتہ میں جاڑہ کا بخار کثرت سے ہوا جو شخص مولانا کی قبر سے مٹی لے جا کر باندھ دیتا اسے آرام ہو جاتا لوگ بکثرت مٹی لے جاتے میں مٹی ڈال ڈال کر تھک گیا، ایک دفعہ میں نے مولانا کی قبر پر جا کر کہا (یہ صاحبزادہ تیز مزاج تھے) یہ آپ کی تو کرامت

ہوتی اور ہمارے لئے مصیبت ہوگئی اگر اب کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے ایسے ہی پڑے رہو پھر کسی کو آرام بھی نہ ہوا اور لوگوں نے مٹی لے جانا بھی بند کردیا (محصلہ)

اب سلوف دیوبند کو کس خانہ میں رکھئے گا؟ یا تو اپنے اس باطل قول سے رجوع کیجئے کہ انبیاء و اولیاء سے استمداد کرنا شرک ہے یا پھر سلوف دیوبند کو مشرک قرار دے کر جہنم کی آگ میں جھونک دیجئے (محصلہ ص۴۴ تا ص۴۹)

الجواب: حضرت شاہ ولی صاحبؒ کی غیر اللہ سے (متنازع فیہ معنی میں) استمداد کی نفی اور اس کے شرک ہونے کی اُن صریح عبارتوں کا جو تنقید متین میں نقل کی گئی ہیں ہرگز یہ جواب نہیں ہے یہ صرف دفع الوقتی ہے ان صریح حوالوں کا جواب تاہنوز مؤلف مذکور کے ذمہ ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ تا قیامت وہ اس سے فارغ الذمہ نہیں ہوسکتے۔ آزمائش شرط ہے ؎

کبھی تو میری محبت کا تم یقین کرلو
کہیں نہ عمر گزر جائے آزمانے میں

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس مجمل اور غیر متعلق عبارت سے جو مؤلف مذکور نے نقل کی ہے۔ متنازع فیہ معنٰی میں استمداد و استعانت کا جواز ہرگز ثابت نہیں ہوتا اس عبارت کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ جب کوئی شخص حدیث نفس اور وسوسہ کا شکار ہو جائے اور اسے اپنے اخلاص میں کمی نظر آنے لگے تو مشائخ کے ارواح طیبہ کی طرف متوجہ ہو کر وہ جب دنیا میں تھے تو کس طرح اس کا مداوا کیا کرتے تھے اور ان کو فاتحہ پڑھ کر بخشے جب عرض اعمال کی حدیث کے پیش نظر ان مشائخ رح کو یہ تحفہ ملے گا تو وہ اس کے حق میں دعا کریں گے، اور اللہ تعالیٰ اس کو اخلاص کی خوبی عطا فرمائے گا۔ اور حدیثِ نفس اور وسوسہ سے بچائے گا یا ان کی قبور کی زیارت کے لئے جائے اور ان سے انجذاب کا حصہ پائے یعنی قبور کے پاس ان کے توسل سے دعا کرے یا سماع موتیٰ کے قائلین کے نزدیک ان سے دعا کرائے کہ اللہ تعالیٰ ان کی سی کیفیت اس میں پیدا کردے اور ان کا سا اخلاص ان کو دے کر حدیث نفس کے شر سے بچنے کی صفت میں جذب کردے اور اہل قبور سے استمداد کی

سے دعا ہی کی صورت میں ہوتی ہے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

استمداد از اہل قبور بطریق دعا است کہ از جناب الٰہی عرض کردہ مطلب ما برآرند اھ (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص۳۴)	اہل قبور سے استمداد دعا کے طور پر ہوتی ہے بایں طور کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کریں کہ ہمارا مطلب پورا فرما دے۔

اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ہی دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ

اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور حدیث نیست قول بزرگیست ولہ معان شتیٰ منہا اذا تحیرتم نظراً الی الدلائل المتعارضۃ فی حل بعض الاشیاء وحرمتہا فاترکوا اجتہاد کم و تقلدوا بمن قد مات وھذا القول اشبہ منقول عن عبد اللہ بن مسعودؓ و سفیان الثوریؒ ومنہا انکم اذا تحیرتم فی الامور الدنیویۃ وضاق بسبب ذٰلک قلبکم فانظروا الی اصحاب القبور کیف ترکوا الدنیا و استقبلوا الاٰخرۃ واعلموا انکم ایضاً صائرون الیٰ ما صاروا وھذا العلم یسھل علیکم مصائب الدنیا وشدائدھا بالجملہ نص در معنیٰ استمداد نیست انتہٰی (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص۱۲۱ وج ۲ ص۱۰۵)	جب تم امور میں حیران ہو جاؤ تو اصحاب قبور سے استعانت کرو یہ حدیث نہیں کسی بزرگ کا قول ہے اور اس کے کئی معانی ہیں ایک یہ ہے کہ جب تم بعض اشیاء کی حلت و حرمت کے دلائل کے تعارض میں حیران ہو جاؤ تو اپنے اجتہاد کو ترک کر دو اور مرنے والوں کی تقلید کرو (جیسا انہوں نے کیا ایسا تم کرو) اور یہ قول حضرت ابن مسعودؓ اور سفیان ثوریؒ کے قول کے زیادہ مشابہ ہے اور ایک یہ کہ جب تم دنیوی امور میں حیران ہو جاؤ ~~اور اس وجہ سے تمہارا~~ دل تنگ ہو جائے تو تم اصحاب قبور کو دیکھو کہ انہوں نے کس طرح دنیا ترک کی اور آخرت کی طرف متوجہ ہو گئے اور جان لو کہ جہاں وہ گئے تم بھی وہاں ہی جاؤ گے اور اس علم کے ساتھ تم پر دنیا کی صعوبتیں اور سختیاں آسان ہو جائیں گی غرضیکہ یہ استمداد میں نص نہیں ہے۔

جس طرح اس عبارت میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اصحاب قبور سے استعانت کا مطلب بیان کیا ہے اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت میں مشائخ کے ارواح طیبہ کی طرف توجہ کا مطلب سمجھئے اور جس طرح بقول حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ یہ

حوالہ استمداد میں نص نہیں ہے اسی طرح سمجھئے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی مذکورہ عبارت بھی متنازع فیہ استمداد میں نص نہیں ہے اور ان کی صریح عبارتیں ایسی استمداد کو شرک ثابت کرتی ہیں

اہل قبور سے فیض یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ متاہل حضرات کے لئے اپنی شرائط کے ساتھ حضرات صوفیاء کرامؒ کی اصطلاح میں استفاضہ از اہل قبور کا مسئلہ بھی ہمارے اکابر کے ہاں مسلم ہے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

سوال :

کسے صاحبِ باطن یا صاحب کشف بر قبور ایشاں مراقب شدہ چیزے از باطن اخذ میتوانند نمود یا نہ جواب میتوانند نمود انتہٰی	کوئی صاحب باطن یا صاحب کشف ان بزرگوں کی قبروں پر مراقبہ کر کے باطن کی کوئی چیز اخذ کر سکتا ہے یا نہیں ؟ جواب کر سکتا ہے

(فتاوٰی عزیزی ج ۱ ص ۸۹)

اس سے معلوم ہوا کہ صاحبِ باطن یا صاحبِ کشف جو اس فن کے اہل لوگ ہیں وہ فیض قبور حاصل کر سکتے ہیں۔ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ ارقام فرماتے ہیں

اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر شریف اور اولیاء کرام کی قبور سے بھی فیض حاصل کر سکتا ہے (ارشاد الطالبین ص ۳۶ طبع مجتبائی دہلی) اور حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحبؒ تھانوی قبور کے احکام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں البتہ زیارت کرنا اور ایصال ثواب کرنا اور اگر صاحبِ نسبت ہو تو ان سے فیوض لینا یہ سب اچھی باتیں ہیں انتہٰی بلفظہٖ (تعلیم الدین ص ۹۹ طبع دہلی) حضرت مولانا محمد بدر عالم میرٹھی ثم مدنیؒ المتوفی ۱۳۸۵ھ) لکھتے ہیں کہ

فقد سألت عنه مرة عن الاستفاضة من اهل القبور هل يجوز ذالك ام لا فقال اما المحدثون فلا أراهم يجوزونه ولكن اجيزا لكونه ثابتا عند ارباب الحقائق	میں نے حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ سے ایک مرتبہ اہل قبور سے استفاضہ کے بارے دریافت کیا کہ کیا یہ جائز ہے یا نہیں ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میرے خیال میں حضرات محدثین کرامؒ اس کو

غیر انہ ینبغی لمن کان اھلاً لہ اما من کان منغمساً فی الظلمات فلا خیر لہ فیہ انتہی (ھامش فیض الباری ج ۳ ص ۴۳۴)

جائز نہیں قرار دیتے لیکن میں اس کو جائز سمجھتا ہوں کیونکہ اصحاب حقائق کے ہاں یہ ثابت ہے لیکن یہ اسی شخص کے لئے مناسب ہے جو اس کا اہل ہو باقی جو (نفس کی) ناپاکیوں میں ڈوبا ہوا ہے تو اس کے لئے اس میں کوئی خیر نہیں ہے ۔

لیکن فیض قبور کے اس صوفیانہ مسئلہ کا استمداد مافوق الاسباب اور مافوق الامور العادیہ کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا اس کے جواز سے اس کا جواز ثابت کرنا غلط ہے ۔ یہ الگ بات ہے کہ سطحی قسم کے اور نا اہل لوگوں کو ان دونوں کے امتیاز میں اشتباہ ہو مگر ان کی لاعلمی کی وجہ سے علماء پر کیا زد پڑتی ہے کیونکہ من عرف حجۃ علی من لم یعرف ہاں نا اہل لوگوں کو اس نازک مسئلہ سے روکنے کے بارے میں سداً للذریعہ ان کو منع کرنا بجا ہے اور شریعت میں اس کی کئی نظیریں موجود ہیں ؎

ہلکا سا درد اس کی نظر کا دیا ہوا کافی ہے ایک عمر کے آرام کے لئے

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مؤلف مذکور نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت میں لفظ انجذاب کی حقیقت ہی کو نہیں سمجھا یہ ایک خالص صوفیانہ اصطلاح ہے جس سے مؤلف مذکور بالکل نابلد ہیں ۔ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ المتوفی ۱۲۲۵ھ) علم تصوف کے رسالہ ارشاد الطالبین میں لکھتے ہیں ۔

مسئلہ جذب مطلق جس سے مراد اجتباء ہے جیسے انبیاء کو مبدأ فیاض کے ساتھ مناسبت رکھنے کے باعث ہوتا ہے اولیاء کو بھی حق تعالیٰ کے ساتھ پوری مناسبت پیدا کرنے کے بعد حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ جذب مطلق کا مانع عدم مناسبت ہوتا ہے اور وہ مناسبت کے ساتھ بدل گیا پس معلوم ہوا کہ صوفی جب سیر مریدی کو واصل ہوتا ہے اور دوسری منزلیں طے کر کے مقام محبوبیت تک پہنچ جاتا ہے اور رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متابعت سے محبوب خدا ہو جاتا ہے اس وقت اس کا اجتباء نیابت پر موقوف نہیں رہتا بلکہ اس کے بعد اس کو جو ترقیات حاصل ہوں گی وہ سیر مرادی ہو گی ۔

مسئلہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مرید کو اجتباء اور جذب مطلق حاصل ہو جاتا ہے اور پیر اس کو حاصل کئے ہوئے نہیں ہوتا۔ پس اس صورت میں مرید پیر سے افضل ہو جاتا ہے مراد رومی رحؒ نے شیخ تاج الدینؒ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو اپنی طرف جذب کر لیتا ہے اور کسی استاد کو اس پر مقرر نہیں کرتا اھ

(ارشاد الطالبین ص۲۷ و ۲۸ طبع مجتبائی لاہور) اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ کسی ولی کو جذب کر لینا اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور یہ کبھی بغیر استاد کے بھی ہوتا ہے ہاں مناسبت شرط ہے مشائخ کا کام تو اس میں صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کے حق میں دعا کریں یا وہ قرب الٰہی کا طریقہ بتائیں باقی جذب کی کیفیت دینا نہ ان کا کام ہے اور نہ ان کا بس ہے سو اس میں ان سے استمداد کرنے کا کیا مطلب ہے؟ جس کے درپے مؤلف مذکور ہیں اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔ واضح ہو کہ قرب الٰہی کا موجب جذب یعنی خدا کا اپنے بندے کو اپنی طرف کھینچنا ہے یہ جذب کبھی بلا کسی واسطے کے ہوتا ہے اس کو اجتباء کہتے ہیں اور اکثر کسی امر کے توسط سے ہوتا ہے اور متوسط بحکم استقراء دو چیزیں ہو سکتی ہیں ایک عبادت دوسری انسان کامل و مکمل کی صحبت پس جذب الٰہی جو عبادت کے توسط سے ہو اس کو عبادت کا ثمرہ کہتے ہیں اور جو صحبت کے توسط سے ہو اس کو تاثیر کہتے ہیں (ارشاد الطالبین ص۳۱) انہی علمی اصطلاحات سے ناواقفی کی وجہ سے صحیح بات اہل بدعت کے ذہن میں نہیں آتی مگر صحیح بات کو بگاڑنے کے ہزار بہانے انہیں آتے ہیں بقول شاعر ؎

نہ جانے کا تو نہیں جانتے بہانہ کچھ ہزار حیلہ نہ آنے کا تم کو آتا ہے

جب اس عبارت میں متنازع فیہ معنی میں استعانت مراد ہی نہیں تو اس کی وجہ سے حضرت شاہ صاحبؒ کی تنقید متین میں پیش کردہ مفصل عبارات میں استعانت کے ناجائز ہونے کو استعانت علیٰ وجہ العبادت یا مستقل بالذات پر محمول کرنا اور حضرت شاہ صاحبؒ کی اس مجمل اور غیر متعلق عبارت سے ان پر مشرک ہونے کا فتویٰ طلب کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور نے مغالطہ کھایا ہے اور دیا ہے نری طفل تسلی اور شیخ چلی کی رام کہانی ہے حضرت شاہ صاحبؒ کا دامن بالکل پاک ہے ؎

بختہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہوتا اثر
کوہساروں میں نشانِ نقشِ پا ملتا نہیں

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا یہ حوالہ بھی کہ وصال پانے والے اولیاء اور دیگر صلحاء مومنین سے استفادہ اور استعانت جاری وساری ہے الخ مؤلف مذکور کو نافع نہیں، اس لئے کہ اس سے وہی استفادہ و استعانت مراد ہے جو ان کے توسل یا ان کی دعا یا متاہل لوگوں کے لئے فیض قبور کے سلسلہ میں حاصل ہے اور عرض کیا جا چکا ہے کہ اس کا معاملہ ہی جدا ہے پھر یہ بات بھی یاد رہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ مردوں کو دفن کرنے کے فوائد اور جلانے کے مضرات بیان کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں چنانچہ ان کی بقدر ضرورت عبارت یہ ہے جس سے مؤلف مذکور کے دجل کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے

ونیز در سوختن بآتش تفریق اجزائے بدن میت است کہ بسبب آں علاقہ روح از بدن انقطاع کلی می پذیرد و آثار ایں عالم بآں روح کمتر می رسد وکیفیات آں روح بایں عالم کمتر سرایت می کند و در دفن کردن چون اجزائے بدن بتمامہ یکجا مے باشند علاقہ روح با بدن از راہ نظر و عنایت بحال می ماند و توجہ روح بزائرین و مستأنسین و مستفیدین بسہولت می شود کہ بسبب تعین مکان بدن گویا مکان روح ہم متعین است و آثار ایں عالم از صدقات و فاتحہ و تلاوت قرآن مجید چوں دراں بقعہ کہ مدفن بدن اوست واقع شود بسہولت نافع می شود پس سوختن گویا روح را بے مکان کردن است و دفن کردن گویا مسکنی برائے

اور نیز آگ میں جلانے سے میت کے اجزاء بدن کی تفریق ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے روح کا بدن سے کلی طور پر انقطاع ہو جاتا ہے اور اس جہان کے آثار اس روح تک کم پہنچتے ہیں اور اس روح کی کیفیات اس جہان تک کم سرایت کرتی ہیں اور دفن کرنے میں جونکہ بدن کے اجزاء تمامتہا یکجا ہوتے ہیں اور روح کا علاقہ از راہ نظر وعنایت بدن کے ساتھ بحال رہتا ہے اور روح کی توجہ زیارت کرنے والوں اور مانوس ہونے والوں اور استفادہ کرنے والوں کی طرف سہولت سے ہوتی ہے اس وجہ سے کہ بدن کا مقام (قبر) متعین ہے اس لئے گویا روح کا مقام بھی متعین ہے اور اس جہان کے آثار مثلاً صدقات فاتحہ اور تلاوت قرآن کریم جب اس جگہ جہاں اس کا بدن مدفون ہے واقع ہوں گے تو آسانی سے سودمند

روح ساختن بنا بر ایں است کہ انا اولیاء مدفونین
و دیگر صلحائے مومنین انتفاع و فائدہ جاری است
و آنہا را افادہ و اعانت نیز منصور بخلاف
مردہ ہائے سوختہ کہ ایں چیزہا اصلاً نسبت
بآنہا در مذہب آنہا نیز واقع نیست اھ
(صفحہ ۶۲ و ۹۱ طبع حیدری بمبئی)

ہوں گے بس جلانا گویا روح کو بے مکان کرنا ہے
اور دفن کرنا گویا روح کے لئے مکان بنانا ہے اور
اسی وجہ سے مدفون اولیاء کرامؒ اور دیگر نیک مومنوں
سے انتفاع اور فائدہ جاری ہے اور ان سے بھی افادہ
اور اعانت منصور ہے بخلاف ان مُردوں کے جن کو
جلا دیا جاتا ہے کہ ان چیزوں کی ان کی طرف نسبت ان
کے مذہب میں بھی واقع نہیں ہے

اس عبارت سے یہ اخذ کرنا کہ مُردوں سے استعانت کرنا مسلمانوں کا اور نہ کرنا کفار کا خاصہ ہے نیز یہ کہنا کہ اس سے متنازع فیہا استعانت کا انکار کر کے سرفراز صاحب نے اپنا قارورہ کفار سے ملا دیا ہے یا معاذ اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ کو جلے ہوئے مردوں میں شامل کر دیا ہے اور لاکھوں ولیوں کی توہین اور کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے صرف اپنے ناخواندہ حواریوں کے جذبات کو بھڑکانے کی ایک ناکام کوشش اور نامراد کاوش ہے اور خالص دجل و تلبیس ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ عقائد باطلہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں

و یا رتبہ آئمہ و اولیاء را برابر رتبہ انبیاء و مرسلین
گرداند و انبیاء و مرسلین را لوازم الوہیت از
علم غیب و شنیدن فریاد ہر کس در ہر جا و
قدرت بر جمیع مقدورات ثابت کند و ملائکہ
و ارواح انبیاء و اولیاء را بر پردۂ صور و
تماثیل و قبور و تعزیہ ہا معبود سازد و رزق
و فرزند و خدمت و منصب از ایشان بالاستقلال
درخواست کند و شفاعت و عرض ایشان را
در جناب او تعالیٰ واجب القبول گو مکروہ

اور یا آئمہ اور اولیاء کو حضرات انبیاء و مرسلین علیہم
الصلوٰۃ والسلام کے رتبہ کے برابر کر دے، اور
حضرات انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے
لوازم الوہیت مثلاً علم غیب اور ہر ایک کی ہر جگہ سے
فریاد سننا اور تمام مقدورات پر قدرت ثابت کیجیے
اور فرشتوں اور ارواح انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ
والسلام کو ان کی صورتوں اور تصویروں اور قبور
اور تعزیوں کی شکل میں معبود بنائے اور رزق اور
اولاد اور خدمت اور منصب بالاستقلال ان سے

آنجناب بانندبداند اھ   مانگے اور ان کی شفاعت اور درخواست کو باری
(تفسیر عزیزی ج۱ ص۴۶۰ طبع مجتبائی دہلی)   تعالیٰ کے ہاں واجب القبول سمجھے اگرچہ وہ چیز
اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ علم غیب اور ہر ایک کی ہر جگہ سے فریاد سُننا لوازم الوہیت میں سے ہے اور اسی طرح ارواح انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے رزق۔ اولاد۔ نوکری اور عزت و منصب بالاستقلال طلب کرنا (کہ آپ خود دے دیں) یا ان کی شفاعت کو اللہ تعالیٰ کی جناب میں واجب القبول تصور کرنا یہ سب عقائد باطلہ میں سے ہیں اگر حضرات انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے رزق و اولاد وغیرہ مانگنا یا ان سے ان امور میں استعانت اور ان کی واجب القبول شفاعت جائز ہوتی تو حضرت شاہ صاحبؒ کبھی بھی ان امور کو عقائد باطلہ میں شمار نہ فرماتے مگر فہم و خرد شرط ہے ؎

خرد سے راہرو روشن بصر ہے   خرد کیا ہے؟ چراغ رہگذر ہے

اسی طرح حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کا یہ حوالہ کہ وہ خواص اولیاء اللہ جنہوں نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے الخ مؤلف مذکور کو مفید نہیں کیونکہ اس میں تصریح ہے کہ جن خواص اولیاء نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر لیا تھا وہ وفات کے بعد بھی تصرف کرتے ہیں سوال یہ ہے کہ حضرات اولیاء کرامؒ جب اس دُنیا میں زندہ تھے کیا وہ لوگوں کو ہدایت دینے پر قادر تھے؟ اگر ایسا ہی تھا تو مؤلف مذکور ہی ازراہِ انصاف یہ بتائیں کہ ان کے نزدیک اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ الآیۃ کا کیا مطلب ہے؟ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے شفیق اور مہربان چچا عبد مناف (ابو طالب) کو ہدایت نہیں دے سکے اور نہ دے سکتے تھے تو بدیگراں چہ رسد دیگر حضرات اولیاء کرامؒ کیونکر اور کیسے کسی کو ہدایت دے سکتے ہیں؟ جب زندگی میں وہ بنی نوع انسان کو ہدایت نہیں دے سکے اور نہ دے سکتے ہیں تو مرنے کے بعد یک لخت ان کو یہ خدائی اختیارات کہاں سے اور کس دلیل سے حاصل ہو گئے ہیں؟ جیسے دُنیا میں وہ لوگوں کے لئے تبلیغ و دعاء کے ذریعہ ہدایت کا ذریعہ تھے اب چونکہ تکلیفی زندگی ختم ہو چکی ہے اس لئے

تبلیغ کا مرحلہ تو جاتا رہا ہاں دعا کا سلسلہ جاری و ساری ہے اور عرض اعمال کی روایات میں ان کی دعاء کا صاف تذکرہ موجود ہے بقدر ضرورت روایات ہم نے تسکین الصدور اور سماع الموتٰی میں عرض کر دی ہیں وہاں ہی ملاحظہ کر لیں اور اُخروی استغراق ان حضرات کو اہل دنیا کے لئے دعا وغیرہ سے مانع نہیں ہوتا۔ باقی حضرات اولیسیہؒ کا ارشاد بھی بجا ہے لیکن نہ تو وہ ہر شخص کے لئے ہے اور نہ ہر وقت کے لئے ہے وہ صرف انہی لوگوں کے لئے ہو سکتا ہے جو اس کے اہل ہیں۔ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ ارشاد فرماتے ہیں

مسئلہ: بعض لوگوں کو جن کو قوی استعداد دی گئی ہے کبھی پیغمبر یا کسی ولی کی روح سے فیض پہنچتا ہے اور اس کو ولایت کے مرتبے پر پہنچا دیتا ہے اور اس کو اویسی کہتے ہیں کیونکہ اویس قرنیؓ نے سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہوئے بغیر آپ سے فیض حاصل کیا ہے انتہٰی بلفظہٖ (ارشاد الطالبین ص۳۷)

الغرض امت کے گنے چُنے افراد کے خصوصی معاملہ کو عوام الناس کی مشرکانہ کاروائیوں کے لئے ایک چور دروازے کے طور پر استعمال کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور کا عندیہ ہے سراسر باطل ہے رہا روح سے یہ فیض کیا کشف والہام یا خواب کے ذریعہ ہوتا ہے یا فیض قبور کے طریقہ سے تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ عند القبر تو یہ فیض روح سے بمشارکۃ الجسد ہوگا اور دور سے جسد مثالی کی صورت میں اور مخصوص طور پر باطنی کمالات کے حصول کے لئے مثالی حاجت مندوں کی حاجتیں پوری ہوتی رہتی ہیں اور جتنا یہ حضرات اپنی زندگی میں بدن کی محنت اور مشقت سے کمالات حاصل کرنے کے درپے ہوتے ہیں اتنا ہی ادھر سے فیض ہوتا ہے

سو گذارش ہے کہ راقم اثیم نے حضرت شاہ صاحبؒ کی ہمعات کی اس عبارت کو بغور پڑھا اور سمجھا ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ کی متعدد دیگر عبارات کو بھی غور و فکر سے پڑھا ہے اور پڑھ کر بحمد اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحبؒ کے نقش قدم پر ہی قدم رکھا ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ کی منزل بفضلہ تعالیٰ جنت الفردوس ہے دارالسقر نہیں اور راقم اثیم کی اللہ تعالیٰ

کے خصوصی فضل و کرم کا امیدوار ہے اور نہایت عجز و انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے عالی دربار میں ملتجی ہے کہ ؎

میرے گناہ زیادہ ہیں یا تیری رحمت
کریم تو ہی بتا دے حساب کر کے مجھے،

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر تا ہنوز صلحاء نے جس استعانت کو جائز قرار دیا ہے راقم اثیم بھی اس کا مقر ہے اور اکابر ملت کے دامن سے وابستہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے فضل و عنایت سے بڑے فائدہ میں ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ رہے گا فکر آپ کو کرنی چاہیئے کہ لوگوں کو اپنے حلوے مانڈے اور دنیوی وجاہت کی خاطر شرک کے جام بھر بھر کے پلاتے ہیں اور ان کی راہ مارتے ہیں مگر ایک دن آنے والا ہے جس میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی سب نکھر کر سامنے آ جانے گا اور اس وقت آپ کو حقیقت معلوم ہو جائے گی ؎

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت   کہ با کہ باختۂ عشق در شب دیجور

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت سے یہ ثابت کرنا کہ خواص اولیاء اللہ مشکل کشا اور فریاد رس ہوتے ہیں اور وہ اس طرح کا مافوق الاسباب تصرف دنیا میں کرتے ہیں شرعاً باطل ہونے کے علاوہ خود حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی تصریحات کے بھی بالکل خلاف ہے چنانچہ سورۂ نوح کی تفسیر میں ود۔ سواع۔ یغوث۔ یعوق اور نسر کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ

ہر چند ایں پنج اسم نامہائے پسران حضرت ادریس علیہ السلام اند کہ ہمہ مرد مان و آدمیان بودند اھ (تفسیر عزیزی پ ۲۹ ص ۱۳۱)	خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ پانچوں نام حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹوں کے نام ہیں اور یہ سب مرد اور آدمی تھے۔

اور حضرت شاہ صاحبؒ ہی تصریح فرماتے ہیں کہ بعد کو لوگوں نے ان میں سے کسی کو گھوڑے کی شکل اور کسی کی شیر وغیرہ کی شکل بنا کر ان کو مظاہر الٰہی سمجھ کر ان کی عبادت شروع کر دی اور لکھتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے بڑوں اور لیڈروں نے اپنی پبلک سے کہا کہ تم ان کو نہ چھوڑنا اور فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا

وَلَا یَغُوْثَ یعنی ومگذارید بالخصوص یغوث را کہ مظہر فریاد رسی و مشکل کشائی او تعالیٰ و ایں مظہر را قوم حضرت نوح علیہ السلام بصورت اسپی ساختہ بودند زیرا کہ اسپ در دویدن و زود رسیدن و اعانت نمودن مثل است و ایں صفت را در شرع غیاث المستغیثین و مجیب دعوت المضطرین نامند و بزبان ہندی ایں مظہر را اندر نامند ویَعُوْقَ یعنی ومگذارید یعوق را کہ مظہر منع و حمایت و دفع بلا است و ایں صفت را در شرع کاشف الضر و دافع البلاء گویند اھ (ص ۱۳۰)

کہ یَغُوْثَ کو خصوصاً نہ چھوڑنا کیونکہ وہ فریاد رسی اور مشکل کشائی کا مظہر ہے اور اس مظہر کو حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم نے گھوڑے کی شکل پر بنایا تھا کیونکہ گھوڑا دوڑنے اور جلدی پہنچنے اور اعانت کرنے میں ضرب المثل ہے اور اس صفت کو شرع میں غیاث المستغیثین اور مجیب دعوات المضطرین سے موسوم کرتے ہیں، اور ہندی زبان میں اس مظہر کو اندر کا نام دیتے ہیں اور نہ یَعُوْقَ کو چھوڑنا کیونکہ یعوق منع اور حمایت اور دفع بلاء کا مظہر ہے اور اس صفت کو شرع میں کاشف الضر اور دافع البلاء سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور اسی شرک کو مٹانے اور نیست و نابود کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے دور میں بھیجا اور خیر سے اسی شرک کے اثبات کے لئے مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کے افراد ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں اور غیر اللہ کو مشکل کشا، حاجت روا، فریاد رس اور دافع البلاء ثابت کرنے کے لئے گلے پھاڑ پھاڑ کر زور زور سے دافع البلاء اور یا غوث اعظم دستگیر وغیرہ کے الفاظ پر طاقت صرف کرتے ہیں مؤلف مذکور کو تفسیر عزیزی میں لَا تَذَرُنَّ الآیۃ کے مضمون کو خوب سمجھ کر پڑھنا چاہیئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کیا فرماتے ہیں اور مؤلف مذکور ان کے ذمہ کیا لگا رہے ہیں اور کس طرح وہ جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں ؎

ظلام بحر میں کھو کر سنبھل جا   تڑپ جا پیچ کھا کھا کر بدل جا
نہیں ساحل تری قسمت میں اے موج   اُبھر کر جس طرف چاہے نکل جا

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی توجہ سے نانبائی کا ان کے ہم شکل ہو جانا یہ کرامت ہے اور پہلے قدرے تفصیل کے ساتھ یہ بات با حوالہ عرض کی جا چکی ہے کہ کرامت ولی کا فعل وکسب

نہیں ہوتا ورنہ بقول آپ کے اعلیٰ حضرت کے یہ بھان متی کا تماشا بن جائے گا حضرت خواجہ باقی باللہ رح کی دعا اور توجہ کی برکت سے اس کرامت کے سرزد ہونے پر انہیں مستعان قرار دے دینا اور ان کو مشکل کشا باور کرانا مؤلف مذکور کی خالص نادانی اور حقیقتِ توحید اور روح اسلام سے ناواقفی ہے ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہم شکل بنا دینا خلافِ عادت بھی ہے اور خرقِ عادت بھی لیکن یہ بنانا خدا تعالیٰ کا کام ہے نہ کہ حضرت باقی باللہ رح کا لہذا وہ نہ مشرک ہیں اور نہ شرک کے داعی بلکہ وہ پکے موحد اور اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں اور سرفراز بیچارہ تو ایک ادنیٰ مسلمان اور مبتدی طالب علم ہے وہ بطور کرامت خرقِ عادت کے طور پر کسی کو کیسے ہم شکل بنا سکتا ہے؟ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا، کیا ہی اچھا ہوتا کہ مؤلف مذکور حضرت شاہ صاحب رح کی مکمل عبارت پیش کر دیتے تاکہ قارئین کرام اس سے خود اندازہ لگا لیتے اور کسی اشتباہ کا شکار نہ ہوتے۔ پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

چہارم: تاثیر اتحادی کہ شیخ روح خود را کہ حامل کمالے است با روح مستفید بقوت تمام متحد سازد تا کمال روح شیخ بروح تلمیذ می رسد و بار بار حاجت استفادہ نمی ماند و در اولیاء اللہ ایں قسم تاثیر بندرت واقع شدہ از حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ منقول است کہ روزے در خانہ ایشاں چند کس مہمان شدند و ماحضر موجود نہ بود اتفاقاً حضرت خواجہ در فکر ضیافت مہماناں مشوش شدہ در تلاش ماحضر شدند اتفاقاً نانوائی متصل خانہ ایشاں دوکان داشت بریں تشویش مطلع شدہ یک قرص نان خوب پختہ با نہاری مکلف و روغن بخدمتِ ایشاں آورد وقت ایشاں

چوتھا اثر۔ تاثیر اتحادی ہے کہ شیخ اپنی روح کو جو کمالات کی حامل ہے قوت تامہ کے ساتھ مرید کی روح سے متحد کر دے تاکہ روح شیخ کا کمال تلمیذ کی روح کو پہنچے اور استفادہ کی حاجت باقی نہ رہے اور اولیاء اللہ میں اس قسم کی تاثیر نادر واقع ہوئی ہے حضرت خواجہ باقی باللہ رح سے منقول ہے کہ ایک دن ان کے گھر میں چند مہمان آ گئے اور کھانا موجود نہ تھا حضرت خواجہ صاحب رح کے اوقات مہمانوں کی ضیافت اور کھانے کی تلاش کی فکر میں پریشانی کی نذر ہو گئے اتفاق سے ان کے گھر کے قریب ایک نانبائی کی دکان تھی وہ اس پریشانی پر آگاہ ہو گیا ایک روٹی خوب پکی ہوئی مکلف اور روغن سالن کے ساتھ ان کی خدمت میں پیش کر دی،

بایں سلوک او لبیار خوش شد فرمودند بخواہ الخ (تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۳۰۸ طبع حیدری بمبئی) — اس وقت اس کے اس سلوک سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ مانگ الخ

فرمائیں کہ جو بزرگ اپنے چند مہمانوں کے لئے کھانا مہیا کرنے سے عاجز و قاصر تھے اور اس کے لئے سخت پریشان تھے (اگر پڑوسی دوکاندار امداد نہ کرتا اور ایثار و قربانی کا مظاہرہ نہ کرتا تو حضرت باقی باللہ رحؒ کے مہمان ان کے گھر سے بھوکے جاتے) تو ان کو اس دوکاندار کو از خود ہمشکل بنانے پر قدرت کہاں سے حاصل ہو گئی؟ سمجھدار آدمی کے لئے تو اتنی ہی بات کافی ہے باقی بے سمجھ کے لئے دفتر کے دفتر بھی بیکار ہے صوفیائے کرامؒ اس کاروائی کو تاثیر انحادی اور بروز سے تعبیر کرتے ہیں اور ایسے واقعات بہت کم اور نادر واقع ہوتے ہیں اور خود اس عبارت میں بندرت واقع شدہ کے الفاظ موجود ہیں، اور ان کی اصطلاح میں بروز یہ ہے کوئی روح کسی زندہ کے بدن میں تصرف کرے، یہ تصرف جن و شیاطین کی تو معمولی بات ہے اور انسان سے بطور خرق عادت واقع ہوتا ہے (فتاوٰی عزیزی ج ۱ ص ۱۱۲، انوار العارفین ص — و تعلیم الدین ص ۹) اور خرق عادت کے بارے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ مخلوق کے بس کی بات نہیں ہے اور خود حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ لکھتے ہیں

ایں نوع تصرف یعنی بروز روح در روح حی یا میت در اصل از خواص حقیقتہ الحقائق تعالٰی و تقدس است اھ — کہ تصرف کی یہ قسم یعنی روح کا کسی زندہ یا مردہ کی روح میں بروز اصل میں حقیقۃ الحقائق تعالٰی و تقدس کے خواص میں سے ہے۔

(فتاوٰی عزیزی ج ۱ ص ۱۱۲ طبع مجتبائی دہلی)

لیجئے اب تو معاملہ ہی بالکل واضح سے واضح تر ہو گیا کہ ہمشکل بنانا جس کو حضرات صوفیاء کرامؒ اپنی اصطلاح میں بروز کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ ہی کے خواص میں سے ہے اور ظاہر امر ہے کہ کسی چیز کا خاصہ اسی کے ساتھ مختص ہوتا ہے وہ کسی دوسری چیز میں نہیں پایا جاتا۔

غرضیکہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ وغیرہ اکابر اپنے اپنے دور میں موحدین کے سردار اور ان کے پیشوا گذرے ہیں، ان پر

کسی نے شرک کا خنجر نہیں چلایا اور نہ ان پر چل سکتا ہے یہ مؤلف مذکور کی کم فہمی ہے کہ وہ اصل حقیقت کو سمجھے بغیر اور ان حضرات کی مفصل عبارات سے قطع نظر کرتے ہوئے ان کی نہایت مجمل عبارات اور ان کی بیان کردہ بعض کرامات سے اپنے شرک کی مال گاڑی چلانے اور اس پر پبلک کو سوار کرنے کے دل و جان سے خواہاں ہیں ؎

قضاء کے سامنے بیکار ہوتے ہیں حواس اکبر
کھلی ہوتی ہیں گو آنکھیں مگر بینا نہیں ہوتیں

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے واقعہ میں خود مؤلف مذکور کرامت کا لفظ نقل کرتے ہیں اور جب کرامت ان کا فعل نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے تو اس کی وجہ سے بھلا ان پر شرک کی تلوار کیوں وار کرے؟ کیونکہ شرک کی تلوار کی زد تو مشرکین پر پڑتی ہے نہ کہ مؤحدین پر اور بفضلہٖ تعالیٰ جب دیوبند کے مسلک سے وابستہ سبھی حضرات موحد ہیں، تو انہیں شرک کی تلوار کیوں چھوئے گی۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ اسلاف دیوبند تو مؤحد اور متبع سنّت اور بفضلہٖ تعالیٰ جنتی ہیں اور ان کا اور ان کے شاگرد راقم اثیم کا قول بالکل صحیح اور حق ہے اس سے رجوع کرنے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔

الغرض حضرات انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے مافوق الاسباب استمداد و استعانت قطعاً شرک ہے اس کے شرک ہونے میں رتی برابر شک نہیں ہے اور اس استمداد کو مؤلف مذکور نہ ثابت کر سکے ہیں اور نہ تا قیامت ثابت کر سکتے ہیں ان کے پیش کردہ مغالطات قارئین کرام کے سامنے ہیں۔

لطیفہ مؤلف مذکور سلوف دیوبند لکھتے ہیں اگر یہ سلف کی جمع ہے تو یہ درست نہیں کیونکہ سلف جو پچھلے پیشرو کے لئے آتا ہے اس کی جمع اسلاف اور سلّاف ہے (دیکھئے قاموس ج ۳ ص ۱۵۴ طبع مصر، مختار الصحاح ص ۳۲۲) اور سلف بمعنی تھیلہ یا بڑا تھیلہ یا الیبا چمڑا جس کو اچھی طرح دباغت نہ دی جا سکی ہو تو اس کی جمع اسلف اور سلوف آتی ہے (دیکھئے قاموس ج ۳ ص ۱۵۴) مؤلف مذکور نے یا تو جہالت کی وجہ سے سلوف کا لفظ لکھا ہے یا

شرارت کی بناء پر دھڑا لاظہر الفاظ بگاڑنے سے اس جماعت اوران کے اعلیٰ حضرت کا خاص لگاؤ ہے اور اس میں ان کو مزہ بھی آتا ہے ہاں اگر سلیف کی جمع سُلُوف لکھی ہے تو بجا ہے۔
(دیکھئے المنجد ص۳۴۶ وغیرہ)

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار
یہ حقائق ہیں تماشائے لبِ بام نہیں

سرفراز صاحب کا وجوہ فاسدہ سے استدلال اور اس کے جوابات

یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے جو کچھ لکھا ہے اس کا نہایت اختصار سے خلاصہ درج ہے (یہ یاد رہے کہ راقم نے تنقید متین ص۳۲ میں مولف مذکور کے صدر الافاضل کی تردید میں یہ تحریر کیا تھا کہ۔ جو تفسیر اور احتمال اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں انہوں نے بیان کیا ہے بعینہٖ وہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں بھی جاری ہو سکتا ہے مثلاً ایک شخص حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم السّلام کو سجدہ کرتا ہے یا نماز، روزہ اور قربانی وغیرہ ان کے نام کی ادا کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ درحقیقت تو میں عبادت بواسطہ یا بے واسطہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ادا کر رہا ہوں ہاں مگر ان حضرات کو صرف تقرب الٰہی کا مظہر سمجھتا ہوں تو کیا یہ تفسیر صحیح ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو پھر غیر اللہ کی عبادت کیوں نادرست ٹھہری؟ اور کس دلیل سے؟ اور اگر یہ غلط ہے تو غیر اللہ سے استعانت کا عقیدہ کیوں کر حق قرار دیا؟ اور اس استعانت کو غلط کہنا کیسے عقیدہ باطلہ ٹھہرا؟ انتہٰی اس کے جواب میں مؤلف مذکور یہ لکھتے ہیں۔

سرفراز صاحب کا یہ استدلال کئی وجوہ سے باطل و مردود ہے۔

اوّلاً تو اس لئے کہ ان کی دلیل اپنے تمام مقدمات کے ساتھ اقیموا الصّلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ میں بھی جاری ہوتی ہے حالانکہ مدعیٰ مختلف ہے مثلاً کوئی شخص یوں کہہ سکتا ہے کہ جس طرح اقیموا الصّلوٰۃ میں نماز کا حکم ہے اور اسی طرح اٰتوا الزکوٰۃ میں زکوٰۃ دینے کا حکم ہے پس کیا وجہ ہے کہ نماز تو دن میں پانچ مرتبہ پڑھی جائے اور زکوٰۃ سال میں صرف ایک بار دی جاتی ہے نیز نماز پڑھنے پر تو سرا میر و غریب مجبور ہے اور زکوٰۃ کا صرف صاحب نصاب مکلف ہے پس بایں

زکوٰۃ بھی دن میں پانچ مرتبہ ادا کی جائے یا نماز بھی سال میں صرف ایک بار پڑھی جائے اسی طرح یا نو زکوٰۃ بھی ہر امیر و غریب پر فرض ہو یا نماز بھی صرف صاحب نصاب پڑھا کرے، تو بتلائیے کہ سرفراز صاحب کی اس منطق کو ہوش و خرد کی دنیا میں کون قبول کرے گا؟

وثانیاً ہدایہ ج ۱ ص ۸ پر ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جسے نماز میں قے آگئی یا اس کی نکسیر پھوٹ گئی وہ نماز چھوڑ کر وضو کرے اور اپنی نماز پر بنا کرے جب تک اس نے کسی سے بات نہ کی ہو اس فرمان میں دو حکم ہیں ایک وضو کرنے کا دوسرا نماز پر بنا کرنے کا پہلا واجب ہے اور دوسرا اباحت کے لئے ہے لیکن سرفراز صاحب کی منطق پر لازم آئے گا کہ دونوں کا حکم ایک جیسا ہو یا وضو بھی مباح ہو اور بنا بھی واجب ہو۔

وثالثاً سرفراز صاحب کا یہ استدلال اس باطل عقیدہ سے مستعار ہے کہ قران فی الذکر قران فی الحکم پر دلالت کرتا ہے حتیٰ کہ جب دو چیزوں کا ذکر مقرون ہو تو ان کا حکم بھی ایک ہی ہو حالانکہ احناف کے ہاں یہ ضابطہ باطل ہے پھر آگے حاشیہ عبدالغفور کا حوالہ دیا کہ احناف کہتے ہیں کہ قران فی الذکر قران فی الحکم پر دلالت نہیں کرتا اور صاحب منار نے قران فی الذکر قران فی الحکم کو وجوہ فاسدہ میں سے شمار کیا ہے اور ملا جیون فرماتے ہیں کہ یہ وجوہ فاسدہ میں سے چوتھی قسم ہے (نور الانوار ص ۱۶۱) کیا سرفراز صاحب کا فراڈ اب بھی حیز خفا میں رہے گا، کیا دیدۂ بینا پر یہ امر اب واضح نہیں ہو گیا کہ سرفراز صاحب کا استدلال وجوہ فاسدہ پر مبنی ہوتا ہے اور جس کا مبنی فاسد ہو وہ فاسد نہیں تو اور کیا ہوتا ہے؟

ورابعاً تفسیر بیضاوی ص ۷ میں عبادت کو استعانت پر مقدم کرنے کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ عبادت مدد حاصل کرنے کے لئے وسیلہ ہے اور وسیلہ مقصود پر مقدم ہوتا ہے۔ عبادت کو استعانت پر اس لئے مقدم کیا گیا تاکہ رعایت فواصل ہو اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وسیلہ کو مقصود پر مقدم کرنا اجابت کے زیادہ قریب ہے پس جب ثابت ہو گیا کہ اس مقام پر عبادت سبب اور استعانت مسبب ہے تو ظاہر ہو گیا کہ دونوں کا حکم ایک نہیں ہو سکتا۔

وخامساً چلئے ہم خود سرفراز صاحب سے منوائے دیتے ہیں کہ عبادت اور استعانت دونوں کا حکم ایک نہیں ہے ص ۲۸ پر انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ زندہ اور قریب سے امور عادیہ میں

استعانت جائز ہے اور اس کو وہ ظاہری استعانت کہتے ہیں حالانکہ زندہ اور قریب کی ظاہری عبادت تو کسی طور جائز نہیں پس اب اگر وہ اس ظاہری استعانت کو شرک قرار دیں تو خود مشرک ہوتے ہیں اور اگر یہ ظاہری استعانت جائز ہو تو ان کی کلی ٹوٹتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ عبادت اور استعانت دونوں کا حکم ایک طرح نہیں کیونکہ غیر اللہ سے ظاہری استعانت جائز ہے اور غیر اللہ کی عبادت ظاہری باطنی حقیقی مجازی کسی طور پر جائز نہیں ہے پھر آگے جوش میں آکر لکھتے ہیں کہ صیہونی تحریف کے سہارے دیوار بنانے والوں کی عمارت کا بھی یہی حال ہوتا ہے جھوٹ کا گھر جھوٹوں پر گرتا ہے سرفراز صاحب محاسبہ سے بے خوف ہو کر من مانی تفسیروں سے شرح قرآن پر رندہ چلاتا ہے اب اس کا حساب آپہنچا ہے اس نے جس قدر تحریفات کی ہیں ایک ایک کر کے مواخذہ ہوگا نشۂ ضلالت میں سرمست قلم توڑ دیا جائے گا اور اس کی مجرمانہ خیانتوں کی عبرتناک تعزیر دی جائے گی۔ ؎

بنتی نہیں ہے صبر کو رخصت کئے بغیر
کام ان کی بے قرار نگاہوں سے پڑ گیا (محصلہ ص ۴۹ تا ۵۲)

الجواب: مؤلف مذکور کو قرآن و حدیث علم و فہم اور بصیرت سے کوئی لگاؤ نہیں یہی وجہ ہے کہ وہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے اور اپنے ناخواندہ اور بے شعور حواریوں کو دور کی رام کہانی سناتے رہتے ہیں اور غیر متعلق حوالے دے دے کر مفت کا علمی رعب جمانے کی لاحاصل سعی کرتے ہیں ہمارا استدلال واستخراج اس امر پر مبنی نہیں کہ قران فی الذکر قران فی الحکم کو چاہتا ہے تاکہ اقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ کی غیر متعلق بحث اور ہدایہ اور حاشیہ عبدالغفور اور منار اور نور الانوار سے وجہ فائدہ کے حوالے پیش کر کے اس کو رد کیا جائے یہ تمام کے تمام حوالے ہمیں مضر نہیں اور مؤلف مذکور کو مفید نہیں کیونکہ ہمارے استدلال کی وجہ یہ نہیں ہے ہم نے تنقید متین ص ۳۲ میں وجہ استدلال یہ بیان کی ہے۔

معمولی گرامر سے واقف اور عربی کا مبتدی طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں نَسْتَعِیْنُ کا مفعول ومعمول اِیَّاکَ ضمیر منفصل کی صورت میں محض اس لئے مقدم کیا گیا ہے کہ حصر کا فائدہ دے اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات ہی کے

، سانھ مختص ہو جائے الخ اس ساری عبارت کو مؤلف مذکور سیدن اپ سمجھ کر پی گئے ہیں، اور اپنی کتاب میں ہمارے استدلال کی وجہ کا اشارۃً تک نہیں کیا اور یہ پہلے درجے کی علمی خیانت ہے کیا مؤلف مذکور کا یوم حساب قریب نہیں ؟ اور کیا ان کو موت یاد نہیں ؟ اور کیا ان کے لئے کوئی عبرتناک تعزیر کسی عدالت میں موجود نہیں ہے۔ ؎

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے !!!
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر؟

ہم نے اسی حصر پر استدلال کی بنیاد رکھ کر اِیَّاكَ نَعْبُدُ کے پیش نظر سوال کیا تھا کیونکہ اس میں بھی یہی حصر موجود ہے مگر مؤلف مذکور نے مفت میں بہ مورچہ فتح کرنے کے شوق میں اپنی طرف سے قرات فی الذکر کی غیر متعلق بحث چھیڑ کر چند صفحے سیاہ کر ڈالے ہیں اور اقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ کا تذکرہ کر کے دفت پاس کیا ہے جس میں کوئی حصر موجود نہیں ہے اور پھر حضرت قاضی ناصر الدین بیضاویؒ کا غیر متعلق حوالہ نقل کر کے خوش ہو گئے ہیں مگر اس کا انکار کس نے کیا ہے کہ عبادت وسیلہ نہیں ؟ عبادت اور استعانت سبب و مسبب ہونے ہوئے بھی دونوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں اور اس خصوصیت میں دونوں کا حکم ایک ہے ایسا نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور باور کرانا چاہتے ہیں کہ دونوں کا حکم الگ الگ ہے یعنی عبادت اللہ تعالیٰ کی اور استعانت انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نعوذ باللہ من سوء الفہم انگریز کے زمانہ میں اس سے ملتا جلتا سرکاری ملان ہوتا تھا مخلوق خدا کی حکم سرکار بہادر کا۔ اور جو استعانت عبادت کی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے وہ مافوق الاسباب اور امور عادیہ کے ماوراء استعانت ہے زندہ اور قریب سے امور عادیہ میں اور ظاہری استعانت کا مسئلہ اس سے بالکل جدا ہے اس کو درمیان لا کر گڈمڈ کرنا اور بلا وجہ معاملہ کو الجھانا علمی اور تحقیقی ذوق کے بالکل خلاف ہے غرضیکہ مخلوق سے ماتحت الاسباب استعانت تسلیم کرنے سے نہ تو شرک لازم آتا ہے اور نہ کلی ٹوٹتی ہے مؤلف مذکور ہی بتائیں کہ کسی مصنف کی پیش کردہ صریح دلیل کو اس کے جواب سے عاجز و قاصر ہو کر ترک کر دینا اور اپنی طرف سے ناقص میں ایک دلیل تراش لینا اور اس کے لئے حوالے تلاش کر کے تنکوں کا پل بنانا اور اس پر سے

عوام کو گذارنا کیا یہ صیہونی (یاد رہے کہ لفظ صیہونی نہیں جیساکہ مؤلف مذکور نے اپنی لاعلمی کی وجہ سے لکھا ہے بلکہ یہ لفظ صہیونی ہے صہیون اس پہاڑ کا نام ہے جس پر بیت المقدس کا شہر آباد ہے دیکھئے قاموس صِہْیَوْن بروزن بِرذَون اور یہودی تحریک کو اس پہاڑ کی طرف نسبت کرتے ہیں) تحریف نہیں؟ کچھ تو فرمائیں بات کیا ہے؟ مؤلف مذکور نے امیدوں کا جو ایک خیالی چمن تیار کیا تھا وہ بالکل اجڑ کردیا گیا ہے اور ان کی فرضی عمارت خود ان پر ہی گر پڑی ہے بعید نہیں کہ انہوں نے یہ چمن تیار کرتے وقت یہ پڑھا ہو۔ ؎

پھلا پھولا رہے یا رب چمن میری امیدوں کا !!!
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

مظہر افعال وصفات یہ سرخی قائم کرکے مؤلف مذکور نے لکھا ہے کہ صدر الافاضل نے فرمایا کہ آلات خدام احباب وغیرہ عون الٰہی کے مظہر ہیں نیز فرمایا مقربان حق کی امداد امداد الٰہی ہے (استعانت بالغیر نہیں۔ یہ الفاظ مؤلف مذکور بالکل پی گئے ہیں کیونکہ ان پر اعتراض کی مدار ہے) اس پر سرفراز صاحب نے ص۲۹ میں بیہودہ اعتراض قائم کیا کہ مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ لکھنا کہ کیونکہ مقربان حق کی امداد امداد الٰہی ہے استعانت بالغیر نہیں سراسر مردود ہے کیونکہ جب ان مقربان حق کا وجود پروردگار کے وجود کا غیر ہے اور وہ غیر اللہ ہیں تو یہ استعانت بالغیر کیوں نہیں؟ ہاں یہ کہ عیسائیوں کی طرح معاذ اللہ ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں گڈمڈ کر دیا جائے اور اثنینیت ختم کردی جائے تو معاملہ الگ ہے انتہٰی تنقید متین۔

اس کا جواب مؤلف مذکور یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرما دیا (تھانوی صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے) (ہم ترجمہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں) سو جب وہ اسی آگ کے پاس پہنچے تو ان کو اس میدان کی داہنی جانب سے (جو کہ موسیٰ علیہ السلام کی داہنی جانب تھی) اس مبارک مقام میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میں اللہ رب العلمین ہوں۔ اب یا تو کہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو درخت میں گڈمڈ کر دیا اور اثنینیت ختم کردی یا صدر الافاضل کی بات پر ایمان لاکر کہئے کہ درخت کلام الٰہی کا مظہر تھا اور درخت میں یہ اللہ کا کلام تھا اس کے بعد انہوں نے مشکوٰۃ ص۱۹۷ سے حدیث فکنت سمعه الذی یسمع به الحدیث نقل کر

کے اس کا یوں ترجمہ کیا ہے پس جب میں اپنے بندے کو محبوب بنا لیتا ہوں میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے (بخاری)

اب ذرا سرفراز صاحب سے پوچھئے کہ اگر حق تعالیٰ کے افعال وصفات کا مظہر بنا عیسائیت اور اثنینیت کو ختم کر دینا اور ذات کو گڈمڈ کر دینا ہے تو یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بندۂ محبوب کو اللہ تعالیٰ کے تصرفات کا مظہر قرار دیا اس کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے کیا یہ عیسائیت کی تعلیم ہے؟ ممکن ہے سرفراز صاحب کے ذہن میں مظہریت کے خلاف کوئی اور معنی راہ پائے اس لئے ہم اتمام حجت کے لئے مولوی انور شاہ کشمیری کی فیض الباری کا اسی حدیث کی شرح میں کلام پیش کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں جب درخت سے میں اللہ ہوں کی آواز آسکتی ہے تو متصرف بالنوافل کا کیا حال ہوگا اللہ تعالیٰ اس کی سمع وبصر نہ ہو سکے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے مقرب بندوں کی سمع وبصر ہو جانا ایسی صورت میں کیونکر محال ہو سکتا ہے جب کہ وہ ابن آدم جو رحمٰن کی صورت پر پیدا کیا گیا شرف وکمال میں شجرہ موسیٰ سے کسی طرح کم نہیں ـــ اب آپ کو اجازت ہے کہ پورے شرح صدر سے مظہریت کو عیسائیت قرار دے کر مولوی انور شاہ کو جہنم میں پہنچا دیجئے یہ کیسا ظلم ہے کہ جو بات آپ کے معنوی آباء کی کتابوں میں موجود ہو وہ سب ایمان وعرفان رہے اور وہی بات اگر ہمارے اسلاف بیان فرمائیں، تو کفر وشرک ہو جائے مزید توضیح کے لئے امام رازیؒ کا نورانی بیان جو تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۶۷ میں اسی حدیث کے تحت لکھا ہے ملاحظہ فرمایئے اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بندگان مقربین کی آنکھوں کانوں بلکہ تمام اعضاء میں غیر اللہ کے لئے کوئی حصہ باقی نہ رہا اس لیے کہ اگر یہاں اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے حصہ باقی رہا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ کبھی نہ فرماتا کہ میں اس کی سمع اور بصر ہو جاتا ہوں (آگے چل کر فرماتے ہیں) اور اسی لئے حضرت علیؓ المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے خیبر کا دروازہ جسمانی قوت سے نہیں اکھاڑا بلکہ ربانی قوت سے اکھاڑا تھا اور اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس وقت حضرت علی رضؓ کی نظر عالم اجساد سے منقطع ہو چکی تھی اور ملکی قوتوں نے حضرت علی رضؓ کو عالم کبریاء کے نور سے چمکا دیا تھا جس کی وجہ سے

ان کی روح قوی ہو کر ارواح ملکیہ کے جواہر سے مشابہ ہو گئی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ انہیں وہ قدرت حاصل ہو گئی جو ان کے غیر کو حاصل نہ تھی اور اسی طرح جب کوئی بندہ نیکیوں پر ہمیشگی اختیار کرتا ہے تو اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کنت لہ سمعاً و بصراً فرمایا ہے اور جب اللہ کے جلال کا نور اس کی سمع ہو جاتا ہے تو وہ قریب اور دور کی آواز کو سن سکتا ہے اور جب نور اس کی بصر ہو گیا تو دور و نزدیک کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے اور جب نور جلال اس کا ہاتھ ہو جاتا ہے تو یہ بندہ مشکل و آسان دور و قریب چیزوں میں تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ ملا علی القاریؒ اس حدیث کی شرح میں مرقات میں لکھتے ہیں پس وہ عبد مقرب یہ اعتقاد کرتا ہے کہ اس کی سمع بصر اور تمام قویٰ کے کمالات حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی سمع و بصر اور قدرت قوت کے آثار سے ہیں۔ رہا وہ بندہ تو معدوم محض ہے اور یہی مظہریت کا معنیٰ ہے کہ بندے کی اپنی ذات اور اس کے افعال فنا ہو جائیں اور اس کی سمع۔ بصر وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کے افعال ظاہر ہوں۔ (محصلہ ص۵۳ تا ۵۶)

الجواب: مؤلف مذکور نے اپنے معنوی آباء کی شرک پسندی اور بدعت نوازی کی تقلید کا یہاں بھی کھل کر ثبوت دیا ہے مگر یہ جتنی باتیں بھی انہوں نے کہی ہیں ایک بھی ان کے لئے نافع نہیں اور ہم پر کسی ایک کی بھی علمی زد نہیں پڑتی۔

اولاً اس لئے کہ ہم نے جس جملہ کی وجہ سے اعتراض کیا تھا مؤلف مذکور نے اپنی عبارت میں بڑے معصومانہ انداز سے اس کو حذف کر دیا ہے تاکہ ان کی گرفت اور لا یعنی جواب کی کلی نہ کھل جائے ہم نے بین القوسین اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے

ثانیاً جس آیت کریمہ کا حوالہ بترجمہ حضرت تھانویؒ مؤلف مذکور نے دیا ہے وہ بھی ان کو سود مند نہیں اس لئے کہ درخت سے اللہ تعالیٰ کے اس حکم انا اللہ کی جو آواز آئی تھی تو وہ تجلی کی مد میں تھی (حضرات صوفیاء کرامؒ کی اصطلاح میں تجلی کی کئی قسمیں ہیں تجلی ذاتی۔ تجلی صفاتی اور تجلی افعالی۔ تجلی صفاتی میں اگر صفات جلالی تجلی کریں تو سالک پر خشوع و خضوع کا غلبہ ہوتا ہے اور اگر صفات جمالی تجلی کریں تو سالک کو سرور و انس ہوتا ہے (ملاحظہ ہو تعلیم الدین ص۸۲ وغیرہ) جس طرح طور پر تجلی ہوئی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے تھے اس تجلی سے

یہ ثابت کرنا کہ اللہ تعالیٰ اور درخت معاذ اللہ تعالیٰ ایسے متحد ہوگئے کہ ان میں غیریت نہ رہی جس کے درپے مؤلف مذکور اور ان کے بڑے ہیں دور از کار بات ہے ایسی مظہریت نہ تو جبل طور پر ہوئی اور نہ درخت پر آپ حضرات کے وکیل اعظم اور مجاہد تحریف مولوی محمد عمر صاحب (المتوفی سنہ ۱۴۱۲ھ) وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ کی بالکل غلط تفسیر بلکہ تحریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسولوں کے درمیان فرق ڈالنے والوں اور رسولوں کو غیر اللہ کہنے والوں کے واسطے فتویٰ کفر ارشاد فرمایا ہے کیونکہ کافر اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان ایک غیریت کے رہنے کا قائل ہے لہٰذا ان کے واسطے سخت سزا فرمائی اور تفریق نہ کرنے والوں کو ایماندار ہونے سے سراہا اور ان سے اجر و بخشش کا وعدہ فرمایا (بلفظہ مقیاس حنفیت ص۶۲ طبع چہارم)

قارئین کرام اس کفریہ عبارت کو بار بار پڑھیں اور غور فرمائیں کہ فریق مخالف کس طرح خالق اور مخلوق کو گڈمڈ کرتا اور ان کی غیریت کو کفر قرار دیتا ہے اور کس طرح ان کی عینیت کو ایمان قرار دیتا ہے حالانکہ خود اسی مقام پر اس کی صراحت ہے کہ یہ تفریق اور عدم تفریق ایمان و کفر کی ہے مومن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور یہود وغیرہ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ کے قائل ہیں یہ نہیں کہ رسولوں کو غیر اللہ کہنے والے کافر ہیں جیسا کہ مجاہد تحریف کا باطل اور کافرانہ دعویٰ ہے اور نہ یہ کہ اس معنی میں تفریق نہ کرنے والے اور رسولوں کو عین اللہ کہنے والے مومن ہیں۔ اور اہل حق بھی اسی قسم کی مظہریت اور عینیت کا انکار کرتے ہیں پہلے حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے حوالہ سے یہ بات بیان ہوچکی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے مشرک یغوث اور سواع وغیرہ کو مظاہر الٰہی سمجھ کر ہی شرک کے مرتکب ہوئے تھے نیز حضرت شاہ صاحبؒ لَا تَذَرُنَّ کی تفسیر میں لکھتے ہیں

یعنی ہرگز مگذارید عبادت مظاہر را اما کہ دراں مظاہر بالوہیت خود ظہور فرمودہ است و ہمیں ظہور الوہیت درآنہا آں مظاہر شدہ اند (تفسیر عزیزی پ۲۹، ص۱۲۹)

یعنی اُن مظاہر کی عبادت مت چھوڑو جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اُلوہیت ظاہر فرمائی ہے اور اسی وجہ سے ان مظاہر میں اس کی اُلوہیت کا ظہور ہوا ہے اور وہ اس کے مظاہر قرار پائے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ ان پانچ بزرگوں کو اللہ تعالیٰ کی صفت الوہیت کا مظہر تسلیم کرتے تھے جبھی تو وہ ان کی عبادت میں محو تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت الوہیت کے لحاظ سے کسی میں ظہور نہیں فرماتے۔

قارئین کرام! یہ بات اچھی طرح ملحوظ رکھیں کہ ویسے تو تمام موجودات اللہ تعالیٰ کے وجود کے مظاہر ہیں لیکن وجوب وجود کا مظہر مخلوق میں سے کوئی شئے نہیں ورنہ وہ بھی خدائی صفت سے متصف ہوتی چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ہی لکھتے ہیں کہ

آری ظہور حق دریں مظاہر بمحض وجود البتہ مسلّم است امّا محض وجود بدون وجوب وجود عام است جمیع موجودات را کہ بسبب آں ظہور بعض موجودات استحقاق معبودیت بعض آخر ندارند والّا ترجیح بلا مُرجح لازم آید یا عابد را معبود شدن و معبود را عابد شدن و ہر دو امر محال و ممتنع است۔

یعنی بہرحال حق تعالیٰ کا ان مظاہر میں ظہور محض وجود کے لحاظ سے تو البتہ مسلّم ہے لیکن وجوب کے بغیر محض وجود تو تمام موجودات میں عام ہے کہ اس ظہور کی وجہ سے بعض موجودات دوسرے بعض کی طرف سے استحقاق معبودیت نہیں رکھتے ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی یا عابد کا معبود اور معبود کا عابد ہونا لازم آئے گا اور یہ دونوں امر محال اور ممتنع ہیں

(تفسیر عزیزی پ۲۹، ص۱۳)

الغرض جس معنی میں آلات۔ خدام۔ احباب۔ اور درخت وغیرہ مظاہر ہیں اس سے مؤلف مذکور وغیرہ کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ محض وجود کے مظاہر تو تمام موجودات ہیں پھر خدام و احباب وغیرہم کی تخصیص کا کیا مطلب؟ اور جس حیثیت کے مظاہر ان کو مفید ہو سکتے ہیں وہ ثابت نہیں کیونکہ وہ ایسے ہی ہو سکتے ہیں جو غیر نہ ہوں (اور وجوب وجود کے مظاہر ہوں اور یہ محال ہے) ورنہ استعانت بالغیر ثابت ہو جائے گی جس کی وہ نفی کرتے ہیں ؎

نگاہیں ڈھونڈتی ہیں جن کو ان کا وہ نشاں یارو!!

اسے میں کیا کروں گا یہ جو سب سامان ہے حاضر

دفالثاً حدیث کنت سمعہ الذی یسمع بہ کی باحوالہ اختصاراً بحث ہم نے دل کا سرور میں اور تفصیلاً تفریح الخواطر میں کر دی ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں کہ آیا عیسائیت اور تثنیت

باقی رہتی ہے یا ختم ہو جاتی ہے اور کیا اس میں عیسائیت کی تعلیم ہے یا اس پر ضرب کاری ہے وہ بحث دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے ضرور دیکھیں۔

رابعًا مؤلف مذکور کہتے ہیں کہ اگر سرفراز صاحب کے ذہن میں منظر بین کا کوئی اور معنیٰ ہے تو ہم مولانا انور شاہ صاحبؒ کا حوالہ دے کر اتمام حجت کرتے ہیں اور آگے پھر ان کی املائی کتاب فیض الباری کا حوالہ دیا ہے مگر مشہور ہے کہ چور کی ڈاڑھی میں تنکا۔ اس لئے انہوں نے فیض الباری کی جلد اور صفحہ کا حوالہ دینے کی جرأت نہیں کی کیونکہ اس طرح اُن کے چہرۂ مبارک کے بے نقاب ہوتے کا سخت خطرہ تھا، لیکن کب تک وہ اپنے محرموں اور رازدانوں سے چہرہ چھپاتے رہیں گے غالبًا ایسے ہی موقع کے لئے کہا گیا ہے ؎

نقابِ رخ سے ہر جانب شعاعیں پھوٹ نکلی ہیں
ارے او چھپنے والے حسن یوں پنہاں نہیں ہوتا

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ نے اس حدیث پر فیض الباری ج ۴ ص ۴۳۸، ۴۳۹ میں خاص علمی اور صوفیانہ بحث کی ہے۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

فاعلم ان التجلی ضروب وامثلۃ تقام وتنصب بین الرب وعبدہٖ لمعرفتہٖ تعالیٰ فتلک مخلوقۃ وھی التی تسمی برؤیۃ الرب جل مجدہٗ وھذا کما فی القرآن العزیز فی قصۃ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ فالمرئی والمشاھد لم یکن اِلَّا النَّار دون الرب جل مجدہٗ ولکنّ اللہ سبحانہٗ لما تجلّی فیھا قال یٰمُوسٰی اِنِّیٓ اَنَا اللہُ وما رأیت لفظًا موھمًا فی سائر القرآن ازید من ھذا

تو بیان ہے کہ تجلّی کی کئی نوعیں اور قسمیں ہیں جو رب تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان رب تعالیٰ کی معرفت کے لئے قائم ہیں اور یہ مخلوق ہیں اور یہ تجلّی وہی ہے جس کو باری تعالیٰ جلّ مجدہٗ کی رؤیت سے موسوم کیا جاتا ہے اور یہ جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصّہ میں آتا ہے کہ جب وہ اُس (آگ) کے پاس پہنچا تو آواز آئی، کہ برکت ہے اس پر جو کوئی کہ آگ میں ہے تو جو چیز دیکھی گئی اور جس کا مشاہدہ ہوا وہ صرف آگ ہی تھی نہ کہ رب تعالیٰ جلّ مجدہٗ اور لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس میں تجلّی ڈالی تو فرمایا کہ اے موسیٰؑ میں اللہ

فانظر فيه انه كيف سمع صوتا من النار إِنِّي أَنَا اللَّهُ فهو نار ثم صح قوله إِنِّي أَنَا اللَّهُ ايضًا فالمتكلم في الموسىٰ كان هو الشجرة ثم اسند تكلمها الى الله تعالى وذلك لان الرب جل مجده لما تجلى فيها صارت الواسطة لمعرفته اياه هي الشجرة فاسند المتجلى فيه حكم المتجلي بنفسه بنحو تجريد وهذا الذي قلنا فيما سبق ان المرئي في التجلي لا تكون الا الصور والمرئي يكون هو الذات الى قوله فامثال تلك الاحاديث عندي ترجع الى مسألة التجلي فان فهمت معنى التجلي كما هو حقه وبلغت مبلغه فدع الامثال والصور المنصوبة وارق الى ربك حنيفا فانه اذا صح للشجرة الخ

(فیض الباری ج ۴ ص ۴۳۱ و ۴۳۶)

ہوں اور میں نے سارے قرآن کریم میں اس سے زیادہ موہم لفظا اور کوئی نہیں دیکھا تو تو اس میں غور کر کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کس طرح آگ سے اِنِّي أَنَا اللَّهُ کی آواز سنی سو وہ آگ تھی پھر اس کا قول اِنِّي أَنَا اللَّهُ بھی صحیح ہے پس دیکھیے یہ متکلم تو درخت تھا پھر اس کے تکلم کی اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے اس میں تجلی فرمائی تو اس کی معرفت کا واسطہ وہ درخت ہی تھا تو جس چیز میں تجلّی کی گئی اس نے بنفسہ تجلّی کرنے والے کا حکم لے لیا تجرید کے طور پر اور یہ وہی ہے جس کے بارے میں ہم نے پہلے کہا تھا کہ تجلّی میں جو چیز دیکھنے میں آتی ہے وہ صورت ہی ہوتی ہے اور مقصود تو ذات ہے (پھر آگے فرمایا) تو اس قسم کی حدیثیں میرے نزدیک مسئلہ تجلّی کی طرف راجع ہیں اگر تو نے کما حقہ تجلّی کا معنی سمجھ لیا اور اس کی تہ کو پہنچ گیا تو امثال اور صورتوں کو جو نصب کی گئی ہیں چھوڑ دے اور اپنے رب کی طرف چڑھتا جا یکسو ہو کیونکہ جب درخت کے لئے یہ صحیح ہے الخ

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ سارا قصّہ تجلّی کا ہے پھر استادانہ شفقت کے پیش نظر فرماتے ہیں کہ اگر تو تجلی کا معنی کما حقہ سمجھتا ہے تو مثالوں اور قائم کردہ صورتوں کو چھوڑ دے اور یکسو ہو کر رب تعالیٰ کی طرف بڑھتا اور چڑھتا چلا جا جب درخت سے اس تجلیّ کی وجہ سے انی انا اللہ کی آواز سنی جا سکتی ہے تو انسان جو اشرف المخلوقات ہے اور جس کو

اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت (صورت سے صفت مراد ہے حضرت تھانوی رحؒ لکھتے ہیں کہ اگران اللہ خلق آدم علیٰ صورتہٖ سے دھوکا ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ صورت ناک اور منہ ہی کو نہیں کہتے مثلاً یہ بولتے ہیں اس مسئلے کی یہ صورت ہے حالانکہ اس مسئلہ کی ناک و منہ نہیں ہے۔ بلکہ صورت کے معنی صفت کے بھی آتے ہیں تو انسان کو آخر سمع و بصر وغیرہ عنایت ہوا اس لئے اس کو صورتِ حق کہا گیا الخ تعلیم الدین صنؔ۱) پر پیدا کیا ہے تو وہ درخت سے تو کم نہیں پھر اس کے کان و آنکھ وغیرہ اعضاء میں متصرف بجز اللہ تعالیٰ کے اور کون ہو سکتا ہے چنانچہ وہ خود علماء شریعت سے اس کا معنیٰ نقل کرکے صوفیانہ انداز میں فرماتے ہیں۔

قلت وھذا عدول عن حق الالفاظ لان قولہ کنت سمعہ بصیغۃ المتکلم یدل علی انہ لم یبق من المتقرب بالنوافل الا جسدہٗ وشبحہ وصار المتصرف فیہ الحضرۃ الالٰھیۃ فحسب وھو الذی عناہ الصوفیۃ بالفناء فی اللہ ای الانسلاخ عن دواعی نفسہٖ حتی لا یکون المتصرف فیہ الا ھو وفی الحدیث لمعۃ الی وحدۃ الوجود الخ

(فیض الباری ج۴ صؔ۴۲۸)

میں کہتا ہوں کہ یہ الفاظ کے حق سے اعراض ہے۔ کیونکہ کنت سمعہٗ کا صیغہ جو متکلم کا ہے دلالت کرتا ہے کہ نوافل کے ساتھ تقرب کرنے والے کا صرف جسم اور صورت ہی رہ گئی اور اس میں تصرف کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ہے اور صوفیاء کرامؒ اسی کو فناء فی اللہ کہتے ہیں یعنی اپنے نفس کے دواعی اور حرکات سے الگ ہو جانا حتّٰی کہ اس میں تصرف کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور اس حدیث میں وحدۃ الوجود کی طرف اشارہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب بندہ کثرت نوافل کی وجہ سے اپنی خواہشات نفسانیہ سے بالکل الگ ہو جاتا ہے اور فنا فی اللہ کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے تو اس میں تصرف صرف اللہ ہی کا ہوتا ہے اور بندہ گویا بے بس ہو جاتا ہے نہ یہ کہ بندہ رب بن جاتا ہے اور نہ یہ کہ بندہ اور خالق گڈمڈ ہو جاتے ہیں۔ تعالیٰ اللہ عن ذٰلک علواً کبیرًا ؎

ہستیِ حق کے سامنے کیا اصل این و آں
پتلے ہیں سب یہ آپ کے وہم وخیال کے

اس عبارت میں وحدۃ الوجود کا تذکرہ بھی ہوا ہے یہ مسئلہ خاصا دقیق، مشکل اور رداً و اثباتاً طویل الذیل ہے اور حضرات صوفیاء کرامؒ میں یہ مسئلہ کئی صدیاں معرکۃ الآرا رہا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

معنی وحدۃ الوجود آنست کہ وجود حقیقی بمعنی ما بہ الموجودیۃ نہ بمعنی مصدری اعتباری یک چیز است کہ در واجب واجب و در ممکن ممکن و در جوہر جوہر و در عرض عرض و ایں اختلافات موجب اختلافات در ذات نمی شوند مثل شعاع آفتاب کہ بر پاک و ناپاک می افتد و فی ذاتہ پاک است ناپاک نمی شود و ایں مسئلہ فی نفسہ حق است الخ

(فتاویٰ عزیزی ج۱ ص۱۲۴)

وحدت الوجود کا معنیٰ یہ ہے کہ وجود حقیقی اس معنیٰ میں کہ اس کے ساتھ موجودیت ہے نہ کہ مصدری اور اعتباری معنیٰ کے لحاظ سے ایک ہی چیز ہے یہ وجود واجب میں واجب اور ممکن میں ممکن اور جوہر میں جوہر اور عرض میں عرض ہے اور یہ اختلافات ذات میں اختلافات کا موجب نہیں ہیں جیسا کہ سورج کی شعاع کہ پاک و ناپاک جگہ پر پڑتی ہے اور فی ذاتہ پاک ہے ناپاک نہیں ہو جاتی اور یہ مسئلہ فی نفسہا حق ہے۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کی بات علم تصوف کے رو سے بالکل صحیح ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ وہ اپنے دور کے محقق عالم ولی اللہ اور صاحب کمال تھے جو بفضل اللہ تعالیٰ جنت الفردوس کے وارث ہیں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ہمارے اور آپ کے نظریات کا بڑا فرق ہے وہ یہ کہ ہم تو خوارق عادات، ما فوق الاسباب اُمور اور افعال غیر عادیہ کو صرف رب تعالیٰ کا فعل سمجھتے ہیں اور آپ حضرات ان اُمور کو بھی اولیاء کرامؒ کے افعال تسلیم کر کے ان سے استعانت و استمداد کرتے ہیں اور ان کو اس طریقہ پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر سمجھتے ہیں جس سے ان کو خدائی اختیارات حاصل ہو جائیں اور وہ ما فوق الاسباب طریق پر فریاد رس مشکل کشا اور حاجت روا ثابت ہوں اور ان دونوں نظریوں کا اتنا فرق ہے جتنا کہ مشرق و مغرب اور آسمان و زمین کا فرق ہے اسی کتاب میں ہم نے مؤلف مذکور کے حوالے عرض کر دیئے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت امام رازیؒ کے حوالہ میں پہلی بات تو وہی ہے جو جمہور شراح حدیث نے اس

حدیث کی شرح میں تحریر فرماتی ہے تفریح الخواطر میں ہم نے حوالے عرض کر دیئے ہیں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ

اما علماء الشريعة فقالوا معناه ان جوارح العبد تصير تابعة للمرضاة الالهية حتى لا تتحرك الا على ما يرضى به ربه فاذا كانت غايته سمعه وبصره وجوارحه كلها هو الله سبحانه فحينئذ صح ان يقال انه لا يسمع الا له ولا يتكلم الا له فكأن الله سبحانه صار سمعه وبصره الخ

(فیض الباری ج ۴ ص ۴۲۸)

علماء شریعت فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بندے کے اعضاء اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ بغیر رضائے الٰہی کے حرکت نہیں کرتے سو جب اس کے کان آنکھ اور اعضاء کی سب غایت ہی ذات الٰہی (کی رضا) ہے تو اس وقت یہ صحیح ہے کہ کہا جائے کہ بندہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے سنتا ہے اور اسی کے لئے بولتا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ ہی اس کے کان اور اس کی آنکھ (کا مطلوب) ہے

اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ بندہ کے تمام اعضاء اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو جاتے ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور نہ غیر اللہ کے لئے کوئی حصہ باقی رہتا ہے اور اس کے بعد حضرت امام رازیؒ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے در خیبر اکھاڑنے کا تذکرہ فرمایا جو خدائی اور ربانی طاقت سے اکھاڑا تھا اور اسی کا نام کرامت ہے اور معجزہ اور کرامت کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ وہ اختیاری نہیں ہوتے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کا کوئی نیک بندہ کثرت سے نوافل پڑھ کر تقرب الی اللہ حاصل کر لیتا ہے تو کرامت کے طور پر اللہ تعالیٰ اس کو دور کی چیز دکھا دیتا ہے اور جس کو چاہے دور کی آواز سنا دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو نہاوند کے مقام پر جنگ کا نقشہ کشف کے طور پر بتا دیا اور ان کی آواز حضرت ساریہؓ بن زنیم کو پہنچا دی تھی اور انہوں نے سن کر اپنے بچاؤ کا انتظام کر لیا لیکن یہی حضرت عمرؓ تھے جب ابو لؤلؤ (فیروز) مجوسی ان کو شہید کرنے کے ارادہ سے خنجر لے کر مسجد نبوی میں پہلی صف میں آ پہنچا حضرت عمرؓ کو زخمی کر دیا، ان کا پیٹ چاک کر دیا اور زبیرہ

آدمی اور زخمی کر دیئے جن میں سے سات زخموں کی تاب نہ لاکر شہید ہو گئے (بخاری ج ۱ ص ۵۲۱) تو حضرت عمرؓ کو نہ خنجر نظر آیا اور نہ ان کا ہاتھ ہی اس خنجر کو چھین کر اپنی جان بچانے کے لئے آگے بڑھا اور نہ پاؤں نے ساتھ دیا کہ وہ بھاگ نکلتے اور جان بچا لیتے احیاناً دور کی چیز کو دیکھنا یا دور کی آواز کو سننا جو بطور معجزہ و کرامت ہو اس کا کون منکر ہے؟ لیکن ایسے افعال بندوں کے اختیار میں نہیں ہوتے اور ایسے ہی امور غیر عادیہ اور افعال خارقہ کے اختیاری ہونے پر مؤلف مذکور اور ان کی جماعت مصر ہے اور ایسی ہی باتوں سے وہ اور ان کی جماعت خالق و مخلوق کو گڈمڈ کرتی ہے اور حضرت ملا علی ن القاریؒ کی عبارت میں بھی اسی چیز کا تذکرہ ہے کہ بندے کی سمع و بصر وغیرہ صفات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آثار ہیں ان میں بندہ کا کیا دخل ہے؟ وہ بیچارہ تو معدوم محض ہے اس سے یہ ثابت کرنا کہ معاذ اللہ تعالیٰ بندہ کے قویٰ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یا خدائی صفات بندے میں گڈمڈ ہو جاتی ہیں اور غیریت باقی نہیں رہتی ایک خالص مشرکانہ اور کافرانہ نظریہ ہے۔

اگر مؤلف مذکور نے حضرت ملا علی ن القاریؒ کی پوری عبارت نقل کی ہوتی تو اس کے جواب دینے کی بلکہ تشریح کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی مگر افسوس کہ مؤلف مذکور نے ان کی پوری عبارت ہی نقل نہیں کی اسی حدیث کی تشریح میں ملا علی ن القاریؒ نقل کرتے ہیں کہ

وقال ابن حجرؒ فلا یسمع شیئاً و لا یبصر و لا یبطش و لا یمشی الّا و نشهد انی الموجد لذلک والمقدر له فیصرف جمیع ما انعمت به علیه الیٰ ما خلق لاجله من طاعتی فلا یستعمل سمعه وغیره من مشاعره الّا فیما یرضینی ویقربه منی فلا ینوجل لشئ الّا دانا منه برأی ومسمع فانا له سمع وعین وید ورجل وعون ووکیل	حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں یعنی بندہ کوئی چیز نہیں سنتا اور نہ دیکھتا ہے اور نہ پکڑتا ہے اور نہ چلتا ہے مگر وہ اس کی گواہی دیتا ہے کہ میں (پروردگار) ہی اس کا موجد اور میں ہی اس کو قدرت دینے والا ہوں تو بندہ ان تمام نعمتوں کو جو میں نے اس پر انعام کی ہیں میری اس اطاعت میں صرف کرتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کی گئی ہیں اور وہ اپنے کان وغیرہ اعضا کو صرف اس چیز میں صرف کرتا ہے جس میں میری رضا ہے اور وہ چیز اس کو میرے قریب کرتی ہے

وحافظ ونصیرا ھ
(مرقات ج ۵ ص۵۵)

اور وہ کسی چیز کی طرف توجہ نہیں کرتا مگر میں اُس کے دیکھنے اور سننے کی جگہ ہوں سو (گویا) میں ہی اس کے کان آنکھ ہاتھ پاؤں ہوں اور میں ہی اس کا مددگار، کارساز اور حافظ وامدادی ہوں۔

اس عبارت سے صراحت سے معلوم ہوا کہ بندے کے یہ اعضاء اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور وہی ان کا موجد اور نیز بندے کو قدرت وطاقت دینے والا ہے اور بندہ ان اعضاء کو صرف اپنے رب قدیر کی رضا اور خوشنودی کے لئے استعمال کرتا ہے۔ الغرض خلق اور ایجاد اللہ تعالیٰ کی ہے اور استعمال اور کسب بندے کا ہے اور اس کے تمام اعضاء کا نگران اور محافظ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے نہ یہ کہ خالق ومخلوق کی کوئی صفت متحد ہوگئی ہے تعالیٰ اللہ عن ذٰلک کہاں خالقِ کائنات کی بے مثل اور ابدی ذات اور کہاں فانی اور عاجز مخلوق کی ناپائیدار ہستیاں مگر افسوس کہ ؎

عظمتِ خالق نہ سمجھا قدرِ دل اُس نے نہ کی
جو پئے لذّت مطیعِ نفسِ شیطاں ہوگیا

اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

یعنی نمی شنود ونمی بیند ونمی گیرد ونمی رود بسوئے چیزے مگر آنکہ ملحوظ ومقصود دے رضائے حق وطاعت اوست ومنظور ومشہود دے ذات مقدس من است الخ
(اشعۃ اللمعات ج ۲ ص۱۴۵ طبع لکھنؤ)

یعنی بندہ نہ کوئی چیز سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے نہ پکڑتا ہے اور نہ چلتا ہے مگر اس کے ملحوظ خاطر اور مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی طاعت ہوتی ہے سو منظور اور مشہود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس ہے

ان عبارات سے واضح ہوگیا کہ خالق ومخلوق میں نہ تو اتحاد ہے اور نہ کسی صفت میں اختلاط ہے معاذ اللہ تعالیٰ۔

صدر الافاضل اور شاہ عبدالعزیزؒ دونوں نے استعانت کی ایک جیسی تفسیر کی ہے

یہ عنوان قائم کرکے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تفسیر

عزیزی میں ایاک نستعین کے تحت فرماتے ہیں لیکن یہاں یہ بات سمجھنا چاہیئے کہ غیر اللہ سے استعانت اس وقت حرام ہوگی جب اس پر بھروسہ کرتے ہوتے اس کو عونِ الٰہی کا مظہر نہ جانے لیکن اگر توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور غیر اللہ کو مظہر عون سمجھتا ہو اور اسباب و حکمت الٰہی کو پیش نظر رکھے اور غیر سے استعانت ظاہری کرے تو یہ عرفان الٰہی سے بعید نہیں اور شریعت میں بھی جائز ہے اس قسم کی استعانت انبیاء و اولیاء نے بھی غیر اللہ سے کی ہے اور حقیقت میں یہ استعانت غیر سے نہیں بلکہ خود حق تعالیٰ سے ہی ہے شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ العزیز کی شخصیت کو تمام امت دیوبند اپنا معنوی بدر تسلیم کرتی ہے سرفراز صاحب اور ان کے ہم مشرب علماء شاہ صاحبؒ کی عبارتوں کو بطور سند پیش کرتے ہیں اور شاہ صاحبؒ کا فیصلہ ذریت دیوبند کے حق میں حکم آخر کی حیثیت رکھتا ہے اس تمہید کے بعد گزارش ہے کہ آپ شاہ صاحبؒ کی مذکورہ بالا تفسیر کو صدر الافاضل کی تفسیر کے ساتھ ملا کر دیکھیں کہ ان میں کس قدر ہم آہنگی ہے

شاہ صاحبؒ نے فرمایا	صدر الافاضل نے فرمایا
و اگر التفات محض بجانب حق است (اور اگر توجہ محض اللہ کی طرف ہو)	ہر چیز میں دستِ قدرت کو کارکن دیکھئے
و او را یکے از مظاہر عون دانستہ (یعنی غیر اللہ کو عون الٰہی کا مظہر سمجھے)	حقیقی مستعان وہی ہے باقی آلات و خدام و احباب عونِ الٰہی کے مظہر ہیں
و در حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لاغیر (اور حقیقت میں استعانت کی یہ قسم استعانت بالغیر نہیں، بلکہ حق سبحانہٗ سے ہی استعانت ہے)	مقربانِ حق کی امداد امداد الٰہی ہے استعانت بالغیر نہیں۔
و انبیاء و اولیاء ایں نوع استعانت بغیر کردہ اند (اور انبیاء و اولیاء نے اس قسم کی استعانت بغیر کی ہے)	اگر یہ استعانت ناجائز ہوتی تو احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی کیوں تعلیم دی جاتی

آپ نے غور فرمایا کہ صدر الافاضل نے ایاک نستعین کی تفسیر میں شاہ صاحبؒ

کی تفسیر ہی کا خلاصہ پیش کیا ہے اور اسی تفسیر کے بارے میں مولوی سرفراز صاحب نے یہ کہہ کر حق فرزندی ادا کر دیا کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے آیت مذکورہ کی یہ تفسیر بلکہ تحریف کر کے اپنی جان اور قرآن کریم پر جو ظلم کیا ہے وہ بجائے خود قابل صد نفریں ہے (تنقید متین ص۲۷)

ٹھیک ہے دیوبند کے جس گہوارے میں سرفراز صاحب نے تربیت حاصل کی ہے وہاں ایسے ہی آداب فرزندی سکھائے جاتے ہیں جس اسکول میں نبی کے علم کی بہائم اور مجنونوں کے علم سے تشبیہ کا درس دیا جاتا ہو وہاں اپنے حکمی باپ کی تعلیمات کو قابل صد نفریں کہنا نہ سکھایا جائے گا تو اور کیا ہوگا؟ انتہٰی بلفظہٖ (توضیح البیان از ص۵۶ تا ۵۹)

الجواب: بلاشبہ مسلک دیوبند سے وابستہ جملہ حضرات حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کو اپنا روحانی پدر تسلیم کرتے ہیں اور اس پر فخر بھی کرتے ہیں کیونکہ اس مرد مجاہد نے جابر برطانیہ کے ہندوستان پر استیلاء اور غلبہ کے بعد ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا (ملاحظہ ہو فتاویٰ عزیزی ج۱ ص۱۶) اور انگریز کے خلاف جہاد کا فتوٰی دیا اور اکابر علماء دیوبند نے اپنے اس روحانی باپ کے فتوٰی کی روشنی میں انگریز ظالم سے ٹکرلی اور کھل کر اس کے خلاف جہاد کیا اور قید وبند کے علاوہ طرح طرح کی بے شمار مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھائیں۔ اس کے برعکس خانصاحب بریلی نے مستقل رسالہ اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام لکھ کر انگریز ظالم کے ہاتھ مضبوط کئے اور ہمیشہ اہل حق اور مجاہدین کے خلاف تکفیر کی مشین گن چالو رکھی (ملاحظہ ہو شاہراہ پاکستان ص۱۳۰ از چودھری خلیق الزمان) اور ان کو انگریز کے خلاف فتوٰی صادر کر کے ایک دن بھی جیل جانے کی نوبت نہیں آئی جب کہ اہل حق کی زندگی کا بیشتر حصہ ہی جیلوں میں گذرا ہے۔ ؎

جوانی چھن گئی حسرت رہی باقی سنانے کو
عروس دہر ہم نے دل لگا کر تجھ سے کیا پایا

بلاشک دیوبندی حضرات کے لئے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا فیصلہ حکم آخر کی حیثیت رکھتا ہے مگر بات صرف سمجھنے کی ہے اور اسی سمجھ سے مؤلف مذکور اور ان کے ہم مسلک بزرگ اور دوست محروم ہیں اور ہم حضرت شاہ صاحبؒ ہی کی تفسیر عزیزی سے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی تفسیر میں بیان کردہ تشریح نیز بعض دیگر مقامات سے چند اقتباسات

نقل کرتے ہیں جن سے بخوبی یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ جس استعانت میں وہ غیر اللہ کو عون الٰہی کا مظہر قرار دے کر جواز کا فتویٰ دیتے ہیں وہ عالم اسباب کی ظاہری استعانت ہے نہ کہ مافوق الاسباب کی جس میں نزاع و اختلاف ہے جس کے اثبات کے لیئے مؤلف مذکور اپنے روحانی آباء کی طرح بلاوجہ اور بلافائدہ ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں۔

و استعانت با چیزے ست کہ توہم استقلال آں چیز در وہم و فہم ہیچکس از مشرکین و موحدین نمی گذرد مثل استعانت بحبوب و غلات در دفع گرسنگی و استعانت بآب و شربتہا در دفع تشنگی و استعانت برائے راحت بسایہ درخت و مانند آں و در دفع مرض بادویہ و عقاقیر و در تعین وجہ معاش با میر و بادشاہ کہ در حقیقت معاوضہ خدمت بمال ست و موجب تذلل نیست یا باطباء و معالجان کہ بسبب تجربہ و اطلاع زائد از آنہا طلب مشورہ است استقلالے متوہم نمی شود پس ایں قسم استعانت بلا کراہت جائز است زیرا کہ در حقیقت استعانت نیست و اگر استعانت ست استعانت بخدا است (تفسیر عزیزی ص۴۷)

اور استعانت یا کسی ایسی چیز سے ہے کہ اس چیز کے استقلال کا وہم اور فہم مشرکوں اور موحدوں میں سے کسی کو نہیں گذرتا مثلاً دانوں اور اناج وغیرہ سے بھوک دور کرنے کی استعانت اور پانی اور شربتوں سے پیاس دور کرنے کی استعانت اور آرام کے لیئے درخت وغیرہ کے سایہ سے استعانت اور دواؤں اور بوٹیوں کے ذریعہ بیماری کے ازالہ کے لیئے استعانت اور امیر و بادشاہ سے روزی کمانے کی وجہ کی تعیین کی استعانت کہ حقیقت میں یہ اس امر کی خدمت کا مالی معاوضہ ہے اور تذلل کا موجب نہیں ہے۔ یا حکیموں اور علاج کرنے والوں سے استعانت کہ ان کے تجربہ اور زیادہ واقفیت کی وجہ سے اُن سے مشورہ طلب کرنا ہے اور یہاں کسی استقلال کا وہم بھی نہیں ہوتا پس اس قسم کی استعانت بلا کراہت جائز ہے کیونکہ یہ در حقیقت استعانت نہیں ہے (صرف ظاہری استعانت ہے) اور اگر یہ استعانت ہے تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ روٹی اور پانی ادویہ اور جڑی بوٹیوں حکیموں اور ڈاکٹروں اور بسلسلہ

ملازمت و نوکری امیر اور بادشاہ سے استعانت حقیقت میں استعانت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء میں عادۃً یہ ظاہری تاثیر رکھی ہے اور یہ ماتحت الاسباب کی استعانت ہے نہ کہ فوق الاسباب العادیہ کی جیسا کہ مؤلف مذکور اور ان کے شرک و بدعت کے شیدائی بزرگوں کا خیال ہے چنانچہ خود حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

کہ حق تعالیٰ بجریان عادت خود آں چیزہا را واسطۂ نیل مطلوب ساختہ است چنانچہ خوردن طعام برائے حصول سیری شکم و آشامیدن آب برائے دفع تشنگی الخ (ص ۳۵)

حق تعالیٰ نے اپنی جاری عادت کے مطابق ان چیزوں کو مطلوب کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے جیسا کہ خوراک کھانا بھوک دور کرنے کا اور پانی پینا پیاس بجھانے کا ذریعہ اور سبب ہے

اور آخر میں فرماتے ہیں کہ اگر یہ استعانت ہے تو خدا ہی سے ہے کیونکہ اسی نے ان اشیاء میں عادۃً یہ تاثیر رکھی ہے لہٰذا ان اشیاء سے استعانت درحقیقت خدا تعالیٰ ہی سے استعانت ہے اور اگر ظاہر پر نگاہ رکھی جائے تو یہ استعانت ظاہری ہے کہ مطلوب کے حاصل کرنے کا ذریعہ اور سبب ہے جیسے کسی بزرگ سے دعا کرانا یا ماہر حکیم سے دعا اور علاج کرانا وغیرہ۔

توضیح ایں مقام آنست کہ بندہ را بظاہر قدرتی دادہ اند کہ بسبب آں قدرت گمان می کند کہ کردن و ناکردن بدست من است لیکن ترجیح فعل بر ترک ہرگز او را از خود میسر نیست زیرا کہ اگر مرجح از جانب بندہ باشد در آں مرجح نیز سخن خواہد بود تا آنکہ تسلسل لازم آید پس آں مرجح نمی باشد الّا از جانب خدا پس استعانت لائق نیست الّا از خدا و نیز دیدہ ایم کہ جمیع خلائق مطلوبات خود را طلب می کنند حالانکہ در قدرت و عقل و شعور و کوشش و جد و اجتہاد ہیچ کس قصور نمی

توضیح اس مقام کی یہ ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر میں قدرت دی ہے کہ اس قدرت کی وجہ سے وہ گمان کرتا ہے کہ کرنا اور نہ کرنا میرے اختیار میں ہے لیکن ترجیح کرنے کی نہ کرنے پر ہرگز اُسے از خود حاصل اور میسر نہیں کیونکہ اگر مرجح بندہ کی طرف سے ہو تو اس مرجح میں بھی کلام کیا جائے گا کہ اس کو فعل کے ترک پر ترجیح کہاں سے حاصل ہوئی جس سے تسلسل لازم آئے گا (جو محال ہے) سو وہ مرجح صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوگا پس سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی سے استعانت لائق ہی نہیں نیز ہم یہ

کنند و مطلب نمیرسند الّا لبعض البشان پس حصول مطلب نیست الّا باعانت غیبی و نیز بارہا دیدہ شد کہ انسان از انسان دیگر حاجتے را طلب نمودہ و آں شخص مدتہائے مدیدہ مدافعت کردہ و لیت و لعل گذرانیدہ باز ناگاہ حاجت اورا بر آوردہ ازہمیں جا معلوم شد کہ القائے داعیۂ انجاح در قلب آن شخص از جانب غیب است پس مرد مومن را کہ از شرک می گریزد از اول وہلہ باید کہ اعانت غیر را کہ بظاہر اعانت ست و در معنی اصلاً قدرت ندارد از نظر بیندازد و باعانت قادر حقیقی اکتفاء نماید گویند کہ چوں خلیل ع را نمرود لعین دست و پا بستہ در آتش انداخت حضرت جبرائیل علیہ السلام در رسیدند و گفتند اگر ترا حاجتے بمن باشد بفرما حضرت خلیل ع در جواب فرمود کہ بسوئے تو حاجت ندارم حضرت جبرائیل علیہ السلام گفت کہ بخدا التجا کن حضرت خلیل علیہ السلام فرمود او دانائے نہاں و آشکارا است حاجت عرض من نیست (تفسیر عزیزی ص ۳۵)

بھی دیکھتے ہیں کہ تمام مخلوق اپنا اپنا مطلب طلب کرتی ہے حالانکہ وہ اپنی قدرت عقل و شعور اور کوشش اور جدّ و اجتہاد میں کوئی کمی نہیں کرتی مگر پھر بھی بجز بعض کے مطلب حاصل نہیں کر سکتی، پس حاصل ہونا مطلب کا بغیر اعانت غیبی کے ممکن نہیں نیز بارہا دیکھا گیا ہے کہ ایک انسان نے دوسرے انسان سے حاجت طلب کی، اور وہ شخص مدت تک ٹالتا رہا اور لیت و لعل میں گذارتا رہا پھر دفعتاً اس کی حاجت پوری کر دی اس جگہ سے معلوم ہوا کہ اس کے دل میں حاجت پورا کرنے کا خیال آجانا غیب کی طرف سے ہے پس مرد مومن کو جو شرک سے گریز کرتا ہے پہلے ہی مرحلہ میں چاہیئے کہ غیر کی اعانت کو کہ بظاہر اعانت ہے مگر حقیقت میں اصلاً قدرت نہیں نظر انداز کر دے اور قادر حقیقی کی اعانت پر اکتفاء کرے بزرگ فرماتے ہیں کہ نمرود ملعون نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ و السلام کے ہاتھ اور پاؤں باندھ کر آگ میں ڈال دیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام پہنچے اور فرمایا کہ اگر میرے لائق کوئی خدمت اور حاجت ہو تو فرمایئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ مجھے آپ سے کوئی حاجت نہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے التجا کریں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ پوشیدہ اور ظاہر کو

جاننے والا ہے مجھے حاجت پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

یہ سب روشن عبارتیں اس امر کو واضح سے واضح تر کرتی ہیں کہ غیر خواہ ذی روح مخلوق ہو جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام اور طبیب اور ڈاکٹر اور عام انسان اور بادشاہ و امیر وغیرہ یا غیر ذی روح ہو جیسے روٹی پانی اور دوا وغیرہ اور جڑی بوٹیاں وغیرہ ان سے استعانت ماتحت الاسباب کی استعانت ہے، مافوق الاسباب اور غائبانہ استعانت نہیں ہے جیساکہ کسی بھی اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں ہے اگر حضرت خلیل الرحمٰن علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تو یہ حاضر کی دعا ہوتی نہ کہ غائب کی اسی طرح طبیب وڈاکٹر اور عام انسانوں یا بادشاہ و امیر سے جو استعانت ہے وہ بھی ظاہری اور عالم اسباب کی استعانت ہے مافوق الاسباب استعانت نہیں ہے اور کامیابی کا داعیہ بھی ان کے دل میں ڈالنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے اور انبیاء میں اثر بھی رب تعالیٰ ہی نے ڈالا اور رکھا ہے اور یہ استعانت جائز اور درست ہے اور یہ متنازع فیہا نہیں ہے اور یہی وہ استعانت ہے جو حضرات انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام غیر اللہ سے کرتے رہے ہیں اور حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت میں تصریح ہے "دوا ورا یکے از مظاہر عون دانستہ و نظر بکارخانۂ اسباب و حکمت او تعالیٰ دراں نمودہ (الخ ص۸)" اس عبارت میں نظر بکارخانۂ اسباب کے حروف موتیوں کی طرح صاف چمک رہے ہیں غیر اللہ سے ناجائز استعانت وہ ہے جو غائبانہ اور مافوق الاسباب ہو جس کو مؤلف مذکور سینہ زوری سے جائز ثابت کرتے ہیں خود مؤلف مذکور کا یہ حوالہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ـــ اور ثابت ہوا کہ مافوق الاسباب امور میں بھی غیر اللہ سے استعانت جائز ہے (توضیح البیان ص۱۵) غور فرمایا آپ نے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کیا فرماتے ہیں اور مؤلف مذکور کیا کہتے ہیں جو اس کا مصداق ہے کہ من چہ می گویم وطنبورِ من چہ می سراید

ویا بچیزے ست کہ توہم استقلال آں چیز در مدارک مشرکین جاگرفتہ مثل استعانت بارواح در روحانیات فلکیہ یا عنصریہ یا ارواح سائرہ

اور یا استعانت ایسی چیز کے ساتھ ہو کہ مشرکین کے ذہنوں میں اس کے استقلال کا وہم بیٹھا ہوا ہو جیساکہ روحانیات فلکیہ یا عنصریہ یا ارواح

مثل بھوانی و شیخ سدو و فدین خان	سائرہ مثلاً بھوانی۔ شیخ سدو۔ فدین خان اور
وامثال ذٰلک وایں نوع استعانت عین	ان کی مانند ارواح سے استعانت اور اس قسم کی
شرک ست ومنافی ملت حنیفی ست الخ	استعانت عین شرک ہے اور ملت حنیفی کے
(تفسیر عزیزی ص۳۷)	منافی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ عبارت کتنی واضح ہے کہ استقلال کا وہم صرف مشرکین کے اذہان ہی میں ہو سکتا ہے نفس الامر میں اور موحدین کے اذہان و مدارک میں غیر اللہ سے استعانت کے استقلال کا کوئی وہم اور تصور نہیں ہوتا اور مشرکین ہی روحانیت افلاک اور اجسام عنصریہ کے ارواح سے استعانت کرتے ہیں اور مثال بھی دیتے ہیں جیسے بھوانی شیخ سدو اور فدین خان وغیرہ کی ارواح سے استعانت اور اس قسم کی استعانت کو حضرت شاہ صاحبؒ عین شرک اور ملّت حنیفی کے بالکل خلاف قرار دیتے ہیں یہ مؤلف مذکور کا فریضہ ہے کہ وہ اِدھر اُدھر بھاگے بغیر ٹھوس اور صریح حوالوں سے یہ ثابت کریں کہ فلاں پیغمبر اور فلاں ولی نے مصیبت کے موقع پر فلاں پیغمبر یا فلاں ولی کی روح سے استعانت کی تھی یا فلاں حوالہ سے یہ ثابت ہے کہ کسی بھی وقت انہوں نے مافوق الاسباب اور غائبانہ استعانت غیر اللہ سے کی تھی۔ الغرض حضرت شاہ صاحبؒ کی صریح عبارات کی موجودگی میں ان کی مجمل عبارت سے اس کو سیاق و سباق سے الگ کر کے عوام الناس کو دھوکا دینا یا اس عبارت میں اپنی خود ساختہ مراد گھسیڑنا کہاں کا انصاف و دیانت ہے؟ ؎

ناصحِ ناداں نے مطلب میرا سمجھا ہی نہیں
کیا سمجھتا؟ عالمِ دل میں تو وہ تھا ہی نہیں

اور ہم پہلے خود حضرت شاہ صاحبؒ کے حوالہ سے یہ عرض کر چکے ہیں کہ وہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے علم غیب کے اثبات اور ان کے ہر جگہ سے فریاد سُننے کو عقائد باطلہ میں لکھتے ہیں اور استقلال و غیر استقلال کا مطلب بھی پہلے عرض کیا جا چکا ہے حضرت شاہ صاحبؒ ہی لایزال عبدی یتقرب الیّ الحدیث میں تقرب کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

لیکن این طریق تقرب خاص بذات او تعالیٰ ست اگر کسی خواہد کہ باین طریق بیکے از مخلوقات تقرب پیدا کند ممکن و مطرد نیست و سببش آن ست کہ دریں نوع تقرب منقرب الیہ را دو چیز می باید اول احاطۂ علمی باذکار قلبیہ و لسانیہ ذاکرین باوصف تخالف امکنہ و ازمنہ و مدارک والسنہ تا ذکر قلبی و لسانی ہر ذاکر را معلوم کنند دوم قوت نزدیک شدن در ہر ذکر او درآمدن و آنرا اثر کردن و حکم صفت آن پیدا کردن کہ در عرف شرع آن را دُنُو و تَدَلّی و نزول و قرب خوانند و این ہر دو صفت خاصۂ ذات پاک او تعالیٰ ست ہیچ مخلوق را حاصل نیست آری بعضے کفرہ در حق بعضے از معبودان خود و بعضے پیر پرستان از زمرۂ مسلمین در حق پیران خود امر اول را ثابت می کنند و وقت احتیاج ہمین اعتقاد با آنہا استعانت می نمایند اما مطرد نمی باشد الیٰ قولہ و دیگر مخلوقات ہر چند روحانیات باشند اول علم محیط ندارند کہ بر ذکر ہر ذاکر مطلع شوند الخ
(تفسیر عزیزی پارہ ۲۹ ص ۱۸۱ طبع محمدی لاہور)

لیکن تقرب کا یہ طریق صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے ساتھ مختص ہے اگر کوئی چاہے کہ اس طریق کے ساتھ مخلوقات میں سے کسی سے تقرب پیدا کرے تو یہ ممکن اور جاری نہیں ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ تقرب کی اس قسم میں منقرب الیہ (جس کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے) کے لئے دو چیزیں درکار ہیں پہلی یہ کہ ذکر کرنے والوں کے اذکار قلبی اور لسانی کا باوجود مختلف جگہوں اور متعدد زمانوں اور مختلف نظریات اور زبانوں کے علمی احاطہ ہوتا کہ اس کے ذریعہ ہر ذکر کرنے والے کا قلبی اور لسانی ذکر معلوم ہو۔ دوسری یہ کہ نزدیک ہونے کی قوت اور اس کی قوت ہر ذکر میں آنا اور اس کو اثر کرنا اور اس کی صفت کا حکم پیدا کرنا اور شریعت کی اصطلاح میں اس کو دُنُو اور تدلی اور نزول و قرب کہتے ہیں اور یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہیں ہاں بعض کافروں نے اپنے بعض معبودوں کے بارے اور مسلمانوں کے گروہ میں سے بعض پیر پرست اپنے پیروں کے بارے میں پہلے امر کو ثابت کرتے ہیں اور حاجت کے وقت اسی اعتقاد سے اُن سے استعانت کرتے ہیں بہر حال یہ جاری نہیں ہے (پھر آگے فرمایا) اور اللہ تعالیٰ کے بغیر اور مخلوق اگرچہ ذی روح ہی کیوں نہ ہو پہلے تو علم محیط نہیں رکھتی کہ ہر ذاکر کے ذکر پر مطلع ہو الخ۔

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ ہر ذکر کرنے والے کے قلبی اور لسانی ذکر پر مطلع ہونا اور حاجت مند کے نزدیک ہونا خاصۂ خداوندی ہے اس میں مخلوق میں میں اس کا کوئی شریک نہیں مگر ہاں بعض پیر پرستوں نے اپنے پیروں کے لئے ذاکر کے ذکر پر مطلع ہونے اور احاطۂ علمی کا دعوٰی کیا ہے مگر ان کا یہ دعوٰی خاصۂ خداوندی پر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف ہے اور یہی ذہنیت مؤلف مذکور اور ان کے ہم مشرب ساتھیوں اور بزرگوں کا ہے تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ شاید کہ ان کا اس پر عمل ہو ؎

انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی
انہی کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی

حضرت شاہ صاحبؒ کفار کے عقائد باطلہ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

واگر کافران گویند کہ معبودان ما مظاہر صفات کاملہ الٰہی اند و با او اتحاد نسبت مظہر با ظاہر دارند نہ مغایرت و مقابلہ الیٰ قولہ گوئیم این نیز خیال باطل شما ست اھ (تفسیر عزیزی پارہ تبارک ص۴۹)

اور اگر کافر یہ کہیں کہ ہمارے معبود اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کے مظاہر ہیں اور اس کے ساتھ نسبت اتحاد مظہر کی ظاہر کے ساتھ رکھتے ہیں نہ کہ مغایرت اور مقابلہ کا (پھر آگے فرمایا) تو ہم کہتے ہیں کہ تمہارا یہ خیال بھی باطل ہے۔

غرضیکہ حضرت شاہ صاحبؒ غیر اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفات کے ایسا مظہر ہونے کو جس سے غیریت اڑ جائے خیال باطل سے تعبیر کرتے ہیں اس لئے کہ خالق خالق ہے اور مخلوق مخلوق ہے اور ان دونوں میں ظاہری طور پر سرے سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے کیونکہ وہ ساری کائنات کا موجد اور خالق ہے اور کائنات سب کی سب مخلوق ہے اگر معاذ اللہ تعالیٰ وہ نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا ؎

تمہاری بحثوں سے میرے شبہے خدا کی ہستی میں کم نہ ہوتے
مگر یہ بات آگئی سمجھ میں خدا نہ ہوتا تو ہم نہ ہوتے!

حیرت و تأسف | مؤلف مذکور کے علم و دیانت پر صد افسوس ہے کہ انہوں نے نہ تو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی پوری عبارت نقل کی ہے اور نہ سمجھی ہے اور الٹا علماء دیوبند کثر اللہ

تعالیٰ جماعتہم کو کوسنے پر کمر باندھ لی ہے کہ جس اسکول میں نبی کے علم کی بہائم اور مجنونوں کے علم سے تشبیہ کا درس دیا جاتا ہو وہاں اپنے حکمی باپ کی تعلیمات کو قابل صد نفرین کہنا نہ سکھایا جائے گا تو اور کیا ہوگا؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کی بہائم او مجنونوں سے تشبیہ کا جواب آپ عبارات اکابر حصہ اول میں ملاحظہ فرمائیں انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے مزاج مبارک ٹھیک ہو جائیں گے اور طبیعت درست ہو جائے گی کوئی بلبن بیلنے کی حاجت باقی ہی نہ رہے گی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی پوری عبارت ملاحظہ کریں۔

شیخ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ روزے در نماز شام امامت می کرد چوں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ گفت بیہوش افتاد چوں بخود آمد گفتند اے شیخ ترا چہ شدہ بود گفت چوں ایاک نستعین گفتم ترسیدم کہ مرا بگویند کہ اے دروغ گو چرا از طبیب دارو می خواہی و از امیر روزی و از پادشاہ یاری می جوئی د لہٰذا بعضے از علماء گفتہ اند کہ مرد را باید کہ شرم کند از آنکہ روز و شب پنج نوبت در مواجہ پروردگار خود استادہ دروغ گفتہ باشد لیکن دریں جا باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہی کہ اعتماد بر آں غیر باشد و او را مظہر عون الٰہی نداند حرام است و اگر التفات محض بجانب حق است و او را یکے از مظاہر عون دانستہ و نظر بکارخانہ اسباب و حکمت او تعالیٰ در آں نمودہ بغیر استعانت

شیخ سفیان ثوریؒ نے ایک دن شام کی نماز میں امامت کرائی جب اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پڑھا تو بے ہوش ہو گئے جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے کہا اے شیخ آپ کو کیا ہو گیا؟ فرمایا جب میں نے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پڑھا تو میں ڈر گیا کہ مجھے کہیں گے اے دروغ گو کیوں طبیب سے دوا چاہتا ہے اور امیر سے روزی اور بادشاہ سے مدد مانگتا ہے اور اسی لئے بعض علماء کہتے ہیں کہ آدمی کو شرم کرنی چاہیئے کہ دن رات پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو کر جھوٹ کہتا رہتا ہے لیکن اس جگہ سمجھنا چاہیئے کہ اگر غیر اللہ سے مدد ایسے طریقہ سے کہ اس پر اعتماد ہو اور اس کو امداد الٰہی کا مظہر نہ سمجھے حرام ہے اور اگر توجہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور غیر اللہ کو مظاہر امداد میں ایک سمجھے اور نظر اللہ تعالیٰ کے کارخانہ اسباب اور حکمت پر بھی ہو اور پھر اس غیر سے امداد چاہے تو

ظاہر نماید دور از عرفان نخواہد بود و در شرع نیز جائز و رواست و انبیاء و اولیاء ایں نوع استعانت بغیر کردہ اند و در حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحق تعالیٰ است۔ (تفسیر عزیزی ص۹ طبع مجتبائی دہلی)

معرفت سے بھی دور نہیں اور شرع میں بھی جائز اور روا ہے اور حضرات انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام غیر سے اس قسم کی استعانت کرتے رہے ہیں اور حقیقت میں یہ استعانت غیر سے نہیں بلکہ حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس عبارت میں لیکن دریں جا الخ سے حضرت سفیان ثوریؒ کے غلبۂ تصوف کے تحت طبیب و امیر و بادشاہ سے مدد لینے کو اس آیت کے خلاف سمجھنے اور بعض علماء کے اسی مضمون کے قول کا رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ڈاکٹر سے دوا لینا اور امیر و بادشاہ سے مدد چاہنا ممنوع استعانت میں داخل نہیں ہے اور آگے اور ا یکجانہ مظاہر عون الخ کی عبارت میں اشارہ طبیب امیر و بادشاہ ہی کی طرف ہے۔ اور پھر خود وہ نظر بکارخانۂ اسباب میں ظاہری اسباب کی تصریح کرتے ہیں اور لفظ لفظ میں ظاہری اور ماتحت الاسباب کو متعین کرتے ہیں لیکن جب باری آتی ہے مؤلف مذکور اور ان کے صدر الافاضل کی تو وہ یوں گوہر افشانی کرتے ہیں شاہ صاحبؒ نے فرمایا "واو را یکجے از مظاہر عون دانستہ یعنی غیر اللہ کو عون الٰہی کا مظہر سمجھے" صدر الافاضل صاحب نے فرمایا "مقربان حق کی امداد امداد الٰہی ہے استعانت بالغیر نہیں بلفظہٖ (توضیح البیان) حضرت شاہ صاحبؒ تو طبیب امیر اور بادشاہ کا لفظ بول کر اور نظر بکارخانۂ اسباب فرما کر اس سے ظاہری اور ماتحت الاسباب استعانت مراد لیتے ہیں اور آپ اور آپ کے صدر الافاضل صاحب مقربان حق کی امداد بول کر یا فوق الاسباب اور حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے مرادیں مانگنا ثابت کر رہے ہیں فرمائیے کیا حضرت شاہ صاحبؒ بھی کچھ فرما رہے ہیں؟ اور کیا یہ قرآن کریم کی تحریف نہیں ہے؟ اور کیا یہ اپنے نفس پر ظلم نہیں ہے؟ اور کیا ملت حنفیہ کا شیرازہ بکھیرنے کے لئے یہ ایک غلط راہ نہیں ہے؟ اور کیا یہ نظریہ قابل صد نفرین نہیں ہے؟ فرمائیے بات کیا ہے؟ اور کیا علمی دنیا میں یہ ظلم عظیم نہیں کہ آپ بلاوجہ سرخی یہ قائم کرتے ہیں کہ صدر الافاضل اور شاہ عبد العزیزؒ دونوں نے استعانت

کی ایک ہی جیسی تفسیر کی ہے —— کیا انصاف اور دیانت اسی کا نام ہے؟ مگر معاف رکھنا جس مکتب فکر سے آپ تعلق رکھتے ہیں اس کے پاس بجز کم فہمی اور تعصب کے اور رہے ہی کیا؟ آپ کو اس مدرسہ سے حق اور اہل حق سے عناد اور بغض کے علاوہ اور کچھ نہیں پڑھایا گیا، آپ حضرات کا وتیرہ ہی یہ ہے کہ چکر کاٹ کاٹ کر حفظ الایمان۔ براہین قاطعہ تحذیر الناس اور فتاوٰی رشیدیہ وغیرہ کی اُن عبارات پر زبان توڑتے ہیں جو اپنے مقام پر صحیح اور علمی ہیں مگر آپ کے بڑوں نے انگریز کو راضی کرنے کے لئے اور عوام الناس کو ان اکابر سے تنفر دلانے کے لئے ان عبارات کے خود ساختہ مطالب و معانی لے کر ان اکابر کی تکفیر کی اور ان پر ظلم ڈھایا اور انگریز نے تو ان پر مظالم کی حد کر دی جو اس کا مصداق ہے کہ ؎

ستم گر تجھ سے اُمید کرم ہوگی جنہیں ہوگی!!!

ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ تو ظالم کہاں تک ہے

استعانت کی بحث میں حرفِ آخر بہ سُرخی جما کر مؤلف مذکور لکھتے ہیں شاہ ولی اللہ صاحبؒ شرح اطیب النغم میں فرماتے ہیں۔

لابدست از استمداد بروح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استعانت کے بغیر چارہ نہیں۔

مولوی قاسم نانوتوی صاحب بانی دیوبند قصائد قاسمی ص۸ پر لکھتے ہیں۔

مدد کر اے کرمِ احمدی کہ تیرے سوا

نہیں ہے قاسمِ بیکس کا کوئی حامیٔ کار!

اہل سنت اگر اِسْتَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّۃٍ (میری مدد کر) سے جہاں استمداد کا قول کریں تو آپ فرماتے ہیں کہ یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء و اولیاء و شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں کہ نہ تو وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں اور نہ قریب ان سے اس قسم کی استعانت بہرصورت شرک ہے (تنقید متین ص۴۵) اور شاہ ولی اللہ اور قاسم نانوتوی نے انہیں سے استعانت کی ہے تو بتلایئے آپ کے نزدیک وہ مشرک ہوئے یا نہیں؟ یہی وہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہیں جن کی عبارتوں کو بے سوچے سمجھے نقل کر کے آپ نے تنقید متین کے ورق

کے ورق سیاہ کر ڈالے ہیں جن کی عبارتیں نقل کرنے سے آپ کی دوکان چمکتی ہے جن کا نام لینے سے آپ کا ریٹ بڑھتا ہے پھر آخر کچھ تو حقِ نمک کا پاس کیا ہوتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ اللہ تعالیٰ مشرک کو نہیں بخشے گا۔

پھر آپ نے شاہ ولی اللہ رحؒ اور مولوی قاسمؒ کو مشرک قرار دے کر ان پہ دروازۂ مغفرت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند نہیں کر دیا اور جب سرخیلِ دیوبندی مشرک قرار پایا تو باقی اتباع واذناب کس طبقہ میں ہوں گے۔

اب ہم اس بحث کو سید العارفین ابن عربیؒ کے قول پر ختم کرتے ہیں جسے علامہ شعرانیؒ نے کبریتِ احمر جلد اول صنا اور الیواقیت والجواہر ج ۲ صـ۸۲ پر نقل کیا ہے۔

قال واما القطب الواحد فهو روح محمد صلى الله عليه وسلم الممد لجميع الانبياء والرسل والاقطاب من حين المنشئ الانسانی الی یوم القیامۃ (والله اعلم)

اور ابن عربیؒ نے کہا کہ بہر حال قطب واحد تو حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں جو تمام انبیاء ورسل اور الاقطاب کے ابتداء آفرینش انسانیت سے لے کر یوم قیامت تک کے لئے مددگار ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔

اس عبارت تک پہنچنے کے بعد بھی اگر مولوی سرفراز صاحب کے ہوش وحواس قائم رہے تو ان سے معروض ہے کہ الدین النصیحۃ کے طور پر ہم نے مسئلہ استعانت کو کتاب وسنت اور اقوالِ سلف کی روشنی میں واضح تر بیان کر دیا ہے شاہ ولی اللہ رحؒ شاہ عبدالعزیزؒ مولوی محمد قاسم۔ مولوی محمود الحسن صاحبؒ اور دیگر سلوف دیوبند جنہیں مولوی سرفراز صاحب اپنے دین وایمان کا مرکز سمجھتے ہیں ان تمام حضرات کے اقوال سے ما فوق الاسباب امور میں اور اولیاء اللہ سے بعد الوصال استعانت کو ثابت کر دیا ہے اور اب سرفراز صاحب کے لئے صرف دو ہی راستے ہیں یا تو ان تمام کو مشرک قرار دے کر داخل فی النار کر دیں اور اگر انہیں مشرک نہیں سمجھتے تو خود اپنی ضلالت سے تائب ہوں دنیا کے جھوٹے وقار اور شہرت کی طلب میں ہمیشہ ہمیشہ کی مزلت کا خطرہ مول لینے سے گریز کریں اور حق وصداقت کی راہ اختیار کر لیں چھوٹا منہ بڑی بات کے مصداق۔ سرفراز صاحب نے حضرت صدر الافاضل کے علم

غضب پر جو طعن کیا تھا بالآخر اس کی شامت نے اُن کا منہ سیاہ کرکے چھوڑا اور اسی وجہ سے انہوں نے شرک کی تعریف میں شدید ٹھوکریں کھائی ہیں۔

بہر حال ہم نے الدین النصیحۃ کے مطابق ان کی اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے اللہ تعالیٰ انہیں قبول حق کی توفیق عطا فرمائے انتہیٰ بلفظہٖ (ص ۵۹ تا ص ۶۱)

الجواب: مؤلف مذکور کی اس طویل اور بھی عبارت میں قابل گرفت باتیں تو خاصی ہیں مگر ہم صرف ان کی جہالت اور علمی خامی کو ظاہر کرنے کے لئے چند باتوں کی طرف صرف طائرانہ اشارات کرتے ہیں مزید کچھ کہنے کی ضرورت پڑی تو انشاء اللہ وہ بھی عرض کردیں گے بار زندہ صحبت باقی۔

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت میں استمداد بروح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں اور اسی طرح علامہ شعرانیؒ کی ابن عربیؒ سے نقل کردہ عبارت میں فہو روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں لیکن مؤلف مذکور نے کمال ہوشیاری یا انتہائی جہالت کی وجہ سے دونوں جگہ ترجمہ میں رُوح کا لفظ ذکر نہیں کیا کیونکہ اس سے قلعی کھل جانی تھی انشاء اللہ تعالیٰ ابھی ذکر آرہا ہے کہ حضرات صوفیاء کرام کی اصطلاح میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رُوح سے استمداد کا کیا مطلب ہے!

۲۔ حضرت نانوتویؒ کے اس شعر کرم احمدی الخ کا مطلب خود انہیں کی عبارات کی روشنی میں ہم نے بانیِ دارالعلوم دیوبند ص ۵۵ تا ص ۶۳ میں دے دیا ہے مؤلف مذکور کا اخلاقی اور علمی فریضہ ہے کہ وہ اس کی طرف مراجعت کرکے اس سے استفادہ کریں اور ضرور کریں۔

۳۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور مولانا نانوتویؒ اور کسی بھی قابل اعتماد بزرگ کی کسی صریح عبارت سے غیر اللہ سے مافوق الاسباب استمداد کا ہرگز کوئی ثبوت نہیں اور نہ مؤلف مذکور پیش کرسکے ہیں لہٰذا ان پر شرک کا فتوای کیوں صادر کیا جائے؟

۴۔ راقم نے بحمد اللہ تعالیٰ تنقید متین وغیرہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی جو عبارتیں نقل کی ہیں وہ سوچ سمجھ کر نقل کی ہیں اور علمی دُنیا میں ان کا کوئی اور مطلب ہی نہیں ہے سوائے اس کے جو ہم نے بیان کیا ہے مؤلف مذکور کا فرض ہے کہ ان عبارات کو کسی

لائق عربی دان سے سمجھنے کی کوشش کریں یہ یاد رہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی صریح اور ٹھوس عبارتوں سے صرف علمی وو کالت ہی نہیں چمکتی اور نہ ہی قابلیت کا رعب بڑھتا ہے بلکہ ہر مؤحد متبع سنت اور مومن کے دل میں اذعان وایقان بھی بڑھتا ہے اور شرک و بدعت کے سیاہ اور گھنگور بادل آناً فاناً چھٹ جاتے ہیں لہذا ان پر ان اللہ لایغفران یشرك بہ کی آیت کریمہ کیسے چسپاں ہوتی بفضلہٖ تعالیٰ ان کی روشن عبارات سے شرک کی تمام زنجیریں کٹ جاتی ہیں اور ان کی عبارات میں شرک کا وہم بھی پیدا نہیں ہوتا پھر ان جیسے رئیس الموحدین کی تکفیر کے کیا معنیٰ ؟ مؤلف مذکور خود سمجھ سے عاری ہیں۔

۵۔ بحمد اللہ تعالیٰ راقم کی کسی عبارت سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ یا مولانا نانوتویؒ وغیرہ بزرگوں کا (اور اسی طرح خود ان کی عبارات سے بھی) ان کے مشرک ہونے کا وہم بھی پیدا نہیں ہوتا کسی کے بارے میں قطعی اور حتمی طریقہ پر جنتی یا دوزخی ہونے کا فیصلہ تو قطعی دلیل ہی سے ہو سکتا ہے جو صرف وحی ہے اور وہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بغیر کسی پر نازل نہیں ہوتی اس لئے ہم قطعی طور پر ان حضرات کے بارے جنتی ہونے کا فیصلہ نہ کر سکتے ہیں اور نہ اس کے مجاز ہیں ہاں البتہ اللہ تعالیٰ سے قوی اُمید بھی رکھتے ہیں کہ وہ بفضلہٖ تعالیٰ جنّت الفردوس کے وارث ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کے نقش قدم پہ چلنے والے بھی جنّت میں جائیں گے حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ اس سوال کے جواب میں کہ مردمان ایں زمانہ را قطعی بہشتی و یا قطعی دوزخی قرار دادہ تصدیق کنند حکم او عند الشرع چیست ؟ لکھتے ہیں بالبتہ او را تفویض بعلم علام الغیوب باید کرد نہ بالقطع جنتی باید ونہ دوزخی فقط (محصلہ فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۱۱۷) مطلب بالکل واضح ہے کہ ہمیں قطعی طور پر کسی کو جنتی یا دوزخی کہنے کا حق حاصل نہیں ہے اس لئے کہ ہمیں غیب کا علم نہیں ہے یہ قطعیت صرف علام الغیوب کے بتلانے ہی سے ہو سکتی ہے اور بس

۶۔ استمداد از روح محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تمام حضرات انبیاء کرام ورسل واقطاب علیہم الصلوٰۃ والسلام نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک سے مافوق الاسباب طریقہ پر مرادیں مانگی ہیں اور آپ نے وہ پوری کردی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے

کہ جیسے منطقی اصطلاح میں نورِ قمر نورِ شمس سے مستفاد ہے اسی طرح تمام انبیاء کرام اور اقطاب واولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علمی وعملی کمالات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیض ہے اور اسی کو بعض محققین نے یوں تعبیر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت بالذات ہے اور باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوّت آپ کا فیض اور بالعرض ہے اور آپ کی نبوت کا یہ فیض سب کے لئے عام ہے چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح تحریر فرماتے ہیں کہ

فالنبوۃ عمت کل اصناف والاحمر والاسود مستویان فیما یرجع الی الفیض الذی ھو من باب النبوۃ الخ (تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص ۲۰۳)	نبوت تمام قسموں کو شامل ہے باب نبوت سے جو فیض حاصل ہوتا ہے اس میں سُرخ اور سیاہ دونوں برابر ہیں (اور حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے فلا فضل لعربی علی اعجمی ولا احمر علی اسود الا بالتقوٰی مجمع الزوائد ج ۸ ص ۸۴ رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح)

اور تصوف کے رنگ میں گفتگو کرتے ہوئے اقترابات الخمس کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

توسط الانبیاء صلوات اللہ علیھم بین اللہ سبحانہ وبین المقربین باحدیٰ ھٰذہ الاقترابات الخمس لیس معناہ ان یکونوا مفیضی الکمال علیھم بل ان یکون جھۃ اقترابھم وسمت توجھھم ما تشخص بہ ھذا النبی عند العود من اصناف الکمال (تفہیمات ج ۲ ص ۱۳۷ و ۱۳۸)	حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا توسط اللہ تعالیٰ اور مقربین کے درمیان ان اقترابات خمسہ میں سے کسی ایک سے ہوتا ہے اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مقربین پر فیض ڈالتے ہیں بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ اصنافِ کمال میں سے جو قسم ان مقربین کی طرف لوٹتی ہے اس متعین اور متشخص طور پر وہ نبی ان مقربین کے اقتراب اور ان کی توجہ کی جہت اور سمت ہوتے ہیں

اس عبارت سے صاف طور پر یہ واضح ہو گیا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

نفرہیں پر جیبض کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ فیض ان کو عطا کرتے ہیں بلکہ وہ ان کے فیض کا ذریعہ وسیلہ اور سبب قرار پاتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کا فیض آپ کی وفات کے بعد بھی برابر جاری وساری ہے نسبت والے اور اہل لوگ قبور اور ارواح سے بھی فیض حاصل کرتے رہتے ہیں چنانچہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ لکھتے ہیں۔ اگر صاحبِ نسبت ہو تو اپنا دل دوسرے خیالات سے فارغ کر کے صاحب قبر سے فیض حاصل کرنے کے لئے مراقبہ کرے اھ (ارشاد الطالبین ص۲۴) اور نیز لکھتے ہیں

مسئلہ جب کوئی شخص مرتبۂ کمال کو پہنچ جاتا ہے اس کو جانب الٰہی سے بے واسطہ فیض پہنچ سکتا ہے اور عبادت سے بھی ترقیات حاصل کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ یعنی سجدہ کر اور خدا کا قرب طلب کر

اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر شریف اور اولیاء کی قبور سے بھی فیض حاصل کر سکتا ہے انتہی بلفظہٖ (ارشاد الطالبین ص۳۶)

لیکن یہ فیض زندگی کے فیض کی طرح نہیں ہوتا چنانچہ جناب قاضی صاحبؒ ہی تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کہے اولیاء کا فیض ان کی موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے پس دوسرے شیخ کو تلاش کرنا فضول ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ اولیاء کا فیض بعد موت اس قدر نہیں کہ ناقص کو بدرجۂ کمال پہنچا دیں مگر شاذ و نادر اگر فیض بعد از موت اسی قسم کا ہو جیسے زندگی میں ہوتا ہے تو تمام اہل مدینہ پیغمبر خدا کے زمانہ سے آج تک اصحاب کے برابر ہوں، اور نیز کوئی شخص اولیاء کی صحبت کا محتاج نہ ہو فوت شدہ کا فیض زندہ کے برابر ہو ہی کیونکر سکتا ہے جب کہ فیض رساں اور فیض یاب میں نسبت شرط ہے اور وفات کے بعد مفقود ہے ہاں فنا و بقاء کے بعد جب مناسبت باطنی ہو جاتی ہے تو قبور سے فیض حاصل کر سکتے ہیں، لیکن وہ بھی نہ اس قدر جو حیات میں ہوتا ہے واللہ اعلم (ارشاد الطالبین ص۱۷ و ۱۸) مگر اس فیض سے تقرب الٰہی کا فیض مراد ہے رزق پہنچانے، اولاد ملنے اور تکالیف دور کرنے کا فیض ہرگز مراد نہیں ہے چنانچہ بھی قاضی ثناء اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔

مسئلہ اگر کوئی کہے کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر گواہ ہیں وہ کافر ہو

جاتا ہے اولیاء معدوم کو پیدا کرنے یا موجود کو نابود کرنے پر قادر نہیں ہیں پس پیدا کرنے نابود کرنے رزق پہنچانے اولاد دینے بلا دور کرنے مرض سے شفا بخشنے وغیرہ کی نسبت ان سے مدد طلب کرنا کفر ہے قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ یعنی کہو اے محمد ﷺ کہ میں اپنے آپ کے لئے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں مگر جو خدا چاہے،
(ارشاد الطالبین ص۲) اور نیز تصریح فرماتے ہیں۔

مسئلہ: اولیاء کو علم غیب نہیں ہوتا ہاں بعض غائب چیزوں کے متعلق خرق عادات کے طور پر کشف سے یا الہام سے ان کو علم دیا جاتا ہے اور یہ کہنا کہ اولیاء کو غیب کا علم ہے کفر ہے الخ (ص۲۰)

مولانا تھانوی لکھتے ہیں اور یہ خیال نہ کرے کہ قبر سے فیض لینا کافی ہے دوسرے شیخ کی کیا ضرورت ہے کیونکہ قبر سے فیض تعلیم نہیں ہو سکتا البتہ صاحب نسبت کو احوال کی ترقی ہوتی ہے سو یہ شخص تو ابھی محتاج تعلیم ہے ورنہ کسی کو بھی بیعت کی ضرورت نہیں ہوتی لاکھوں قبریں کاملین بلکہ انبیاء کی موجود ہیں (تعلیم الدین ص۹۷)

غرضیکہ اوروں کا تو کہنا ہی کیا فخر موجودات سید البشر امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی مافوق الاسباب طریقہ پر کسی کو فیض رزق غنی صحت اولاد اور دیگر نعمتیں دینے کی مجاز نہیں بدیگراں چہ رسد بلکہ آپ خود فقر و فاقہ میں مبتلا رہے اور یہ کوئی عیب نہیں ہے جیسا کہ انشاء اللہ العزیز آگے آرہا ہے۔

روح سے استمداد روح سے استمداد سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے مراد یہ ہے کہ جو حضرات اس کے اہل ہیں انہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح سے فیض پہنچتا ہے تو اس کی با حوالہ بحث پہلے گذر چکی ہیں اور اگر یہ مراد ہے کہ آپ مافوق الاسباب طریقہ پر تنگدستوں کو رزق دیتے ہیں بے اولادوں کو اولاد دیتے ہیں بیماروں کو شفاء دیتے ہیں اور اسی طرح دیگر اصحاب حاجات کی حاجتیں پوری کرتے ہیں تو یہ مطلب نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ اور صحیحہ کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ خود ان اکابر کی صریح عبارات کے بھی خلاف ہے اس سلسلہ میں چونکہ مؤلف مذکور نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت پر اپنے استدلال

کی بنیاد رکھی ہے اس لئے ہم یہاں حضرت شاہ صاحبؒ ہی کی چند عبارات باحوالہ عرض کرتے ہیں تاکہ بات بالکل عیاں ہو جائے۔

والمیزان فی معرفة الخیر والشر الکتاب علیٰ تأویله الصریح ومعروف السنة لا اجتهاد العلماء ولا اقوال الصوفیة (تفہیمات الٰہیۃ ج ۲ ص ۲۰۲)

خیر اور شر کی شناخت کی ترازو قرآن کریم ہے جو اپنی صریح تعبیر پر مشتمل ہو اور مشہور حدیث ہے نہ کہ حضرات علماء کرام کا اجتہاد اور نہ حضرات صوفیاء کرام کے اقوال

اور نیز تحریر فرماتے ہیں کہ

اما عقیدہ و شرع بجز از حدیث پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نتواں گرفت (ایضاً ج ۲ ص ۲۴۵)

بہر حال عقیدہ اور شریعت تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کے بغیر نہیں حاصل کئے جا سکتے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ عبارات بالکل واضح ہیں مزید کسی تشریح کی حاجت نہیں ہے ان عبارات کی روشنی میں عقائد و شرائع کے بارے میں ایک دو نہیں علماء کرام اور اور صوفیاء عظام کے سینکڑوں اقوال و عبارات بھی پیش کی جائیں تو لاحاصل ہے وہ خود قابل تأویل ہوں گی اس لئے مؤلف مذکور اور ان کے دوستوں کو اس سلسلہ میں ایسے اقوال و عبارات سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی خود اپنی صریح عبارات کے ہوتے ہوئے بھلا ایسے باطل معانی لئے بھی کب جا سکتے ہیں؟ مثلاً یہی ایک عبارت ملاحظہ کریں۔

ثم لیعلم انه یجب ان ینفی عنهم صفات الواجب جل مجده من العلم بالغیب والقدرة علی خلق العالم الی غیر ذٰلك ولیس ذٰلك بنقص وثبت اتصاف الانبیاء علیهم السلام بالجوع والظمأ والفقر والحاجات وامثالها

پھر ضرور یہ جاننا چاہیئے کہ واجب ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے واجب جل مجدہٗ کی صفات مثلاً علم غیب اور جہان کے پیدا کرنے کی قدرت وغیرہ کی نفی کی جائے اور یہ کوئی عیب نہیں ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھوک، پیاس احتیاج

وليس ذٰلك بنقصٍ وعدم اتصافه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بصفات يمدح بها الناس فى بعض امورهو لثبوت ما هو اشرف وافضل منها كالخط والشعر ومايناسب ذٰلك ليس بنقصٍ (تفهيمات الٰهيہ ج ۲ ص ۲۴۷)

اور حاجات وغیرہا سے متصف تھے اور یہ کوئی عیب نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بعض ایسی صفات سے موصوف نہ ہونا جن کی وجہ سے لوگوں کی تعریف کی جاتی ہے مثلاً لکھنا اور شعر اور اس قسم کی اور چیزیں تو یہ بھی کوئی عیب نہیں کیونکہ آپ ان سے کہیں اعلیٰ اور افضل صفات سے متصف ہیں۔

لہٰذا حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ وغیرہ بزرگوں کی عبارات میں روح سے استمداد کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ امداد چاہنے والے حضرات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک سے رزق۔ اولاد۔ جلب منفعت اور دفع البلاء وغیرہ کی امداد چاہتے ہیں حاشا وکلّا ثم حاشا وکلّا، ان حضرات کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک قسم کے سکر یا غنودگی کی حالت میں آپ کی قبر مبارک پر یا ویسے مراقبہ کرتے ہیں اور اس مراقبہ کی حالت میں مثالی طور پر آپ کی روح مبارک سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ علمی طور پر ان سے استفادہ کرتے ہیں اور آپ کی مثالی روح روحانی طور پر ان کے علمی اشکالات دور کرتی ہے چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ خود تحریر فرماتے ہیں کہ

ایں فقیر از روح پُرفتوح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سوال کرد کہ حضرت چہ می فرمایند درباب شیعہ کہ مدعی محبت اہل بیت اند وصحابہ را بدمی گویند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنوعی از کلام روحانی القاء فرمودند کہ مذہب ایشاں از لفظ امام معلوم می شود چوں ازاں حالت افاقت دست داد در لفظ امام تأمل کردم معلوم شد کہ امام

اس فقیر نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح پُرفتوح سے سوال کیا کہ آپ شیعہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو حضرات اہل بیعت کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور حضرات صحابہ کرامؓ کو برا کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک قسم کے روحانی کلام سے یہ القاء فرمایا کہ شیعہ کا مذہب امام کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے جب اس حالت سے افاقہ ہوا تو میں نے امام کے لفظ میں تأمل کیا

باصطلاح ایشان معصوم مفترض الطاعۃ منصوب للخلق است و وحی باطنی در حق امام تجویز می نمایند پس در حقیقت ختم نبوت را منکراند گو بزبان آنحضرت را صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء می گفتہ باشند (تفہیمات الٰہیہ ج۲ ص۲۴۴)

معلوم ہوا کہ شیعہ کے نزدیک امام معصوم ہوتا ہے جس کی اطاعت فرض ہوتی ہے جو حق کے لئے کھڑا کیا جاتا ہے اور وہ امام کے حق میں باطنی وحی تجویز کرتے ہیں پس حقیقت میں وہ ختم نبوت کے منکر ہیں گو زبان سے وہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں۔

اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک سے سوال کیا مگر یہ سوال بھی روحانی تھا چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ

سألتہ سؤالا روحانیا عن الشیعۃ الخ (تفہیمات الٰہیۃ ج۲ ص۲۵)

میں نے آپ سے روحانی طور پر شیعہ کے بارے میں سوال کیا۔

اور آپ نے ان کا اشکال دُور کیا لیکن اس میں اس کی بھی وضاحت ہے کہ یہ کارروائی خواب یا نیم خواب یا سکر یا غنودگی کی حالت میں ہوئی اور چوں ازاں حالت افاقت دست داد کے الفاظ اس پر صاف طور پر دلالت کرتے ہیں اور آپ کا جواب بھی ایک گونہ روحانی تھا چنانچہ بنو عی از کلام روحانی کے الفاظ اس پر دال ہیں اور اس قسم کے عالم معاملات اور مراقبات کا ذکر تفہیمات الٰہیہ اور در ثمین وغیرہ کتابوں میں موجود ہے۔

الغرض ان کے کلام میں استمداد سے وہ استمداد مراد لینا جو جاہل اور شرک کے شیدائی غیر اللہ سے طلب رزق و اولاد اور دفع مضرت وغیرہ میں کیا کرتے ہیں سراسر باطل ہے لہٰذا یہ حوالہ بھی مؤلف مذکور کو قطعاً مفید نہیں اور ہمیں ذرّہ بھر مضر نہیں ہے مگر منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے باریک بینی شرط ہے ؎

ملے گا منزلِ مقصود کا اُسی کو سُراغ
اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ

کبریت احمر اور الیواقیت کا حوالہ

مؤلف مذکور نے بے سوچے سمجھے کبریت احمر

اور الیواقیت والجواہر کا حوالہ نقل کر دیا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ وہ بیچارے حضرات صوفیاء کرامؒ کی اصطلاحات ہی سے واقف نہیں ہیں اور نہ ان کی کتابیں ان کو بالاستیعاب دیکھنے سمجھنے اور پڑھنے کی کبھی ہمت اور توفیق ہی ہوئی ہے ہم بفضلہٖ تعالیٰ نہایت ہی مختصر طور پر بقدر ضرورت چند حوالے عرض کرتے ہیں غور فرمائیں

قطب حضرات صوفیاء کرامؒ اور علی الخصوص شیخ ابن عربیؒ (المتوفی ۶۳۸ھ) اس امر کی تصریح کرتے ہوئے کہ قطب سے کوئی زمانہ خالی نہیں ہوتا لکھتے ہیں۔

فلا يخلو زمان من رسول يكون فيه وذلك هو القطب الذي هو محل نظر الحق تعالىٰ من العالم كما يليق بجلاله ومن هذا القطب يتفرع جميع الامداد الالهية على جميع العالم العلوي والسفلي قال الشيخ محي الدين ومن شرطه ان يكون ذا جسم طبيعي وروح ويكون موجودًا في هذه الدار الدنيا بجسده وروحه من عهد آدم الى يوم القيامة ولما كان الامر على ما ذكرناه ومات رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد ما قرر الدين الذي لا ينسخ والشرع الذي لا يتبدل دخلت الرسل كلهم في شريعته ليقوموا بها فلا تخلو الارض من رسول حي بجسمه اذ هو قطب العالم الانساني ولو كانوا في العدد الف رسول فان المقصود من هؤلاء هو الواحد فادريس في السماء

کہ کوئی زمانہ پیغام رساں سے خالی نہیں ہوتا اور یہی وہ قطب ہے جو جہان میں حق تعالیٰ کی نظر (شفقت) کا جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے محل ہے اور اسی قطب (کی برکت) سے تمام عالم علوی اور سفلی پر اللہ تعالیٰ کی امداد متفرع ہے اور شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی شرط یہ ہے کہ وہ جسم طبعی اور روح رکھتا ہو اور اس دارِ دُنیا میں اپنے جسم اور حقیقت کے ساتھ موجود ہو سو ضروری ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے قیامت تک اپنے جسم اور روح کے ساتھ اس دُنیا میں موجود ہو اور جب معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے تو جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس دین کے ثابت کرنے کے بعد جو منسوخ نہیں ہو سکتا اور اُس شریعت کے نافذ کرنے کے بعد جو بدل نہیں سکتی وفات پا گئے تو وہ تمام پیغام رساں (یعنی انبیاء) آپ کی شریعت میں داخل ہو گئے تاکہ اس کو قائم کریں تو زمین کسی زندہ پیغام رساں سے

الرابعة وعیسٰی فی السمآء الثانیۃ و الیاس والخضر فی الارض ومعلوم ان السمٰوٰت السبع من عالم الدنیا لکونہا تبقی ببقاء الدنیا وتفنٰی بفنائہا صورۃً فہی جزء من دار الدنیا الٰی ان قال وقد ابقی اللّٰہ فی الارض الیاس والخضر وکذٰلک عیسٰی اذا نزل وھم من المرسلین فہم القائمون فی الارض بالدین الحنیفی فما زال المرسلون ولا یزولون فی ھذہ الدار لٰکن من باطنیۃ شرع محمد صلّی اللّٰہ علیہ وسلم ولٰکن اکثر الناس لا یعلمون فالقطب ھو الواحد من عیسٰی وادریس والیاس والخضر علیہم السلام وھو احد ارکان بیت الدین وھو کرکن الحجر الاسود واثنان منہم ھما الامامان و اربعتہم ھم الاوتاد فبالواحد یحفظ اللّٰہ الایمان وبالثانی یحفظ اللّٰہ الرسالۃ وبالمجموع یحفظ اللّٰہ الدین الحنیفی فالقطب من ھٰؤلاء واحد لا بعینہٖ الخ (الفتوحات المکیۃ ج صـ باب ۷۳)

جو اپنے جسم کے ساتھ زندہ ہو خالی نہیں کیونکہ وہ تمام عالمِ انسانی کا قطب ہے اگرچہ گنتی میں وہ ہزار پیغام رساں ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ مقصود اُن میں سے ایک ہی ہے سو حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام چوتھے آسمان میں اور حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام دوسرے آسمان میں اور حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما الصلوٰۃ والسلام زمین میں ہیں اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ سات آسمان بھی عالمِ دُنیا ہی سے ہیں کیونکہ وہ صورۃً دنیا کی بقاء کے ساتھ باقی ہیں اور اس کے فناء کے ساتھ فنا ہو جائیں گے تو وہ دارِ دُنیا ہی کی جزو ہے (پھر آگے فرمایا) اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں حضرت الیاس اور حضرت خضر کو اور اسی طرح حضرت عیسٰی کو جب زمین پر نازل ہوں گے علیہم الصلوٰۃ والسلام باقی رکھا ہے اور یہ مرسلین میں سے ہیں اور یہی زمین میں دین حنیفی کو قائم کرنے والے ہیں پس یہ ہمیشہ سے رسول ہیں اور اس دُنیا میں رہیں گے لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت کے باطن کے لحاظ سے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے پس قطب حضرت عیسٰی حضرت ادریس حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے ایک ہی ہے اور وہ دین کے گھر کا ایک رُکن ہیں جیسے حجر اسود اور دوان میں

والیواقیت والجواھر ج ۲ ص ۸۱)

سے امام ہیں اور یہ چاروں ہی اوتاد ہیں سو ان میں ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ ایمان کو اور دوسرے کے ساتھ ولایت کو اور تیسرے کے ساتھ نبوت کو اور چوتھے کے ساتھ رسالت کو محفوظ رکھتا ہے اور ان سب کے ساتھ دین حنیفی کو محفوظ رکھتا ہے سو قطب ان میں لاعلی التعیین ایک ہے

اس سے معلوم ہوا کہ بقول شیخ ابن عربی رح چار پیغمبر حضرت عیسیٰ (جن کی حیات دلائل قطعیہ اور احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے، وللتفصیل موضع آخر صفدر) حضرت ادریس، حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہم وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں (اور علامہ خیالی رح نے بھی بڑے بڑے علماء کے حوالہ سے ان چاروں حضرات کی حیات صراحۃً لکھی ہے ملاحظہ ہو الخیالی ص ۱۴۲) اور ان میں لاعلیٰ التعیین ایک قطب ہیں اور عالم علوی اور سفلی پر اللہ تعالیٰ کی امداد ان کے ذریعہ اور وسیلہ سے ہوتی ہے اور یہ تمام حضرات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت کے پابند ہیں دخلت الرسل کلھم فی شریعتہ اور لکن من باطینۃ شرع محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اس پر صراحت سے دلالت کرتے ہیں اس لحاظ سے روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن وحی اور آپ کا دین اور شرع مراد ہے جس سے یہ حضرات مستفید ہوتے ہیں اور روح بمعنی قرآن اور وحی کے قرآن کریم سے ثابت ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا الآیۃ

اور یونہی ہم نے تمہیں وحی بھیجی ایک جانفزا چیز یعنی قرآن پاک جو دلوں میں زندگی پیدا کرتا ہے (ترجمہ از خانصاحب اور تفسیر از مرادآبادی صاحب)

اور نیز ارشاد ہوتا ہے

يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (پ ۱۴۔ النحل ۱)

ملائکہ کو ایمان کی جان یعنی وحی لے کر اپنے جن بندوں پر چاہے اتارتا ہے۔

ان روشن اقتباسات سے معلوم ہوا کہ روح کا لفظ قرآن پاک اور وحی پر اطلاق ہوتا ہے اور قرآن کریم اور وحی ہی دوسرے الفاظ میں آپ کے دین اور شرع کا نام ہے قطع نظر اس سے اگر روح سے حقیقی روح ہی مراد ہو تو روحانی فیض کا ذکر پہلے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحؒ کے حوالہ سے عرض کیا جا چکا ہے الغرض اس امداد سے وہ امداد ہرگز مراد نہیں جس کے اثبات کے مؤلف مذکور اور ان کے ہمنوا درپے ہیں۔

مؤلف مذکور کی کوتاہ فہمی | کاش کہ مؤلف مذکور کبریت احمر کی عبارت ذرہ آگے تک بیان کر دیتے تو معاملہ خود بخود صاف کھل جاتا اور معمولی سا وہم بھی پیدا نہ ہوتا عبارت یوں ہے

واما القطب الواحد فھو روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم الممد لجمیع الانبیاء والرسل والاقطاب من حین النشئ الانسانی الیٰ یوم القیمۃ واللہ اعلم وقال فان الوحی المتضمن للتشریع قد اغلق بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولھذا کان عیسیٰ علیہ السلام اذا نزل یحکم بشریعۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دون وحی جدید اھ (الکبریت الاحمر علیٰ ھامش الیواقیت والجواھر ج ۱ ص ۲)

اور بہر حال قطب واحد تو وہ روحِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے جو تمام انبیاء و رسل و اقطاب کی علیہم الصلوٰۃ والسلام ممد ہے اُس وقت سے جب سے انسانی پیدائش ہے قیامت کے دن تک واللہ اعلم اور انہوں نے فرمایا کہ وحی جو تشریع کو متضمن ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد بند ہوگئی ہے اور اسی لئے جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل ہوں گے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گے نہ کہ وحی جدید سے

اس عبارت میں حرف فا کے ساتھ فان الوحی المتضمن للتشریع الخ سابق دعویٰ کی دلیل اور علت ہے جس کا صاف طور پر مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین وحی اور شریعت سب پر لازم ہے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تکوینی اُمور میں آپ ان کی امداد فرماتے ہیں لہٰذا ما فوق الاسباب طریقہ سے آپ سے استمداد درست نہیں ہے معاذ اللہ تعالیٰ جیسا کہ مؤلف مذکور کا باطل دعویٰ ہے دیگر اُمور تکوینیہ کا تو کہنا ہی کیا ہے قطبیت جو ان حضرات کی خاص نمایاں شان ہے وہ بھی آپؐ کسی کو نہیں دے سکتے دینا تو درکنار اس سلسلہ میں ان کا

اللہ تعالیٰ سے سوال اور دعا بھی ضروری نہیں کہ قبول ہو جائے چنانچہ علامہ شعرانی ہی لکھتے ہیں کہ

فان قلت هل للقلب الصحيح للقطب تصريف فی ان يعطی القطبية لمن شاء من اصحابه او اولاده ؟ فالجواب ليس له تصريف فی ذلك وقد بلغنا ان بعض الاقطاب سأل الله ان تكون القطبية من بعده لولده فاذا بالهاتف يقول له ذلك لا يكون الا فی الارث الظاهر واما الارث الباطن فذلك الی الله وحده الله اعلم حيث يجعل رسالته انتهی (اليواقيت والجواهر ج ۲ ص۸۲)

پس اگر تو یہ کہے کہ قطب کے لئے اپنے اصحاب اور اولاد میں سے جس کو چاہیں قطبیت دینے کا تصرف حاصل ہے ؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کو اس کا کوئی تصرف حاصل نہیں ہے اور ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ بعض اقطاب نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ ان کے بعد قطبیت ان کے بیٹے کو ملے تو انہیں غیب سے آواز آئی کہ یہ سلسلہ ظاہری وراثت میں چلتا ہے۔ باطنی وراثت میں نہیں چلتا یہ باطنی وراثت صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ ہی کے سپرد ہے وہ خوب جانتا ہے پیغام رسانی کا یہ سلسلہ اُس نے کہاں رکھنا ہوتا ہے

اس سے بصراحت یہ معلوم ہوا کہ قطبیت وغیرہ تکوینی اُمور عطا کرنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے اس میں قطب کا بھی کوئی دخل نہیں ہوتا اور نہ یہ ان کے بس کا روگ ہے لہٰذا اس سلسلہ میں ان سے مدد حاصل کرنا بے سُود ہے اور نہ وہ مافوق الاسباب امداد کر سکتے ہیں۔

۷۔ قارئین کرام آپ بخوبی ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ سرفراز کے ہوش و حواس بحمداللہ تعالیٰ کیسے قائم ہیں کہ وہ الکبریت الاحمر اور الیواقیت والجواہر کی صوفیانہ عبارات کو صحیح طور پر سمجھتا ہے اور مؤلف مذکور کی ناہموار کھوپری میں ان کا صحیح مطلب نہیں آیا اور غیر اللہ سے مافوق الاسباب استعانت کا قرآن و سنت کا ثبوت تو کوہ کندن اور کاہ برآوردن کا مصداق ہے مگر مؤلف مذکور اس مشرکانہ عقیدہ کو حضرت شاہ ولی اللہؒ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ مولانا محمد قاسمؒ اور علامہ شعرانیؒ وغیرہ سلف کے اقوال سے بھی ثابت نہیں کر سکے اور شرک بھلا ان حضرات کی ایمان افروز عبارات سے ثابت بھی کب اور کیسے ہو سکتا ہے ؟ کیونکہ عالم اسباب میں ہمارے لئے یہی حضرات دین و ایمان کا مرکز ہیں ان اکابر کو مشرک قرار دے کر ان کو داخل فی النار کرنا پرلے درجہ کے شقی القلب اور کسی بدبخت ازلی ہی کا کام ہو سکتا ہے اور بحمداللہ

تعالیٰ جب راقم اثیم ان اکابر کے صاف وشفاف دامن سے وابستہ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والا ہے تو وہ کیونکر ضلالت اور مذلت کا شکار ہو سکتا ہے؟ بحمد اللہ تعالیٰ راقم پہلے ہی سے نصوص قطعیہ احادیث صحیحہ اور اقوال سلف کے روشن ترین اقوال سے وابستہ ہو کر حق وصداقت کی راہ اپنائے ہوئے ہے اور بفضلہ تعالیٰ سرخرو ہے منہ تو آپ کا اور آپ کے صدر الافاضل کا کالا ہے کہ مقربان حق کی ما فوق الاسباب استمداد کے جواز کا بے بنیاد دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن دلیل بالکل ندارد اور بحمد اللہ تعالیٰ روح شریعت کی روشنی میں شرک کی جو تعریف راقم اثیم نے کی ہے قیامت تک کوئی ماں کا لال اس کو دلائل صحیحہ سے باحوالہ طریقہ پر رد نہیں کر سکتا ہم نے تنقید متین میں حدیث الدین النصیحۃ کی روشنی میں شرک کے شیدائیوں کو خیر خواہی کے جذبہ کے تحت نصیحت کی تھی اب پھر اسی جذبہ سے مؤلف مذکور کو نصیحت کرتے ہیں کہ شرک وبدعت کو ترک کر کے توحید وسنت پر عامل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے اگر دل میں ارادہ ہو تو سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے ؎

دِل اس کے عشق میں کھویا تو پائی دِل کی مراد
سر اس کے در پہ جھکایا تو کامیاب ہوئے

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ واحبابہٖ ومتبعیہٖ الیٰ یوم الدین آمین ثم آمین

احقر
ابو الزاہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ۔
و صدر مدرس مدرسہ "نصرۃ العلوم" گوجرانوالہ

۱۳/ شوال ۱۴۰۱ھ
۱۴/ اگست ۱۹۸۱ء

إتمام البرهان

فی ردّ

توضیح البیان

حصّہ دوم

تألیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی

مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم

گوجرانوالہ

فہرست مضامین اتمام البرہان حصہ دوم

فہرست مضامین انوار البرہان حصہ دوم

فہرست مضامین اتمام البرہان حصہ دوم

فہرست مضامین اتمام البرہان حصہ دوم

فہرست مضامین اتمام البرہان حصہ دوم

فہرست مضامین اتمام البرهان حصہ دوم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُبَسْمِلاً وَّ مُحَمْدِلاً وَّ مُصَلِّیاً ٥ اَمَّابَعْدُ قارئین کرام اتمام البرہان فی ردِّ توضیح البیان کا پہلا حصہ ملاحظہ فرما چکے ہیں یہ اس کا دوسرا حصہ ہے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ جس توجہ اور ذوق وشوق سے پہلا حصہ پڑھا ہے دوسرا بھی اسی طرح پڑھیں گے بحمد اللہ تعالیٰ اس میں آپ کو کئی جدید حوالے اور علمی بحثیں ملیں گی اور کئی جدید انکشافات سامنے آئیں گے تسلیم کرنے والوں کے لئے تو یہ موجب اطمینان ہوں گے مگر اپنے تعصب اور تحزب کی وجہ سے نہ ماننے والوں پر اتمام حجت تو ہو جائے گی ؎

خرد زنجیر پہناتی رہے گی ــــ جو دیوانے ہیں دیوانے رہیں گے

قارئین کرام انشاء اللہ العزیز طرفین کے دعاوی اور ان پر قائم کئے گئے دلائل سے بخوبی اندازہ لگالیں گے کہ حق کیا ہے؟ اور باطل کیا ہے؟ توحید کیا ہے؟ اور شرک کیا ہے؟ سنت کیا ہے؟ اور بدعت کیا ہے؟ اور دعاوی اور دلائل کی مطابقت اور عدم مطابقت کا بھی اچھی طرح سے فرق محسوس کر لیں گے ہمیں بفضلہ تعالیٰ قارئین کرام کی سمجھ پر پورا بھروسہ ہے اللہ تعالیٰ سب کو حق سمجھنے کی اور غلط نظریات سے بچنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین ثم آمین وصلی اللّٰہُ تعالیٰ علیٰ خاتم الْاَنْبیاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلیٰ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَجَمِیْعِ مُتَّبِعِیْہِ اِلیٰ یَوْمِ الدِّیْنِ -

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ وصدر مدرس مدرسہ نصرت العلوم
گوجرانوالہ
۱۸ شوال ۱۴۰۱ھ ۱۹ اگست ۱۹۸۱ء

بابِ اوّل

ضاد کا مخرج

راقم الحروف نے "تنقید متین" میں جناب مرادآبادی صاحب کے ذیل کے دعویٰ پر با حوالۂ کتب علمی تنقید کی ہے جس کے جواب نا مکمل کے لیے مؤلف مذکور نے ماہیم جان کی طرح بڑی قلابازیاں کھائی ہیں اور ہیجان و غلطان رہے ہیں مگر بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے پیش کردہ وزنی اور ٹھوس حوالوں کا جواب نہیں دے سکے اور یہ ان کے بس کا روگ بھی نہیں ہے کہ وہ علمی باتوں کا معقول جواب دے سکیں اور شرک و بدعت میں مبتلا ہو جانے کے بعد معقولیت رہتی بھی کہاں ہے شرک و بدعت کی نحوست ہی کچھ ایسی ہے کہ صحیح فہم و بصیرت سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ لکھا تھا۔ مسئلہ جو شخص ضاد کی جگہ ظاء پڑھے اسکی امامت جائز نہیں (محیط برہانی) ہم نے اس پر علمی گرفت کرتے ہوئے لکھا تھا

تنقید ایک ہے ضاد اور ظاء یا کسی اور حرف کا دوسرے حرف سے بدل کر پڑھنے کا فقہی اختلاف جو متقدمین اور متأخرین فقہاء کرام رح میں مشہور چلا آرہا ہے اور جس پر زلۃ القاری کے بہت سے مسائل متفرع ہیں وہ اپنی جگہ مسلّم ہے لیکن مولوی نعیم الدین صاحب کا اختلاف فقہاء کے ذکر کئے بغیر محیط برہانی کا مجمل حوالہ پیش کرنا بظاہر ان کے اس نظریہ پر مبنی ہے کہ اکثر و بیشتر قراء حضرات اہل حق کے مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ علم تجوید کے اصول و قواعد کے تحت حرف ضاد کو اس کے اصل مخرج سے نکالتے ہیں جو سننے والوں کو حرف ظاء سے مشابہ معلوم ہوتا ہے اس لئے مولوی صاحب نے عوام کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے والے کی امامت جائز نہیں تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ اہل حق کے پیچھے نماز جائز نہیں ہوتی الخ تنقید متین صـ۴۶ و صـ۴۷ اور پھر متعدد فقہی حوالے ہم نے پیش کئے ہیں ان کو اصل کتاب تنقید متین ہی میں ملاحظہ کر لیں ہم خواہ مخواہ کی تطویل کو پسند نہیں کرتے

اور پھر آخر میں ہم نے لکھا ہے الحاصل ضاد کو ظا کے مشابہ پڑھنے میں فقہاء کرام کا نماز کے فاسد اور نہ فاسد ہونے میں کافی اختلاف ہے لیکن عموم بلوی کی وجہ سے جب کہ اصلی مخرج سے نکالنے کی تمیز و قدرت ہی نہ ہو تو اکثر مشائخ کا قابل اعتماد قول اور فتویٰ یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی ہاں قادر کو اس کی کوشش کرنی چاہیئے کہ ہر حرف اپنے صحیح مخرج سے نکلے امام ہو یا منفرد مرد ہو یا عورت بوڑھا ہو یا جوان مسئلہ سب کے لئے یکساں ہے مولوی نعیم الدین صاحب نے خواہ مخواہ اہل حق کے اماموں سے متنفر دلانے کے لئے یہ شوشہ چھوڑا ہے (بلفظہٖ اھ)

مؤلف مذکور نے اس سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے اس کا نہایت اختصار سے خلاصہ اور تجزیہ یہ ہے۔

صدر الافاضل نے محیط برہانی کا مجمل حوالہ پیش کیا میں کہتا ہوں کہ کیا آپ اور آپ کے معنوی آباؤ اجداد نے کبھی کسی کتاب کا مجمل حوالہ پیش نہیں کیا۔ فتاوی رشیدیہ میں کہیں نام کے لئے بھی حوالہ موجود نہیں پھر مجمل حوالے تو ایک طرف رہے آپ کے سلوف نے تو بے بنیاد اور خلاف واقعہ حوالے پیش کئے آپ کے اکابر نے سیف النقی میں اعلیٰ حضرت کے والد کے نام ایک کتاب تحفۃ المقلدین اختراع کی ایک کتاب ہدایۃ البریہ کے نام سے ایجاد کی پھر مزید ترقی کر کے مرأۃ الحقیقت کے نام سے ایک کتاب غوث اعظمؒ کی طرف منسوب کر کے وضع کی آپ کے معنوی والد مولوی اشرف علی تھانوی نے تفسیرات احمدیہ کے منہیات کا حوالہ پیش کیا اور آپ کو بھی تسلیم ہے کہ اس کے منہیات کا کہیں وجود نہیں باقی یہ کہہ دینا کہ ضرور ان کے پاس کوئی منہیات والا نسخہ موجود ہوگا دل کے بہلانے کے لئے کافی ہے دلائل و براہین میں اس سے کام نہیں چلتا ایسی بے سر و پا باتیں کہہ کر آپ صرف اپنے شاگردوں اور معتقدین کے زمرہ میں بیٹھ کر داد تحسین حاصل کر سکتے ہیں استدلال کے میدان میں ان احتمالات رکیکہ کی کوئی وقعت نہیں (محصلہ توضیح البیان ص ۶۲ و ص ۶۳)

الجواب۔ مؤلف مذکور اس جواب میں بعینہٖ اس محاورہ کے مصداق ہیں کھسیانی بلی کھمبا نوچے میدان دلائل میں ٹھہرنے کی سکت نہ رہی تو اِدھر اُدھر بھاگ

کر تماشا دیکھنے والوں کو اپنی کارکردگی بتانے کی ٹھان لی کہ دیکھئے ہم بھی متحرک ہیں اور ادھر اُدھر بھاگنا جانتے ہیں لیکن سمجھدار لوگ اس عاجزانہ اور قاصرانہ حرکت کو بخوبی سمجھتے ہیں اور ان میں اس کی اہلیت بھی ہے۔ ہم بفضلہ تعالیٰ اختصاراً جوابات عرض کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) بے شک ہم اور ہمارے اکابر بعض اوقات مجمل حوالے نقل کرتے ہیں لیکن ان پر کسی حکم اور فتویٰ کی بنیاد نہیں رکھتے ہمارے حکم اور فتویٰ کا مبنیٰ مفصل حوالے ہوتے ہیں بخلاف آپ اور آپ کے صدر الافاضل وغیرہ کے کہ بغیر اختلاف بتائے مجمل حوالہ پر فیصلہ صادر کرتے ہیں جیسے یہاں کیا کہ نہ تو صاحب محیط برہانی کے بقیہ حوالوں کو مدنظر رکھا اور نہ دیگر حضرات فقہاء کرامؒ کے تفصیلی حوالوں کو ملحوظ رکھا مگر فتویٰ صادر کر دیا اور ابھی تک ہمارا یہ اعتراض آپ اور آپ کے صدر الافاضل کے سروں پر کوہ طور کی طرح معلق ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ تاقیامت معلق رہے گا اس سے رستگاری کی صرف یہی صورت ہے کہ آپ ہمارے تنقید متین میں نقل کردہ مفصل حوالوں کو تسلیم کرلیں اور حق کا ساتھ دیں ورنہ کَاَنَّمَا ظُلَّۃٌ سے کوئی چھٹکارا نہیں۔

(۲) ہم نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ آپ کے صدر الافاضل نے حوالہ نہیں دیا اگر یہ کہا ہوتا تو پھر آپ کو یہ کہنے کا حق تھا کہ فتاویٰ رشیدیہ میں بھی حوالے نہیں ہیں ہم نے یہ کہا ہے کہ حوالہ مجمل ہے کہاں ترکِ حوالہ اور کہاں اس کا اجمال؟ آپ کی علمیت تو اتنی ہی ہے کہ ان دونوں واضح باتوں میں بھی فرق نہیں جانتے اور پھر لطف یہ ہے کہ کمزور مطالعہ اور علمی بے مائیگی کا طعن ہمیں دیتے ہیں سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ آپ کے معلومات کے لئے عرض ہے کہ اگر کوئی شخص قطب الارشاد حضرت مولانا گنگوہیؒ کی طرح فقیہ النفس ہو جائے تو اس کو حوالے نقل کرنے کی ضرورت ہی نہیں اس کا ہر فتویٰ بلکہ ہر جملہ حوالہ سے بڑھ کر ہوتا ہے حوالے تو ما و شما کے لئے درکار ہیں جن کی بات پر کسی کو بغیر حوالے کے علمی اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا۔

(۳) تحفۃ المقلدین۔ یہ کتاب ہمیں دستیاب نہیں ہو سکی ممکن ہے ہندوستان کے کسی

کتب خانہ میں ہو۔ رماح القہار علی کفر الکفار صا۱ میں جو خان صاحب کی کتاب خالص الاعتقاد کا منفذ ہے اس میں اس کا مطبوعہ صبح صادق سیتا پور ص۱۵ کا حوالہ نقل کیا گیا ہے جس میں جائے طبع مطبع اور صفحہ کا پورا حوالہ درج ہے جس کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ یہ کتاب طبع شدہ ہے پھر اسی صفحہ میں صرف نفی پر اکتفاء کرتے ہوئے خوب یہ واویلا مچایا ہے کہ تحفۃ المقلدین اور ہدایۃ البریۃ خانصاحب کے والد صاحب کی نہیں اور مراۃ الحقیقت غوث اعظمؒ کے نام سے گڑھی گئی ہے (محصلہ رماح القہار علی کفر الکفار ص۱۱) یہ کتاب اگرچہ ان کی نہیں لیکن اس میں حوالہ ان کا ہے جیسا کہ عنقریب آرہا ہے انشاء اللہ العزیز یہ یاد رہے کہ ثابت شدہ حقائق کا انکار محض میں نہ مانوں سے ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا اور مؤلف مذکور نے بھی یہ حوالہ مردہ شکار کی طرح غالباً اسی کتاب سے لیا ہے۔

(۴) کتاب ہدایۃ البریۃ الی الشریعۃ الاحمدیۃ خانصاحب کے والد مولوی محمد نقی علیخاں صاحب کی تصنیف ہے جو ان کے پوتے خانصاحب کے فرزند خلف اصغر مولوی محمد رضا خانصاحب نے زر کثیر صرف کر کے حسنی پریس محلہ سوداگراں بریلی سے طبع کروائی ہے۔ کسی دیوبندی نے نہ تو طبع کروائی ہے اور نہ یہ اختراع کی ہے راقم اثیم کے پاس موجود ہے شوق ہو تو آکر دیکھ سکتے ہیں علمی لحاظ سے بحمد اللہ تعالیٰ ہم بڑے وسیع الظرف واقع ہوئے ہیں۔

(۵) مراۃ الحقیقت ہمارے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ کسی دیوبندی محقق عالم نے مراۃ الحقیقۃ کو حضرت شیخ عبد القادرؒ کی مستقل تصنیف بتایا ہے البتہ اس کتاب کے حوالہ سے حضرت شیخ صاحبؒ کا یہ فتویٰ ہماری نظر سے گزرا ہے۔ مسلمانو! حضرت غوث اعظمؒ فرماتے ہیں۔ مَن یعتقد ان محمدًا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعلم الغیب فہو کافر لان علم الغیب صفۃ مختصۃ باللہ سبحانہٗ (مراۃ الحقیقت ص۱۸ سطر ۲ مطبوعہ مصر) ترجمہ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں وہ شخص کافر ہے کیونکہ غیب دانی اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفاتوں سے ایک خاص صفت ہے (نقل از کتاب تنزیہ الرحمن مطبوعہ دہلی ص۱) بحوالہ فتویٰ حضرت پیر صاحب بغداد شریف والا دربارۂ علم غیب مع تشریح ص۸ المنضم مع بلغۃ الحیران از مولانا فاضل لاثانی یار محمد ملتانیؒ = مولانا یار محمد صاحبؒ اپنے دور کے محقق

ثقہ اور قابل اعتماد عالم تھے ان کے دیگر دیئے ہوئے حوالے ہم نے اصل کتابوں میں دیکھے ہیں کوئی بھی غلط ثابت نہیں ہوا سب درست ثابت ہوئے ہیں اور یہ ظاہر امر ہے کہ مصنفین اپنی کتابوں میں بزرگوں کے حوالے نقل کیا کرتے ہیں اور مصنف مرأۃ الحقیقۃ نے حضرت شیخ صاحب کا یہ حوالہ نقل کیا ہے گو کتاب حضرتؒ کی نہیں اور یہ حوالہ حضرت شیخ صاحبؒ کے غنیۃ الطالبین کے حوالہ کے مطابق ہے اس میں حضرتؒ تصریح فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیامت کا علم نہیں دیا پھر یہ دلیل پیش کی ہے۔

وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّ السَّاعَۃَ قَرِیْبٌ ۝ اور تجھے کس نے بتایا ہے شاید کہ قیامت قریب ہی ہو اور فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں وَمَا یُدْرِیْکَ کے جملہ سے جس چیز کا ذکر ہوا ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہیں دیا (محصلہ غنیۃ الطالبین مترجم اردو طبع لاہور ص۵۵ و ص۱۵۵) ظاہر امر ہے کہ جس چیز کا ذکر نص قطعی میں ہو اس کا منکر (ماؤل) مسلمان کہاں رہ سکتا ہے؟ ایسا لگتا ہے کہ خالص الاعتقاد کے مقدمہ باز بزرگ کو یہ غلطی لگی ہے کہ مرأۃ الحقیقت کا حوالہ نقل کرنے والے اس کو حضرت شیخ صاحبؒ کی تصنیف بتاتے ہیں حالانکہ حوالہ دینے والے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس کتاب میں حضرت شیخ صاحبؒ کا یہ حوالہ بھی موجود ہے۔

(۶) حضرت تھانویؒ نے تفسیرات الاحمدیہ کے منہیہ کا حوالہ کسی تردد کی بنا پر نہیں بلکہ وثوق کے طور پر دیا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر بیان القرآن ج ۱ ص۸۷) راقم نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ اس منہیہ کا کہیں وجود نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور کا بے بنیاد افتراء اور بہتان ہے ہم نے یہ لکھا ہے کہ ہمارے پاس تفسیر احمدی کا جو نسخہ ہے وہ منہیہ سے خالی ہے لیکن حضرت تھانویؒ کے پیش نظر ضرور کوئی منہیہ دار نسخہ ہے جس کا وہ حوالہ دے رہے ہیں (تنقید متین ص۱۷۱) کہاں یہ الفاظ اور کہاں یہ جھوٹ کا پلندہ کہ۔ اور آپ کو بھی تسلیم ہے کہ اس کے منہیات کا کہیں وجود نہیں الخ۔ (توضیح البیان ص۶۳) لاحول ولا قوۃ الا باللہ اسی کو دیدہ دلیری کہتے ہیں اور اسی کو فارسی والوں نے یوں تعبیر کیا ہے کہ چہ دلاور است وزدے کہ بکف چراغ دارد۔

مؤلف مذکور لکھتے ہیں۔ صدر الافاضل کا حوالہ مجمل ہے پھر کیا ہوا بات تو تب تھی آپ کہتے یہ حوالہ غلط ہے اور اسے ثابت کرتے شکر کیجئے انہوں نے تفصیل نہیں کی ورنہ آپ کو

ہنگی پڑتی اگر نہیں مانتے تو لیجئے تفصیل حاضر ہے شرح فقہ اکبر ص۱٦۷ پر ہے۔ اور محیط میں ہے کہ امام فضلیؒ سے سوال کیا گیا کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جو ضاد کی جگہ ظاء یا اصحاب جنت کی جگہ اصحاب النار پڑھے فرمایا اس شخص کی امامت جائز نہیں اور اگر قصداً ایسا کرے تو کافر ہے۔ صدر الافاضل نے تو فقط یہ فرمایا تھا کہ ضاد کو ظاء سے بدلنے والے کی امامت جائز نہیں اور صاحب محیط نے اس پر یہ زیادتی بھی کی ہے کہ ایسا عمداً کرنے والا کافر ہے آخر کار آپ نے اپنے آپ کو کافر ہوا کر چھوڑا یہی وہ عبارت ہے جس کو سرفراز صاحب مدہوشی میں بطور ران کہی کے اپنی تنقید میں کہہ چکے ہیں آگے جو کچھ انہوں نے نقل کیا وہ ملا علی قاریؒ کا کلام ہے اور ہماری گفتگو اس وقت محیط کی اصل عبارت میں ہے (توضیح البیان ص٦٤ محصلہ)

الجواب۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف مذکور کو عبارات کے سمجھنے کا سرے سے سلیقہ ہی نہیں ہے بات کچھ ہوتی ہے اور وہ کچھ سمجھنے لگتے ہیں ذیل کے امور پر غور فرمائیں۔

(۱) ہم نے تنقید متین میں باحوالہ یہ بات لکھی ہے کہ صاحب محیط نے خود محیط کا ملخص لکھا ہے جس کا نام الذخیرۃ البرہانیہ ہے اور اسی الذخیرہ سے ہم نے غنیۃ المصلی ص۱۱۸ کے حوالہ سے یہ حوالہ نقل کیا ہے کہ عموم بلوی کی وجہ سے ضاد کی جگہ ظاء پڑھی جائے تو بعض مشائخ کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی (محصلہ) الغرض خود صاحب محیط نے عموم بلوی اور بعض مشائخ کے اختلاف کو نظر انداز نہیں کیا مؤلف مذکور اور ان کے صدر الافاضل کا یہ علمی فریضہ تھا کہ جہاں محیط کا وہ حوالہ نقل کیا تھا وہاں یہ بھی نقل کر دیتے یا کم از کم اس مسئلہ میں حضرات فقہاء کرام کے اختلاف ہی کا ذکر کر دیتے تاکہ عوام الناس کو یہ معلوم ہو جاتا کہ اس مسئلہ میں اختلاف بھی ہے۔

(۲) ہمارا ہی مارا ہوا شکار (شرح فقہ اکبر کا حوالہ) مؤلف مذکور آدھا تو نگل گئے ہیں اور آدھے کو اگلنا چاہتے ہیں وہ یوں کہ حضرت ملا علی القاریؒ نے ضاد کے بارے میں فقہی عبارات کے پیش نظر جس تفصیل کا تذکرہ فرمایا ہے اس سے مؤلف مذکور سستے طریقہ پر گلو خلاصی چاہتے ہیں کہ وہ ملا علی قاریؒ کا کلام ہے اور ہم محیط کی بات کر رہے ہیں

سوگذارش ہے کہ دیگر حضرات فقہاء کرامؒ کے علاوہ ہم بھی محیط اور صاحب محیط ہی کا تذکرہ کر رہے ہیں کہ الذخیرہ بھی انہیں کا ہے اور وہ محیط کا ملخص ہے جس میں عموم بلویٰ اور مشائخ کے اختلاف کا ذکر ہے اور اسی تفصیل کی طرف حضرت ملا علی قاریؒ اشارہ فرماتے ہیں پھر مؤلف مذکور کون ہوتے ہیں آدھے حوالہ کو ہڑپ کر جانے والے یہ کہیں ویسا تو نہیں، جیسا عوام میں مشہور ہے کہ میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو۔

(۳) صاحب محیط نے جو فرمایا ہے ہمیں مسلم ہے کہ وہ یہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھے حضرات فقہاء عظامؒ نے ضاد کی جگہ عین ظاء کے پڑھنے سے منع کیا ہے مشابہ بظاء پڑھنے کو جو ضاد کا صحیح مخرج ہے ہرگز منع نہیں کیا (ملاحظہ ہو الاقتصاد فی الضاد ص۱۵) اور ہم نے تنقید متین ص۵ میں شیخ القراء مکی کی علم تجوید کی مشہور کتاب نہایت القول المفید ص۵۸ طبع مصر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ضاد اور ظاء دونوں سننے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں بجز اس کے کہ ان کا مخرج جدا جدا ہے اور ضاد کو پڑھتے وقت آواز لمبی کرنی پڑتی ہے اگر یہ فرق نہ ہوتا تو دونوں ایک ہی حرف سمجھے جاتے (محصلہ) اور مکمل جمال القرآن میں ہے (مخرج ۸) ض کا ہے اور وہ حافۂ لسان یعنی زبان کی کروٹ داہنی یا بائیں سے نکلتا ہے جب کہ اضراس علیا یعنی اوپر کی ڈاڑھ کی جڑ سے لگاویں اور بائیں طرف سے آسان ہے اور دونوں طرف سے ایک دفعہ میں نکالنا بھی صحیح ہے مگر بہت مشکل ہے اور اس حرف کو حافیہ کہتے ہیں اور اس حرف میں اکثر لوگ بہت غلطی کرتے ہیں اس لئے کسی مشاق قاری سے اس کی مشق کرنا ضروری ہے اس حرف کو دال پُر یا باریک یا دال کے مشابہ جیسا کہ آج کل اکثر لوگوں کے پڑھنے کی عادت ہے ایسا ہرگز نہیں پڑھنا چاہیئے یہ بالکل غلط ہے اسی طرح خالص ظاء پڑھنا بھی غلط ہے البتہ اگر ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے صحیح طور پر نرمی کے ساتھ آواز کو جاری رکھ کر اور تمام صفات کا لحاظ کر کے ادا کیا جائے تو اس کی آواز سننے میں ظاء کی آواز کے ساتھ بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے دال کے مشابہ بالکل نہیں ہوتی علم تجوید اور قراءت کی کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے (بلفظہ ص۷ تا ص۹) الاقتصاد فی الضاد ص۲۱ میں ہے چونکہ ان

دونوں حرفوں میں اس قدر مشابہت ہے کہ ایک کا دوسرے سے جدا کرنا نہایت دشوار ہے الیٰ قولہ اگرچہ ان دونوں میں غایت تشابہ کے لحاظ سے تفریق سخت مشکل ہے لیکن محال ہرگز نہیں نہ عقلاً نہ عادۃً الخ

ہم نے تنقید متین ص۲۴ میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ وہ (قراء) علم تجوید کے اصول و قواعد کے تحت حرف ضاد کو اس کے اصل مخرج سے نکالتے ہیں جو سننے والوں کو ظاء سے مشابہ معلوم ہوتا ہے الخ اور ص۲۴ میں لکھا ہے الحاصل ضاد کو ظاء کے مشابہ پڑھنے میں فقہاء کرامؒ کا نماز کے فاسد اور نہ فاسد ہونے میں کافی اختلاف ہے الخ الغرض صاحب محیط نے ضاد کو ظاء کی جگہ پڑھنے والے کی امامت کو ناجائز قرار دیا ہے اور عمداً ایسا کرنے والے کی تکفیر کی ہے اور ہم کتب تجوید کے عین مطابق دونوں حرفوں کے مخرج کو الگ الگ تسلیم کر کے ضاد کو ظاء کے مشابہ پڑھنے کی بات کر رہے ہیں تو اس تفصیل کے بعد صاحب محیط کا حوالہ ہمیں قطعاً مضر نہیں اور مؤلف مذکور کو ہرگز مفید نہیں ہے جیسا کہ اہل علم پر یہ بات بالکل آشکارا ہے لا خفاء فیہ مؤلف مذکور نے اپنی نادانی کی وجہ سے حضرت ملا علی القاریؒ کی تشریح کو اپنے لئے مضر سمجھتے ہوئے کاٹ پھینکا ہے حالانکہ مسئلہ کی تفصیل کے پیش نظر محیط اور حضرت ملا علی القاریؒ کی تفصیل میں کوئی تضاد نہیں اور اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں ہے ۔

(۴) خیر الزاد فی سیر الضاد ص۵ و ص۶ میں ساٹھ سے زائد کتابوں کے حوالہ سے یہ بات ثابت کی ہے کہ ضاد ظاء کے مشابہ ہے ان کتابوں میں جزریہ ۔ شاطبیہ ۔ تفسیر کبیر ۔ اتقان ۔ بیضاوی قاضی خاں ۔ عالمگیری ۔ کبیری ۔ البرہان ۔ التجنیس ۔ خلاصۃ الفتاویٰ ۔ درمختار ۔ طحطاوی ۔ شامی ۔ خزانۃ المفتیین ۔ خزانۃ اکمل ۔ بزازیہ ۔ العنایہ ۔ التاتارخانیہ ۔ الذخیرہ ۔ فتح القدیر ۔ احیاء العلوم ۔ شافیہ ۔ رضی ۔ فتاویٰ برہنہ ۔ اور وجیز کردری وغیرہ تجوید فقہ ۔ صرف و نحو اور تفسیر کی کتابیں شامل ہیں غرضیکہ ضاد و ظاء میں خاصہ تشابہ ہے ۔ اگرچہ ان دونوں حرفوں میں اس قدر مشابہت ہے کہ ایک کا دوسرے سے جدا کرنا نہایت دشوار امر ہے اور ان دونوں میں غایت تشابہ کے لحاظ سے تفریق سخت مشکل ہے لیکن محال ہرگز نہیں نہ عقلاً نہ عادۃً ان دونوں حرفوں کا آپس میں تشابہ اور بعض وجوہ میں اشتراک ایک واضح حقیقت ہے چنانچہ شیخ القراء شیخ مکیؒ لکھتے ہیں کہ ۔

ان الضاد والظاء المعجمتان اشترکتا	بلاشبہ ضاد معجمہ اور ظاء معجمہ (یعنی دونوں نقطے والے)
جهراً ورخاوةً واستعلاءً واطباقاً و	صفات جہر و رخوت اور استعلاء و اطباق میں

افترقتا مخرجا وانفردت الضاد بالاستطالة وفي المرعشي نقلاً عن الرعاية ما مختصرہ ان هذين الحرفين اعني الضاد والظاء متشابهان في السمع ولا تفترق الضاد الا باختلاف المخرج والاستطالة في الضاد ولولا هما لكانت احدهما عين الاُخرى فالضاد اعظم كلفة و اشق على القاري من الظاء حتى لو قصر القاري في تجويد الظاء جعلها ضاداً انتهى (نهاية القول المفيد في علم التجويد ص۵۹ طبع مصر)

دونوں شریک ہیں اور مخرج کے اعتبار سے دونوں جُداجُدا ہیں اور صفت استطالت میں ضاد ممتاز ہے (ظاء میں یہ صفت نہیں) اور (کتاب) مرعشی میں رعایہ سے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دونوں حرف یعنی ضاد و ظاء سننے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور ان دونوں میں سوائے اس کے اور کوئی فرق نہیں کہ ضاد اور ظاد کا مخرج الگ الگ ہے اور ظاء میں صفت استطالت ہے جو ظاء میں نہیں اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوتیں تو دونوں ایک ہی حرف ہوجاتے سو ضاد بہ نسبت ظاء کے قاری پر زیادہ مشکل اور شاق ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر قاری حرف ظاء کی تجوید میں ذرا کوتاہی کرے تو وہ ضاد بن جاتا ہے ۔

اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ

وفرق درمیان مخرج ضاد و ظاء بسیار مشکل است اکثر خوانندگان این دیار ہر دو را یکساں می برآرند در مقام ضاد ضاد میشود و نہ در مقام ظاء ظاء مخرج این ہر دو حرف را جداجدا شناختن قاریٔ قرآن را ضرور است الخ (تفسیر عزیزی پارۂ عم ص۱۹۱ طبع حیدری بمبئی تحت قولہ وماہو علی الغیب بضنین)

ضاد اور ظاء کے مخرج میں فرق بہت مشکل ہے ۔ اس علاقہ میں رہنے والے اکثر پڑھنے والے ان دونوں کو ایک طرح سے نکالتے اور پڑھتے ہیں کہ نہ ضاد ضاد رہتا ہے اور نہ ظاء ظاء قرآن کریم پڑھنے والے کے ضروری ہے کہ ان دونوں حرفوں کے مخرج کو جُداجُدا پہچانے ۔

ان تمام حوالوں سے یہ بات واضح سے واضح تر ہوجاتی ہے کہ باوجود ہر دو حرفوں کے مخرج کے جُداجُدا ہونے کے ضاد سننے میں ظاء کے مشابہ ہے نہ کہ دال کے اور ان دونوں میں فرق خاصا مشکل ہے اور

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے حوالہ سے یہ بات بھی واضح ہوگئی ہے کہ ان کے زمانہ میں دہلی وغیرہ شہروں کے لوگ ضاد کو مشابہ ظاء کے پڑھتے تھے اور تاریخی طور پر یہ بات روشن طور پر ثابت ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا قیام ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۷ء میں ہوا اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی وفات ۱۲۳۹ھ میں ہوئی لہٰذا اہل بدعت کا یہ واویلا کہ حرف ضاد کو ظاء کے مشابہ دیوبندی دمن، خداحذوم ہی پڑھتے ہیں جس کی طرف مؤلف مذکور نے بھی توضیح البیان میں اشارہ کیا ہے ایک بے بنیاد امر ہے۔

نوٹ ضروری ضاد اور ظاء میں چار چیزوں میں اشتراک اور سننے میں تشابہ ہے جہر رخاوت۔ استعلاء اور اطباق اور دو چیزوں میں افتراق وامتیاز ہے ضاد کا مخرج الگ ہے اور اس میں استطالت ہے اور ظاء کا مخرج الگ ہے اور اس میں استطالت نہیں جو حضرات فقہاء کرامؒ یہ فرماتے ہیں کہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنا مفسد صلوٰۃ یا عمداً ایسا پڑھنے والا کافر ہے تو ان کی مراد بظاہر یہ ہے کہ ضاد کے مخرج اور استطالت کی صفت سے صرف نظر کرتے ہوئے اس کو ظاء کی جگہ پڑھے اور جو حضرات جواز صلوٰۃ کا فتویٰ دیتے ہیں وہ قادر اور ممیز کے لئے ضاد کو جہر۔ رخاوت۔ استعلاء اور اطباق میں ظاء کے مشابہ پڑھنے والے کے حق میں ہے اور اکثر مشائخ اسی کے قائل ہیں کیونکہ ان میں فرق خاصا مشکل اور عموم بلویٰ ہے کما سیجئی انشاء اللہ تعالیٰ باقی رہا غیر قادر اور غیر ممیز تو اس کا مسئلہ ہی الگ ہے۔

خیانت کا بے بنیاد الزام مؤلف مذکور توضیح البیان میں یوں عنوان قائم کرتے ہیں منیۃ المصلی کی عبارت نقل کرنے میں سرفراز صاحب کی خیانت اور اس کے تحت لکھتے ہیں اس بحث میں مولوی سرفراز صاحب نے کمال بددیانتی سے کام لیتے ہوئے منیۃ المصلی کی اس عبارت کو توڑ لیا ہے جس کو صاحب منیہ نے بعض مشائخ سے نقل کیا ہے اور اس سے چند سطر اوپر والی عبارت چونکہ ان کے عقیدہ فاسدہ کے خلاف تھی اس لئے اس کو کلیتہً ترک کر دیا جب کہ اس عبارت کو صاحب منیہ نے اکثر ائمہ کا معتمد علیہ قرار دیا ہے (اس کے بعد مؤلف مذکور نے تنقید متین میں منیۃ المصلی کے حوالہ سے نقل کی ہوئی عبارت کا حوالہ دے کر آگے لکھا ہے) اور جو عبارت سرفراز صاحب کے فساد نیت کی بھینٹ چڑھ گئی ہے وہ یہ ہے (ترجمہ مؤلف مذکور کا ہے) بہرحال ذال کی جگہ ظاء یا ضاد کی جگہ ظاء پڑھنا

تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اسی پر اکثر ائمہ کا اعتماد ہے (منیۃ المصلی ص۱۱۱) (توضیح البیان ص۶۴ و ص۶۵)

الجواب۔ کاش کہ ہماری علمی کتاب کا جواب کوئی اہل علم دیتا تو ہم بھی خاص علمی انداز میں اس سے مخاطب کرتے مگر مصیبت یہ ہے کہ ہمیں تو طفل مکتب سے واسطہ پڑ گیا ہے جس میں علمی باتیں سمجھنے کی سرے سے استعداد ہی نہیں ہے مؤلف مذکور تو شاید تعصب و عناد کی وجہ سے سننا اور تسلیم کرنا گوارا نہ کریں قارئین کرام خود ہی غور فرمائیں جب ہم نے تنقید متین میں اس بحث کے شروع میں اس کی تصریح کر دی ہے کہ۔ ایک ہے ضاد اور ظاء یا کسی اور حرف کا دوسرے حرف سے بدل کر پڑھنے کا فقہی اختلاف جو متقدمین اور متاخرین فقہاء کرامؒ میں مشہور چلا آرہا ہے اور جس پر زلۃ القاری کے بہت سے مسائل متفرع ہیں وہ اپنی جگہ مسلم ہے الخ

اور آخر میں ہم نے بصراحت یہ لکھا ہے کہ الحاصل ضاد کو ظاء کے مشابہ پڑھنے میں فقہاء کرامؒ کا نماز کے فاسد اور نہ فاسد ہونے میں کافی اختلاف ہے لیکن عموم بلوٰی کی وجہ سے جب کہ اصلی مخرج نکالنے کی تمیز و قدرت نہ ہو تو اکثر مشائخ کا قابل اعتماد قول اور فتوٰی یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی ہاں قادر کو اس کی کوشش کرنی چاہیئے کہ ہر حرف اپنے صحیح مخرج سے نکلے الخ حضرات فقہاء کرامؒ کے اس واضح اختلاف کو نقل اور تسلیم کرنے کے بعد بھی مؤلف مذکور کا یہ اعتراض کہ منیۃ المصلی کی عبارت کے نقل کرنے میں مولوی سرفراز صاحب نے کمال بددیانتی سے کام لیا ہے خالص تعصب اور تخرّب کا شرمناک مظاہرہ ہے اگر مؤلف مذکور ایسے سو حوالے اور بھی نقل کر دیں تو ہمارے لئے مضر نہیں کیونکہ جب ہم نے اس بحث کی ابتداء اور انتہاء میں اس مسئلہ میں حضرات فقہاء کرامؒ کا قدیماً و حدیثاً اختلاف تسلیم کیا ہے تو پھر کوئی حوالہ ہمارے لئے مضر کیوں ہو؟۔

اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ منیۃ المصلی میں اکثر ائمہ کا قابل اعتماد قول اس بات پر مبنی ہے کہ ضاد کو ظاء کی جگہ یا بالعکس پڑھا جائے یعنی مخرج اور استطالت کے فرق کو بھی نظر انداز کر کے اور اس کے بارے ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ہمیں اس سے کوئی اختلاف نہیں ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود مؤلف مذکور نے ص۲ میں خزانۃ المفتی اور خزانۃ الاکمل کے حوالہ سے عبارت نقل کی ہم ان کے ترجمہ پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔

غیر المغضوب کو ظاء سے پڑھنا یا ظالین کو ضاد سے پڑھنا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے

نماز فاسد نہیں ہوتی اور وہ ابو القاسم الصفارؒ اور محمدؒ بن سلمہ ہیں اور بہت سے مشائخ نے اس پر عموم بلوی کی وجہ سے فتویٰ دیا کیونکہ عوام مخارج حروف کو نہیں پہچانتے اور امام ابو محسنؒ اور قاضی امام ابو العاصمؒ نے کہا کہ اس نے جان بوجھ کر ایسے پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اس کی زبان پر بلا قصد جاری ہوا یا وہ ان دو حرفوں کے درمیان تمیز نہ کر سکتا تھا تو نماز فاسد نہیں ہو گی خزانۃ الاکمل کی اسی بحث میں ہے جب ظاء کی جگہ ضاد یا ضاد کی جگہ ظاء پڑھا پس قاضی محسنؒ نے کہا بہترین قول یہ ہے کہ اگر اس نے قصداً ایسا کیا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی خواہ عالم ہو یا جاہل اور اگر صحیح حرف ادا کرنے کی کوشش میں غلط زبان پر آ گیا یا وہ دونوں حرفوں میں تمیز نہ کر سکتا تھا تو وہ لفظ تو اس نے بہرحال غلط ہی پڑھا لیکن نماز ہو جائے گی (عالمگیری ج ا صلاہ و رد المختار ج ا ص۴۴)

اگر منیۃ المصلی کے حوالہ میں وعلیہ اکثر الائمہ کے الفاظ تھے تو مؤلف مذکور کی نقل کردہ اس عبارت میں امام ابو القاسم الصفارؒ اور محمدؒ بن سلمہؒ کے علاوہ وکثیر من المشائخ افتوا بعموم البلوی کے الفاظ بھی موجود ہیں اور یہی کچھ ہم نے کہا تھا اور اس حوالہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ضاد کو ظاء کی جگہ پڑھنا مخرج کے اعتبار سے ہے اس لئے کہ فقہاء کرامؒ عموم بلوی کے لئے فتویٰ کی دلیل دیتے ہیں کہ عوام مخارج حروف کو نہیں جانتے۔ اس کے بعد خود مؤلف مذکور یہ لکھتے ہیں ان عبارات سے یہ امر خوب واضح ہو گیا ہے کہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنا بہرکیف غلط ہے اگر یہ غلطی دیدہ دانستہ کی گئی تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر بے علمی اور عدم تمیز کی بنا پر یہ غلطی ہوئی تو نماز فاسد نہیں ہو گی اور جن عبارتوں کو سرفراز صاحب ضاد کی جگہ ظاء کے جواز پر لائے ہیں ان کا اس کے سوا اور کوئی محمل نہیں ہے اور اور مولوی سرفراز صاحب نے جس طرح ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کی ترغیب دی ہے وہ قرآن میں تحریف کرنے کی ایک انتہائی مذموم حرکت اور اسرائیلی کوشش ہے غیر قرآن کو قرآن قرار دینے کا ایک کلیسائی حربہ ہے اور ہم سطور سابقہ میں محیط برہانی کے حوالہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ اس طرح ضاد کی جگہ ظاء پڑھنا خالص کفر ہے اور ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذباً کا مصداق ہے انتہیٰ (بلفظہ ص۱۸)

الجواب ۔ مؤلف مذکور نے اس عبارت کے ابتدائی حصہ میں وہی کچھ کہا ہے جو ہم نے تنقید متین میں کہا ہے کہ ہر حرف کو خصوصاً ضاد کو اس کے مخرج سے نکالنا چاہیئے لیکن بے علمی اور عدم تمیز کا مسئلہ الگ ہے رہا ان کا یہ کہنا کہ سرفراز صاحب کی نقل کردہ عبارتوں کا اس کے سوا اور کوئی محمل نہیں یہ بات

تفصیل طلب ہے وہ یہ کہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کی اصولی طور پر دو صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ ضاد کو ضاد کے مخرج سے نہ نکالا جائے اور اس کی صفت استطالت کو نظر انداز کر دیا جائے اور یہ سب کچھ دانستہ اور قصداً ہو تو نماز باطل ہوگی اور ایسا کرنے والے کے کفر کا خطرہ بھی ہے جیسا کہ محیط میں ہے اور اگر بے علمی اور عدم تمیز کی بنا پر ہے تو نماز جائز ہو جائے گی کیونکہ عموم بلوی ہے اور عوام مخارج حروف کو نہیں جانتے۔ دوّم یہ کہ ضاد کو صفت استطالت کے ساتھ اس کے مخرج سے نکالا جائے لیکن ضاد جہر رخاوت استعلاء اور اطباق میں سننے کے لحاظ سے ظاء کے مشابہ ہو تو فن تجوید اور کتب فقہ کے رو سے ایسا پڑھنا ضروری ہے کتب تجوید و فتاوی کی موجودگی میں اس تفصیل کو کیسے اور کیونکر نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟ سرفراز کی پیش کردہ عبارات میں مؤلف مذکور کے سامنے یہ مذکورہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیئے مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ سرفراز صاحب ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کی ترغیب دی ہے وہ قرآن کی تحریف مذموم حرکت اسرائیلی کوشش اور کلیسائی حربہ ہے سو عرض یہ ہے کہ سرفراز نے ضاد کو ظاء کی جگہ پڑھنے کی ہرگز ترغیب نہیں مؤلف مذکور کا سرفراز پر یہ رضاخانی افتراء اور معتدعانہ بہتان ہے سرفراز نے تو یہ کہا ہے ضاد کو ظاء کے مشابہ پڑھنا اور مشابہت بھی چار چیزوں میں ہے مخرج اور استطالت میں نہیں ہے اور یہی کچھ علماء مجودین اور حضرات فقہاء کرامؒ نے کہا ہے سو بقول مؤلف مذکور کے اگر معاذاللہ تعالیٰ یہ تحریف اور مذموم حرکت اور اسرائیلی کوشش اور کلیسائی حربہ ہے تو یہ فن تجوید والوں اور فقہاءؒ کا ہے سرفراز بیچارے کا اس میں قصور صرف اتنا ہے کہ وہ ان حضرات کے دامن سے وابستہ اور ان کے علوم و فیوض کا خوشہ چین ہے محیط کی عبارت کا مطلب پہلے عرض کیا جا چکا ہے مؤلف مذکور کو یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ جس طرح ضاد کو ظاء پڑھنے سے محیط کے حوالہ سے پیش نظر نماز فاسد ہوتی ہے اسی طرح قاضی خان کے حوالہ کے پیش نظر (جو ہم نے تنقید متین صفحہ میں نقل کیا ہے مگر مؤلف مذکور نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا) اگر کوئی شخص ولا الضالین کی جگہ ولا الدالین پڑھے تفسد صلوته۔ (قاضی خان ج ا ص) اس کی نماز فاسد ہوگی۔ مؤلف مذکور کو صرف اس کی نفی ہی نہیں کرنی چاہیئے کہ ضاد کو ظاء نہ پڑھا جائے بلکہ ان کا علمی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ پُر زور الفاظ میں اس کی بھی نفی کریں کہ ضاد کو دال بھی نہیں پڑھنا چاہیئے اور جس طرح بقول ان کے ضاد کو ظاء پڑھنے سے قرآن کریم کی تحریف ہوتی ہے اور بقول ان کے یہ من اظلم ممن افتری علی اللہ کذباً کا مصداق ہے

اسی طرح ضاد کو دال پڑھنے کی ترغیب بھی تحریف قرآن کی دعوت اور افترائے علی اللہ کا مصداق ہے بلکہ بطریق اولیٰ ہے کیونکہ ضاد اور ظاء میں چار چیزوں (جہر۔ رخاوت۔ استعلاء اور اطباق) میں تو اشتراک اور تشابہ ہے مگر ضاد اور دال میں قطعاً کوئی اشتراک اور تشابہ نہیں ہے حیرت کی بات ہے کہ ان چار امور میں تشابہ ہوتے ہوئے ایک کو دوسرے سے بدلنے سے (جب کہ ان میں فرق بھی خاصا مشکل ہے) تحریف۔ مذموم حرکت۔ اسرائیلی کوشش اور کلیسائی حربہ کا تو تحقق ہو جاتا ہے مگر جس حرف کے ساتھ بالکل کوئی تشابہ ہی نہیں اس سے بدلنے کے ساتھ کچھ اثر نہیں پڑتا اس کو کہتے ہیں الٹا بانس بریلی کو اللہ تعالیٰ مؤلف مذکور کو عبارات سمجھنے کی توفیق دے اگرچہ اس متاع عزیز کی ان سے اور اسی طرح ان کے دیگر رفقاء سے توقع عبث اور فضول ہے کیونکہ ان کی دوکان میں سودا ہی جہل کا ہے نہ کہ علم کا بخلاف اہل حق کے کہ ؎

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرائیلؑ نے   جو جہل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

(اقبال بتغیر یسیر)

ضاد کو عمداً ظاء پڑھنا کفر ہے یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں محیط برہانی کا حوالہ شرح فقہ اکبر سے نقل کرنے کے بعد اب ہم جامع الفصولین کی عبارات کلمات کفریہ کی بحث نقل کرتے ہیں (ہم ان کے ترجمہ پر اکتفار کرتے ہیں صفدر) جو آدمی ضاد کی جگہ ظاء پڑھے اور اصحاب الجنۃ کی جگہ اصحاب النار پڑھے اس کی امامت تو بہرحال جائز نہیں (خواہ عمداً پڑھے یا سہواً) اگر عمداً پڑھتا ہے تو کافر ہو گیا (جامع الفصولین ج ۲ ص ۳۱۶)

اب ذرا مولوی سرفراز صاحب منظر قیامت کو سامنے رکھ کے اور خوف آخرت کو دل میں جگہ دے کر غور کریں کہ مسئلہ تو امام اور مقتدی دونوں کے لئے یکساں ہے پھر جامع الفصولین نے امام کا مسئلہ بالخصوص کیوں ذکر کیا؟ صدر الافاضل پر سرفراز صاحب نے اس اعتراض کی بناء قائم کر کے جو طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کی ہے اور گندہ دہنی کی بناء پر جو منہ میں آیا کہتے چلے گئے ہیں کیا ان تمام ہذیانات کا رجوع صاحب فصولین کی طرف نہیں ہوتا یہ کیسا ظلم اور صریح بے انصافی ہے کہ اگر صاحب جامع الفصولین صرف امام کا مسئلہ بیان کریں تو آپ کے صبر و اطمینان میں کوئی فرق نہ آئے اور وہی بات صدر الافاضل نے فرمائی تو آپ اس طرح چیخ اٹھے جیسے قصر دیوبند میں زلزلہ آ گیا ہو (بلفظہ ص ۸ و ص ۹)

الجواب۔ کئی مرتبہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ مؤلف مذکور کو فہم سے کوئی سروکار نہیں صرف سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے بے جوڑ و بے ربط حوالے نقل کرکے اپنے ناخواندہ حواریوں سے محقق مدقق اور علامہ کی سند حاصل کرنے کے درپے ہیں سو گذارش یہ ہے کہ اگر آپ کے صدر الافاضل نے جامع الفصولین کا حوالہ نقل کیا ہوتا اور پھر ضاد کو ظاء کی جگہ پڑھنے والے کی امامت کا بطلان ثابت کیا ہوتا تو ہمیں بھی کچھ کہنے کی حاجت نہ تھی بحمداللہ تعالیٰ ہم نے ماہر استادوں سے تعلیم حاصل کی ہے اور دعویٰ و دلیل کی مطابقت اور تقریب تام کو سمجھتے ہیں آپ کے صدر الافاضل نے محیط کا حوالہ نقل کیا ہے جس میں امام کی کوئی تخصیص نہیں اور آپ کے صدر الافاضل نے اس کو صرف امام پر چسپاں کیا ہے جس میں دعویٰ خاص اور دلیل عام ہے اور دونوں میں تقریب تام اور مطابقت نہیں ہے لہٰذا ہمارا اعتراض ابھی تک آپ کے صدر الافاضل کی گردن پر مکمل سوار ہے اور ہمارے لئے جامع الفصولین کا حوالہ کسی طرح مضر نہیں اس لئے کہ ہم نے تو تصریح کی ہے کہ۔ ورنہ مسئلہ دراصل امام و منفرد سب کے لئے یکساں ہے (تنقید متین ص۴۷) اور نیز لکھا ہے کہ۔ امام ہو یا منفرد۔ مرد ہو یا عورت بوڑھا ہو یا جوان مسئلہ سب کے لئے یکساں ہے (تنقید متین ص۵۴) غرضیکہ محیط کے مجمل اور جامع الفصولین کے اس حوالہ سے ہماری تائید ہی ہوتی ہے نہ کہ تردید اب محیط کا تفصیلی حوالہ ملاحظہ فرمائیں جو ایک فقہی ضابطہ کے طور پر بیان ہوا ہے۔

وقال صاحب المحیط والمختار للفتویٰ فی جنس ھذہ المسائل انہ ان کان یجتھد اٰناء اللیل واطراف النھار فی التصحیح ولا یقدر علیہ فصلاتہ جائزۃ وان ترک جھدہ فصلوتہ فاسدۃ وان ترک جھدہ فی بعض عمرہ لایسعہ ان یترک فی باقی عمرہ ولو ترک تفسد صلوتہ انتھٰی

(غنیۃ المستملی ص۴۵۲)

صاحب محیط فرماتے ہیں کہ ان جیسے مسائل میں فتویٰ کے لئے مختار یہ بات ہے کہ اگر وہ رات اور دن کے اوقات میں تصحیح کی کوشش کرتا رہا اور صحیح حروف نکالنے پر قدرت نہ ہوئی تو اس کی نماز جائز ہے اور اگر اس نے سعی ترک کردی تو اس کی نماز فاسد ہے اور اگر اس نے عمر کے کسی حصہ میں کوشش ترک کردی تو باقی عمر میں ترک نہ کرے اگر اس نے سعی ترک کردی تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔

لیجئے اب تو خود صاحب محیط کی تفصیلی عبارت نے فیصلہ کردیا کہ تصحیح حروف کا مسئلہ امام و منفرد

سبھی کے لئے ہے جیسا کہ مطلق عبارت سے بالکل ظاہر ہے یہ مسئلہ صرف امام ہی کے ساتھ مختص نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور کے صدر الافاضل نے لکھا ہے اور اس عبارت سے یہ بات بھی بالکل واضح ہوگئی کہ جو شخص تصحیح حروف کی کوشش کرنے کے باوجود لفظ کو اس کے اصل مخرج سے نکالنے پر قادر نہیں تو صاحب محیط اس کی نماز کو جائز قرار دیتے ہیں اور جواز صلوٰۃ کا فتویٰ تب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ پڑھنے والا مسلمان ہو لہٰذا ان کا وہ فتویٰ جو تکفیر سے متعلق ہے وہ اس شخص کے بارے میں ہے جو تصحیح حروف پر قادر ہوتے ہوئے عمداً ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھتا ہو اور لفظ عمداً جامع الفصولین کی عبارت میں اس کا واضح قرینہ ہے۔

اور تفسیر مواہب الرحمٰن ج ۱ ص ۲۵ میں ہے کہ۔ اصل میں ضاد نکالنے کا قصد کرے (کہ وہ اول کنارۂ زبان اور اس کے متصل داڑھوں سے ہے) کیونکہ حرف کی تبدیل جائز نہیں ہے لیکن جب اس نے ضاد کا قصد کیا اور وہ ادا نہ ہوا تو اس کے مشابہ ظاء منقوطہ نکلے گی جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ وغیرہ میں مذکور ہے الخ۔

مطلب بالکل واضح ہے کہ حرف ضاد کو اس کے اصل اور صحیح مخرج سے نکالنے کی کوشش کرے اس کا صحیح تلفظ نہ ہوگا تو وہ ظاء کے مشابہ معلوم ہوگا مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم نے انکے صدر الافاضل کے بارے کسی گندہ دہنی کا ثبوت نہیں دیا نہ ہذیانات کہے ہیں خواہ مخواہ عوام کو متنفر دلانا اور عوام کے جذبات کو بھڑکانا کہاں کی شرافت ہے؟ بات تو ہم نے اتنی ہی کہی ہے کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے خواہ مخواہ اہل حق کے اماموں سے متنفر دلانے کے لئے یہ شوشہ چھوڑا ہے (ص ۵۴) اور مؤلف مذکور کئی صفحات سیاہ کرنے کے باوجود بھی اپنے صدر الافاضل کا دامن اعتراض سے پاک نہیں کر سکے اور بلا وجہ ثقیل زبان استعمال کر کے صرف لفظوں کے کرتب سے فتح حاصل کرنا چاہتے ہیں بفضلہ تعالیٰ قصر دیوبند تو بڑا ہی مضبوط ہے اس میں غیر واقعی دلائل اور شوشوں کی وجہ سے زلزلہ تو تا قیامت نہیں آسکتا البتہ بریلی کی علمی بلڈنگ ضرور پیوست زمین ہو کر رہ گئی ہے اور دلائل و براہین کے ساتھ اس کو مرمت کرنے والے معمار ہی دنیا سے رفو چکر ہو گئے ہیں یہ جدا بات ہے کہ مؤلف مذکور کہیں اس کے قائل نہ ہو جائیں کہ ؎

یہ کہتا پھر رہا ہے ہر لڑاکا اہل عرفاں سے ۔۔۔ مری تلوار ٹوٹی ہے مگر ہمت نہیں ٹوٹی

عبارات فقہاء کی توضیح یہ سرخی قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں مولوی سرفراز صاحب کی اس

خیانت کو ظاہر کرنے کے بعد اب ہم ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کی عبارتوں میں جو صوری اختلاف پایا جاتا ہے جسے مولوی سرفراز صاحب غوغا سے تعبیر کرتے ہیں (اور ص۶۷ پر لکھتے ہیں فقہاء کرام کی عبارتوں کو سوچے سمجھے بغیر سرفراز صاحب کا انہیں غوغا سے تعبیر کرنا چھوٹا منہ بڑی بات کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور ان کا تفصیلی تفصیل رٹ لگانا حقیقت میں ان عبارات کو سمجھنے کے لئے تھا جو بہر حال ہم نے انہیں سمجھا دیں لیکن استفادہ کا یہ انتہائی غیر محمود طریقہ ہے جسے دیوبند کے اس فاضل نے ایجاد کیا ہے بلفظہ) حقیقت میں یہ سب ایک ہی کلمہ پر متفق ہیں اس سے قبل کہ ہم تطبیق بین الاقوال کے لئے تمہید شروع کریں ان اختلافات کی نشاندہی کئے دیتے ہیں (۱) امام فضلیؒ نے جان بوجھ کر ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو کفر قرار دیا (۲) اکثر ائمہ نے فساد صلوٰۃ کا سبب قرار دیا اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس طرح پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی حقیقت یہ ہے کہ قرآن الفاظ اور معانی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے جیسا کہ کتب اصول میں مرقوم ہے قرآن لفظ اور معنی دونوں کا نام ہے (نور الانوار ص۹ وحسامی ص۲)

پس جس شخص نے قرآن کے ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دیا تو اس صورت میں دو احتمال ہیں یا تو اس تبدیل شدہ لفظ کی نظیر قرآن میں موجود ہوگی اور معنی بھی مناسب ہوگا اور یا اس کی نظیر قرآن میں نہ ہوگی شق اول میں لفظ نہ بدلا اور نماز فاسد نہ ہوگی الیٰ قولہ اور شق ثانی میں یعنی حرف بدل گیا ہو اور اس کی نظیر قرآن کریم میں موجود نہ ہو پس لفظ تو بہر حال متغیر ہو گیا اور معنیٰ کے اعتبار سے تین احتمال ہیں پھر آگے لکھا ہے کہ اگر معنی نہ بدلا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر بدلا تو یا تو وہ لفظ مہمل ہوگا جیسے غظب اس کا کوئی معنی نہیں یا معنیٰ تو ہوگا لیکن قرآن کے خلاف ہوگا جیسے تلذ کو کوئی تلظ پڑھے اور ان دونوں صورتوں میں لفظ اور معنی بدل گئے (محصلہ) یہ ساری بحث انہوں نے کبیری ص۴۴۹ کے حوالہ سے نقل کی ہے پھر آگے لکھتے ہیں) اور قرآن چونکہ لفظ اور معنی دونوں سے عبارت ہے پس یہ وہ الفاظ نہیں جنہیں اللہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تھا اور جنہیں جبرئیل امین نے حضور پر اور حضور نے صحابہ پر پڑھا اور ان غیر قرآنی الفاظ کو پڑھنے والا تین حال سے خالی نہیں عمداً غیر قرآن کو قرآن سمجھ کر پڑھتا ہے تو کفر ہے فقہاء کی تکفیر اسی شق پر محمول ہے اور اگر وہ غیر قرآن کو قرآن سمجھتا ہے لیکن عمداً غیر قرآنی الفاظ کو یعنی کلام الناس کو داخل کرتا ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ حدیث میں ہے ہماری نماز دنیاوی کلام کی صلاحیت نہیں رکھتی اور اکثر ائمہ کا فساد صلوٰۃ کا فتویٰ اسی تقدیر پر محمول ہے تیسری صورت

یہ ہے کہ قاری انتہائی کوشش اور غایت اجتہاد سے اپنے خیال میں اس لفظ کو اس کے مخرج سے ادا کرتا ہے لیکن ادائیگی دوسرے لفظ کے مخرج یا اس کے مشابہ کی صورت میں ہوتی ہے پس اس صورت میں عموم بلویٰ کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا اور بعض مشائخ کے عدم فساد صلوٰۃ کا فتویٰ اسی صورت پر محمول ہے (محصلہ ص۶۵ تا ۶۷)

الجواب بفضلہ تعالیٰ ہم نے مؤلف مذکور کے الزام خیانت کا جواب تو پہلے عرض کر دیا ہے ان کی باقی طویل عبارت کا تجزیہ مع جوابات درج ذیل ہے غور فرمانا حضرات قارئین کرام کا کام ہے۔

(۱) ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کی عبارتوں میں صوری اختلاف ہے۔ اس سے مؤلف مذکور کی کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ ضاد سننے والوں کے نزدیک جہر۔ رخاوت۔ استعلاء اور اطباق میں ظاء کی صورت میں محسوس ہوتا ہے تو پہلے باحوالہ بیان ہو چکا ہے کہ کتب تجوید اور کتب فقہ و فتاویٰ کے رُو سے یہی صحیح اور درست بات ہے اس میں ذرہ بھر شک نہیں اور یہ بالکل ظاہر امر ہے کہ حضرات فقہاء کرام کا (جن کو اعلیٰ درجہ کی دینی بصیرت حاصل ہے) اس صحیح بات میں تو ہرگز کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا کیونکہ صحیح بات میں ان کی تکفیر نیز بطلان صلوٰۃ کا فتویٰ اور کم از کم اختلاف کسی بھی عقلمند انسان کی سمجھ میں نہیں آسکتا اور اگر یہ مراد ہے کہ ان چار صفات میں ضاد ظاء کے مشابہ ہونے ہوئے بھی اپنے مخرج اور صفت استطالت میں ظاء سے جدا اور الگ ہے تو بات بجا ہے لیکن اس میں اختلاف صوری نہیں بلکہ حقیقی ہے کیونکہ مخرج دونوں کا الگ الگ ہے اور ضاد میں استطالت ہے ظاء میں بالکل نہیں تو پھر اختلاف صوری کیونکر ہوا؟۔

(۲) راقم الحروف نے حضرات فقہاء کرام کی عبارات کو ہرگز غوغا سے تعبیر نہیں کیا یہ مؤلف مذکور کا حسب خالصا سمیت اپنے بڑوں کی طرح انتہائی دجل نری تلبیس اور صریح بہتان ہے ان حضرات کا یہ بھونڈا طریقہ ہے کہ عبارت کسی کی اُدھوری لے لیتے ہیں اور اس کی تعبیر اور تشریح اپنی طرف سے کرتے ہیں اور پھر چور راہے پر کھڑے ہو کر چونکھا واویلا کرتے اور دہائی دیتے چلے جاتے ہیں کہ لوگو! لوگو! دیکھو کیا ہو گیا؟

تنقید متین ص۴۷ میں راقم کے الفاظ یہ ہیں۔ اگرچہ اس مسئلہ میں قدیماً و حدیثاً خاصا اختلاف (بلکہ بعض مقامات پر غوغا) چلا آتا ہے الخ بین القوسین (بریکٹ میں) جو الفاظ ہم نے لکھے ہیں اس میں بعض مقامات کی تصریح ہے اور ہماری مراد یہ ہے کہ اس مسئلہ پر ریاست سوات۔ دیر۔ صوبہ بلوچستان۔

صوبہ سرحد اور پنجاب وغیرہ بعض مقامات پر عوام الناس کا خاصہ شور وغل اور غوغا برپا ہوا اور اب بھی ہوتا رہتا ہے۔ ہم بفضلہ تعالیٰ حضرات فقہاء کرامؒ کی دینی خدمات اور عبارات کو بخوبی سمجھتے اور ان کی بصیرت افروز عبارات کے صرف قائل ہی نہیں بلکہ مداح اور خوشہ چین بھی ہیں اللہ تعالیٰ مؤلف مذکور کو فہم و دیانت عطا فرمائے۔ اور ہمارا تفصیل سے عبارات نقل کرنے کا مطلب کسی طفل مکتب سے علمی استفادہ نہیں ہے بلکہ ان کی جہالت اور کم علمی کو واضح کرنا ہے کہ وہ فہم و فراست سے یکسر محروم رہ کر بھی علامہ اور محقق بن بیٹھے ہیں اور اس پر بلا وجہ نازاں و شاداں ہیں۔

(۳) فقہاء کرامؒ کے اس مسئلہ کے بارے میں اختلافات کی جو نشاندہی مؤلف مذکور نے کی ہے وہ ایک واضح حقیقت ہے اس سے کس کو اختلاف ہوا؟ یا ہو سکتا ہے؟ صرف اتنی بات کہنے میں ہم حق بجانب ہیں کہ صحت صلوٰۃ کا فتویٰ بعض مشائخ کا ہی نہیں ہے بلکہ بنقل مؤلف مذکور بہت سے مشائخ نے اس پر عموم بلویٰ کی وجہ سے فتویٰ دیا ہے (توضیح البیان صنئ) اور خود مؤلف مذکور نے اپنا فیصلہ یہ دیا ہے تیسری صورت یہ ہے کہ قاری انتہائی کوشش اور غایت اجتہاد سے اپنے خیال میں لفظ کو اس کے مخرج سے ادا کرتا ہے لیکن ادائیگی دوسرے لفظ کے مخرج یا اس کے مشابہ کی صورت میں ہوتی ہے پس اس صورت میں عموم بلویٰ کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا الخ ص۶۷) مؤلف مذکور کو انصاف سے کہنا چاہیئے (اگر ان کے نزدیک انصاف نام کی کوئی چیز ہے) کہ راقم اثیم نے تنقید متین ص۵۴ خاصی بحث کرنے کے بعد یہ نہیں لکھا کہ۔ الحاصل ضاد کو ظاء کے مشابہ پڑھنے میں فقہاء کرامؒ کا نماز کے فاسد اور نہ فاسد ہونے میں کافی اختلاف ہے لیکن عموم بلویٰ کی وجہ سے جب کہ اصلی مخرج سے نکالنے کی تمیز و قدرت ہی نہ ہو تو اکثر مشائخ کا قابل اعتماد قول اور فتویٰ یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی ہاں قادر کو اس کی کوشش کرنی چاہیئے کہ ہر حرف اپنے صحیح مخرج سے نکلے امام ہو یا منفرد مرد ہو یا عورت بوڑھا ہو یا جوان مسئلہ سب کے لئے یکساں ہے الخ امام قاضی خانؒ حرف کو دوسرے حرف کی جگہ بدلنے کی فقہی تفصیل کرتے ہوئے یہ بھی فرماتے ہیں کہ

وان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشائخ فیہ قال	اگر دونوں حرفوں میں بغیر مشقت کے تمیز ممکن نہ ہو جیسے ظاء اور ضاد اور صاد اور سین اور طاء اور تا تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور اکثر مشائخ

اکثرھم لا تفسد صلوتہ (ج ۱ ص۶۵) فرماتے ہیں کہ نماز فاسد نہیں ہوگی۔

قارئین کرام بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ مؤلف مذکور نے اختلاف برائے اختلاف اور نزاع برائے نزاع کے پیش نظر بھی بالآخر وہی کچھ کیا جو ہم نے جچے تُلے الفاظ میں کہدیا تھا اور انہیں اسے تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہا لیکن عوام کو کچھ کر دکھانے کی خاطر پینترے پر پینترا بدلتے رہے۔ ۵

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات ومنات

اور ہم پہلے بحث کر چکے ہیں کہ چار صفات میں **ضاد ظاء** کے بہر حال اور بہر کیف مشابہ ہے ان میں تشابہ کی وجہ سے عموم بلوی کے فتوی کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگر سوال پیدا ہوتا ہے تو ظاء کے ساتھ مخرج اور صفت استطالت میں تشابہ کے ساتھ پیدا ہوتا ہے لیکن قارئین کرام باحوالہ موافق ومخالف یہ پڑھ چکے ہیں کہ اس صورت میں بھی عموم بلوی کی وجہ سے نماز جائز ہے فاسد نہیں اسی کو کہتے ہیں ع

مانتے جس کو نہ تھے لیجئے پہنچے وہاں۔

(۴) اصول کی کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ قرآن کریم لفظ اور معنی دونوں کا نام ہے اور اسی طرح کبیری کے حوالہ سے جو بحث مؤلف مذکور نے نقل کی ہے وہ ساری بحث بمعہ اس مفصل بحث کے جو زلۃ القاری کے باب میں عالمگیری۔ شامی۔ البحر الرائق۔ فتح القدیر۔ اور طحطاوی وغیرہ کتابوں میں ہے ہمیں بلا قیل وقال مسلم ہے اور کسی مسلمان کا اس سے سر مو اختلاف نہیں اور نہ ہو سکتا ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ بے شک ہماری یہ نماز لوگوں کی دنیوی کلام کی صلاحیت نہیں رکھتی (مسلم ج ۱ ص۲۰۳ ومشکوۃ ج ۱ ص۹۰) ہمارے لئے مشعل راہ ہے اور اس سے اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن یہ جملہ امور اس بحث سے غیر متعلق ہیں جس میں گفتگو ہو رہی ہے کہ ضاد کو ظاء کے مشابہ پڑھا جائے تو کیا حکم ہے؟ جس کے بارے خود مؤلف مذکور بھی عموم بلوی کے پیش نظر جواز صلوۃ کا فیصلہ دے چکے ہیں۔

دیوبند کے اہل حق کی قرآن میں لفظی تحریف یہ عنوان قائم کرکے مؤلف مذکور لکھتے ہیں صدر الافاضل کا کلام نقل کرنے کے بعد تنقید ص۴ پر مولوی سرفراز صاحب لکھتے ہیں مولوی صاحب نے عوام کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے والوں کی امامت جائز نہیں تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ اہل حق کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

سوال یہ ہے کہ یہ اہل حق ضاد کی جگہ ظاء پڑھتے ہی کیوں ہیں؟ کیا انہیں قرآن میں لفظی اور معنوی تحریف کرتے ہوئے کوئی خدا کا خوف دامنگیر نہیں ہوتا بلکہ یوں کہیئے کہ غیر قرآن کو قرآن قرار دینے میں اور جو بات اللہ تعالیٰ نے نہیں کہی اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے میں انہیں کوئی حیا نہیں آتی اور کذب باری کا مسئلہ کیا اسی اعتذار کے لئے تو ایجاد نہیں کیا تھا۔ بلفظہٖ ص۶۸)

الجواب ہماری طرف سے اصولی طور پر جواب تو اتنا ہی کافی ہے کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا مگر مفصل جواب بھی ضروری ہے۔ سے

نالۂ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر ۔۔۔ اب جگر تھام کے بیٹھو میری باری آئی

سو گذارش یہ ہے کہ اہل حق ضاد کی جگہ بعینہٖ ظاء تو نہیں پڑھتے ہاں البتہ وہ ضاد کو اس طرح پڑھتے ہیں کہ چار صفات (جہر۔ رخاوت۔ استعلاء۔ اور اطباق) میں وہ ظاء کے مشابہ ہوتا ہے اور اس طرح پڑھنا ان کے لئے قواعد تجوید اور فقہی کتب کے لحاظ سے ضروری ہے اور اس طرح پڑھنے سے نہ تو تحریف لفظی ہوتی ہے اور نہ معنوی بلکہ قواعد کے اعتبار سے قرآن کریم کی عین مطابقت ہوتی ہے۔ ہاں مخرج اور استطالت میں ضاد کے ظاء کے مشابہ ہونے میں تحریف لفظی اور معنوی کا شبہ ہو سکتا ہے لیکن اس کو کیا کیجیے کہ عموم بلوی کی وجہ سے بہت سے مشائخ فقہ نے جواز صلوٰۃ کا فتویٰ دیا ہے اور مؤلف مذکور نے بھی اس پر صاد کیا ہے گویا اس لفظی اور معنوی تحریف میں اہل حق کے ساتھ وہ بھی برابر کے مجرم اور بفتوائے خود محرف قرآن ہیں۔

پھر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ بقول مؤلف مذکور کے ضاد کو ظاء پڑھنے سے تو تحریف لفظی اور معنوی ہوتی ہے جب کہ چار وجوہ سے ان میں مشابہت بھی موجود ہے اور ضاد کو دال پڑھنے سے جبکہ ان میں کوئی مشابہت ہی نہیں کیوں تحریف لفظی و معنوی نہیں ہوتی؟ اور قاضیخان کا فتویٰ بھی گزر چکا ہے کہ الضالین کی جگہ الدالین پڑھنے والے کی نماز فاسد ہے کیا الضالین کی جگہ الدالین پڑھنے کی ترغیب دینے والا تحریف لفظی اور معنوی کا مرتکب نہیں ہے؟ کیا مؤلف مذکور اور ان کی پارٹی کو خدا کا خوف دامنگیر نہیں ہوتا اور کیا غیر قرآن کو قرآن قرار دینے میں اور جو بات اللہ تعالیٰ نے نہیں کہی اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے میں انہیں حیا نہیں آتی؟ آخر کچھ تو بتائیے کہ بات کیا ہے؟ امکان کذب یا خلف وعید کا مسئلہ اپنی جگہ پر اسی کتاب میں بفضلہٖ تعالیٰ مفصل مذکور ہے یہاں اس کی ضرورت

نہیں لیکن مؤلف مذکور یہ تو بتلائیں کہ مخلوق کا ہر فرد تو دونوں جملے بولنے پر قادر ہے واقع کے مطابق اور خلاف واقع لیکن جب اللہ تعالیٰ کی باری آئے تو وہ خلاف واقع جملہ بولنے پر قادر ہی نہ ہو جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ خالق کی قدرت سے مخلوق کی قدرت زیادہ ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) شاید اسی لئے قادر مطلق ذات سے پہلو تہی کرتے ہوئے آپ لوگ غیر اللہ سے استعانت کرتے ہیں کہ بزعم آپ حضرات کے ان کی قدرت زیادہ معلوم ہوتی ہے اور کیا اسی بہانہ سے غیر اللہ سے استعانت و استمداد کا چور دروازہ تو آپ لوگوں نے اپنے لئے نہیں کھول لیا؟ ہم نے جواب کے علاوہ محبت کا حق بھی ادا کر دیا ہے آپ تسلیم کریں یا نہ کریں ؎

کبھی تو میری محبت کا تم یقین کر لو! کہیں نہ عمر گزر جائے آزمانے میں

یہ بات یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو واقع کے خلاف کوئی بات کہی ہے نہ کہتا ہے اور نہ کہے گا لیکن اگر کہنا چاہے تو اسے قدرت ہے کرنے اور کر سکنے کا فرق ملحوظ نہ رکھنا اہل علم کی شان کے قطعاً خلاف ہے خود اسی کتاب میں اور تنقید متین وغیرہ میں اس کی بحث موجود ہے مسئلہ امکان کذب اور خلف وعید کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت کا نقش قائم ہو خداوند عزیز کی قدرت کو معاذ اللہ تعالیٰ محدود سمجھنے والا اس کو ہرگز نہیں سمجھ سکتا ؎

مجھی پر منحصر کیا ہے شہنشاہِ زمانہ بھی اُسی کے آستاں پر آرہے ہیں بے نوا بن کر

حرف ضاد کی تخصیص کا جواب یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے لکھا ہے کہ سرفراز صاحب نے کہا ہے کہ فقہاء کرام کا یہ ضابطہ تو تمام حروف کو شامل ہے پھر ضاد اور ظاء کا مسئلہ ہی کیوں بیان کیا؟ اولاً جواب یہ ہے کہ ضاد کے ظاء سے ملتبس ہونے کا شائبہ تھا وثانیاً چونکہ دیوبند کے اہل حق نے قرآن کریم میں تحریف کرنے کے لئے ضاد کو خاص کر لیا ہے اس لئے صدر الافاضل سے بالخصوص ضاد کا مسئلہ بیان کیا وثالثاً امام صاحبؒ نے جواز مسح خفین کو اہل سنت کی علامت قرار دیا ہے حالانکہ سب سنتوں کا حکم یہی ہے چونکہ مبتدعین شدت کے ساتھ موزوں پر مسح کا انکار کرتے تھے اس لئے امام صاحبؒ نے اہل سنت کی یہ علامت قرار دیا اس کے بعد شرح فقہ اکبر ص۷۶ کے حوالہ سے امام صاحبؒ سے نقل کیا کہ اہل سنت کی علامتوں میں حضرت ابو بکرؓ وحضرت عمرؓ کی فضیلت حضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ کی محبت اور موزوں پر مسح کرنا اور ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھنا ہے پھر آخر میں لکھتے ہیں اگر

آپ کو ضاد کی خصوصیت کا شکوہ ہے تو قرآن کے اس خاص حرف کی تحریف کرنا چھوڑ دیں ہم بھی آپ کا پیچھا چھوڑ دیں گے (ملخصا ص۲۲ و ۲۳)

الجواب مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ تحریر کیا ہے دفع الوقتی کے سوا کچھ نہیں اولًا اس لئے کہ ضاد اور ظاء میں چار وجوہ سے تو مشابہت ثابت ہے جیسا کہ باحوالہ بیان ہو چکا ہے اب سوال یہ ہے کہ آپ لوگ اصول و قواعد کے لحاظ سے اس ثابت شدہ مشابہت کو رد کرنے کا اصرار کیوں کھائے بیٹھے ہیں؟ آپ لوگوں کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ فن تجوید اور کتب فقہ کے مسلم حوالوں کو ٹھکرانے کے درپے ہیں؟ اور مخرج اور صفت استطالت میں گو ضاد ظاء سے متفاوت ہے لیکن غیر مستطیع کے لئے "عموم بلویٰ کے تحت جواز صلوٰۃ" کا فیصلہ آپ بھی دے چکے ہیں اور حتی الوسع ہر حرف کو اس کے صحیح مخرج سے ادا کرنے کے ہم بھی مقر ہیں منکر نہیں تو پھر آپ کے اس جواب کی کیا وقعت باقی رہ جاتی ہے؟ دوئم اس لئے کہ دیوبند کے اہل حق کے ساتھ غیر مستطیع کے لئے عموم بلویٰ کے تحت جواز نماز کا فیصلہ دے کر آپ بھی اس تحریف میں برابر کے شریک ہیں اور یہ فرد جرم آپ پر بھی عائد ہے پھر دیوبند کے اہل حق سے آپ کے بلا سبب عناد اور چڑ کی کیا وجہ ہے اور یہ بات بھی پہلے بیان ہو چکی ہے کہ ضاد کی ظاء کے ساتھ چار وجوہ سے مشابہت تو دلائل قاہرہ اور براہین ساطعہ سے ثابت ہے مگر ضاد کی دال سے مشابہت کی تو کوئی ایک وجہ بھی موجود نہیں ہے پھر آپ لوگ اس واقعی تحریف پر کیوں مُصر ہیں؟ پھر آپ کے صدر الافاضل صاحب کا علمی اور اخلاقی فرض تھا کہ جہاں انہوں نے ضاد کے ظاء سے الگ ہونے کا حکم اور فیصلہ صادر کیا تھا وہاں ضاد کے دال سے الگ ہونے کا فتویٰ بھی صادر فرما کر امت مرحومہ پر رحم و کرم فرماتے تاکہ امت مرحومہ مزعوم اور واقعی تحریف دونوں سے محفوظ رہتی اور اُس قرآن کریم کی پابندی کرتی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بواسطہ حضرت جبرائیل امین ع آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور جس میں لفظ و معنیٰ دونوں ملحوظ ہیں جب دار و مدار معنی کے تغیر پر ہے تو آپ لوگ کیوں ولا الضالین کی جگہ ولا الدالین پر اصرار کرتے ہیں جب کہ امام قاضیخان کا فتویٰ یہ ہے۔

ولکن الو قرأ غیر المغضوب بالظاء او بالذال تفسد صلوٰتہٗ ولو قرء الظالین بالظاء او

اور اگر غیر المغضوب کو ظاء یا ذال سے پڑھا تو نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر ولا الضالین کو ظاء یا ذال سے

بالذال لا تفسد صلواته ولو قراء بالدال تفسد صلواته (فتاویٰ قاضیخان ج ۱ ص۶۹ طبع نولکشور لکھنوء) پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر دال سے الدالین پڑھا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

امام قاضی خانؒ حضرات فقہاء کرامؒ میں بلند درجہ کے مالک اور فقیہ النفس تھے فقہ میں ان کا مقام بہت اونچا ہے جیسا کہ اہل علم سے یہ مخفی نہیں ہے علامہ حلبیؒ نے بعض متاخرین فقہاء کرامؒ کے فتویٰ عموم بلویٰ کے پیش نظر ولا الدالین پڑھنے کی صورت میں بھی ایک بعید سی تاویل کے سہارے جواز صلوٰۃ کا فتویٰ دیا ہے (ملاحظہ ہو کبیری ص۴۴۹) عموم بلویٰ کے تحت ہم اس کو بھی تسلیم کر لیتے ہیں لیکن اس کا انکار تو قطعًا نہیں کیا جا سکتا کہ ضاد اور دال کا مخرج بالکل الگ الگ ہے اور ان میں تجوید کے رُو سے کوئی مشابہت ہی نہیں پھر اگر ایک کے پڑھنے سے تحریف ہوتی ہے تو دوسرے کے پڑھنے سے بھی تحریف ہوتی ہے آپ کے صدر الافاضل اور خود آپ کا یہ فریضہ تھا کہ تصویر کا دوسرا رخ بھی بیان کرتے صرف ون وے ٹریفک پر اکتفاء نہ کرتے مگر یہ جب ہی ممکن ہے کہ آپ تعصب کی عینک اتار کر ہر چیز کو صحیح نگاہ سے دیکھنے کی زحمت اٹھائیں ورنہ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

اور سوم اس لئے کہ جواز صلوٰۃ اور عدم جواز کے سلسلہ میں جس طرح حضرات فقہاء کرامؒ کا ضاد اور ظاء کے بارے میں اختلاف ہے اسی طرح ضاد اور دال میں بھی نزاع ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ایک بدعت سے تو آپ لوگوں کو اتنا تنفر ہے کہ اس کے پیچھے لٹھ لئے پھرتے ہیں اور دوسری بدعت کو سویدائے قلب میں جگہ دے رکھی ہے اور اس کے لئے خیر سے شرح فقہ اکبر کا حوالہ بھی فراہم کر لیا گیا ہے؟ کیا یہی حوالہ ولا الدالین پڑھنے والوں پر چسپاں نہیں ہوتا؟ یا ان کے بدن پر کوئی ایسی انگریزی سریشن لگی ہوئی ہے کہ کوئی حوالہ وہاں چسپاں نہیں ہو سکتا کچھ تو لب کشائی فرمائیے کہ معاملہ کیا ہے؟ آپ کو بھی یقین رکھنا چاہئیے کہ جب تک آپ لوگ ولا الدالین ترک نہیں کریں گے ہم انشاء اللہ تعالیٰ آپ کا قبر تک تعاقب کرتے رہیں گے اور پھر آپ جانیں اور نکیرین ے

کس سے کہئے کیا کیا کیا ہوگیا خود ہی اپنے پر ملامت کیجئے (حالیؔ بخش)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں ضاد اور دال میں نمایاں فرق کا مفصل حوالہ بھی عرض کر دیں تا کہ تصویر کا دوسرا رخ بھی کھل کر سامنے آجائے حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں کہ ماہرین شریعت

غرض پوشیدہ نہ رہے کہ ضاد کا مشتبہ الصوت ہونا ساتھ ظاء معجمہ کے جملہ کتب تفسیر و فقہ و صرف و تجوید سے ثابت ہوتا ہے (اس کے بعد انہوں نے تفسیر عزیزی۔ تفسیر کبیر۔ حاشیہ بیضاوی۔ رضی شرح شافیہ۔ جہد المقل۔ شرح شاطبی۔ تمہید فی علم التجوید اور رعایہ مصنفہ امام ابو محمد مکی المتوفی سنہ ۴۳۷ھ۔ اور فتاویٰ شیخ جمال حنفی مکی (یہ فرماتے ہیں کہ ضاد کو ظاء پڑھنا لغت اکثر اہل عرب کا ہے) اور حاشیہ جہد المقل اور کیمیائے سعادت کے نصوص حوالے نقل کئے ہیں اور اس کے بعد فرماتے ہیں حاصل یہ ہے کہ تمام کتب فقہ و تفسیر سے ثابت ہوتا ہے کہ ضاد مشابہ ظاء ہے اور کسی قدر ذال اور زاء کے بھی لیکن ظاء کے ساتھ بہت مشابہ ہے کیونکہ ضاد اور ظاء میں صرف ایک صفت کا فرق ہے یعنی ضاد مستطیل ہے اور ظاء قصیر ہے اگر استطالت ضاد میں نہ ہوتی تو عین ظاء ہو جاتا جیسا کہ عبارت تمہید وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے بخلاف دال کے کہ ضاد اور دال میں سات صفتوں کا فرق ہے ض رخوہ ہے دال شدید ض ساکنہ ہے دال قلقلہ ض مطبقہ ہے دال منفتحہ ض مستعلیہ ہے دال مستفلہ ض مفخمہ ہے دال مرققہ ض مستطیلہ ہے دال قصیرہ ض منفوخہ ہے دال غیر منفوخہ اور ضاد کا مشتبہ الصوت ہونا ساتھ ظاء کے اتنی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے ولولا غرابۃ المقام لاتیت بہا وہ یہ ہے رعایہ جہد المقل۔ منبیہ جہد۔ جزریہ۔ شرح جزریہ۔ شرح ملا علی القاری۔ نشر۔ منہاج۔ طیبۃ النشر۔ تمہید۔ رسالہ مولانا عبدالرحیم۔ رشحہ فیض۔ شاطبی۔ تفسیر کبیر۔ اتقان۔ کشاف۔ بیضاوی۔ حاشیہ بیضاوی۔ عزیزی۔ حسینی۔ فتاویٰ قاضی خاں۔ عالمگیری۔ کبیری۔ برہان۔ تجنیس۔ خلاصۃ الفتاویٰ۔ در مختار۔ طحطاوی۔ شامی۔ خزانۃ المفتین۔ خزانہ اکمل عابد۔ فتاویٰ نقشبندیہ۔ بزازیہ۔ عنایہ۔ تاتارخانیہ۔ خزانۃ الروایات۔ رسائل الارکان۔ تہذیب۔ ذخیرہ۔ فتح القدیر۔ خیریہ۔ جامع الروایات مفتاح الصلوٰۃ۔ محاسن العمل۔ البیان الجزیل۔ احیاء العلوم۔ کیمیائے سعادت۔ زاد الآخرۃ۔ شافیہ۔ رضی۔ جاربردی۔ فصول اکبری۔ فتاویٰ برہنہ۔ رسالہ نجم الدین۔ مختار الفتاویٰ۔ سمرقندی۔ منیہ۔ مجموعہ سلطانی۔ بغیۃ المرتاد۔ میزان۔ حرف الہجاء۔ ذخیرہ کردری اور جب بات ثابت ہوئی کہ ضاد مشابہ ظاء کے ہے تو قاعدہ کلیہ جملہ فقہ کا یہ ہے کہ جن دو حرفوں میں فرق بآسانی ممکن ہے اس کے بدل جانے سے نماز فاسد ہوتی ہے اور اگر فرق ان دونوں حرفوں میں مشکل ہے تو اکثر کا مذہب یہ ہے کہ نماز نہیں فاسد ہوتی اور یہی مذہب ہے متاخرین کا اور یہ مذہب بہت معتدل اور پسندیدہ

ہے اور مذہب متقدمین کا یہ ہے کہ ضاد کو ظاء پڑھنے سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے پس لفظ ولا الضالین کی جگہ دالین پڑھنے سے سب کے نزدیک نماز فاسد ہوتی ہے اور ظاء سے اکثر کے نزدیک نہیں فاسد ہوتی اور اسی پر فتویٰ ہے پہلے چند عبارات فقہ کی واسطے ثبوت اس قاعدہ کلیہ کے لکھی جاتی ہیں بعد ازاں چند عبارت فقہ سے اوپر ثبوت فساد نماز کے پڑھنے دالین سے لکھا جاوے گا (اس کے بعد انہوں نے رد المحتار. فتاویٰ قاضی خاں. فتح القدیر النہر الفائق عالمگیری اور خلاصۃ الفتاویٰ کے حوالے دیئے ہیں آخر میں لکھتے ہیں کہ) حاصل تقدیر مذکورۂ بالا کا یہ ہے کہ ضاد کا مشتبہ الصوت ہونا ساتھ ظاء کے بلا نزاع ثابت ہے اور جس شخص سے مخرج ضاد کا نہ آوے وہ ظاء پڑھے اور اس سے نماز اکثر کے نزدیک فاسد نہیں ہوتی و ہذا ہو الحق والصواب اور ضاد کو مشابہ دال کے پڑھنے پر کوئی دلیل صرف و تجوید و فقہ و تفسیر سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہ سب علوم اس کی غلطی ہونے پر دال ہیں اور ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا اسی سے ہوتا ہے کہ وہ اس کے مشابہ ہو اور ظاہر ہے کہ ضاد اور دال سے کچھ مناسبت بھی نہیں ہے نہ مخرج میں نہ صفات میں بلکہ ضاد اور دال سے سات صفتوں میں اختلاف ہے جیسا کہ اوپر گذرا جب یہ مسئلہ کتابوں سے ثابت ہوا تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ بہت جلد اس کے عامل ہو جاویں نہ یہ کہ آپس میں جنگ و جدل و زد و کوب جو بالاتفاق حرام ہے کریں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب فی الواقع بمذہب مختار جمہور ضاد کی جگہ پر اگر ظاء پڑھے گا یا ذال نماز فاسد نہ ہوگی فتاویٰ بزازیہ میں ہے قال غیر المغظوب بالظاء والذالین بالذال او الظاء قیل لا تفسد لعموم البلوی فان العوام لا یعرفون مخارج الحروف وکثیر من المشائخ افتوا بہ انتہی اور خزانۃ المفتیین میں خلاصۃ الفتاویٰ سے منقول ہے ان ذکر حرفا مکان حرف وغیر المعنی فان امکن الفصل کالطاء مکان الصاد تفسد صلوتہ وان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد والطاء مع التاء والصاد مع السین الاکثر علی انہ لا تفسد انتہی (مجموعہ فتاویٰ عبدالحی ج ۱ ص ۲۶۸ تا ص ۲۷۲ طبع لکھنؤ)

عموم بلویٰ کا جواب یہ عنوان قائم کرکے مؤلف مذکور نے تنقید متین کا حوالہ نقل کرکے لکھا ہے اولاً تو یہ فقہاء کرام پر محض بہتان ہے کہ انہوں نے علی الاطلاق ضاد کو ظاء پڑھنے کی اجازت دی ہے

سرفراز صاحب نے قرآن کریم میں تحریف ثابت کرنے کے لئے یہ خلاف واقع بات وضع کی ہے فقہاء کا مقام اس سے بہت بالا ہے کہ وہ تحریف خالص اور کفر صریح کی اجازت دیں وثانیاً یہ کہ نشا تو آپ نے مخارج میں عدم تمیز قرار دیا گیا دیوبند کے قرأت خانہ میں ان کے اصاغر واکابر میں کوئی شخص ایسا نہیں جو ضاد کو اس کے مخرج سے پڑھ سکے اس بات نے دیوبندیوں کی بے علمی کا راز فاش کر دیا۔ سرفراز صاحب تنقید ص۲۴۲ میں لکھتے ہیں کہ ضاد اور ظاء میں تمیز خاصی مشکل ہے اور یہی ہم کہنا چاہتے ہیں کہ اہل دیوبند کے عوام تو کیا علماء کو بھی اتنی تمیز اور سلیقہ نہیں کہ ضاد کو اپنے مخرج سے ادا کر سکیں پھر عموم بلویٰ عوام کے لئے ہوتا ہے کیا دیوبند کے تمام علماء اور قاری حضرات عوام میں داخل ہیں وثالثاً فقہاء کرامؒ نے خطاءً اور نسیاناً ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے والے کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی نماز فاسد نہ ہوگی نہ کہ عمداً ظاء پڑھنے کے متعلق اور ذریت دیوبند تو ظاء پڑھنے پر مصر ہے اور سرفراز صاحب کو بھی اس کا اقرار ہے اہل حق ضاد کی جگہ ظاء پڑھتے ہیں اور جو عمداً ضاد کی جگہ ظاء پڑھے اس کی نماز بہر حال فاسد ہے خزانۃ المفتی میں اس کی بحث ہے (محصلہ ص۶۸ و ص۶۹) آگے انہوں نے عالمگیری اور ردالمحتار کے حوالہ سے وہ عبارت نقل کی ہے جس کا ترجمہ ہم مؤلف مذکور کے قلم سے پہلے نقل کر کے اس کی حقیقت عرض کر چکے ہیں۔ صفحہ ۲۳

الجواب مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ لکھا ہے یہ خود ان کی جہالت کا رونا روتا ہے۔ اوّل تو اس لئے کہ ہم نے کب اور کہاں یہ کہا ہے کہ حضرات فقہاء کرامؒ نے علی الاطلاق ضاد کو ظاء پڑھنے کی اجازت دی ہے یہ مؤلف مذکور کا ہم پر خالص بہتان اور نرا افتراء اور سفید جھوٹ ہے ہم نے حضرات فقہاء کرامؒ کی عبارات کی روشنی میں اس کی تشریح پہلے کر دی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے افسوس ہے کہ مؤلف مذکور کو ضاد کو ظاء پڑھنے کی تحریف تو بار بار یاد آتی ہے مگر ضاد کو دال پڑھنے کی تحریف کا ذکر بھول کر بھی ان کی زبان اور قلم سے نہیں نکلتا آخر اس کی کیا وجہ ہے اور دوم اس لئے کہ ہم نے تنقید متین ص۲۴۲ میں واضح الفاظ میں یہ لکھا ہے کہ اکثر و بیشتر قراء حضرات اہل حق کے مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ علم تجوید کے اصول و قواعد کے تحت حرف ضاد کو اس کے اصل مخرج سے نکالتے ہیں جو سننے والوں کو حرف ظاء سے مشابہ معلوم ہوتا ہے الخ اس تصریح کے ہوتے ہوئے مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ دیوبند کے قرأت خانہ میں اکابر و اصاغر میں کوئی نہیں جو ضاد کو اس کے مخرج سے ادا کرے اور اس سے دیوبند کی لاعلمی کا راز فاش ہو گیا (محصلہ) کس قدر

دجل اور تلبیس اور بے جا تعصب ہے اور پھر راقم اثیم پر یہ بہتان کہ وہ لکھتا ہے کہ اہل حق ضاد کی جگہ ظاء پڑھتے ہیں علمی طور پر کس قدر بد دیانتی ہے راقم کی عبارت ابھی اوپر بیان ہوئی ہے اس میں خط کشیدہ الفاظ کو بغور پڑھیں اور پھر مؤلف مذکور کی خیانت کی داد دیں سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ. باقی ہم نے جو یہ کہا ہے کہ ضاد اور ظاء وغیرہ الفاظ میں فرق خاصا مشکل ہے تو اس میں آپ کا اعتراض ہم پر نہیں بلکہ امام بزازیؒ امام قاضیخانؒ شیخ القراءؒ مصنفین عالمگیری اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ وغیرہ اکابر پر ہے جو چلا چلا کر یہ فرماتے ہیں کہ ان میں فرق مشکل ہے۔ بلکہ خود خانصاحب بریلوی حرف ضاد پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں یہ حرف دشوار ترین حرف ہے اور اس کی ادا خصوصًا عجم پر کہ ان کی زبان کا حرف نہیں مشکل الی قولہ خصوصًا ظا سے اس حرف کا جدا کرنا تو سخت مشکل ہے (العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ ج ۳ ص۱۲) لہٰذا آپ ہم پر دانت پیسنے کی سعی نہ کریں اگر یوں پڑتا ہے تو ان حضرات پر دانت پیسیں پھر دیکھیں هَلْ یُذْهِبَنَّ کَیْدُهٗ مَا یَغِیْظُ علاوہ ازیں اس بات کو بھی ملحوظ رکھیں کہ مسلک دیوبند سے تعلق رکھنے والے حضرات سبھی مستند عالم نہیں ہوتے اور پھر تمام علماء مستند قاری نہیں ہوتے اور ضاد وغیرہ بعض حروف کو اپنے صحیح مخرج سے ادا کرنا ہر کہ ومہ قاری کا کام بھی نہیں ہے اس میں قاری کا بھی بڑا مشاق ہونا ضروری ہے کسی مشاق اور ماہر فن قاری سے دریافت کریں وہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کا گھر پورا کر دے گا اس لیے ماہر اور مشاق قراء حضرات کے علاوہ باقی سب لوگ حرف ضاد کے مخرج کے سلسلہ میں عوام ہی میں داخل ہیں اور عموم بلوی کی فقہی رعایت کے مستحق ہیں ہاں کوشش وہ ضرور کرتے رہیں کہ یہ حرف اپنے اصلی مخرج سے ادا ہوتا رہے اس میں کوتاہی نہ کریں جیسا کہ باحوالہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ اور سوم اس لیے کہ حضرات فقہاء کرامؒ نے صرف خطا اور نسیان کا مسئلہ ہی نہیں بیان فرمایا بلکہ یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اسے اپنے مخرج سے نکالنے کی کوشش کرتا ہے مگر مشکل ہونے کی وجہ سے وہ اس کے صحیح مخرج سے نہیں نکال سکتا تو اس کی نماز جائز ہے فصلوٰتہ جائزۃ کے الفاظ محیط ہی کے حوالہ سے پہلے نقل کئے جا چکے ہیں ہاں اسے تصحیح کی کوشش ترک نہیں کرنی چاہیئے اور خود مؤلف مذکور کے یہ الفاظ باحوالہ پہلے نقل کئے جا چکے ہیں کہ قاری انتہائی کوشش اور غایت اجتہاد سے اپنے خیال میں لفظ کو اس کے مخرج سے ادا کرتا ہے لیکن ادائیگی دوسرے لفظ کے مخرج یا اس کے مشابہ کی صورت میں ہوتی ہے پس اس صورت میں عموم بلوی کی وجہ سے نماز فاسد

نہ ہوگی کیونکہ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا البقرۃ ۲۸۶)

کیا یہ صورت بھی مؤلف مذکور کے نزدیک خطا ونسیان کی ہے؟ جواب ہوش سے دیں حضرات فقہاء کرام کے نزدیک عمد کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ضاد کو اپنے اصل مخرج سے نکالنے پر قدرت رکھتا ہے مگر قصداً اس کو دوسرے حرف کے مخرج سے نکالتا ہے تو اس کی نماز کے بطلان اور فساد بلکہ اس کے عند البعض کافر ہونے میں کیا شک ہے باقی عالمگیری اور رد المحتار سے نقل کی گئی عبارت کا خود مؤلف مذکور ہی کیا ہوا ترجمہ ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے وہ ساری عبارت ہماری مؤید ہے کما مر سابقاً نہ کہ مخالف جیسا کہ مؤلف مذکور نے اپنی کم علمی سے یہ سمجھ لیا ہے غرضیکہ ہمارے نقل کردہ مفصل حوالوں نے مؤلف مذکور کی تمام غلط فہمیوں کا پردہ چاک کر دیا ہے ؎

رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو | ادھر سے ادھر کر دیا رخ ہوا کا
(printed: رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا — ادھر سے ادھر کر دیا رخ ہوا کا)

امامت کی تخصیص کا جواب | یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے اس کے تحت جو بات اصولی طور پر کہی ہے وہ یہ ہے کہ مقتدی کی نسبت امام کا مسئلہ بیان کرنا زیادہ اہم ہے کیونکہ مقتدی کی نماز فاسد ہونے سے ایک کی نماز فاسد ہوگی اور امام کی نماز کے فساد سے تمام مقتدیوں کی نماز فاسد ہوگی علاوہ ازیں امام کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ امام کو عالم اور قاری ہونا چاہیئے بخلاف عوام کے کہ اقتداء کے لئے تجوید وقراءت کا جاننا ضروری نہیں اور شاید آپ کو خطرہ پڑ گیا کہ لوگ ضاد کو ظاء کے مشابہ (صفدری) پڑھنے والے کی امامت سے برگشتہ ہو جائیں گے اور آپ کو روٹیاں نہیں مل سکیں گی لہٰذا چند روزہ زندگی کے مقابلہ آخرت کو ترجیح دو خدا کے خوف کو دل میں جگہ دو ضاد کو ضاد ہی پڑھو چند سنہری سکوں کے بدلے قرآن کو نہ بدلو (محصلہ ص۲۳ و ص۲۴)

الجواب یہ مسئلہ کہ امام کی نماز صحۃً وفساداً مقتدیوں کی نماز کو متضمن ہے اور یہ مسئلہ کہ امام کو عالم اور قاری ہونا چاہیئے نزاع اور اختلاف سے بالاتر اور مفروغ عنہا مسائل میں سے ہے خواہ مخواہ عوام کے اذہان کو مشوش کرنا ایک غلط راہ وروش اختیار کرنے کے مترادف ہے ہمارا اعتراض مؤلف مذکور کے صدر الافاضل پر جوں کا توں بدستور اب بھی باقی ہے کہ تصحیح حرف کا مسئلہ فقہی طور پر اور خود صاحب محیط کے حوالہ کے پیش نظر (جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) ہر نمازی کے لئے ہے امام ہو یا منفرد لہٰذا امام کی تخصیص بلا وجہ ہے۔ قارئین کرام غور فرمائیں کہ مؤلف مذکور نے اپنے

بھاگ نکلنے کے لئے کس طرح چور دروازہ نکالا ہے وہ یوں کہ وہ کہتے ہیں بخلاف عوام کے کہ اقتدار کے لئے تجوید و قرأت کا جاننا ضروری نہیں الخ ہم نے امام اور منفرد کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو تنقید متین ص۴۷ و ۴۸) مقتدی کی بات ہم نے نہیں کی کیونکہ قرأت اس کا کام ہے ہی نہیں مگر منفرد کا کام تو ہے اور حتی الوسع تصحیح حروف امام کی طرح منفرد پر بھی لازم ہے مگر افسوس کہ مؤلف مذکور اس بات کو شیر مادر سمجھ کر پی گئے ہیں الحمد للہ تعالیٰ راقم اثیم کو جن اکابر علماء سے شرف تلمذ حاصل ہے ان کے علمی کمال اور روحانی و اخلاقی کردار سے راقم اثیم کو خوفِ خدا بھی حاصل ہے اور آخرت کی بھی بہت ہی زیادہ فکر ہے اور اسی چیز نے راقم اثیم کو شرک و بدعت اور غلط مسائل کی تردید پر مجبور کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس میں باحسن وجوہ کامیابی حاصل ہوئی ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ راقم الحروف کی باحوالہ مدلل اور ٹھوس علمی کتابوں نے مخالفین کے ہوش و حواس باختہ کر دیئے ہیں کہ بیچاروں کے لئے نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کا محاورہ بالکل فٹ ہے مؤلف مذکور کے معلومات کے لئے عرض ہے کہ راقم اثیم تقریباً سینتیس* سال سے امامت مفت کرتا ہے مشاہرہ جتنا کچھ ملتا ہے وہ صرف خطابت اور تدریس کا ملتا ہے اس لئے راقم کو تو امامت کا سرے سے خطرہ ہی نہیں ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف مذکور مع اپنے ٹولہ کے فن تجوید کے اس مسئلہ کے اجاگر ہونے کے بعد کہ ضاد چار صفات میں سامعین کے نزدیک ظاء کے مشابہ ہے اپنی امامت کے سلسلہ میں خاصے غمگین و متفکر ہیں کہ عوام الناس کے سامنے حقیقتِ حال سامنے آنے کے بعد کہیں امامت ہاتھ سے نہ نکل جائے اور جمعرات کی روٹیاں ہی بدمزہ نہ ہو جائیں باقی ہمارے بارے میں مؤلف مذکور کو ہرگز دلگیر نہیں ہونا چاہیئے ہماری طرف سے بس اتنا ہی کافی ہے کہ ؎

ارادے جن کے پختہ ہوں نظر جنکی خدا پر ہو — تلاطم خیز منظر سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

---

* یہ مضمون تقریباً پانچ چھ سال پہلے کا لکھا ہوا ہے اب مزید کچھ سال گذر چکے ہیں ۱۲ منہ

باب دُوم

مروّجہ ایصال ثواب تنقید متین میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مسئلہ گیارہویں۔ فاتحہ۔ تیجہ۔ اور چالیسواں بھی اس میں داخل ہیں اس پر علمی انداز میں جو گرفت ہم نے کی ہے وہ اصل کتاب میں ہی ملاحظہ فرمائیں مؤلف مذکور نے ہماری گرفت پر سیخ پا ہو کر ہمارے مضبوط۔ صریح اور ٹھوس حوالوں سے گھبرا کر اوّلا جواب ہو کر جو کچھ لکھا ہے اس میں اہم باتیں یہ ہیں۔

مولوی سرفراز صاحب نے صدر الافاضل کی تفسیر کا ابتدائی حصہ جس میں مطلق انفاق خواہ فرض و واجب ہو جیسے زکوٰۃ و نذر اور اپنے اہل کا نفقہ خواہ مستحب جیسے صدقات نافلہ اموات کا ایصال ثواب ذکر نہیں کیا صیہونی چابکدستی سے اس عبارت میں قطع و برید کی ہے اور پہلی عبارت مقراض گھمر کی نذر ہو گئی ہے اور اس مذموم جسارت سے سرفراز صاحب کا مدعا یہ ہے کہ عوام کو سمجھایا جاسکے کہ اہل سنت کے نزدیک ممار زقنھم ینفقون کی تفسیر مسئلہ گیارہویں اور اس کے لواحقات کے سوا کچھ نہیں (محصلہ ص۴۵)

الجواب ابتدائی حصہ ہم نے اس لئے نقل اور ذکر نہیں کیا کہ یہ امور تو ینفقون کی مد میں شامل ہیں اور حضرات صحابہ کرامؓ سے لے کر تا ہنوز حضرات مفسرین کرامؒ درجہ بدرجہ ان کو اس کی تفسیر میں بیان اور نقل کرتے چلے آئے ہیں لہذا اس میں تو نزاع ہی نہیں ہماری گرفت تو اس پر تھی اور وہ تا ہنوز بدستور باقی ہیں کہ گیارہویں۔ تیجہ اور چالیسواں کس صحابی یا تابعی اور کس مفسر اور محدث و فقیہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بیان کیا ہے؟ مؤلف مذکور کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ اِدھر اور اُدھر کی بالکل غیر متعلق باتیں کئے بغیر حضرات سلف صالحینؒ اور مستند مفسرین عظامؒ سے

صراحت کے ساتھ دو چار حوالے نقل کر دیتے کہ لو فلاں فلاں تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ گیارہویں اور تیجہ اور چالیسواں اس آیت کی تفسیر میں بیان ہوئے ہیں ناظرین کرام بھی دیکھ لیتے اور ہمیں بھی یقین ہو جاتا کہ واقعی یہ امور بھی اس کی تفسیر میں منقول ہیں اور جب مؤلف مذکور ایسا نہیں کر سکے اور انشاء اللہ تعالیٰ بمع اپنی بدعت پسند پارٹی کے تاقیامت نہیں کر سکیں گے تو پھر ہر ایک صحیح العقیدہ مسلمان کے لئے غور طلب بات ہے کہ یہ بدعات وخرافات ینفقون کی تفسیر میں کیسے داخل ہو سکتی ہیں؟ راقم اثیم نے جس ایمانی جسارت اور علمی اور تحقیقی مقراض سے جس اختراعی تفسیر کو کاٹ کر پھینک دیا ہے بفضلہ تعالیٰ اس کو مؤلف مذکور رفو نہیں کر سکے اور بدعات وخرافات کا سنت کے ساتھ پیوند لگانا ہے بھی بے حد ہی مشکل اور یہ مؤلف مذکور کے بس کا روگ بھی نہیں ہے یو صھیون کو اپنی جہالت کی وجہ سے صیہون لکھتے ہیں (یاد رہے یہ کہ لفظ بروزن فردوس ہے قاموس ج ۴ صفحہ ۳۵۴ میں ہے صِہْیَوْن کَبِرْذَوْن اور اس کا حوالہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے) اور محض دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے لفظ خان سے گھبرا کر کبھی اسے اسرائیلی قرار دیتے ہیں اور کبھی صھیون سے تعبیر کرتے ہیں۔ مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہماری قوم اور برادری کا تعلق قطعًا اسرائیل سے نہیں نہ جسمانی طور پر اور نہ روحانی طریقہ سے ہاں ممکن ہے کہ قندہاری پٹھانوں کا جن کے ایک فرد آپ کے خانصاحب بریلوی بھی ہیں کوئی تعلق ہو تو ہمیں اس کا کوئی علم نہیں ہے اگر اسرائیل اور صھیون سے کوئی تعلق ہے تو انہی کا ہوگا ترجمہ میں تحریف اور دیدہ دانستہ دین کا حلیہ بگاڑ کر مغضوب علیہم کے ساتھ کئی گنا ان کی مشابہت بھی ہے لہذا وہ نمبر اول کے اسرائیلی اور صھیونی ہیں ؎

اسی کوکب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن — زوالِ آدمِ خاکی زیاں تیرا ہے یا میرا

ہم نے یہ نہیں کہا اور نہ ہمارا یہ موقف ہے کہ ینفقون کی تفسیر کا گیارہویں اور اس کے لواحقات کے سوا کسی اور چیز سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ہمارا موقف تو بالکل واضح ہے کہ زکوٰۃ۔ انفاق علی الاہل۔ اور جائز قسم کے صدقات کا تو اس سے تعلق ہے ہی ہاں مگر گیارھویں۔ تیجہ اور چالیسواں وغیرہ کا اس سے قطعًا کوئی تعلق نہیں ہے اگر کوئی تعلق ہوتا تو تفاسیر میں باوجود ان کے محرکات۔ اسباب اور دواعی کے موجود ہونے کے ضرور ذکر ہوتا مگر ایسا ہرگز نہیں ہے یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ امور خالص بدعات ہیں اور اس انداز سے ان کی خود بخود تردید ہو جاتی ہے ؎

باد صرصر بیں شمیم راحت افزا آ گئی ۔ وہ مہک تھی شرک بدعت کی کلی مرجھا گئی

تقرب لغیر اللہ کی بحث

تنقید متین میں گیارہویں پر بحث کرتے ہوئے ہم نے لکھا تھا کہ بعض جہلاء غیر اللہ سے خوف ورجا اور امید وبیم کے نظریہ سے گیارہویں دیتے ہیں اور اس کے لئے انہوں نے یہ افسانہ بھی تراشا ہے کہ حضرت پیر صاحبؒ نے بارہ سال کا غرق شدہ بیڑا دریا سے نکال پار کیا تھا یہی تقرب لغیر اللہ ہے جو حرام و شرک ہے (محصلہ) اس پر گرفت کرتے ہوئے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ ہم مولوی سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی تحریری یا تقریری شہادت موجود ہے کہ جہلاء کا یہ عقیدہ ہے ؟ اگر نہیں تو خلاف واقع ایک عقیدہ وضع کر کے کیوں جہلاء کی طرف منسوب کیا؛ اور خلاف نصوص شرعیہ سادہ عوام کے حق میں کیوں بدگمانی کی یا پھر خود کو علیم بذات الصدور سمجھتے ہیں اور یہ دعویٰ فاسدہ رکھتے ہیں کہ آپ لوگوں کے دلوں میں جھانک کر ان کے عقائد معلوم کر لیتے ہیں پھر ہم پوچھتے ہیں کہ کیا مطلقاً کسی کو نفع وضرر پہنچانے کا عقیدہ رکھنا تقرب اور شرک ہے تو پھر زہر میں ضرر اور تریاق میں نفع سمجھنا اور آپ کا اصنام دیوبند سے تقرب حاصل کرنا یہ سب شرک ہے اور اگر علیٰ وجہ العبادت نافع اور ضار اعتقاد کرنا اور تقرب علیٰ وجہ العبادۃ شرک ہو تو آپ کا مذعوم باطل ہو گیا۔ درمختار ص۲۳ میں ہے ہم کسی مسلمان کے حق میں ہرگز یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس فعل ذبح کے ذریعہ کسی آدمی کا تقرب حاصل کرتا ہے ۔ اور اس کے تحت علامہ شامیؒ (ردالمحتار ج ۵ ص۲۰۳ میں) لکھتے ہیں یعنی شارح کی مراد تقرب سے تقرب علیٰ وجہ العبادت ہے اس لئے کہ تقرب علیٰ وجہ العبادت ہی موجب شرک ہے اور ایسا تقرب مسلمان کے حال سے بعید ہے ۔" دیدہ عبرت کے لئے یہ سند کافی ہے کہ شرک کا مدار کسی کو معبود سمجھنے پر ہے آپ اگر واقعی مسلمانوں کو مشرک بنانے پر تلے ہوئے ہیں تو ثابت کیجئے کہ جہلاء بڑے پیر کو معبود سمجھ کر پوجتے ہیں ودونہ خرط القتاد آیئے ہم آپ کو بتائیں کہ مرثیہ گنگوہی ص۱۲ میں مولوی محمود الحسن صاحب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی پر مرثیہ خوانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

تمہاری تربت انور کو دیکر طور سے تشبیہ ۔ کہوں ہوں بار بار ارنی میری دیکھی بھی نادانی

طور پر کس ذات نے تجلی فرمائی تھی اور موسیٰ علیہ السلام نے کس ذات کے دیکھنے کے لئے بار بار ارنی فرمایا تھا اور مولوی محمود الحسن صاحب کس کی قبر کو طور اور کس کے دیکھنے کو ارنی کہہ رہے ہیں۔ اور آپ کی طرح یوں ہی بے سند بات نہیں ہے بلکہ پاکستان اور بھارت کے دیوبندی پریسوں کے مطبوعہ مرثیہ میں یہ شعر

موجود ہے (محصلہ ص۷۵ تا ۷۸)

الجواب مؤلف مذکور کی جہلاء کے عقیدہ سے کیا مراد ہے ؟ اگر مراد یہ ہے کہ بارہ ۱۲ سال کے بیڑے کا غرق ہونا اور پھر دوبارہ ان کے زندہ کرنے کا واقعہ ہی سرے سے جعلی ہے اور یہ جہلاء کے ذمہ الزام ہے تو گذارش یہ ہے کہ ہم نے تنقید متین ص۲۶ کے حاشیہ میں ان کے مفتی اعظم پاکستان مفتی احمد یار خان صاحب کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے کہ اس دولہا کی قبر گجرات میں ہے اور اس کا نام کبیر الدین ہے اور وہ شاہ دولہ کے نام سے مشہور ہے اور وہ غوث پاک کے خلیفہ ہیں راقم اثیم نے یہ لکھا تھا کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی وفات تو ۵۶۱ھ میں ہوئی ہے اور حضرت شاہ دولہؒ کی وفات ۱۰۷۵ھ میں ہوئی ہے درمیان میں اتنا طویل زمانہ ہے پھر وہ ان کے خلیفہ کیسے بن گئے ؟ اور خود مؤلف مذکور نے ص۸۰ میں اس واقعہ کو حضرت پیر صاحبؒ کی مشہور کرامت کہا ہے اور مفتی احمد یار خان صاحب کی ایک گونہ وکالت کی ہے تو آپ اپنے مفتی اعظم کی تحریر سے اور اپنے اقرار سے بڑھ کر تحریر اور ثبوت اور کیا مانگتے ہیں ؟ اور اگر مراد یہ ہے کہ گیارہویں دینے والے حضرت پیر صاحبؒ سے امید و بیم نہیں رکھتے اور یہ ان پر الزام ہے اور اس کے لئے کوئی ثبوت نہیں تو معاف رکھنا راقم الحروف نے بگوش خود بعض علاقوں میں جہلاء کے یہ مشرکانہ نظریات ان کی زبانی خود سنے ہیں ہم نہ تو کسی کے خلاف بدگمانی کرتے ہیں اور نہ معاذ اللہ تعالیٰ ہمیں بذات الصدور ہونے کا دعویٰ ہے ہم تو لوگوں کی زبانوں سے سنی ہوئی باتوں کے پیش نظر یہ لکھتے اور کہتے ہیں اور بخوبی یہ جانتے ہیں کہ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ آپ چونکہ نو عمر ہیں اور پھر ہو سکتا ہے کہ مختلف علاقوں میں آپ کو آنے جانے کا اتفاق بھی نہ ہوا ہو اور عوام و جہلاء سے آپ کا اتنا اور ایسا سابقہ بھی نہ پڑا ہو جیسا ہمیں پڑا ہے یا آپ تحزب اور تعصب کے پیش نظر مصلحۃً ان کے اس بد اور غلط عقیدہ کا اقرار کرنا مناسب نہ سمجھتے ہوں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے اور آپ عوام الناس کا بلاوجہ تعاون حاصل کرنے کے لئے ان کا دامن پاک کر رہے ہیں اور مورد الزام ہمیں گردانتے ہیں جو حقیقت کے سراسر خلاف ہے علاوہ ازیں اکثر گیارہویں کے مواقع پر لوگ ببانگ دہل یہ پڑھا کرتے ہیں امداد کن امداد کن الخ اگر حضرت سید نا شیخ عبد القادر جیلانیؒ سے امید و رجاء نہیں تو امداد کیوں مانگتے ہیں ؟ اور شیئاً للہ کے وظیفے کیوں پڑھتے ہیں ؟۔

عوام تو پھر عوام ہیں آپ کے اعلیٰ حضرت تو خیر سے فاضل بریلی ہیں انہوں نے غیر اللہ سے مدد

مانگنے کا ایسا پھاٹک ایجاد کیا ہے جس سے گذرے بغیر کوئی بریلوی بریلوی نہیں ہو سکتا اور نہ ان کا صحیح معنوں میں عقیدتمند ہو سکتا ہے۔

انہیں کی اپنی بولی اور زبان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

۵ بیٹھتے اٹھتے مدد کے واسطے ۔ یا رسول اللہ کہا پھر تجھ کو کیا (حدائق بخشش حصہ دوم ص۵۰)

یا خدا بہر جناب مصطفیٰ امداد کن ۔ یا رسول اللہ از بہر خدا امداد کن (ایضاً ص۳۲)

اے بدست تو عنان کن مکن کن لا تکن ۔ وے بحکمت عرش و ماتحت الثریٰ امداد کن (ایضاً ص۳۳)

احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو ۔ کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث (ایضاً ص۸)

اقتدار کن مکن حق مصطفیٰ را دادہ است ۔ زیر تخت مصطفیٰ بر کرسی دیوان توئی (ایضاً ص۶۷)

پیر پیراں میر میراں یا شہ جیلاں توئی ۔ انس جان قدسیاں و غوث انس و جان توئی (" ص۶۵)

، خدا سے لیں لڑائی وہ ہے معطی ۔ نبی قاسم ہے تو موصل ہے یا غوث (" ص۱۱)

ولی کیا مرسل آئیں خود حضور آئیں ۔ وہ تیری وعظ کی محفل ہے یا غوث

جسے مانگے نہ پائیں جاہ والے ۔ وہ بے مانگے تجھے حاصل ہے یا غوث (" ص۹)

تیری چڑیاں ہیں تیرا دانہ پانی ۔ ترا میلا تری محفل ہے یا غوث (" ص۳۳)

مرتضیٰ شیر خدا مرحب کشا خیبر کشا ۔ سرور الشکر کشا مشکل کشا امداد کن (" ص۳۳)

یا شہید کربلا یا دافع کرب و بلا ۔ گل رخا شہزادۂ گلگوں قبا امداد کن (" ص۳۴)

اے حسینؓ اے مصطفیٰ را راحت جان نور عین ۔ راحت جاں نور عینم دہ بیا امداد کن (")

محتاج و گدایم و تو ذوالتاج کریم ۔ شیئاً للہ شیخ عبدالقادر (" ص۵۶)

ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی ہے مختار بھی ہے ۔ کار عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر (" حصہ اول)

یا رسول اللہ دھائی آپ کی ۔ گوشمالِ اہل بدعت کیجئے
غوث اعظم آپ سے فریاد ہے ۔ زندہ پھر یہ پاک ملت کیجئے
یا خدا تجھ تک ہے سب کا منتہی ۔ اولیاء کو حکم نصرت کیجئے
میرے آقا حضرت اچھے میاں ۔ ہو رضا اچھا وہ صورت کیجئے (" ص۶۷)

مؤلف مذکور عوام اور جہلاء کی بات چھوڑیں اپنے اعلیٰ حضرت کے شہ پارے ملاحظہ فرمائیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے لے کر اپنے حضرت اچھے میاں تک سب سے کھلے لفظوں میں امداد مانگتے ہیں اور یہ تصریح کرتے ہیں کہ انس وجان کا کیا کہنا چڑیاں اور دانہ اور پانی بھی سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی کا ہے اور تمام جہان کے وہ مدبر بھی ہیں تو پھر عوام ان سے کیوں مدد نہ مانگیں، اور آپ کے اعلیٰ حضرت ہی لکھتے ہیں اے مسلمان اے سنی بھائی اے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ ارفع کے فدائی آفتاب و ماہتاب پر ان کا حکم جاری ہونا کیا بات ہے آفتاب طلوع نہیں کرتا جب تک ان کے نائب اُن کے وارث ان کے فرزند اُن کے دلبند غوث الثقلین غیث الکونین حضور پُر نور سیدنا و مولانا امام ابو محمد شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سلام عرض نہ کرے الخ (الامن والعلیٰ ص۱۲۳) مشرکین مکہ کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ سورج اور چاند پر حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا جاری ہے وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط (پ۲۱ العنکبوت ۶) مگر خانصاحب یہ کہتے ہیں آفتاب و ماہتاب پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم جاری ہے اور وہ سیدنا شیخ عبد القادرؒ پر سلام کیے بغیر طلوع نہیں کرتا سوال یہ ہے کہ جب حضرت شیخ صاحبؒ پیدا ہی نہیں ہوئے تھے تو اس وقت سورج بیچارہ کیا کرتا تھا یاد رہے کہ شق القمر جس کا ثبوت نص سے ہے اور ردِ شمس جس کا ثبوت حدیث سے ہے (علی اختلاف فیہ) یہ معجزہ ہے اور وہ خدا تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے کما مرّ نبی کا فعل نہیں ہوتا۔ رہا نفع وضرر پہنچنے اور پہنچانے کا قصہ تو ہم نے اپنی کتابوں مثلاً دل کا سرور وغیرہ میں اور خود اسی کتاب میں تصریح کردی ہے کہ عالم اسباب اور ماتحت الاسباب اگر کسی چیز سے کسی کو نفع یا ضرر پہنچے تو یہ شرک نہیں ہے کیونکہ یہ عالم اسباب کی چیزیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان میں نفع وضرر کا اثر رکھا ہے لہٰذا زہر و تریاق کا ذکر کر کے عوام الناس کو الجھاؤ میں ڈالنا اور ناخواندہ حواریوں کو یہ باور کرانا کہ ہم جواب دے رہے ہیں بے سود امر ہے ہاں مافوق الاسباب طریقہ سے کسی چیز میں نفع وضرر سمجھنا اور عالم اسباب سے بالاتر ہو کر کسی سے اُمید وبیم کا نظریہ اور اعتقاد رکھنا یہ خالص شرک ہے لاشک فیہ اور اور بعض جہلاء اسی باطل نظریہ سے گیارہویں دیتے ہیں تو اس کے شرک ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور اسی طرح علمی اور تحقیقی مسائل میں علماء دیوبند (جن کو آپ اپنے دل ماؤف کی بھڑاس نکالنے کے لئے اصنام دیوبند سے تعبیر کرتے ہیں) کی طرف رجوع کر کے استفادہ کرنا عالم اسباب اور ماتحت الاسباب اُمور میں سے ہے اس کا شرک سے کیا واسطہ ہے؟ کیونکہ ع تمہیں ربط لوگو! ہے ہر قسم کی ہے۔

مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ اور اگر علیٰ وجہ العبادت نافع وضار اعتقاد کرنا اور تقرب علیٰ وجہ العبادت شرک ہو تو آپ کا مزعوم باطل ہو گیا اور اس پر انہوں نے در مختار اور شامی کے حوالے دیئے ہیں نہ معلوم یہ کس خیال پر مبنی ہے ایسا لگتا ہے کہ مؤلف مذکور حضرات فقہاء کرامؒ کی عبارات سے بالکل ناواقف ہیں اور خود جہل مرکب کا شکار ہیں۔ اولاً اس لئے کہ ہم نے تنقید متین ص۱۶۱ میں در مختار ص۲۹۹ کا یہ حوالہ دیا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی امیر اور اسی کی مانند کسی بڑے آدمی کی آمد پر جانور ذبح کیا تو وہ جانور حرام ہوگا کیونکہ وہ مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ کی مد میں ہے اگرچہ بوقت ذبح اس پر اس نے بسم اللہ بھی پڑھی ہو اور الکلیل ج۱ ص۱۸۱ وغیرہ کے حوالہ سے ہم نے ص۱۶۰ میں نقل کیا ہے کہ تقرب لغیر اللہ کی نیت سے ذبح کرنے والا مسلمان مرتد ہو جاتا ہے اور اس کا ذبح کیا ہوا جانور حرام ہوتا ہے ان عبارات میں ذبیحہ کے حرام ہونے اور اس شخص کے مرتد ہونے کی وجہ عبادت تو نہیں بلکہ تقرب اور تعظیم ہے پھر کیونکر شرک کو عبادت ہی کے پہلو میں منحصر سمجھا جائے؟

وثانیاً ہم نے تنقید متین ص۱۶۶ میں البحر الرائق ج۲ ص۲۹۸ اور شامی ج۲ ص۱۷۵ کے حوالہ سے مفصل عبارت لکھی ہے کہ اولیاء کرامؒ کے تقرب کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے وہ باطل و حرام ہے ایکؔ تو اس لئے کہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کے لئے عبادت جائز نہیں اور دوسرے اس لئے کہ جس کے لئے نذر مانی گئی ہے وہ میت ہے اور نذر کی چیز وہ اپنی ملک میں نہیں لے سکتی اور تیسرے اس لئے کہ نذر ماننے والے کا یہ گمان ہوتا ہے کہ میت اللہ تعالیٰ کے ورے معاملات میں تصرف کرتی ہے سو اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر صرف غیر اللہ کی عبادت ہی کفر و شرک ہے تو حضرات فقہاء کرامؒ اور علی الخصوص علامہ شامیؒ کو تیسری وجہ (ومنها ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون الله تعالیٰ فاعتقاد بذالک کفر) الگ بیان کرنے کی کیا مصیبت اور ضرورت تھی جب کہ پہلی وجہ میں عبادت کا صراحت سے ذکر آچکا ہے اور عجیب بات ہے کہ نذر ماننے والے نے تو صرف غیر اللہ کے لئے نذر ہی مانی ہے نہ تو لفظ عبادت کہا ہے اور نہ اُس نے اس کو عبادت سمجھا ہے مگر حضرات فقہاء کرامؒ نذر کو عبادت ہی سے تعبیر کرتے ہیں مؤلف مذکور کی یہ انتہائی کم علمی اور خام عقلی ہے کہ وہ شرک کو صرف دو چیزوں میں منحصر سمجھتے ہیں حالانکہ دنیا میں شرک کی بے شمار اقسام ہیں اور پہلے بھی ہم اس پر بقدر ضرورت بحث

کر چکے ہیں اور مؤلف مذکور کے معلومات کے لئے ایک دو حوالے اور عرض کرتے ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ جادو کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ۔

و ایں نوع سحر کفر صرف و شرک محض است زیراکہ در شرائط ایں سحر کہ پانزدہ اند نوشتہ ۱۰۱ شرط ایں است کہ ارواح را بر دلہا مطلع دانند و ہرگز گمان عجز و جہل آنہا نکنند و الاّ آں ارواح اجابت نکنند و بمطلب نرسانند الخ (تفسیر عزیزی بقرہ ص ۳۶۹)

جادو کی یہ قسم خالص کفر اور محض شرک ہے کیونکہ اس جادو کی شرطوں میں جو پندرہ ہیں پہلی شرط یہ لکھی ہے کہ ارواح کو دلوں پر مطلع جانتے ہیں اور ان کے عجز اور جہل کا ہرگز گمان نہیں کرتے ورنہ وہ ارواح ان کی درخواستیں نہیں قبول کرتیں اور نہ مطلب تک پہچاتی ہیں ۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ارواح کو دلوں پر مطلع سمجھنا اور اُن کی مطلب براری پر قدرت تسلیم کرنا خالص کفر اور محض شرک ہے ۔ نیز حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ

یعنی و آں سحر راکہ نازل شدہ بود بر آں دو فرشتہ کہ در بابل بودند نام آنہا ہاروت و ماروت و آں قسم اول از سحر بود کہ مذکور شدہ و صریح کفر و محض شرک است زیراکہ ارواح مدبرہ عالم را ہمرنگ خدا دانستن و نسبت بآنہا افعالے کہ خاص برائے او تعالیٰ است از حمد و ثناء و اعتقاد عموم علم و قدرت و غلبہ و عظمت بجا آوردن است الخ (تفسیر عزیزی بقرہ ص ۳۷۱ و ص ۳۶۲)

یعنی اس سحر کو جو بابل میں دو فرشتوں پر نازل ہوا تھا جن کا نام ہاروت اور ماروت تھا اور یہ جادو کی پہلی قسم ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے اور یہ صریح کفر اور محض شرک ہے کیونکہ اس میں زعم ان کے اُن ارواح کو جو جہان کے مدبر ہیں خدا تعالیٰ کی مانند سمجھتا ہے اور ان کی طرف ایسے افعال کی نسبت کرنی ہے جو صرف اللہ تعالیٰ سے مختص ہیں مثلاً حمد و ثناء اور عموم علم اور قدرت اور غلبہ کا اعتقاد اور عظمت بجا لانا ۔

اس عبارت میں ارواح کی ایسی حمد و ثناء جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور ان کیلئے عموم علم اور قدرت اور غلبہ کا اعتقاد کرنا اور ان کی ایسی تعظیم کرنا وغیرہ خالص کفر اور محض شرک ہے اور حضرت شاہ صاحب یہ تشریح فرماتے ہیں کہ جن و شیاطین و نفوس مفارقہ بنی آدم الخ (تفسیر عزیزی ص ۳۶۷ بقرہ) سب ان ...ل میں علاوہ ازیں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اگرچہ غیر اللہ کی ایسی تعظیم اور تقرب کرنے والا اس

کارروائی کو بزعم خویش عبادت نہ بھی تصور کرے اور نہ اپنے کو عابد اور جس کی تعظیم کر رہا ہے اس کو معبود خیال کرے لیکن شرعاً ایسی تعظیم پر مبنی اس کی یہ کارروائی عبادت ہی تصور ہوگی گو عبادت اسی میں بند نہیں ہے جیسا کہ ابھی انشاء اللہ العزیز نذر کا مسئلہ آرہا ہے۔ غرضیکہ اگر یہ تیسری وجہ پہلی کی طرح عبادت ہی میں منحصر ہے تو اس کو جدا بیان کرنے کی کیا حاجت ہے؟ اور یہ الگ وجہ کیسے قرار پائی؟ اس سے ثابت ہوا کہ صاحب درمختار اور علامہ شامیؒ کے نزدیک کفر و شرک صرف عبادت ہی میں منحصر نہیں ہے اور نہ عبادت لفظ عبادت میں بند ہے جیسا کہ مؤلف مذکور نے اپنی جہالت کی وجہ سے یہ تصور کر رکھا ہے بلکہ نذر بھی عبادت ہے۔ وثالثاً امام نوویؒ اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نقل کرتے ہیں کہ

فان قصد مع ذالک تعظیم المذبوح لغیر اللہ والعبادۃ لہ کان ذالک کفراً فان کان الذابح قبل ذالک مسلماً صار بالذبح مرتداً (شرح مسلم ج ۲ ص۱۶۰ وفتاویٰ عزیزی ج ۱ ص۲۲)	سو اگر اس نے اس کے ساتھ مذبوح لغیر اللہ کی تعظیم اور اس کی عبادت کا قصد کیا تو یہ کفر ہوگا اگر ذبح کرنے والا اس سے قبل مسلمان تھا تو ذبح کے ساتھ مرتد ہوگیا۔

اس میں وجہ کفر غیر اللہ کی تعظیم اور عبادت دو چیزیں بیان کی گئی ہیں اور واو عطف سے بیان ہوئی ہیں جو مغایرت کے لئے ہے یہ نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور نے سمجھا ہے کہ مدار کفر و شرک کسی کو معبود سمجھنے پر ہی ہے اگر ایسا ہوتا تو اس کی تعبیر یوں ہوتی تعظیم المذبوح لغیر اللہ علی وجہ العبادۃ بالاجل العبادۃ اس سے صراحتہً یہ ثابت ہوا کہ تقرب لغیر اللہ اور تعظیم غیر اللہ کے ارادہ سے بھی جانور ذبح کرنا حرام اور کرنے والا مشرک ہے اور یہی حکم ہے تمام ماکولات، مشروبات وملبوسات کا جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے حوالہ سے تنقید متین میں نقل کیا گیا ہے ورابعاً صاحب درمختار کے قول بہذا النحر کے آگے یہ عبارت بھی مؤلف مذکور کو ملحوظ رکھنی چاہیئے۔

ونحوہ فی شرح الوہبانیۃ عن الذخیرۃ ونظمۂ فقال ہ وفاعلہ جمہورہم قال کافر وفضل واسمٰعیل لیس بکفر۔ ھکذا فی مطالب المؤمنین والاشباہ والنظائر۔	اور اسی طرح شرح وہبانیہ میں ذخیرہ سے نقل کیا ہے اور اس کو منظوم کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایسی کارروائی کرنے والا جمہور کے نزدیک کافر ہے اور امام فضلیؒ اور اسمٰعیلؒ فرماتے ہیں کہ وہ کافر نہیں اسی طرح مطالب المؤمنین

درمختار ج ۴ ص۲۲۳ طبع نولکشور د فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص۲۲ واللفظ لہ) اور الاشباہ والنظائر میں ہے

یعنی امام الفضلیؒ اور امام اسمٰعیل الزاہدیؒ کے علاوہ جمہور فقہاء کرامؒ اس شخص کی تکفیر ہی کرتے ہیں۔ جو کسی بڑے شخص کی آمد پر تعظیم و تقرب کے طور پر جانور ذبح کرتا ہے لیکن امام فضلیؒ اور اسمٰعیلؒ فرماتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ شاید ذابح نے جانور تقرب و تعظیم کے طور پر ذبح نہ کیا ہو بلکہ اکرام ضیف کے طور پر یا اس کی آمد کی خوشی پر (استبشاراً بالقدوم کما اولہ الرافعیؒ راجع نووی ج ۲ ص۱۶۱ و فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص۲۲) ذبح کیا ہو کیونکہ مسلمان کے فعل کو کسی اچھے محمل پر ہی حمل کرنا چاہیے لیکن نزاع تو اس میں ہے کہ جو شخص غیر اللہ کے تقرب اور تعظیم ہی کا قصد کرے تو اس کا کیا حکم ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ وَمَآ اُہِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

وکذا لو ذبح شاۃً علی النصب من الانصاب او علی قبر من القبور وقصد بہ التقرب الی صاحب القبر او صاحب النصب وذکر اسم اللّٰہ علیہا لا تحل بھذا النص الصریح ومدار کل ذالک علی قصد التقرب الی غیر اللّٰہ الخ (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص۲۲)

اسی طرح اگر کسی نے بتوں میں سے کسی بت پر یا قبروں میں سے کسی قبر پر بکری ذبح کی اور اس سے اس نے صاحب قبر اور جس کے نام کا بت ہے اس کا قصد کیا اور بسم اللہ بھی اس نے اس پر پڑھی تو اس نص صریح کی وجہ سے وہ حلال نہیں اور اس سب کا دارو مدار تقرب الی غیر اللہ کے قصد پر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں ایسے بدبخت بھی ہیں جو صاحب قبر اور صاحب بت کے تقرب کا قصد اور نیت بھی کرتے ہیں اور ایسے ہی مشرک کے بارے ہماری گفتگو ہو رہی ہے اور تقرب اور تعظیم کا یہی پہلو بعض اوقات عبادت کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور علامہ شامیؒ کی عبارت میں علیٰ وجہ العبادت اسی تقرب کو شرک کہا گیا ہے کیونکہ تقرب کی بعض صورتیں مثلاً تقرب لاکرام الضیف والانتفاع باللحم وغیرہ ایسی بھی ہیں جو شرک کی مد میں نہیں ہیں جن کا ذکر عنقریب آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

علاوہ ازیں مؤلف مذکور نے علامہ شامیؒ کی پوری عبارت نقل نہیں کیونکہ ایسا کرنے سے ان کے دجل کی قلعی کھل جاتی ہے علامہ شامیؒ کی پوری عبارت یہ ہے۔

قولہ انہ یتقرب الی الآدمی ای علی وجہ العبادۃ — ان کا یہ قول کہ وہ اس طریقہ سے آدمی کا تقرب کرتا ہو گا

لانه المکفر لکن لما کان فی ذالك تعظیم له لم تکن التسمیة مجردة ﷲ تعالیٰ حکمًا کما لو قال بسم اللہ و اسم فلان حرمت ولا ملازمة بین الحرمة والکفر کما قدمناہ عن المقدسی فافہم انتہٰی (شامی ج۵ ص۲۷۰ طبع مصر)

یعنی عبادت کے طور پر کیونکہ یہی موجب کفر ہے لیکن جب اس میں غیر اللہ کی تعظیم ہے تو حکمًا بسم اللہ پڑھنا اللہ تعالیٰ کے لئے خالص نہ ہوا جیسا کہ کوئی ذبح کرتے وقت، کہے اللہ تعالیٰ کے نام سے اور فلاں کے نام سے تو یہ حرام ہے اور حرام ہونے اور کفر میں کوئی تلازم نہیں ہے جیسا کہ ہم نے امام مقدسیؒ سے پہلے نقل کیا ہے اس کو خوب سمجھو۔

یعنی یہ ضروری نہیں کہ جو چیز حرام ہو وہ کفر بھی ہو، ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کفر نہ ہو لیکن حرام ہو گویا امام فضلیؒ اور امام زاہدیؒ کا جمہور فقہاء کرامؒ سے اختلاف کفر اور عدم کفر کا ہے اس کے حرام ہونے میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ آپ اگر واقعی مسلمانوں کو مشرک بنانے پر تلے ہوئے ہیں تو پھر یہ ثابت کیجئے کہ جہلاء بڑے پیر کو معبود سمجھ کر پوجتے ہیں وبدونہ خرط القتاد۔ نصوص قطعیہ سے بے خبری کا نتیجہ ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓـئِهِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّکُمْ لَمُشْرِکُوْنَ ۝ (پ۸۔ الانعام۔۱۲۰)

اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑیں ○ اور اگر تم ان کا کہا مانو تو اس وقت تم مشرک ہو۔

یہ ترجمہ ہم نے آپ کے اعلیٰ حضرت کا نقل کیا ہے اس کی تفسیر میں آپ کے صدر الافاضل لکھتے ہیں ص۲۴۱ اور اللہ کے حرام کئے ہوئے کو حلال جانو ص۲۴۲ کیونکہ دین میں حکم الٰہی کو چھوڑنا اور دوسرے کے حکم کو ماننا اللہ کے سوا اور کو حاکم قرار دینا شرک ہے (ص۲۰۷)

اور مفتی احمد یار خاں صاحب آخری جملہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں جو شرک کرے وہ مشرک جو مشرکوں سے دینی محبت کرے وہ مشرک جو مسلمانوں سے مذہبی نفرت رکھے وہ بھی مشرک کافر ہے (نور العرفان ص۲۲۷) دنیا میں ثنویہ فرقہ کے بغیر جو یزدان واہرمن کے چکر میں مبتلا ہے وہ کون احمق ہے جو شیاطین اور ان کے چیلوں کو معبود سمجھتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو یہ ہے کہ ان کی اطاعت کرنا بھی شرک ہے اور آگے جو تشریح آپ کے صدر الافاضل اور مفتی صاحب نے کی ہے وہ بھی بالکل واضح

ہے جو شرک کی بے شمار قسموں میں سے بعض ہیں تو یہ دعویٰ کرنا کہ شرک جبھی ہو گا کسی کو معبود سمجھا جائے جیسا کہ مؤلف مذکور نے کیا ہے نری جہالت ہے اور دین کے واضح احکام سے بالکل بے خبری ہے

مؤلف مذکور کا مرثیہ گنگوہیؒ سے حضرت شیخ الہندؒ کا یہ شعر نقل کرنا تمہاری تربت انور الخ بالکل بے موقع اور بے محل بات ہے اور اپنے ناخواندہ اور حقیقت ناشناس حواریوں کو کچھ کر دکھانے کا ایک ناکام حربہ ہے اس لئے کہ حضرت موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رَبِّ اَرِنِیْ فرمایا تھا اور حضرت شیخ الہندؒ اپنے پیر و مرشد کو اسی مرثیہ میں شیخ ربانی سے تعبیر کرتے ہیں تشبیہ صرف اس بات میں ہے کہ جیسے حضرت موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رَبِّ اَرِنِیْ فرما کر اپنے رب کی رؤیت اور دیدار کا سوال کیا تھا میں آپ کی قبر کو طور سے تشبیہ دے کر آپ کے دیدار کا متمنی ہوں فرمائیے اس میں شرعاً کیا اور کونسی قباحت ہے؟ اور یہ بات با حوالہ اپنے مقام پر عرض کی جا چکی ہے علامہ عینیؒ فرماتے ہیں۔

قلت التشبیہ لا عموم لہ فلا یلزم ان یکون فی جمیع الاجزاء (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۴)	میں کہتا ہوں کہ تشبیہ میں عموم نہیں ہوتا سو تشبیہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ (مشبہ کی مشبہ بہ کے) تمام اجزاء میں مشابہت ہو۔

اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔

والتشبیہ لا یشترط فیہ المساواۃ من کل جھۃ (شرح نخبۃ الفکر ص ۸)	کہ تشبیہ میں من کل الوجہ مساوات شرط نہیں ہے۔

الغرض اپنے استاد اور پیر و مرشد کے فراق اور مرثیہ میں شاعرانہ تخیل کے طور پر مبالغۃً اپنے مرشد کی تربت کو طور سے تشبیہ دے کر (جو خود ان کی عبارت میں مصرح ہے) یہ آرزو کرنا کہ بعد از مرگ بھی مجھے ان کا دیدار نصیب ہو اس کا شرک سے کیا تعلق ہے اور اس قسم کی غیر متعلق باتوں کی خواہ مخواہ فضول بھرتی سے مؤلف مذکور کو کیا حاصل ہے؟ مگر وہ یہ کہہ سکتے ہیں ؎

؎ نہیں ملتا سخن اپنا کسی سے ۔۔۔ ہماری گفتگو کا ڈھب جدا ہے

نذر پوری نہ ہونے پر ضرر کا ترتب مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ نذر پوری نہ ہونے پر ضرر کے ترتب کا عقیدہ آپ نے عوام اہل سنت یا جہلاء کی طرف بلا شہادت منسوب کر دیا ہے آپ اس پر کوئی حوالہ اور سند نہیں لائے یہ عقیدہ آپ کے سلوف میں موجود ہے۔

چنانچہ امت دیوبند کا واحد سہارا شاہ ولی اللہؒ اپنے والد شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی کرامات کے باب میں ذکر فرماتے ہیں :- حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ فرہاد بیگ کو کوئی مشکل آپڑی اس نے نذر مانی کہ اے خدا اگر یہ مشکل حل ہوگئی تو میں اس قدر ہدیہ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پیش کروں گا چنانچہ وہ مشکل حل ہوگئی اور وہ نذر پوری کرنا بھول گیا کچھ عرصہ بعد اس کا گھوڑا بیمار ہوگیا اور ہلاکت کی دہلیز تک آپہنچا میں اس بیماری اور ہلاکت کے سبب پر مطلع ہوا اور ایک خادم کے ذریعہ پیغام بھجوایا کہ یہ بیماری نذر نہ پوری کرنے کے سبب سے ہے اگر گھوڑے کی خیریت چاہتا ہے تو فلاں نذر جسے فلاں جگہ مانا تھا پوری کر۔ وہ اپنے فعل پر نادم ہوا اور نذر ارسال کی اور اسی وقت اس کا گھوڑا شفایاب ہوگیا (انفاس العارفین ص۵۴)۔

اللہ اکبر آپ کہتے ہیں کسی کو نافع وضار سمجھنا بھی شرک ہے تقرب لغیر اللہ بھی شرک ہے اور شاہ صاحبؒ فرہاد بیگ کو اپنے تقرب اور اپنے نفع و ضرر کی تلقین کر رہے ہیں فرہاد بیگ تو خیر آپ کے نزدیک مشرک ہوا ہی لیکن شاہ صاحبؒ کا مقام آپ کے ہاں ابلیس سے کیا کم ہوگا؟ اپنی عبادت پر راغب کرنا شیطان لعین کا کام ہے اگر آپ کے دل میں انصاف کا شمہ بھی موجود ہے تو شاہ عبدالرحیم صاحبؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے بیزاری کا اعلان کریں پھر جو لوگ آپ کے فتوی کی زد میں آتے ہیں ان کی عبارتوں کو بطور دلیل آپ کیوں پیش کرتے ہیں؟ جن امور کو دیوبندیا ببانگ دہل کفر و شرک حرام و بدعت کہتے ہیں ان تمام امور میں ان کے اکابر و اصاغر سر سے پاؤں تک غرق ہیں آخر کب تک دیوبند کے ان بتوں کی پوجا ہوگی اب وقت آگیا ہے کہ ان کے چہروں سے مکرو فریب کی نقاب اتار کر عوام کو ان کے اصلی چہروں سے روشناس کرایا جائے (محصلہ ص۸۷ و ۹۷)

الجواب مؤلف مذکور کو ان کی پارٹی کے بعض سہارا دینے والوں نے بلا وجہ محقق۔ مدقق علامہ اور قلم کے دھنی کا خطاب دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ مؤلف مذکور کو علم و فہم سے کوئی سروکار نہیں ہے بے جوڑ غیر متعلق حوالے اور ادھر ادھر سے فضول بھرتی کر کے وہ بلا وجہ خوش ہو رہے ہیں اور یہ بے کار بھرتی بھی ان کو ہرگز سود مند نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ ایک ہے نذر پوری نہ ہونے پر ضرر کا ترتب یہ اور چیز ہے اور ایک ہے اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو نافع اور ضار سمجھنا جس کے قبضہ اور بس میں نفع اور ضرر ہو یہ الگ چیز ہے اس حوالہ سے جو ثابت ہے وہ پہلی چیز ہے اور مؤلف مذکور کا دعویٰ دوسری چیز کا اثبات

ہے چنانچہ مؤلف مذکور انفاس العارفین کا حوالہ نقل کرنے کے بعد اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں اور پھولے نہیں سماتے ہ اللہ اکبر آپ کہتے ہیں کسی کو نافع وضار سمجھنا بھی شرک ہے۔ تقرب بغیر اللہ بھی شرک ہے اور شاہ صاحبؒ فرہاد بیگ کو اپنے تقرب اور اپنے نفع وضر کی تلقین کر رہے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ بیماری نذر پوری نہ کرنے کے سبب سے ہے (کہ ایں بیماری بسبب عدم وفا نذر است) کیونکہ نذر و منت ماننے والے کا کام جب پورا ہو جائے تو اس پر نذر کو پورا کرنا فقہی طور پر لازم اور واجب ہوتا ہے اور یہ تکلیف اس واجب کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے ہوئی اس میں انہوں نے اپنے نافع وضار ہونے کی تلقین کب کی ہے ؟ اور اس میں تقرب لغیر اللہ کا سبق کہاں دیا ہے ؟ وثانیاً اس عبارت میں تصریح ہے کہ اے خدا اگر یہ مشکل حل ہوگئی تو میں اس قدر ہدیہ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پیش کروں گا (بار خدایا اگر ایں مشکل برآید ایں قدر مبلغ حضرت ایشاں ہدیہ برم) اس عبارت میں تصریح ہے کہ نذر ماننے والا نافع وضار صرف خدا تعالیٰ ہی کو سمجھ رہا ہے اور اسی سے التجا کرتا ہے کہ اگر میری مشکل حل ہوگئی تو میں اس قدر ہدیہ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں پیش کروں گا نذر اس نے حضرت شاہ صاحب کے لئے نہیں مانی نذر تو خدا تعالیٰ کے لئے مانی ہے ہاں اس نذر کی رقم اور ہدیہ کے مصرف شاہ صاحبؒ ہیں اور یہ ان کے لئے ہدیہ ہے اور دینے والا جب حضرت شاہ صاحبؒ کی زندگی میں ان کو ہدیہ دینا چاہتا ہے تو گویا ایک گونہ ان کو محتاج سمجھ کر ہدیہ پیش کرتا ہے نہ کہ نافع وضار سمجھ کر وثالثاً بعض جہلاء (جن کی بات ہو رہی ہے) گیارھویں دینے سے قبل ہی یہ غلط عقیدہ اور نظریہ قائم کئے ہوتے ہیں کہ اگر ہم نے بر وقت گیارہویں نہ دی تو ہمیں نقصان و خسارہ ہوگا اور خدانخواستہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے طبعی طور پر کسی وقت ان کو کوئی تکلیف پہنچی ہے تو جھٹ کڑی اس سے ملاتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ہم سے کوئی کمی و کوتاہی سرزد ہوگئی ہے اور یہاں معاملہ یہ ہے کہ فرہاد بیگ بیچارہ نہ تو پہلے اس نظریے کا قائل ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نافع وضار ہیں اور نہ تکلیف پہنچنے کے بعد ہی وہ گھوڑے کی بیماری کا سبب سمجھ سکا ہے اس کو تو ازراہ ہمدردی اور خیر خواہی حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی دینی بصیرت اور علمی فراست سے یہ پیغام بھیج کر بتایا ہے کہ تیرے گھوڑے کی بیماری کا سبب عدم وفاء نذر ہے بتانے کے بعد پھر کہیں اس کو بات سمجھ آئی ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ نے لالچ و طمع کے طور پر نہیں (کیونکہ وہ حضرات بڑے ہی خدا

رسیدہ ہوتے تھے) بلکہ ایک مسلمان کے ساتھ ہمدردی کے طور پر یہ فرمایا کہ نذر پوری کرو تاکہ وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ کا قرآنی حکم بھی پورا ہو اور دِیْنٌ زُوْنَ وَلَا یَفُوْنَ (بخاری ج ۱ ص ۳۶۲) کی حدیث کی زد سے بھی بچا جا سکے۔ الحاصل انفاس العارفین کے اس حوالہ سے نہ تو حضرت شاہ صاحبؒ کا نافع وضار ہونا ثابت ہے اور نہ فرہاد بیگ کا لغیر اللہ تقرب کرنے کا ثبوت ہے اور نہ تو وہ کافر و مشرک ہے اور نہ حضرت شاہ صاحبؒ ہی معاذ اللہ تعالیٰ شیطان ہیں اور نہ انہوں نے اپنی عبادت کی تلقین کی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ دونوں عالم ہونے کے علاوہ اہل اللہ میں سے بھی تھے اور علماء دیوبند ان کی صریح اور ٹھوس عبارات سے استدلال کرنے میں حق بجانب ہیں اور ان کو اپنا پیشوا سمجھتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ آپ اپنے دلِ ماؤف کی بھڑاس نکالنے کے لیے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کو امت دیوبند کا واحد سہارا کہہ کر اور مولوی محمد عمر صاحب ان کو بدرنگ کہہ کر ان سے وابستگی سے گریز کرتے ہیں (دیکھئے مقیاس حنفیت ص ۵۷۶ طبع چہارم) جن کی عبارات تیز نشتر کی طرح آپ حضرات کے سینوں کو زخمی کرتی ہیں اور پھر سمجھدار عوام کے سامنے آپ لوگوں کی جہالت اور پیٹ پروری کی جو آپ کا متاع عزیز ہے خوب خوب نقاب کشائی ہوتی ہے کہ نہ تو اگلتے بنے اور نہ نگلتے ؎

کوئی صاحب نہ ہوں للہ ناخوش سن کے یہ مصرع — خیال حُبِ قومی تیجے اور فکر شکم پہلے

بارہ سال کا بیڑا تنقید متین میں بعض جہلاء کے اس غلط نظریہ کا رد کیا گیا تھا کہ کامل ولی مثلاً ایک سیر دودھ یا سیر چاول نہ ملنے کی وجہ سے جوش انتقام میں آکر عین شادی کے موقع پر نوجوان کا بیڑا غرق کر دے (محصلہ) اور مفتی احمد یار خاں صاحب کے حوالہ کو تنقید متین میں افسانہ اور گپ سے تعبیر کیا گیا تھا اس پر مؤلف مذکور گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اوّلاً بارہ ۱۲ سال کا غرق شدہ بیڑا پار کرنا حضرت شیخ صاحبؒ کی مشہور کرامت ہے اور لکھتے ہیں کہ آپ نے حضرت شیخ صاحبؒ پر خالص افتراء باندھا ہے کہ انہوں نے گیارہویں وصول نہ ہونے کی بنا پر نوجوان کا مع اپنے براتیوں کے بیڑا غرق کر دیا اور گیارہویں وصول کر کے بارہ ۱۲ سال بعد بیڑا پار کر دیا ہماری تحقیق یہ ہے کہ حضرت شیخ صاحبؒ کو دریا کے کنارے ایک مغموم بڑھیا نظر آئی دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ بارہ ۱۲ سال ہوئے ہیں کہ ان کا نوجوان بیٹا مع براتیوں کے غرق ہو چکا ہے اسلامی اور دینی محبت کی وجہ سے آپ کا دل بھر آیا سجدہ میں سر رکھ کر دعا

مانگی اے اللہ اس بڑھیا کے بیٹے اور براتیوں کے غرق شدہ بیڑے کو نکال دے قادر مطلق اور کارساز حقیقی نے اپنے بندۂ کامل کی دعا منظور فرمائی اور غرق شدہ بیڑا نکال دیا (بحوالہ سلطان الاذکار فی مناقب الابرار) وثانیاً اس واقعہ کے محال ہونے کی یا تو یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ غرق شدہ بیڑے کو پار لگانا اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی سے باہر ہو جو قطعاً محال ہے کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کیسی افسوسناک بات ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے لئے کذب اور زنا جیسی قباحت جو محال بالذات ہے ثابت کرتے ہیں اور قدرت الٰہیہ کا وظیفہ رٹنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ محال بالذات تحت قدرت نہیں ہوتا اور بارہ سال کا ڈوبا ہوا بیڑا ترانا امر ممکن اور جائز الوقوع ہے اسے قدرت الٰہیہ سے بعید سمجھ کر بے جا تاویلیں شروع کر دیتے ہیں جب کہ مردوں کا زندہ کرنا قدرت الٰہیہ میں امر ممکن ہی نہیں بلکہ امر واقع ہے حضرت عزیر علیہ السلام کا سو سال کے بعد زندہ ہونا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعدد واقعات ہیں جدید وقدیم مردوں کو زندہ کرنا ہے وثالثاً اگر آپ اس واقعہ کو قدرت الٰہیہ میں جائز الوقوع مانتے ہیں تو اس کے محال ہونے کی ایک ہی وجہ رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی دعا سے کوئی خرق عادت نہ ظاہر فرماتا ہو قرآن کریم میں ہے کہ حضرت مریمؑ کے پاس بے موسمی پھل آتے تھے اور آصف بن برخیا کو اللہ تعالیٰ نے تخت کو مسافت کثیرہ سے پلک جھپکنے سے پہلے لانے پر قادر کر دیا آپ کے حکیم الامت نے بھی اس کو تسلیم کر لیا ہے یہ واقعات تو سابقہ ادیان کے اولیاء پر ظاہر ہوئے پھر امت محمدیہ کے اولیاء پر اور خصوصاً اس ولی پر جو قدمی ہٰذہٖ علٰی رقبۃ کل ولی کا وصف رکھتا ہو کرامت کا دروازہ کس طرح بند ہو جائے گا مشکوٰۃ شریف ص۱۹۷ میں ہے اگر میرا ولی مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور عطا فرماؤں گا تو پھر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مراد پوری نہ کر کے اپنا وعدہ پورا نہیں فرمایا یا تو آپ رافضیوں کی طرح حضرت شیخ صاحبؒ کو ولی نہیں سمجھتے یا خدا کو جھوٹا سمجھتے ہیں (معاذ اللہ) ورابعاً ابھی انفاس العارفین سے گزر چکا ہے کہ آپ کے مسلم پیر شاہ عبدالرحیمؒ نے نذر وصول نہ ہونے پر ایک گھوڑے کا بیڑا غرق کر دیا اور نذر لے کر چھوڑی گستاخی معاف یہ انتقام کس شریعت سے جائز ہو گا وخامساً اگر آپ ڈوبے ہوئے جہاز کے ترانے کے انکار پر اصرار ترک نہیں کرتے تو کرامات امدادیہ کا مطالعہ کیجئے تھانوی صاحبؒ کے پیر کی ایسی کرامتیں مل جائیں گی اور اگر مردہ زندہ کرنے کو آپ غریب سمجھتے ہوں تو مرتبہ گنگوہی ملاحظہ کریں یہ اجمال ہے تفصیل آگے آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ نیز بارہ سال کی ڈوبی

ہوئی کشتی ترا دینے کا واقعہ بہر حال نص قطعی سے ثابت ہے ہی نہیں کہ اس پر ایمان لانا ضروری قرار دیا جائے اس قسم کے واقعات خطابیات کے قبیل سے ہوتے ہیں جو اگر روایات صحیحہ سے ثابت ہوں اور اصول دینیہ سے متعارض نہ ہوں تو انہیں ظن کے درجہ میں مان لینا کافی ہوتا ہے مولوی سرفراز صاحب کی اصل چونکہ اعتزال پر مبنی ہے اس لئے انہوں نے غوث اعظمؒ کی اس کرامت کو روایۃً طوعاً وکرہاً تسلیم کر لیا ہے درایۃً تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کی یہ تاویل کی ہے کہ کسی بڑھیا کا کوئی لڑکا دس بارہ سال آوارگی کے دریا میں غوطے کھاتا رہا ہوگا اور شیخؒ کی دعا سے ہدایت پاگیا ہوگا (محصلہ) جواب یہ ہے کہ کسی بھی واقع کو اس کے ظاہر سے ہٹانے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب اس کے ظاہری محمل پر کوئی استحالہ شرعی یا عقلی لازم آتا ہو اور بارہ سال کا بیڑا تر ادینا امر خارق للعادت ہے اور اولیاء سے اس کا صدور جائز ہے شرح عقائد صا۱۰ میں ہے کہ ولی کی کرامت اس کا کسی امر خارق عادت کو ظاہر کرنا ہے جو دعویٰ نبوت سے مقرون نہ ہو اور اگر اب بھی آپ کو پس وپیش ہے تو ارواح ثلاثہ کا مطالعہ کیجئے جو الف سے لے کر یا تک سلوف دیوبند کی مزعومہ کراماتؒ سے بھری پڑی ہے (انتہی محصلہ، ص۸۰ تا ۸۳)

الجواب۔ مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ تحریر کیا ہے بالکل تطویل لاحاصل ہے اور نری لفاظی اور دفع الوقتی ہے ہم بفضلہ تعالیٰ ترتیب وار ان کی باتوں کا جواب عرض کرتے ہیں بغور فرمائیں اول تو اس لئے کہ ہم نے حضرت شیخ صاحبؒ پر کوئی افتراء نہیں باندھا بلکہ ان کو کامل ولی کہہ کر عوام اور جہلاء کا ان کے بارے غلط نظریئے کا رد کیا ہے افتراء بعض جہلاء کا ہے جس کا ہم نے رد کر کے حضرت شیخ صاحبؒ کے دامن کو اس سے پاک کیا ہے مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ ہم نے معاذاللہ تعالیٰ افتراء باندھا ہے ٹیڑھے دماغ کی نکمی پیداوار ہے ہم نے اس واقعہ کی جو توجیہ بیان کی ہے وہ اس سے کئی درجے بڑھ کر صحیح ہے جو انہوں نے سلطان الاذکار فی مناقب الابرار کے حوالہ سے نقل کی ہے کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعات میں احیاء موتیٰ کا ثبوت تو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت نصوص سے ثابت ہے اور حضرات اولیاء کرامؒ کی کرامات میں احیاء موتیٰ کے واقعات کن قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت نصوص سے ثابت ہیں تاکہ ایسے واقعہ کو تسلیم کر کے ان کا ایک فرد تصور کیا جائے ؟ کتب تاریخ وسیر اور کتب اسماء رجال وغیرہ میں بزرگوں کی کرامات میں بعض واقعات ہم نے بھی پڑھے ہیں اگر آپ محنت شاقہ سے دس واقعات بھی ایسے ڈھونڈ نکالینگے

توبفضلہ تعالیٰ ہم باحوالہ ان سے کہیں بڑھ کر عرض کرسکتے ہیں لیکن یہ تمام واقعات ظنی ہیں قطعی نہیں آپ نے جو قدسے علمی اور کام کی باتیں اپنی کتاب میں لکھی ہیں ان میں سے ایک آپ کے الفاظ میں یہ بھی ہے: نیز بارہ سال کی ڈوبی ہوئی کشتی ترادینے والا واقعہ بہرحال نص قطعی سے تو ثابت ہے ہی نہیں کہ اس پر ایمان لانا ضروری قرار دیا جائے اس قسم کے واقعات خطابیات کے قبیل سے ہوتے ہیں جو اگر روایات صحیحہ سے ثابت ہوں اور اصول دینیہ سے متعارض نہ ہوں تو انہیں ظن کے درجہ میں مان لینا کافی ہوتا ہے (ص۸۲)۔ سوال یہ ہے کہ ایسے نرے خطابی اور ظنی واقعات کو سہارا دینے کی کیا ضرورت ہے جس سے جہلاء کے عقیدے مزید خراب ہونے کا خطرہ ہو اور قرائن وشواہد اس پر موجود ہوں کہ وہ تنکوں کے پُل پر سے اپنی نسلیں گذارنے کا ادھار کھائے بیٹھے ہوں یہ دین کی کونسی خدمت ہے۔ اور دوم اس لئے کہ بارہ سال تو درکنار بارہ ہزار سال کے غرق شدہ بیڑے کا نکال دینا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور نہ تو یہ ناممکن ہے اور نہ محال بالذات ہے لیکن سند کے لحاظ سے اس کا ثبوت بھی تو ہونا چاہیئے اور آپ خود اس کو نص قطعی سے ثابت نہیں مانتے اور خطابی اور ظنی کہہ کر گلوخلاصی چاہتے ہیں رہا آپ کا یہ لکھنا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے لئے کذب اور زنا جیسی قباحت کو جو اللہ تعالیٰ کے لئے محال بالذات ہے ثابت کرتے ہیں الخ تو آپ کا اپنے بڑوں کی طرح نرا دجل ہے۔

کیونکہ کسی دیوبندی عالم نے اللہ تعالیٰ کے لئے معاذ اللہ تعالیٰ کذب نہیں ثابت کیا خلفِ وعید اور امکانِ کذب کا مسئلہ الگ ہے کہ کیا خلافِ واقع جملہ بولنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے یا نہیں؟۔

اصل کتاب تنقید متین میں فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ سے اس پر باقاعدہ بحث موجود ہے کہ اہل حق کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے لیکن نہ اس نے کبھی بولا ہے اور نہ بولے گا اور اگر خلاف واقعہ جملہ بولنا محال بالذات ہے تو چاہیئے کہ مخلوق بھی اس پر قادر نہ ہو حالانکہ ابھی آپ نے دیوبندیوں کے خلاف جھوٹ بولا ہے کہ وہ خدا کے لئے کذب ثابت کرتے ہیں (معاذ اللہ تعالیٰ) اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ لوگوں کے نزدیک معاذ اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کی قدرت مخلوق کی قدرت سے بھی کمتر ہے کیونکہ محال بالذات کسی صورت اور کسی تقدیر پر واقع نہیں ہوتا اور آپ کی یہ بات بجا ہے کہ محال بالذات تحت قدرت نہیں ہوتا (ص۱۸۱) حالانکہ اسی کتاب میں آپ نے بے شمار جھوٹ بولے ہیں نہ معلوم ان محال بالذات امور پر آپ کیسے قادر ہوگئے ہیں؟ یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اہل حق کے نزدیک صفت کلام ثابت ہے اور وہ متکلم ہے اور کَلَّمَ اللّٰہُ

مُوسٰی تَکْلِیْمًا اس کا واضح ثبوت ہے اور کتب کلام و عقائد میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث موجود ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کو متکلم تسلیم کر کے واقع کے مطابق جملہ پر اسے قادر تسلیم کرنا اور خلاف واقع جملہ بولنے پر اس کی قدرت تسلیم نہ کرنا اس کی بے انتہا قدرت کو محدود کرنا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) مؤلف مذکور کا یہ دوسرا اور صریح جھوٹ ہے کہ علماء دیوبند کثرہم اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے لئے زنا ثابت کرتے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) مؤلف مذکور کا اخلاقی فریضہ ہے جس سے وہ سراسر محروم ہیں کہ وہ صاف اور صریح الفاظ میں علماء دیوبند کے حوالہ سے یہ ثابت کریں کہ فلاں کتاب میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے زنا ثابت ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) مگر صد افسوس ہے کہ اتنا اور ایسا صریح جھوٹ بول کر بھی ان کو قطعاً شرم نہیں آتی سچ ہے کہ ع بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن۔ چونکہ زنا کے لئے جسم اور جسمانی اعضاء درکار ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے منزہ اور پاک ہے اس لئے وہ اس قباحت سے بھی مبرا ہے باقی حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ اور اسی طرح حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احیاء موتٰی کے معجزات نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں جن کا کوئی مسلمان منکر اور مؤول نہیں لہٰذا ان کا تذکرہ اس موقع پر بالکل غیر متعلق ہے اور سوم اس لئے کہ ہم کرامات اولیاء کرام کے منکر نہیں بلکہ دلائل کے ساتھ مثبت ہیں اور راہ ہدایت وغیرہ میں ہم نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت آصف بن برخیا کے واقعات نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں ہم دل وجان سے ان کو تسلیم کرتے اور ان پر ایمان لاتے ہیں ہم خرق عادات کے وقوع کے ہرگز منکر نہیں بلکہ وزنی دلائل سے ہم ان کا اثبات کر چکے ہیں اس لئے ان کو درمیان میں لانا بیجا امر ہے اسی طرح حضرت شیخ صاحبؒ کا یہ ارشاد کہ میرا قدم تمام ولیوں کی گردن پر ہے بجا ہے کہ ان کے بعد اس سلسلہ کے آنے والے ولی اور بزرگ ان سے تصوف کے فن کے خوشہ چین ہیں اور آج تک قادری سلسلہ مشہور چلا آرہا ہے ان کے ارشاد کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کو خدائی اختیارات حاصل تھے اور وہ نافع وضار تھے جیسا کہ عوام کالانعام کا خیال ہے اور دبی زبان سے جس کے اثبات کے درپے مؤلف مذکور ہیں حاشا وکلا خدائی کوئی صفت ان کو حاصل نہ تھی وہ بڑے موحد اور داعی توحید وسنت تھے غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب ان کی اپنی تصنیف کردہ کتابیں ہیں اور ان میں ان کے ارشادات موتیوں کی طرح چمک رہے ہیں ہم بفضلہ تعالیٰ حضرت شیخ صاحبؒ کو اپنے ایک سلسلہ کا رئیس الاولیاء تسلیم کرتے ہیں اور ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے رافضیوں اور ان کے بھائیوں کے غلط عقائد

واعمال کی دھجیاں فضائے آسمانی پر بکھیر کر رکھ دی ہیں کہ ان کے رفوگر تا قیامت ان کو رفو نہ کر سکیں باقی مشکوٰۃ شریف ص۹۷ کے حوالہ سے مؤلف مذکور نے جو حدیث قدسی نقل کی ہے کہ اگر میرا ولی مجھ سے سوال کرے تو میں اُسے ضرور عطا فرماؤں گا۔ اس سے ان کی کیا مراد ہے؟ اگر تو یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ولی اللہ تعالیٰ سے جو سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق اور ولی کی شان کے لائق بعض چیزیں عطا فرما دیتا ہے تو بالکل بجا ہے اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟ اور اگر یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ولی کا ہر ہر سوال قبول فرماتا ہے اور کسی سوال کو رد نہیں کرتا تو یہ اصول شریعت کے بالکل خلاف ہے کیونکہ نبی کا درجہ یقیناً اور قطعاً ولی سے بڑھ کر ہوتا ہے اور نصوص قرآنیہ اور احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں کہ ہر سوال ہر نبی کا بھی قبول نہیں ہوا قرآن کریم میں تصریح ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے کی نجات کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا لَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں الغرض حضرت نوح علیہ السلام کا یہ سوال منظور اور قبول نہ ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر تین دعائیں مانگیں دو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیں اور تیسری منظور نہ فرمائی (مسلم ج ۲ ص۳۹۰ و ترمذی ج ۲ ص۴۰ وقال ہذا حدیث حسن صحیح و موارد الظمآن ص۴۵۳) جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول نہ ہوئی تو پھر ولی کی ہر دعا قبول ہونے کا دعویٰ کب صحیح ہو سکتا ہے گو خدا تعالیٰ کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں ہے ؎

خطا اگرچہ ہماری رہی ہے روز افزوں ۔۔۔ عطا خدائے دو عالم کی کیسے کم بھی رہی؟

اور چہارم اس لئے کہ انفاس العارفین کی عبارت کا مطلب ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ وعدہ پورا نہ کرنے پر گرفت رب تعالیٰ نے فرمائی انتقام حضرت شاہ صاحبؒ نے نہیں لیا اور پنجم اس لئے کہ بفضلہ تعالیٰ ہم نے کرامات امدادیہ اور مرثیہ گنگوہیؒ اور ارواح ثلاثہ کو غور سے پڑھا اور سمجھا ہے نہ تو ہم کرامات کے منکر ہیں اور نہ بغیر ثبوت کے کرامات تسلیم کرتے ہیں بفضلہ تعالیٰ ہم افراط و تفریط سے سخت اجتناب کرتے ہیں اور اسی طرح شرح عقائد کا حوالہ بھی علی الرأس والعین ہم مانتے ہیں اور ہمارے کسی نظریہ پر اس سے زد نہیں پڑتی اور یہ بات بھی ہم دلائل کے ساتھ مانتے ہیں کہ کسی واقعہ کو جب کہ شرعی اور عقلی طور پر اس سے استحالہ لازم نہ آئے اپنے ظاہر سے نہیں پھرنا چاہیئے۔۔۔

(النصوص من الکتاب والسنۃ تحمل علیٰ ظواہرہا مالم یصرف عنہا دلیل قطعی (شرح العقائد ص۱۱۹)

کہ قرآن کریم اور سنت کی نصوص کو اپنے ظاہر پر عمل کیا جائے گا جب تک کہ کوئی قطعی دلیل اس سے مانع نہ ہو لیکن شرط یہ ہے کہ واقعہ کا ثبوت بھی تو قطعی ہو ورنہ محض ظنی اور خطابی امور کو بلا شرعی اور تاریخی ثبوت کے بجبر کہاں قبول اور تسلیم کرنا ہے؟ بحمد اللہ تعالیٰ بات کو سمجھنے والے اہل علم و ہنر موجود ہیں ؎

تمیز حق و باطل کا نکھرنا غیر ممکن تھا نہ ہوتے گر جہاں میں صاحب علم و ہنر پیدا

مولوی اشرف علی تھانوی کی گپ یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے کرامات امدادیہ ص۳۵ سے حضرت مولانا تھانویؒ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے (اور تقریباً تمام مبتدعین اس کو اہل حق کو الزام دینے کی خاطر مختلف پیرایوں میں نقل کرتے رہتے ہیں) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ کے ایک دوست جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے بیعت تھے حج خانہ کعبہ کو تشریف لے جارہے تھے کہ بمبئی سے آگبوٹ میں سوار ہوئے آگبوٹ نے چلتے چلتے ٹکر کھائی اور قریب تھا کہ چکر کھا کر غرق ہو جائے انہوں نے جب دیکھا کہ اب مرنے کے سوا چارہ نہیں اور اسی مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا اور عرض کیا کہ اس وقت سے زیادہ اور کونسا وقت امداد کا ہوگا اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر اور کارساز مطلق ہے اسی وقت ان کا آگبوٹ غرق سے نکل گیا اور تمام لوگوں کو نجات ملی اِدھر تو یہ واقعہ پیش آیا اُدھر اگلے روز مخدوم جہاں اپنے خادم سے بولے ذرا میری کمر دباؤ نہایت درد کرتی ہے خادم نے کمر دباتے دباتے پیراہن مبارک جو اٹھایا تو دیکھا کہ کمر چھلی ہوئی ہے اور اکثر جگہ سے کھال اتر گئی ہے پوچھا حضرت یہ کیا بات ہے کمر کیونکر چھلی فرمایا کچھ نہیں پھر پوچھا آپ خاموش رہے تیسری مرتبہ پھر دریافت کیا حضرت یہ تو کہیں رگڑ لگی ہے اور آپ تو کہیں تشریف بھی نہیں لے گئے فرمایا آگبوٹ ڈوبا جاتا تھا اس میں تمہارا دینی اور سلسلہ کا بھائی تھا اس کی گریہ وزاری نے مجھے بے چین کر دیا آگبوٹ کو کمر کا سہارا دے کر اوپر کو اٹھالیا جب آگے چلا اور بندگانِ خدا کو نجات ملی اسی لئے چھلی گئی ہوگی اور اسی وجہ سے درد ہے مگر اس کا ذکر نہ کرنا۔ انتہی بکلامہ۔ مولوی سرفراز صاحب چونکہ کرامات اولیاء کو میزان اعتزال سے تولتے ہیں لہٰذا ان کی خدمت میں کچھ گذارشات ہیں اولاً آپ کے نزدیک مافوق الاسباب امور میں غیر اللہ سے استعانت شرک ہے تھانوی صاحب کے اس دوست نے امور مافوق الاسباب میں ہی استعانت کی ہے آپ اس کو مشرک قرار دیں گے؟ یا خود ساختہ شرک کی تعریف سے رجوع کریں گے؟ وثانیاً حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے جو مافوق الاسباب امر میں امداد کی ہے تو آپ انہیں خدا کا شریک قرار دیں گے یا اپنی ضلالت سے تائب ہونگے؟

وثالثًا تھانوی صاحب نے اس روایت پر اعتقاد اور اس کو بیان کیا ہے آپ ان کو مبلغ شرک اور ابلیس قرار دیں گے یا اپنے بیان کو ابلیسی منطق ٹھہرائیں گے؟ ورابعًا بیم ورجا میں آپ کے پیر بھائی نے حاجی صاحبؒ کی طرف توجہ کی تو اس نے حاجی صاحبؒ کو قادر مطلق مانا یا نہیں؟ اگر نہیں تو شیخ جیلانیؒ کی طرف اس حال میں توجہ کرنے سے ان کا قادر مطلق ماننا کس طرح لازم آئیگا وخامسًا حاجی صاحبؒ باوجود شہر سے کہیں نہ جانے کے سمندر میں جہاز کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے سوال یہ ہے کہ حاجی صاحبؒ بعینہٖ موجود تھے یا جسم مثالی کے ساتھ برتقدیر اول تکثر جزئی لازم آئیگا برتقدیر ثانی مثل شئ تو غیر شئ ہوتی ہے پس لازم آیا کہ کندھا دینے والا حاجی صاحبؒ کا غیر ہو نہ کہ خود حاجی صاحبؒ وسادسًا جو آدمی ایسا قادر ہو کہ کوسوں میل مسافت آن واحد میں طے کر کے بحری جہاز سیدھا کر دیتا ہو وہ اپنی کمر سے درد کو کیوں دور نہیں کر سکتا؟ وسابعًا جو شخص کمر دبوانے میں اپنے مرید کا محتاج ہے وہ جہاز میں بیٹھے ہوئے سینکڑوں آدمیوں کی حاجب روائی کیونکر کر سکتا ہے؟ وثامنًا تھانوی صاحبؒ کے دوست نے اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا اور اُن کی بارگاہ میں عرض کی اور وہ اس کی مدد کو آپہنچے سوال یہ ہے کہ حاجی صاحبؒ ہر وقت ہر جگہ اپنے مریدوں کے حال پر مطلع اور اُن کا کلام سنتے رہتے ہیں یا نہیں برتقدیر ثانی جب انہیں ہر وقت ہر جگہ کے حال کا علم نہیں تو اس وقت اس جگہ کے حال کا علم کیسے ہو گیا؟ اور برتقدیر اول حاجی صاحبؒ کو جب ہر وقت ہر جگہ کا علم حاصل ہے تو بتلایئے کہ وہ اس صفت میں خدا کے شریک ہوئے یا نہیں؟ اگر نہیں تو حضور علیہ السلام کے لئے علم کلی ماننے سے کوئی شخص کیسے مشرک ہو جاتا ہے؟ وتاسعًا جب کمر چھلی ہوئی تھی اور کئی جگہ سے کھال اتر گئی تھی تو دبوانے سے زخم میں ٹیس لگتی ہے پھر کیوں دبوایا؟ تھانوی صاحب نے کس بھونڈے طریقہ سے اپنے پیر کی کرامت ظاہر کرنے کا حیلہ وضع کیا ہے؟ دعاشرًا حاجی صاحبؒ کو اپنے مرید کی بیکسی اور آہ وزاری نے بیڑا پار لگانے کی طرف متوجہ کیا اور سینکڑوں بندگان خدا کی بے کسی پر کوئی رحم نہ آیا ورنہ یہ کہنے کی کیا وجہ تھی کہ اس میں ایک تمہارا دینی اور سلسلے کا بھائی تھا اس کی گریہ وزاری نے مجھے بے چین کر دیا۔ صرف مولوی سرفراز صاحب ہی نہیں بلکہ اُن کے تمام حواریوں کو دعوت ہے کہ وہ اُن کے وضع کردہ اصول اور مبنی شرک کے تحت ان سوالوں کا جواب دیں اس میں ہنوں کا بھلا ہوگا ورنہ منصف مزاج مولوی سرفراز صاحب کے اصولوں کی روشنی میں تھانوی صاحب کی بیان کردہ اس گپ کو کوئی وقعت نہیں دیں گے (محصلہ ص ۸۳ تا ۸۶)

الجواب۔ اس سے قبل کہ ہم بقدر ضرورت مؤلف مذکور کے سوالات کا جواب دیں بطور تمہید حضرت تھانویؒ کی چند عبارات عرض کرتے ہیں تاکہ بات سمجھنا آسان ہو حضرت تھانویؒ اپنی مشہور کتاب بہشتی زیور میں کفر و شرک کی باتوں کے بیان میں لکھتے ہیں کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ عقیدہ رکھنا کہ ہمارے سب حال کی اس کو ہر وقت ضرور خبر رہتی ہے الیٰ قولہ کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہو گی کسی کو نفع نقصان کا مختار سمجھنا کسی سے مرادیں مانگنا روزی اولاد مانگنا الخ (حصہ اول صہ۴۲) نیز وہ لکھتے ہیں ولی لوگوں کو بعض بھید کی باتیں سوتے یا جاگتے میں معلوم ہو جاتی ہیں اس کو کشف اور الہام کہتے ہیں اگر وہ شرع کے موافق ہے تو قبول ہے اور اگر شرع کے خلاف ہے تو رد ہے (حصہ اول صہ۳۴) اور تعلیم الدین صہ۸ میں لکھتے ہیں ولی لوگوں کو بعض باتیں بھید کی سوتے جاگتے میں معلوم ہو جاتی ہیں اس کو کشف والہام کہتے ہیں اگر وہ شرع کے موافق ہے قبول ہے اور اگر خلاف ہے تو رد ہے انتہیٰ۔ اور ایک اور مقام میں تحریر فرماتے ہیں کسی سے غیب کی باتیں پوچھنا اور اس کا یقین کرنا کفر ہے البتہ نبیوں کو وحی سے اور ولیوں کو کشف اور الہام سے اور عام لوگوں کو نشانیوں سے کوئی بات معلوم ہو سکتی ہے (تعلیم الدین صہ۹ طبع خواجہ برقی پریس دہلی) اور پھر آگے صہ۱۴ میں اشراک فی العلم کے عنوان میں لکھتے ہیں کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ اعتقاد کرنا کہ ہمارے سب حال کی اس کو ہر وقت خبر ہے الخ اور ارشاد فرماتے ہیں غیب کا حال سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا البتہ نبیوں کو وحی سے اور ولیوں کو کشف اور الہام سے اور عام لوگوں کو نشانیوں سے بعض باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ (بہشتی زیور حصہ اول صہ۳۶) اور فرماتے ہیں کہ مسلمان جب خوب عبادت کرتا ہے اور گناہوں سے بچتا ہے اور دنیا سے محبت نہیں رکھتا اور پیغمبر صاحب کی ہر طرح خوب تابعداری کرتا ہے تو وہ اللہ کا دوست اور پیارا ہو جاتا ہے ایسے شخص کو ولی کہتے ہیں اس شخص سے کبھی ایسی باتیں ہونے لگتی ہیں جو اور لوگوں سے نہیں ہو سکتیں ان باتوں کو کرامت کہتے ہیں (بہشتی زیور حصہ اول صہ۳۳)۔

اور یہ بات اپنی جگہ باحوالہ بیان کر دی گئی ہے کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے (ملاحظہ ہو مسامرہ ج ۲ صہ۸۹ و احیاء العلوم ج ۱ صہ۱۱۳ و تکمیل الایمان صہ۴۵ للشیخ عبد الحق الدھلویؒ)، اسی طرح ولی کے ہاتھ پر جو خرقِ عادت فعل صادر ہوتا ہے وہ درحقیقت ولی کا فعل و تصرف نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے ولی اس فعل کا صرف مظہر ہوتا ہے کبھی کبھی ولی سے کرامت کا ظہور اس کے ارادہ اور

قصد کے بغیر بھی ہوتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی خاص وجہ سے ولی کے دل میں داعیہ پیدا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس داعیہ کے مطابق کرامت ظاہر فرما دیتا ہے اور خود حضرت تھانویؒ ہی تحریر فرماتے ہیں اور جاننا چاہیئے کہ کرامت کے لئے نہ اس ولی کو اس کا علم ہونا ضروری ہے اور نہ اسکے قصد کا متعلق ہونا ضروری ہے اور احیاناً علم ہوتا ہے اور قصد نہیں ہوتا اور کبھی علم اور قصد دونوں امر ہوتے ہیں اس بنا پر کرامت کی تین قسمیں ٹھہریں ایک قسم وہ جہاں علم بھی ہو اور قصد بھی جیسے نیل کا جاری ہونا حضرت عمرؓ بن الخطاب کے فرمان سے اور دوسری قسم وہ جہاں علم ہو اور قصد نہ ہو جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے فصل میووں کا آجانا تیسری قسم وہ جہاں نہ علم ہو نہ قصد جیسے ابوبکر صدیقؓ کا مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانا اور کھانے کا دو چند سہ چند ہو جانا (بخاری ج ۱ ص۸۵ و ج ۱ ص۵۰۶ و ج ۲ ص۹۰۶) چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کو تعجب ہوا جس سے ان کے علم و قصد کا پہلے سے متعلق نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (کرامات امدادیہ ص۱)

قارئین کرام! ایک طرف تو حضرت تھانویؒ کے توحید، علم غیب اور بزرگوں کے کشف و الہام وغیرہ کے بارے یہ نظریات ہیں جن کا مبنیٰ خالص توحید ہے اور وہ اسلامی اصول کے روح کے عین مطابق ہیں اور یہ قرآن کریم و احادیث صحیحہ اور امت کے اجماع سے ثابت ہیں اور دوسری طرف اس کے برعکس اپنے اعلیٰ حضرت کی چند گپیں بھی ملاحظہ کریں تاکہ تصویر کے دونوں رُخ بیک وقت سامنے آجائیں اور وبضدہا تتبین الاشیاء کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ خانصاحب بریلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے لکھتے ہیں۔ کہ حضور ہر قسم کی حاجت روا فرما سکتے ہیں دنیا و آخرت کی سب مرادیں حضور کے اختیار میں ہیں (فتاویٰ افریقہ ص۱۱۹) اور لکھتے ہیں ؎

فریاد امتی جو کرے حال زار میں۔ ممکن نہیں کہ خیر البشر کو خبر نہ ہو (حدائق بخشش حصہ اول ص۱۳۴)

اور نیز لکھتے ہیں۔ خدا نے کیا تجھ کو آگاہ سب سے۔ دو عالم میں جو کچھ خفی و جلی ہے (ایضاً ص۶۳)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو آخر خدا تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں علیہ وعلی جمیعہم الصلوٰۃ والسلام لیکن خانصاحب تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے میں بہت کچھ لکھتے ہیں کما مرّ جن میں ایک مصرع یہ بھی ہے ع کار عالم کا مدبّر بھی ہے عبدالقادر۔ اور یہ بھی پہلے باحوالہ بیان ہو چکا ہے کہ خانصاحب فرماتے ہیں تجھ کو۔ کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث۔ جب سب کن مکن کے اختیارات حضرت شیخ صاحبؒ کو حاصل ہیں اور وہ سارے عالم کے مدبّر ہیں تو پیچھے اور کیا رہ جاتا ہے؟ اب گذارش یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ تو یہ خرقِ عادت واقعہ کرامات امدادیہ میں کرامت کی مد میں لکھتے ہیں اور توحید و علم غیب اور کرامت

کے بارے ان کے اپنے معتقدات وہ ہیں جو خود ان کی اپنی عبارات کے حوالوں سے عرض کئے جا چکے ہیں اور جو عقیدے ان کے ہیں وہی ان کے پیر بھائی کے تھے اور پیر تو آخر پیر تھے وہ تو یقیناً ان اعتقادات میں ان جیسے کامل ہی نہیں بلکہ کامل تر اور راسخ تر ہوں گے کیا ایسے حضرات کا کرامت کے ایک واقعہ کو نقل کرنا اسی طرح کا ہو سکتا ہے جس طرح ڈوبے ہوئے بیڑے کو بارہ سال کے بعد باہر نکال دینے کا واقعہ خانصاحب کے ایسے نظریات کے کسی حامل کا ہو سکتا ہے ؟ خدا را کچھ تو فرمایئے کم از کم آپ نے تلخیص المفتاح تو پڑھی ہی ہوگی اس میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جب کوئی موحد اَنْبَتَ الرَّبِیْعُ الْبَقْلَ کہتا ہے تو اس کا مطلب کچھ اور ہوتا ہے کہ وہ مثلاً اسناد مجازی مراد لیتا ہے اور جب دہریہ یہ جملہ بولتا ہے تو اس کا مفہوم اور ہوتا ہے الغرض ایک ہی واقعہ اور جملہ کا مطلب قائل اور قائل کے لحاظ سے الگ الگ اور جدا جدا ہوتا ہے ع گر فرق مراتب نکنی زندیقی ۔

اب اس تمہید کے بعد ملاحظہ فرمائیں کہ راقم اثیم تو ہر ہر عقیدہ و عمل میں بحمد اللہ تعالیٰ اہل السنۃ والجماعت کا تابع ہے معتزلہ وغیرہ کے باطل نظریات کے پیچھے ہر وقت دلائل و براہین کا لٹھ لئے پھرتا ہے اور راقم کی کتابیں اس پر شاہد عدل ہیں پھر مؤلف مذکور کا یہ الزام کہ راقم کرامات اولیاء کو میزان اعتزال پر تولتا ہے سراسر بہتان اور صریح افتراء ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راقم اثیم حضرات اولیاء کرامؒ کی کرامات کا قائل ہے اور انکے در کو یوں خیال کرتا ہے

؎ یہ وہ در ہے کہ جس در پر بصیرت نور پاتی ہے یہ وہ گھر ہے کہ ہوتے ہیں جہاں اہل نظر پیدا

اب آگے آپ اختصار کے ساتھ ترتیب وار ان کے سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں کہ ان کے سب سوالات مردود ہیں اولاً اس لئے کہ حضرت تھانویؒ نے اپنے دوست کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا اور (خیالی طور پر بہ صد تضرع) عرض کیا کہ اس وقت سے زیادہ اور کونسا وقت امداد کا ہوگا اللہ تعالیٰ سمیع بصیر اور کارساز مطلق ہے اسی وقت ان کا آگبوٹ غرق سے نکل گیا ۔ اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ اس کا یہ عرض پیش کرنا محض خیالی طور پر تھا تو وہ اپنے پیر کو سمیع و بصیر مانتے ہیں اور نہ کارساز کیونکہ اسی عبارت میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر اور کارساز مطلق ہے یعنی ان کی اس آہ و زاری کو سننا اور مایوس کن حالت کو دیکھنا صرف خدا تعالیٰ ہی کا کام ہے اور وہی کارساز مطلق ہے اس کی سبیل وہ خود پیدا کریگا چنانچہ اس کارساز مطلق نے اپنا فعل کرامت اپنے دوست اور پیارے حاجی امداد اللہ صاحب کے ہاتھ پر صادر فرما کر آگبوٹ کو غرق سے بچا لیا اگر وہ اپنے پیر روشن ضمیر کو سمیع و بصیر اور کارساز مطلق تصور کرتے اور ان سے مافوق الاسباب میں استعانت کرتے تو یقیناً مشرک ہوتے

الغرض نہ تو وہ حضرات مشرک ہیں اور نہ بحمداللہ تعالیٰ ہمیں شرک کی تعریف سے رجوع کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ قرآن کریم اور صحیح احادیث اور علماء ملت کی صریح عبارات کو پیش نظر رکھ کر شرک کی یہ تعریف کی گئی ہے جس میں بفضلہ تعالیٰ سرمو کمی نہیں ہے اور دوم اس لئے کہ کارساز مطلق نے کشف والہام کے ذریعہ سے حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ کو اس واقعہ سے مطلع فرما کر ان کے ہاتھ پر یہ خرق عادت فعل صادر فرما دیا نہ تو حضرت حاجی صاحبؒ معاذاللہ تعالیٰ خدا تعالیٰ کے شریک ہیں اور نہ بحمداللہ تعالیٰ ہم گمراہ ہیں کہ ہمیں ضلالت سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئے وسوم اس لئے کہ حضرت تھانویؒ نے کرامت کے طور پر یہ ایک واقعہ نقل کیا ہے نہ تو کرامت بیان کرنے والا مشرک ہوتا ہے اور نہ مبلغ شرک تو پھر بلا وجہ وہ کیوں ابلیس قرار دیئے جائیں؟ اور اس واقعہ سے ہمارے کس بیان پر زد پڑتی ہے تاکہ اس کو ابلیسی منطق قرار دیکر اس پر غور کیا جائے یہ آپ کے خبث باطن کا اثر ہے کہ خواہ مخواہ آپ ابلیس کا لفظ بول کر اس کا اظہار کرتے ہیں اور کبھی ابلیسی منطق کا جملہ بول کر دل ہوف کو تسکین دیتے ہیں اور یوں ابلیسانہ چال چل کر عوام الناس کو اہل حق سے نفرت دلاتے ہیں وچہارم اس لئے کہ مایوسانہ حالت میں اس شخص نے حضرت حاجی صاحبؒ کی طرف صرف خیالی طور پر توجہ کی ہے نہ تو ان کو سمیع وبصیر مانا ہے اور نہ کارساز مطلق (کیونکہ یہ صفات تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مانتا ہے) جب ان کو کارساز مطلق نہیں مانتا تو قادر مطلق کیسے تسلیم کرتا ہوگا؟ بخلاف اس جماعت کے جس کی صفت میں آپ وکالت کرتے ہیں کہ وہ چلا چلا کر اور گا گا کر پڑھتی رہتی ہے ؎ امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن۔ در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادرا اور خانصاحب کے ارشادات پہلے عرض کئے جا چکے ہیں کہ وہ ان کو مدبر عالم اور کن مکن کی خدائی کرسی پر جلوہ افروز تصور کئے ہوئے ہیں (معاذاللہ تعالیٰ) اور دونوں باتوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے فاین الثریٰ من الثریا اور پنجم اس لئے کہ کتب عقائد وغیرہا میں تصریح ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات میں ایک طی مسافت بعیدہ بھی ہے حضرت آصف بن برخیا کا واقعہ تو آپ کو بھی مسلم ہے تکثر جزئی تو تب لازم آتا ہے کہ بعینہٖ جسم عنصری کے ساتھ متعدد مقامات میں حاضری ہو اور طی مسافت میں یہ نہیں ہوتا بلکہ ایک ہی جسم جلدی کے ساتھ دور دراز پہنچ جاتا ہے جیسا مثلاً ہوائی جہاز کا مسافر باقی اجساد مثالیہ کی بحث اپنے مقام میں مذکور ہے یہاں اس کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور خود مؤلف مذکور کو بھی واضح الفاظ میں اس کا اقرار ہے کہ۔ اجساد مثالیہ متعددہ متعلقہ بروح واحد امکنۂ متعددہ میں

موجود ہو سکتے ہیں اور یہ تکثر جزئی نہیں کیونکہ اجساد میں نوع من التغائر موجود ہے الخ بلفظہ (توضیح البیان ص۲۰۳) غرضیکہ کسی شق سے تکثر جزئی لازم نہیں آتا اور ششم اس لئے کہ کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے یہ ولی کا کسب نہیں ہوتا اور نہ اس کے ہاتھ پر کرامت صادر ہونے کی وجہ سے وہ قادر ہو جاتا ہے جیسا کہ مؤلف مذکور کا بے بنیاد دعویٰ ہے سو جتنا کام اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر ظاہر کر دیا وہ ہو گیا اور جو نہیں کیا وہ نہیں ہوا و ہفتم اس لئے کہ کرامت صادر ہونے کی وجہ سے معاذ اللہ تعالیٰ ولی خدا تو نہیں ہو جاتا وہ بدستور محتاج کا محتاج ہی رہتا ہے لہٰذا مریدسے کمر دبوانے کی وجہ سے ان پر کوئی زد نہیں پڑتی و ہشتم اس لئے کہ حاجی امداد اللہ صاحبؒ نہ تو ہر جگہ اپنے مریدوں کے حال پر مطلع تھے اور نہ ہر ایک کا کلام سنتے تھے اور صرف اس واقعہ کا علم بطور کشف وغیرہ ان کو اس لئے ہو گیا کہ سمیع و بصیر اور کارساز مطلق ذات نے ان کو بتا دیا اور اللہ تعالیٰ کا ان کو بتانا ہی بڑا مرجح ہے اور کونسا مرجح درکار ہے؟ پوچھنے والے آپ سے بھی معجزات و کرامات کے بارے میں ایسے بے شمار سوالات کر سکتے ہیں مثلاً یہ کہ حضرت عمرؓ کو حضرت ساریہؓ بن زنیم کے واقعہ کی اطلاع کیوں ہو گئی؟ اور ابو لؤلؤ فیروز مجوسی نے حضرت عمرؓ کو شہید کرنے کا جو منصوبہ تیار کیا تھا اور خنجر لے کر مسجد میں آ بھی گیا اور ایک حد تک اپنا پروگرام پورا بھی کر دیا تو حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع کیوں نہ ہوئی؟ یہ ترجیح بلا مرجح کیونکر جائز ہو گئی؟ کرامات کے اثبات پر عقل و نقل متفق ہیں اور کتب عقائد اس مسئلہ سے بھری پڑی ہیں اس پر اور کونسی عقلی اور نقلی دلیل آپ کو درکار ہے؟ اور خواہ مخواہ کی لایعنی شقیں نکالنا کونسا علمی اور تحقیقی کارنامہ ہے بجز اس کے کہ آپ کے حواری آپ کو بڑا منطقی تصور کر لیں گے۔ الغرض نہ تو حضرت حاجی صاحبؒ کو ہر جگہ کا علم ہے اور نہ حضرت محمد رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کلی علم غیب حاصل ہے یہ عقیدہ سراسر مشرکانہ اور خالص کافرانہ ہے بحث ازالۃ الریب وغیرہ میں ملاحظہ کریں انشاء اللہ تعالیٰ شکوک و شبہات کافور ہو جائیں گے و نہم اس لئے کہ کمر کے چھلے جانے اور اکثر جگہ سے کھال کے اتر جانے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ گہرے زخم ہو گئے ہوں جن کو دبانے سے تکلیف ہوتی ہو بعض اوقات ایسی جگہ کو ہلکا دبانے سے درد میں کمی محسوس ہوتی ہے پھر یہ کیا ضروری ہے کہ کمر میں چھلی ہوئی جگہ کو ہی دبوایا ہو ہو سکتا ہے کہ اس کے آس پاس والی جگہوں کو دبایا گیا ہو غرضیکہ جب عقلی طور پر تطبیق ممکن ہے تو اس کرامت کو انتہائی بھونڈے طریقہ سے تعبیر کرنا اخلاقی پستی کا جیتا جاگتا مظاہرہ ہے اور دہم اس لئے کہ آگبوٹ میں مایوس ہو کر آہ و زاری اور گریہ اگرچہ حضرت تھانویؒ کے ایک

دینی اور سلسلے کے بھائی نے کی تھی لیکن اس کی اس بے کسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے سینکڑوں بندگانِ خدا پر رحم فرمایا اور ان کا بیڑا پار لگایا خود اس واقعہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کے یہ الفاظ ہیں۔ جب آگے چلا اور بندگانِ خدا کو نجات ملی الخ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی اس کرامت میں مطمح نظر میں صرف حضرت تھانویؒ کا دینی اور سلسلے کا بھائی اور اپنا مرید ہی نہ تھا بلکہ اس میں اور بندگانِ خدا کی نجات بھی شامل تھی دینی اور سلسلے کے بھائی کا ذکر خصوصیت سے اس لئے آیا ہے کہ آہ وزاری اُس نے کی تھی ورنہ اس جہاز میں سوار سب بندگانِ خدا کی نجات ملحوظ تھی جیسا کہ خود ان کی عبارت سے ظاہر ہے بحمد اللہ تعالیٰ اپنے حواریوں کی معونت و امداد کے بغیر ہی (کیونکہ علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کو ایسے مہمل۔ لایعنی اور بے مغز سوالات کے جوابات دینے کے لئے قطعاً کسی توجہ کی ضرورت ہی نہیں ہے) ان کے بخیئے ادھیڑنے کے لئے تنہا محمد سرفراز جیسا طالب علم بھی کافی ہے ہم نے علماء ملت کے قائم کردہ ٹھوس اصول اور قواعد کے تحت ان سوالات کے جوابات دیئے ہیں تاکہ تمام منصف مزاج حضرات اسلام کے ان بنیادی اصولوں کی روشنی میں حضرت تھانویؒ کی پیش اور نقل کردہ کرامت کی قدر و قیمت پہچان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مرشد کامل حضرت حاجی صاحبؒ کو کیسا رتبہ مرحمت فرمایا تھا جس کے ذریعہ سے یہ خرق عادت کام ان کے ہاتھ پر صادر ہوا سچ ہے ؎

اگر کچھ مرتبہ چاہے تو کر خدمت فقیروں کی ۔۔۔ نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

مولوی محمود الحسن کی گپ یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے مرثیہ گنگوہی ص۲۲ سے حضرت شیخ الہندؒ کا یہ شعر نقل کیا ہے ؎

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا ۔۔۔ اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم

اور پھر یہ لکھا ہے کہ بہت سے چالاک دیوبندی عام ذہنوں کو گمراہ کرنے کے لئے اس شعر کی یہ باطل توجیہ کرتے ہیں کہ اس شعر میں مردہ سے جاہل اور زندہ سے مراد عالم ہے یعنی جاہلوں کو عالم بنایا اور عالموں کو جاہل نہ بننے دیا یہ توجیہ قطعاً باطل و مردود ہے اگر یہی معنیٰ مقصود تھا تو پھر خاص طور پر حضرت عیسٰی علیہ السلام سے تقابل کی کیا ضرورت تھی کیونکہ ہر نبی میں تعلیم کا وصف موجود تھا حضرت عیسٰی علیہ السلام سے تقابل سے اس میں حسی زندہ کرنا مراد ہے جب حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے ڈوبتے ہوئے جہاز کو ترایا اور مولوی رشید احمد صاحبؒ نے مردوں کو زندہ کیا تو غوث اعظمؒ نے بارہ سال کے ڈوبے ہوئے بیڑے کو ترا دیا تو مولوی سرفراز صاحب اس کو گپ کہتے ہیں کیا ان حضرات پر حضرت جبرائیل کی وحی آئی تھی جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا ؟ جو وصف حضرات

انبیاء و اولیاء علیہم السلام کے لئے تبرک و ناجائز ہے وہ اپنے پیروں اور مولویوں کے لئے عین توحید اور جائز محض بن گیا؟ دھوپ چھاؤں کی اس پالیسی سے کیوں لوگوں کو فریب دیتے ہیں لوگوں کے پاس بھی سوچنے کے لئے دل و دماغ اور دیکھنے کے لئے آنکھیں ہیں جب آپ کے اقوال و اعمال کا موازنہ کریں گے تو آپ کے بارے کیا سوچیں گے یا جن گیسوؤں کے دام تزویر میں آپ نے عوام کو پھانس رکھا ہے جب وہ پیچ و خم کھائیں گے تو پھر آپ کی کیا حالت ہوگی؟ (محصلہ ص۵۶ و ص۵۷)

الجواب مؤلف مذکور نے جس انداز سے اس شعر پر اعتراض کیا ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف مذکور کو واضح عبارات کے مفہوم سمجھنے کا سلیقہ بھی نہیں ہے جب کوئی عقلمند آدمی کلام کرتا ہے تو اس کا خارج میں کوئی مصداق ہوتا ہے حضرت گنگوہیؒ کا زمانہ تاریخی طور پر کوئی اتنا بعید اور تاریک زمانہ نہیں کہ اس کے واقعات سے عوام بے خبر ہوں اگر حضرت گنگوہیؒ نے حسی طور پر باذن اللہ تعالیٰ مردے زندہ کئے ہوتے تو یہ واقعات زبانِ زدِ خلائق ہوتے کہ فلاں جگہ فلاں مردہ زندہ ہوا اور فلاں جگہ فلاں مردہ زندہ ہوا کیونکہ شعر میں جمع کا صیغہ (مردوں کو) موجود ہے اسی طرح اگر زندوں کو حسی طور پر نہ مرنے دیا ہوتا تو بے شمار قریب المرگ زندہ لوگوں کو انہوں نے موت سے بچایا ہوتا حتیٰ کہ خود بھی نہ مرتے اور کم از کم بانیٔ دارالعلوم دیوبند حضرت نانوتویؒ کو تو نہ مرنے دیتے مگر تاریخ گواہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ اس شعر میں حسی موت و حیات مراد نہیں ہے بلکہ معنوی مراد ہے جو علم و جہالت ہے اور قرآن کریم میں آتا ہے اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ الآیۃ (پ الانعام - ۱۵) بھلا ایک شخص جو کہ مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اس میں اس کا ذکر ہے کہ جو شخص جہل و ضلال کی موت مر چکا تھا پھر اس کو حق تعالیٰ نے ایمان و عرفان کی روح سے زندہ کیا۔ اس مقام میں موت و حیات سے معنوی موت و حیات مراد ہے نہ کہ حسی جیسا کہ ظاہر ہے غزوہ بدر کے واقعہ میں اس کا بھی ذکر ہے۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ الآیۃ (پ۱۰ - انفال - ۵)

تاکہ مرے جس کو مرنا ہے قیام حجت کے بعد اور جیوے جس کو جینا ہے قیام حجت کے بعد۔

ایک تفسیر کے رُو سے یہاں بھی معنوی موت و حیات مراد ہے چنانچہ مؤلف مذکور کے صدر الافاضل لکھتے ہیں محمد بن اسحاق نے کہا کہ ہلاک سے کفر حیات سے ایمان مراد ہے الخ (ص۲۶۲) ۔ اور مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں کہ یہاں زندگی سے مراد ایمان ہے اور ہلاکت سے مراد کفر ہے (ص۲۸۹) جب قرآن کریم سے اس

مقام پر موت وحیات سے معنوی مراد ہے اور آپ کے مسلّم بزرگ بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں تو انصاف سے فرمائیے کہ دیوبندیوں نے یہاں کونسی چالاکی کی ہے؟ اور کس شعبدہ بازی سے صرف ایک موہوم چیز کو حقیقت بنا ڈالا ہے؟ اور یہ معنی کر کے جو خارج اور نفس الامر کے بالکل مطابق ہے کس ذہن کو گمراہ کیا ہے؟ رہا حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تقابل کا معاملہ تو اس پر بھی مؤلف مذکور نے قطعاً غور نہیں کیا کیونکہ حضرت شیخ الہندؒ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ حسی طور پر باذن اللہ تعالیٰ مردوں کا زندہ کرنا تو حضرت عیسٰی علیہ السلام نے مشاہدۃً دیکھا ہے عیاں راچہ بیاں اور اس میں ان کی مسیحائی تو ایک واضح امر ہے لیکن نامساعد حالات میں جابرہ برطانیہ کے دور میں اس کثرت سے معنوی موت وحیات کی مسیحائی بھی دیکھ لیں تو کیا ہی اچھا ہو اور اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم فرما کر انہوں نے اس معنی کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے اگر حسی مسیحائی ہوتی تو وہ تو انہوں نے دیکھی ہی تھی پھر حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کے دیکھنے کی آرزو کا کیا معنی؟ اور معنوی بھی گو دیکھی تھی مگر قدرے محدود تھی اس سے بقول مؤلف مذکور تقابل ہی اس امر کو واضح کرتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسیحائی تو حسی ہو اور حضرت گنگوہیؒ کی صرف معنوی ہو رہا یہ اشکال کہ تعلیم کا وصف تو ہر نبی میں تھا پھر حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تقابل کا کیا مطلب؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں مسیح کے لقب سے حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی معروف تھے اور یہاں حضرت گنگوہیؒ کے لئے جب ایک گونہ مسیحائی ثابت کی گئی تو حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہی مناسب وموزوں تھا گو اُن کی مسیحائی حسی ومعنوی تھی اور ان کی صرف معنوی اس کے علاوہ ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ بروایت انجیل حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دشمنوں کے ہاتھ گرفتار کروانے والا وہ شخص تھا جو بظاہر اُن کا کلمہ پڑھنے والا تھا اسی طرح حضرت مولانا گنگوہیؒ (وغیرہ ان کے رفقاء) کے خلاف مخبری کر کے اور ان کو اذیت پہنچا کر انگریز کا تقرب اور اس سے مفاد حاصل والے بھی خود کو مسلمان ہی کہلاتے تھے (اور خانصاحب بریلی نے بھی انگریز کے ہاتھ مضبوط کرنے کی خاطر ان حضرات پر جس طرح کفر کی گولہ باری کی اور طعن کی مشین گن سے ان حضرات کی آبرو کی چھلنی کرنے کی لاحاصل کوشش کی وہ تو آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہے) تو یہ وجہ تقابل بھی خاصی وزنی ہے انجیل متی باب ۲۶ آیت ۱۴-۱۵ ۱۶ میں ہے۔ اس وقت اُن بارہ میں سے ایک نے جس کا نام یہوداہ اسکریوتی تھا سردار کاہنوں کے پاس جا کر کہا کہ ؏ اگر میں اُسے تمہارے حوالہ کرا دوں تو مجھے کیا دو گے؟ انہوں نے اُسے تیس روپے تول کر دیئے۔

اور وہ اُس وقت سے اس کے پکڑوانے کا موقع ڈھونڈنے لگا۔ اور آیت ۴۸-۴۹-۵۰ میں ہے۔ اور اُس کے پکڑوانے والے نے اُن کو یہ نشان دیا تھا کہ جس کا میں بوسہ لُوں وہی ہے اُسے پکڑ لینا۔ اور فوراً اُس نے یسوع کے پاس آکر کہا اے ربّی سلام! اور اُس کے بوسے لئے۔ یسوع نے اس سے کہا میاں! جس کام کو آیا ہے وہ کرلے اس پر انہوں نے پاس آکر یسوع پر ہاتھ ڈالا اور اُسے پکڑ لیا۔ الغرض گنگوہیؒ نے بطور کرامت حسّی طور پر کوئی مُردہ زندہ نہیں کیا تاکہ حضرت شیخ صاحبؒ کے بارہ سال کے مفروض بیڑے کو اس پر قیاس کرکے ہم پر اعتراض کیا جاسکے۔ اور جس چیز کو ہم شرک کہتے ہیں اس میں پیغمبر، پیر اور مولوی کی قطعاً کوئی تفریق نہیں کرتے جو شرک ہے اس کو ہر ایک کے حق میں برملا شرک کہتے ہیں سوچنے والی ہستیاں اور دیکھنے والی آنکھیں بخوبی ہمارے اقوال و افعال کو سوچتی اور دیکھتی ہیں اور بحمداللہ تعالیٰ بے شمار لوگ ہمارے اقوال و اعمال کو دیکھ کر اور ہماری کتابیں پڑھ کر شرک و بدعت سے تائب ہوکر توحید و سنت کے شیدائی ہوگئے ہیں کیونکہ وہ حق و باطل میں فرق کرسکتے ہیں صد افسوس تو اس پر ہے کہ آپ حضرات ہی ہیں جنہوں نے عوام کو گیارھویں کی بیجا رجلیبیوں میں اور اس گرانی اور مہنگائی کے دور میں پھل فروٹ اور دودھ و حلوہ کے دام ہمرنگ زمین میں الجھا کر رکھ دیا ہے مگر یارب ؎

یہ دولتِ دنیا تو دو دن کا تماشا ہے   دل کو غمِ عقبیٰ کی جاگیر عطا کردے

گیارھویں حرام ہونے کے دلائل کا تجزیہ یہ عنوان قائم کرکے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ گیارھویں شریف کو حرام اور ناجائز ثابت کرنے کے لئے مولوی سرفراز صاحب نے تنقید متین میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا یہ حوالہ دیا ہے مأکولات و مشروبات و دیگر اموال را نیز از راہ تقرب دادن حرام و شرک است اور لکھتے ہیں کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ مطلقاً تقرب وجہ شرک و حرمت نہیں بلکہ تقرب علیٰ وجہ العبادۃ موجب شرک و حرمت ہے جیسا کہ شامیؒ نے فرمایا ہے لہٰذا اس فتویٰ سے سرفراز صاحب کو کوئی فائدہ نہیں و ثانیاً فتاویٰ عزیزی میں ارقام ہے کہ جب خون بہانا تقرب لغیر اللہ کے لئے ہو تو ذبیحہ حرام ہوجائیگا اور جب خون بہانا اللہ کے لئے اور تقرب الی الغیر کھانے کے ساتھ یا اس سے نفع حاصل کرنے کے لئے ہو تو ذبیحہ حلال ہو جائیگا۔ (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۵۸) دیکھئے شاہ صاحبؒ نے حرمت کا مدار مطلقاً تقرب الی الغیر پر نہیں رکھا ورنہ نفع حاصل کرنے کے لئے بھی تقرب الی الغیر حرام ہوتا حالانکہ اس کو شاہ صاحبؒ حلال قرار دیتے ہیں پس معلوم ہوا کہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک جو تقرب للغیر حرام ہے وہ تقرب علیٰ

وجہ العبادۃ کے سوا اور کچھ نہیں چنانچہ شاہ صاحبؒ اس قاعدہ پر تفریع بٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں کسی شخص نے بازار سے گوشت خریدا یا گائے ذبح کی یا بکری تاکہ اس کا کھانا تیار کرے اور فقراء کو کھلا کر اس کا ثواب کسی روح کو پہنچادے تو یہ بلاشبہ جائز ہے (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص۴۷) علاوہ ازیں اس کی مزید توضیح چھٹے باب میں آرہی ہے سامنے آنے کے بعد مخالفین پر واضح ہوجائیگا کہ شاہ صاحبؒ کی عبارتوں میں ان کے مذموم مسلک کے اثبات کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے (محصلہ ص۸۷ و ۸۸)

الجواب حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کا ماکولات و مشروبات والا حوالہ بڑا اٹل اور ٹھوس ہے اور مؤلف مذکور نے علامہ شامیؒ کے جس حوالہ سے علیٰ وجہ العبادۃ کے جملہ سے سہارا لے کر جس طرح جان چھڑانے کی ناکام سعی کی ہے وہ اہل علم کے ہاں قابل دید ہے علامہ شامیؒ کے حوالہ کا مطلب قدرے تفصیل سے پہلے گزر چکا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے البتہ وثانیاً یہ کہ انہوں نے فتاویٰ عزیزی کا جو حوالہ اور اس پر تفریع نقل کرکے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ بالکل غلط ہے اور پھر کتاب کے چھٹے باب میں دلائل کے ساتھ مرعوب کرنے کی جو بلاوجہ دھمکی دی ہے وہ گیدڑ بھبکی کے سوا کچھ نہیں اس لئے کہ بار زندہ صحبت باقی۔ ہم حضرت شاہ صاحبؒ کی قدرے مفصل عبارت نقل کرتے ہیں جو انہوں نے بعض علماء کے جواب میں لکھی ہے۔

قولہ بنیۃ غیر اللہ لکن لا بنیۃ التقرب بہ الی ذلک الغیر بل بنیۃ اکلہ وانتفاعہ باللحم فعلم ان منشاء اشتباہ ھذا السائل انہ لا یفرق بین الذبح بمعنی اراقۃ الدم وبین المذبوح بین اللحم والشحم فمتی کان اراقۃ الدم للتقرب الی غیر اللہ حرمت الذبیحۃ ومتی کان اراقۃ الدم للہ والتقرب الی الغیر بالاکل والانتفاع حلت الذبیحۃ لان الذبح عبارۃ عن الاراقۃ لا عن المذبوح ای الذی یحصل بعد الذبح من اللحم والشحم

ان کا قول کہ غیر اللہ کی نیت سے لیکن غیر کے تقرب کی نیت سے نہ ہو بلکہ اس کے کھانے اور اس کے گوشت سے فائدہ اٹھانے کی نیت سے ہو اس سے معلوم ہوا کہ اس سائل کے اشتباہ کا منشا یہ ہے کہ وہ ایسی ذبح میں جو خون بہانے کے لئے ہو اور ایسے مذبوح میں جو گوشت اور چربی کے لئے ہو کوئی فرق نہیں کرتا حالانکہ جب خون بہانا تقرب غیر اللہ کے لئے ہوگا تو جانور حرام ہوگا اور جب جانور کا خون بہانا صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور تقرب غیر سے یہ مطلب ہو کہ وہ کھائے اور فائدہ اٹھائے تو ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے کیونکہ ذبح کا مقصد خون بہانا ہے نہ وہ گوشت اور چربی جو مذبوح سے ذبح کے بعد حاصل ہوتی ہے اور

وعلیٰ هذا قلنا لو اشتریٰ لحمًا من السوق
او ذبح بقرةً او شاةً لاجل ان یطبخ مرقًا
وطعامًا لیطعم الفقراء ویجعل ثوابها
لروح فلان حلت بلا شبهة وعلامة
هذه الارادة ان مایعین بقرة خاصة
باسم ذٰلك المیت ولا یعلمها بشیٔ بل یکون
عنده کل البقر سواسیة فی ذٰلك ان اللحم
المشتریٰ من السوق والحاصل بعد ذبح
البقرة وفاءً فی وفاء النذر۔

قوله والفرق تحکم قد علمت وجه الفرق
فان هنالك اراقة الدم باسم الله من غیر
نیة التقرب الی الغیر بتلك الاراقة
بل ایصال ثواب الیه باطعامه للفقراء
وایصال نفع الیه بالاکل کما فی الولائم
والاعراس وفی صورة النزاع الاراقة
نفسها عما یتقرب به الیٰ ذالك الغیر
(فتاویٰ عزیزی ج ا ص۴۶ و ص۴۷)

اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے بازار سے
گوشت خریدا یا گائے اور بکری ذبح کی تاکہ شوربا اور
کھانا تیار کرکے فقیروں کو کھلائے اور اس کا ثواب
فلاں کی روح کے لئے کرے تو بلا شبہ یہ حلال ہے اور
ارادہ کی علامت یہ ہے کہ اس نے میت کے نام پر جو گائے
مخصوص کی ہے اور اس کو کوئی نشانی بھی نہ لگائے بلکہ
اس کے نزدیک اس سلسلہ میں سب گائیں برابر ہوں
کہ جو گوشت بازار سے خریدا گیا ہے وہ اور اس مخصوص
گائے کا جو ذبح کی گئی ہو گوشت نذر کے پورا کرنے میں
بالکل برابر ہو۔ اس کا یہ قول کہ فرق سینہ زوری ہے
بلاشبہ تو فرق کی وجہ معلوم کر چکا ہے کہ بلاشک وہاں اللہ
تعالیٰ کے نام پر خون بہانا ہے اس خون ریزی سے
غیر کا تقرب نہیں بلکہ فقراء کو کھانا کھلا کر ایصال ثواب
مراد ہے اور کھلانے کا فائدہ ان کو پہنچانا ہے جیسا
کہ ولیموں اور شادیوں میں ہوتا ہے اور نزاع والی
صورت یہ ہے کہ خون بہانے میں ہی محض غیر کا تقرب ہو۔

مؤلف مذکور نے اس مفصل عبارت کا اول اور آخر حصہ پیش کرنے کی جرأت ہی نہیں کی جس سے مسئلہ پر وضاحت سے روشنی پڑتی ہے اور بھلا وہ پیش بھی کیسے کرتے کیونکہ جس مغالطہ دہی کے وہ درپے ہیں اس مفصل عبارت سے اُن کا سارا کھیل ہی ختم ہو جاتا ہے اور ان کے لئے اپنا کرتب اور تماشا دکھانا ہی بالکل بے سود ہو جاتا ہے پھر بھلا وہ یہ سودا کیوں کرتے؟ اس مفصل عبارت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ تقرب لغیر اللہ یا تقرب الیٰ غیر اللہ جس میں غیر کی تعظیم کا پہلو ہو وہ بہر صورت ناجائز ہے اور نزاع بھی صرف اسی شق اور صورت میں ہے باقی رہا تقرب الیٰ الغیر اس نیت اور ارادہ سے کہ وہ غیر اس کا گوشت کھائے اور

اس سے فائدہ اٹھائے تو یہ ایصال ثواب (اور اکرامِ ضیف) وغیرہ کی مد میں ہے جیسے کہ ولیمہ اور شادی وغیرہ میں جانور ذبح کئے جاتے ہیں اور ان کی حلت میں کوئی کلام نہیں الغرض تقرب الی غیر اللہ کے جس نزاعی پہلو کو وہ ناجائز قرار دیتے ہیں اس کو وہ اول سے آخر تک ناجائز ہی کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ولیمہ عقیقہ. قصاب کا گوشت کرکے نفع کمانا وغیرہ اس مد میں نہیں ہے اور وہ بلا شبہ جائز ہے خدا کرے کہ مؤلف مذکور کو علماء کی عبارتیں سمجھنے کی توفیق نصیب ہو خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بعض جاہل عوام جس تقرب کی نیت سے گیارہویں دیتے ہیں وہ حضرت شاہ صاحبؒ کی ماکولات و مشروبات والی عبارت اور اس مذکورہ مفصل عبارت کی زد میں ہے لہٰذا اس کے حرام اور ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے ؎

ہمیں رسولؐ کی تعلیم عام کرنا ہے حیات اس کے لئے کم ہے کہا کیا جائے

گیارہویں بصورت ایصال ثواب تنقید متین میں یہ لکھا گیا تھا کہ جو لوگ تقرب کی نیت سے نہیں بلکہ ایصال ثواب کے ارادہ سے گیارہویں دیتے ہیں تو انہوں نے اس ایصال ثواب کے لئے امت میں سے صرف حضرت شیخ صاحبؒ کا ہی انتخاب کیوں کر لیا ہے؟ کیا اوروں کو یہ ثواب راس نہیں آتا؟ اگر یہ محض ایصال ثواب ہے تو ماں باپ اور لواحقین کو کیوں نہیں کرتے کسی سے نماز و روزہ چھوٹ گیا ہو گا اور کسی سے گناہ سرزد ہوئے ہوں گے اور یہ لوگ گیارہویں کی صورت میں صرف اسی بزرگ کو کیوں ایصال ثواب کرتے ہیں جو بفضلہٖ تعالیٰ نیکیوں سے مالا مال ہیں (محصلہ)۔

مؤلف مذکور اس پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مولوی سرفراز صاحب کو امت مسلمہ کا بڑا درد ہے اور وہ اس بات کے بے حد آرزومند ہیں کہ لوگ اپنے ماں باپ کے لئے ایصال ثواب کریں لیکن یہ گلسرین کے آنسو ہیں اور بناوٹی رونا دھونا ہے اہل سنت کا یہ مسلک ہے جیسا کہ صدر الافاضل نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ مسئلہ گیارہویں تیجہ چالیسواں وغیرہ سب مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ میں داخل ہیں اور ظاہر ہے کہ فاتحہ تیجہ اور چالیسواں عام لوگ ماں باپ اور رشتہ داروں کے ایصال ثواب کے لئے کرتے ہیں فاتحہ سے علی الاطلاق ثواب پہنچایا جاتا ہے۔ اور تیجہ سے تیسرے دن اور چالیسویں سے چالیسویں دن لہٰذا مولوی سرفراز صاحب کا دعویٰ باطل ہو گیا اصل مقصد ان کا گیارہویں کی طرح تیجہ اور چالیسواں وغیرہ کو بھی بدعت و مکروہ و مذموم کہنا ہے جیسا کہ تنقید متین ص۵۸ میں ہے ظاہر ہو گیا کہ شیخ جیلانیؒ کے لئے ایصال ثواب کرنا بھی مولوی سرفراز صاحب کے نزدیک حرام ہے اور عام اموات کے لئے بھی

ایصال ثواب کرنا مکروہ و بدعت سے خالی نہیں پھر وہ کونسا ایصال ثواب ہے جو بلا شبہ جائز اور صحیح ہے اور جس پہ آئمہ فتویٰ متفق ہیں ؟ ممکن ہے اس کے جواب میں مولوی سرفراز صاحب یہ کہیں کہ بغیر تعیین یوم کے ایصال ثواب کیا جائے تو جائز ہے لیکن ہمیں بھی یہ بتلادیں کہ بغیر تعیین کے کسی شئے کا تحقق کس طرح ہو سکتا ہے ؟ مولوی سرفراز صاحب کا یہ کہنا قطعاً باطل ہے کہ جو بزرگ نیکیوں سے مالامال ہو اس کو ایصال ثواب نہیں کرنا چاہیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کی نیکیاں ہو سکتی ہیں ؟ مگر مشکوٰۃ ص۱۲۸ میں ابوداؤد و ترمذی کے حوالہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو وصیت فرمائی تھی کہ وہ آپ کی طرف سے قربانی کریں چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے تھے کیوں سرفراز صاحب! آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھا کہ وہ نیکیوں سے مالامال ہیں پھر آپ نے چُن کر اپنے آپ کو کیوں قربانی کے ایصال ثواب کے ساتھ خاص کر لیا امت کے گنہگار افراد کے لئے کیوں نہ وصیت فرمائی انفاس العارفین ص۱۲ میں ہے کہ شاہ عبدالرحیم صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایام وصال میں ان کے پاس آپ کی نیاز دینے کے لئے کوئی چیز میسر نہ تھی آخر کار کچھ بھنے ہوئے چنے اور گڑ پر نیاز دی ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس انواع و اقسام کے طعام حاضر ہیں اور ان کے درمیان وہ گڑ اور چنے بھی رکھے ہیں آپ نے کمال مسرت و التفات سے فرمایا اور انہیں طلب فرمایا اور کچھ آپ نے تناول فرمایا اور آپ نے اصحاب میں تقسیم کر دیا۔ دیکھیے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے والد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں ایصال ثواب کرتے ہیں آپ ان سے سوال کیجئے کہ آپؐ تو ثواب سے مالامال ہیں شاہ صاحبؒ دوسروں کو ایصال ثواب کیوں نہیں کرتے ؟ کاش نادانوں کی عقل میں یہ بات آسکتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا غوث اعظمؓ اور دیگر مقربین حق کی بارگاہ میں ایصال ثواب اس لئے نہیں کیا جاتا کہ انہیں ہمارے اہداء ثواب کی احتیاج ہے اور انہیں ہم سے کسی فائدہ کی خواہش ہے بلکہ انہیں ایصال ثواب کرنے کی خود ہمیں حاجت ہے تاکہ ان کے ساتھ رابطہ قائم ہو اور ممکن ہے میدان محشر میں یہی تعلق اور نسبت کام آجائے اور ہم مقربین کی شفاعت سے بہرہ مند ہو جائیں مقربان حق سے عناد رکھنے والے اور ان کی تنقیص کرنے والے اللہ تعالیٰ کی اس وعید کو کیوں بھول جاتے ہیں جو میرے ولی سے عداوت اور دشمنی رکھتا ہے میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں (مشکوٰۃ ص۱۹۷) (محصلہ ص۸۹ تا ص۹۲)

الجواب۔ ہمارے سوال کا جواب تاہنوز مؤلف مذکور کی گردن پر شیر ببر کی طرح سوار ہے ہم نے یہ کہا تھا کہ اگر بعض محتاط قسم کے لوگوں کے نزدیک گیارہویں ایصالِ ثواب کا نام ہے تو بخیال اُن کے اس اہتمام اور تعیین کے ساتھ ہر علاقہ کے لوگ ہر گیارہویں تاریخ کو اپنے ماں باپ اور لواحقین کو کیوں ایصال ثواب نہیں کرتے؟ اس مقام پر مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ عوام فاتحہ تیجہ اور چہلم کی صورت میں اپنے ماں باپ اور لواحقین کو ایصال ثواب کرتے ہیں بالکل غیر متعلق بات ہے ہم نے مطلق ایصال ثواب کی بات یہاں نہیں کی تاکہ بزعم خویش بعض متعین کردہ افراد تیجہ اور چہلم وغیرہ کے تذکرہ سے اس سوال سے آسانی کے ساتھ گلوخلاصی ہو جائے رہا تیجہ اور چہلم وغیرہ تو وہ اپنے مقام کی بحث ہے ان امور کا شرعاً کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ انشاء اللہ تعالیٰ اپنی جگہ پر مذکور ہوگا اور کافی حد تک ہو بھی چکا ہے نیز ہم آپ کے صدر الافاضل کا یہ نار وا بیان ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ گیارہویں تیجہ اور چہلم مما رزقنٰھم کی تفسیر میں شامل ہیں کیونکہ اگر یہ بدعات اس کی تفسیر میں شامل ہوتیں تو ضرور حضرات صحابہ کرام رض سے لے کر تاہنوز مفسرین کرام اس کی تفسیر میں ان کا ذکر فرماتے اور وہ ہرگز اس سے نہ چوکتے مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ شیخ جیلانیؒ کے لئے ایصال ثواب کرنا بھی مولوی سرفراز صاحب کے نزدیک حرام ہے۔ نرے تعصب بلکہ گندہ ذہنیت کی پیداوار ہے اس لئے کہ سرفراز نے جو بات تنقید متین میں کہی ہے وہ یہ ہے کہ گیارہویں بصورتِ تقرب حرام ہے اور بفضلہ تعالیٰ ہمارے وزنی دلائل و براہین کی موجودگی میں مؤلف مذکور باوجود چکر کاٹنے کے اور طرح طرح سے پینترے بدلنے کے بھی اس کی حلت ثابت نہیں کر سکے اور تنقید متین ص۵۹ میں ٹھوس دلیل کے ساتھ یہ ثابت کرنے کے بعد کہ موعودہ گیارہویں ایصال ثواب کی مد میں بھی شمار نہیں کی جا سکتی۔ لکھا ہے کہ گیارہویں کو ایصال ثواب کی مد میں رکھنا بھی کسی طرح خدشہ سے خالی نہیں ہے؛ کہاں یہ الفاظ اور کہاں ان کو حرام سے تعبیر کرنا ع ببیں تفاوتِ راہ است از کجا تا بکجا۔ ہاں ہم تیجہ اور چہلم وغیرہ کو بدعت مکروہ اور مذموم حرکتیں سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف کوئی عقلی اور نقلی صحیح دلیل موجود نہیں ہے جیسا کہ عیاں ہے اور باقی انشاء اللہ تعالیٰ عیاں ہو جائے گا باقی عام اموات کے لئے حلال وطیب مال سے شرعی طور پر وراثت تقسیم کرنے کے بعد ایمان و اخلاص و اتباع سنت کے جذبہ کے ساتھ بغیر ایام کی تعیین کے جو ایصال ثواب ہو وہ درست ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ شرعاً ایک مطلوب امر ہے مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ بغیر تعیین کے کسی شئے کا تحقق کیسے ہو جاتا ہے

یہ ان کے محض طفلانہ ذہن کا نتیجہ ہے اس لئے کہ ایک ہے تعیین عُرفی مثلاً بعض لوگ دوسرا بعض پانچواں بعض چھٹا بعض آٹھواں دن وعلیٰ ہذا القیاس کوئی اور دن اپنی سہولت کے لئے طے کر لیتے ہیں اس کا کوئی منکر نہیں ہے انکار اس کا ہے کہ ہر قوم اور ہر شخص اور ہر جگہ اور ہر بدعت پسند علاقہ میں تیسرا ہی دن متعین ہو دسواں دن ہی مقرر ہو اور چہلم ہی طے شدہ ہو کہ بغیر اطلاع دیئے خود بخود رشتہ دار ان دنوں میں کشاں کشاں طوعاً و کرھاً حاضر ہوں اور نہ شریک ہونے والے کو بنظر حقارت دیکھا جائے یا اس پر وہابیت کا فتویٰ ٹھونس دیا جائے اور آنے والے بھی بعض لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ ہے تو یہ فضول رسم ہی مگر کیا کریں آخر برادری اور رشتہ داری کا معاملہ ہے نہ شریک ہوں تو ناک کی خیر نہیں رہتی اور خیر سے تیجہ کا نام ہی آج کل عموماً رسم قل ہے یہ ہے تعیینِ حقیقی جس کو ہم ہی نہیں بلکہ حضرات فقہاء کرامؒ بھی بدعت کہتے ہیں اور بقول علامہ طیبیؒ (الحسن محمد بن عبداللہ الطیبیؒ المتوفی ۷۴۳ھ) لوگ اس کو جماعت میں حاضر ہونے سے زیادہ اہم سمجھتے ہیں (یرونہ ازحج من الحضور للجماعۃ بحوالہ فتاویٰ رشیدیہ ج ص۱۱۳) الغرض نفس ایصال ثواب اپنی شرعی شرائط کے ساتھ جائز اور صحیح ہے ایسی تعیین بدعت ہے جس کا ذکر ابھی اوپر ہوا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے یہ سوال ہوا کہ ربیع الاول کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کھانا پکا کر اس کا ثواب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچانا اور اسی طرح محرم کے دنوں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کو اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دیگر آل اطہار کو ثواب پہنچانا صحیح ہے یا نہیں؟ (محصلہ) اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

جواب انسان در کار خود مختار است میرسد کہ ثواب خود برائے بزرگان باایمان گرداند لیکن برائے ایں کار وقت و روز تعیین نمودن و ماہے مقرر کردن بدعت الیٰ قولہ وہر چیز کہ براں ترغیب صاحب شرع و تعیین وقت نباشد آں فعل عبث است و مخالف سنت سید الانام و مخالف سنت حرام است پس ہرگز روا نباشد و اگر وش خواہد	آدمی اپنے کام میں مختار ہے اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنا ثواب باایمان بزرگوں کو دے دے لیکن اس کام کے لئے وقت اور دن اور مہینہ مقرر کرنا بدعت ہے (آگے فرمایا) کہ وہ ہر چیز جس پر صاحب شرع کی ترغیب اور وقت کی تعیین نہ ہو اس کا کرنا فضول اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت ہے اور آپؐ کی سنت کی مخالفت حرام ہے پس وہ ہرگز جائز نہیں ہے

مخفی خیرات کند در ہر روزے کہ باشد تا نمود نہ شود انتہی (فتاوی عزیزی ج ۱ ص ۹۳ و ۹۴)

اگر اس کا دل چاہتا ہے تو مخفی طریقہ سے خیرات کرے اور جس دن چاہے کرے تاکہ ریا اور نمود نہ ہو۔

جو کچھ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور دوسرے بزرگوں نے کہا ہے وہی کچھ سرفراز کہتا ہے اگر بایں ہمہ مؤلف مذکور کو سمجھ نہیں آتی یا وہ سمجھنا نہیں چاہتے تو ہمارے پاس اس کا کیا علاج ہے ؎

دھندلائے ہیں صدیوں سے کردار کے آئینے — کچھ ان کے چمکنے کی تدبیر خدا کر دے

مؤلف مذکور نے حضرت علیؓ کی قربانی کی جو حدیث نقل کی ہے اور اسی طرح حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے بھنے ہوئے چنوں اور گڑ کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب کے لئے نیاز میں پیش کرنے کا جو حوالہ درج کیا ہے یہ بالکل غیر متعلق حوالے ہیں ہمارا یہ موقف نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ یا اسی طرح کسی اور بزرگ کے لئے جو نیکیوں سے مالا مال ہوں ایصال ثواب کرنا درست نہیں ہے اگر ہمارا یہ موقف ہوتا تو یہ بالا حوالے ہمارے خلاف جاتے راہ سنت وغیرہ ہماری کتابیں بلکہ تنقید متین ہمارے موقف پر صراحت سے روشنی ڈالتی ہیں ہمارا تو موقف ہے اور ابھی تک اس کا کوئی جواب نہیں ہوا کہ ہر جگہ اکثر جاہل عوام نے ایصال ثواب کے لئے حضرت شیخ صاحبؒ ہی کا انتخاب کیوں کر لیا ہے؟ درجہ میں ان کے مساوی بلکہ ان سے بدرجہا بڑھ کر بزرگ بھی ہیں ان کو بصورت گیارہویں ایصال ثواب کیوں نہیں کیا جاتا؟ اور پھر کیا وجہ ہے کہ یہ ایصال ثواب بصورت گیارہویں گنہگاروں کو راس نہیں آتا بلکہ صرف اسی بزرگ پر فٹ آتا ہے جو نیکیوں سے مالا مال ہیں؟ اور پھر یہ ایصال ثواب متعین طور پر گیارھویں تاریخ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیوں نہیں کیا جاتا جو آپ اور ہم سب کے نزدیک صرف نیکیوں ہی سے مالا مال ہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق سے بہمہ وجوہ اعلیٰ و افضل بھی ہیں؟ ہم نے تو تخصیص اور ترجیح کی وجہ دریافت کی تھی جو آپ کے بیان میں ندارد یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف حضرت علیؓ ہی کو قربانی کی وصیت کی تھی یا تمام حضرات صحابہ کرامؓ اور کل امت کو؟ اور پھر کیا ساری امت اسی اہتمام سے یہ قربانی کرتی ہے جس طرح گیارہویں کے شیدائی گیارھویں کرتے ہیں؟ اور کیا حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ اسی التزام اور اہتمام کے ساتھ ہر سال ہمیشہ یہ نیاز دیتے تھے جیسا کہ گیارہویں کے خوگر کرتے ہیں یا کسی موقع پر بغیر خاص التزام و اہتمام کے آپ نے ایسا کیا تھا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو قربانی

کرنے کی جو وصیت فرمائی تھی تو اولاً اس سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں حنش راوی ہے (ملاحظہ ہو ابوداؤد ج ۲ ص۲۹) اور یہ الصنعانی ہے اور یہ حضرت علیؓ سے روایات میں متفرد ہوتا ہے اور ثقات کے مشابہ نہیں ہے حتیٰ کہ یہ ان راویوں میں شامل ہے جن سے احتجاج درست نہیں ہے (مختصر ابی داؤد للمنذریؒ ج۴ ص۹۵ و تہذیب التہذیب ج۳ ص۵۹) و ثانیاً آپؐ نے معاذ اللہ تعالیٰ اس لئے وصیت نہیں کی تھی کہ آپ اس کے محتاج ہیں اور نہ اور حضرات آپ کو ایصال ثواب کرنے والے اس نظریہ سے کرتے ہیں کہ آپ کو ہمارے ایصال ثواب کی ضرورت ہے جو بھی کرتا ہے وہ صرف آپ سے ربط اور تعلق قائم رکھنے کے لئے کرتا ہے تاکہ آپ کی شفاعت نصیب ہو ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب کے جواز کے قائل ہیں لیکن مؤلف مذکور کے معلومات کے لئے عرض ہے کہ بعض فقہاء کرامؒ اس کے قائل نہیں ہیں کیونکہ بقول ان کے امت کے ہر فرد سے جو بھی نیکی سرزد ہوتی ہے وہ خود بخود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ عمل میں درج ہو جاتی ہے کیونکہ آپ ہی مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً الحدیث کا ارشاد فرمانے والے ہیں (راجع کتاب الروح ص۱۷۱ وغیرہ) اور روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کے نادار لوگوں کے لئے قربانی کر کے ان کو ایصال ثواب کیا ہے مشکوٰۃ ج ۱ ص۱۲۸ میں مسند احمد ابوداؤد اور ترمذی کے حوالہ سے حضرت جابرؓ کی روایت میں آتا ہے (اور یہ روایت مستدرک ج۴ ص۲۲۸ میں حضرت ابوسعید الخدریؓ سے بھی مروی ہے۔ قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح) کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو مینڈھے ذبح کئے اور ارشاد فرمایا۔

اللّٰھم ھٰذا عنّی وعمن لم یضح من امتی۔

اے اللہ یہ میری طرف سے اور میری امت کے ان افراد کی طرف سے ہے جو قربانی نہیں کر سکتے۔

اور ایک روایت میں ہے۔

اللّٰھم منک ولک عن محمد وامتہٖ

(مشکوٰۃ ج ۱ ص۱۲۸ قال رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی)

اے اللہ یہ تو نے ہی دی ہے اور تیرے ہی لئے ہے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اور آپ کی امت کی طرف سے۔

اور مسلم ج ۲ ص۱۵۶ کی روایت میں ہے۔

اللّٰھم تقبل من محمد وآل محمد ومن امۃ محمد

اے اللہ اس کو محمد آل محمد اور امت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کی طرف سے قبول فرما۔

شراح حدیث بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ قربانی امت کے ایصال ثواب ہی کے لئے کی تھی جس میں ظاہر ہے کہ گنہگار بھی شامل ہیں اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو نبی معصوم ہیں ایصالِ ثواب کہاں جو تمام امت کے لئے کیا گیا۔ اور حضرت علیؓ کا جو صحابی اور امتی ہیں ایصال ثواب کہاں؟ دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے لہٰذا مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے آپ کے لئے ایصالِ ثواب کے لئے قربانی کی وصیت کیوں خاص کی اور امت کے گنہگار افراد کے لئے کیوں نہ وصیت کی (محصلہ) ایک لایعنی بات ہے اس لئے کہ آپ کو اپنی امت کے گنہگار افراد کا بھی خیال تھا اور اسی لئے تو آپ نے ان کی طرف سے قربانی کی اور حضرت علیؓ حدیث اولاً تو صحیح نہیں کما مرّ و ثانیاً چونکہ وہ آپؐ کے چچازاد بھائی اور داماد تھے اس لئے یہ مسئلہ واضح کرنے کے لئے ان کو وصیت فرمائی تاکہ معلوم ہو جائے کہ بزرگ ترین شخصیت کو بھی ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے۔ الغرض آپ نے خود اپنے ہاتھ مبارک سے امت کے لئے ایصال ثواب کے لئے قربانی کی علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مردوں کے لئے دعا اور صدقہ وغیرہ کی امت کو جو تلقین فرمائی ہے وہ بھی اسی خیر خواہی کی ایک کڑی ہے اور اس مضمون کی روایات پر شرح الصدور کتاب الروح اور تذکرہ قرطبیؒ وغیرہ کتابوں میں سیر حاصل بحث موجود ہے۔ غرضیکہ امت کے گنہگاروں کو بھی بھلایا نہیں گیا آخر میں مؤلف مذکور نے حدیث من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب نقل کر کے عوام کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ جو لوگ حضرت شیخ صاحبؒ کی گیارہویں کے منکر ہیں وہ معاذ اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں اور اولیاء کرامؒ کی تنقیص کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی وعید کی زد میں ہیں مگر ہم مفصل عرض کر چکے ہیں کہ نفس ایصال ثواب کے ہم منکر نہیں اور نہ معاذ اللہ تعالیٰ اولیاء کرامؒ اور علی الخصوص حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی توہین و تنقیص کرتے ہیں ہم تو تمام کو اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے سمجھتے ہیں اور ان کی محبت اور اتباع کو اپنے لئے نجات کا حسب حدیث شریف المرأ مع من احب لیکن اگر آپ لوگ ان حضرات سے خدائی صفات کی نفی اور بدعات کی تردید کو معاذ اللہ تعالیٰ ان کی تنقیص سمجھتے ہیں تو یہ آپ لوگوں کی کم فہمی یا کج بحثی کا غلط نتیجہ ہے اور ایسی نام نہاد توہین تو معاذ اللہ تعالیٰ حضرات صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک محدثین کرامؒ فقہاء عظامؒ اور بزرگان دینؒ کرتے رہے ہیں اور حضرت شاہ عبد العزیز

صاحبؒ کے حوالے سے ایسی توہین آپ مفصل سُن چکے ہیں اعادہ کی حاجت نہیں ہے اور اگر بقول آپکے گیارہویں نہ دینا اللہ تعالیٰ کی دشمنی کا موجب ہے تو اس میں آپ لوگ بھی شریک ہیں کیونکہ لاکھوں بلکہ کروڑوں اولیاء کرامؒ کے نام پر آپ لوگ بھی گیارھویں نہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دشمنی مول لے رہے ہیں مگر آپ کہہ سکتے ہیں ؎

خدا پرست ہے پھر بھی بھٹک ہی جاتا ہے — خطا بھی فطرت آدم ہے کیا کیا جائے

سوئم یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ سرفراز صاحب نے فتاویٰ رضویہ سے اعلحضرت کی عبارت پیش کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ۔ شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو خواہ تیسرے دن باقی یہ تعیین عرفی ہے جب چاہیں کریں انہیں دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے و بدعت ہے۔ اس پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں کہ حیرت اور تاسف کی بات ہے کہ جو چیز فریق مخالف کے اعلیٰ حضرت کے نزدیک بھی بدعت ہے وہ قرآنی حکم کی تفسیر کیسے بن سکتی ہے (تنقید ص ۵۹) مولوی سرفراز صاحب کو پتہ نہیں چلا یا جان بوجھ کر جاہل بنے ہیں اعلیٰ حضرت تو تعیین ضروری جاننے کو بدعت قرار دیتے ہیں جو کہ تعیین شرعی ہے اور تعیین عرفی کو جائز قرار دیتے ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں کلام اس میں ہے کہ وجوب تعیین کے اعتقاد کے بغیر سوئم جائز ہے یا نہیں؟ اور رحمہ اللہ سرفراز صاحب اس کے عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں لاسکے خود اعلیٰ حضرت کا مستقل رسالہ الحجۃ الفائحہ چھپ چکا ہے جس میں اکابر وہابیہ اور دیابنہ کی عبارتوں سے جواز چہلم سوئم اور عرس پر استدلال کیا گیا ہے سرفراز صاحب میں ہمت ہے تو ان عبارتوں کا جواب دیں مار کھا کر بسورنا ان لوگوں کی پرانی عادت ہے۔ رونے دھونے سے آپ پر رحم تو آسکتا ہے لیکن دعویٰ تو دلائل سے ثابت ہوگا اسی طرح سرفراز صاحب نے دیگر فقہاء کرامؒ کی عبارتوں سے مواد پیش کیا ہے کہ موت کے تیسرے دن ضیافت کرنا مکروہ ہے بے شک ضیافت کرنا مکروہ ہے کہ وہ خوشی کے موقع پر ہوتی ہے اور یہ غم اور سوگ کا موقع ہے لیکن ان کو کون سمجھائے کہ سوئم میں قُل فاتحہ اور طعام کا ایصال ثواب کیا جاتا ہے اور ایصال ثواب کو اصولی طور پر وہ بھی مانتے ہیں جس پر وہ جملہ ائمہ فتویٰ کا اتفاق تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ ایصال ثواب اسی وقت خارج میں متحقق ہوگا جب کسی قید کے ضمن میں ہوگا یا وفات کے پہلے روز ہوگا یا دوسرے یا تیسرے روز اگر شئی کا من حیث ہو ہو خارج میں تحقق بدون کسی فرد کے متصور ہے تو برائے کرم اس منطق سے ہمیں بھی مطلع کریں اور اگر آپ نے ایصال ثواب کو محض بلحاظ عقلی اور مرتبہ حصول میں مانا ہے تو چلیئے آپ اس پر کوئی صریح حدیث پیش کر دیجئے چشم

ما روشن دلِ ما شاد (محصلہ صـ۹۲ تا صـ۹۴)

الجواب۔ ہم نے تنقید متین میں علامہ ابن امیر الحاجؒ امام ابن حجر مکیؒ امام موفق الدین ابن قدامہؒ امام کردریؒ امام نوویؒ ملا علی القاریؒ۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ خواجہ نصیر الدینؒ اور مولانا عبد الحی لکھنویؒ کے حوالہ سے صریح عبارات نقل کی تھیں لیکن مؤلف مذکور ان سب کو پی گئے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیا ان تمام عبارات میں ممانعت کی وجہ ایصالِ ثواب کے لئے تیسرے دن کی تعیین کی صراحت ہے ان پیش کردہ عبارات میں ممانعت کی وجہ ضیافت نہیں جیسا کہ ان عبارات کی مؤلف مذکور نے بیجا تاویل کی ہے اور امام ابن حجر مکیؒ کی عبارت میں یہ الفاظ موجود ہیں تیسرے دن فقراء وغیرہم کے لئے جو کھانا تیار کیا جاتا ہے الیٰ قولہٖ سب کی سب بدعات مذمومہ ہیں۔ مؤلف مذکور کس طرح عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں اور ان ٹھوس اور محکم عبارات سے گلو خلاصی کے لئے تاویل نہیں بلکہ تحریف کر رہے ہیں کیا علم و دیانت اسی کا نام ہے پھر اس کے بعد ہم نے خود ان کے اعلیٰ حضرت کے تین حوالے عرض کئے تھے ایک احکام شریعت کا اس کا بھی انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوسرا الحجۃ الفائحہ کا اس کا بھی انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا ہاں البتہ الفتاوی الرضویہ کی عبارت کا جواب دینے کی ناکام کوشش کی ہے مگر خانصاحبؒ کی عبارت تو مؤلف مذکور پر نفریں کر رہی ہے اور وہ خود چلا چلا کر کہہ رہی ہے کہ میرا جواب نہیں ہوا ان کے الفاظ پھر ملاحظہ کر لیں خانصاحب دوسرے اور تیسرے دن ہی کو تعیین عرفی کا مصداق نہیں بنا رہے وہ کہتے ہیں جب چاہیں کریں انہیں دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے اور بدعت: اس عبارت میں خانصاحب جس چیز کو ممانعت کی علت قرار دے رہے ہیں وہ ضیافت نہیں (یہ یاد رہے کہ جن حضرات فقہاء کرامؒ نے یہ فرمایا ہے کہ تین دن تک میت کے گھر میں کھانا نہیں پکانا چاہیئے کیونکہ ضیافت خوشی میں ہوتی ہے نہ کہ غمی میں وہ عبارات ہم نے یہاں نقل نہیں کیں یہاں جو عبارات ہم نے نقل کی ہیں ان میں سوئم۔ ساتواں۔ دسواں۔ چالیسواں سال کے بعد برسی کی تصریح ہے اور بعض عبارتوں میں فقراء کے کھلانے کی اور بعض میں طعام قبروں پر لے جانے کی صراحت ہے ان تمام عبارات میں ممانعت کی صریح وجہ ایام کی تعیین ہے نہ کہ ضیافت۔ ضیافت کے علت ہونے کی عبارتیں دوسرے مقام پر مذکور ہیں اور ان میں نہی اور ممانعت صرف تین دن تک کے لیے ہے مؤلف مذکور اپنی جہالت کی وجہ سے ان کو گڈمڈ کر رہے ہیں) بلکہ ایام کی تعیین ہے جیسا کہ ان کی عبارت

سے بالکل ظاہر ہے اور جس تعیین کو خانصاحب تعیین عرفی کہتے ہیں وہ صرف دوم اور سوئم میں منحصر نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور نے اپنی نادانی سے یہ سمجھ رکھا ہے بلکہ اس تعیین عرفی میں تعمیم ہے۔ جس پر خانصاحب کے یہ الفاظ دال ہیں جب چاہیں کریں اور دوم اور سوئم کی گنتی کو ضروری سمجھنے کو وہ جہالت و بدعت کہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ خانصاحب اور مؤلف مذکور کے نزدیک ضروری جانتے سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ مراد ہے کہ سوئم کرنے والا گلے میں ڈھول ڈالے اور گلی بازاروں میں اسے بجاتا اور ساتھ گاتا پھرے کہ لوگو۔ لوگو میں سوئم کو ضروری سمجھتا ہوں یا یہ مراد ہے کہ گو زبان سے تو وہ لفظ ضروری نہیں کہتا لیکن عملاً اس کو ایسا اور اتنا ضروری قرار دیتا ہے کہ اس میں حاضر ہوئے بغیر کوئی چارہ نہیں پاتا اور معاف رکھنا بالعموم ایسا ہی ہوتا ہے اور ہو رہا ہے حتیٰ کہ اجتماعی شکل میں اس بدرسم کو توڑنا جہاد سے کسی درجہ کم نہیں۔ مؤلف مذکور ہی ہمت اور جرأت کرکے اور اپنے شکم مبارک کا آزار لے کر تیجہ کی تعیین کے خلاف علمی مضمون لکھ کر اخبارات اور رسائل میں چھاپ دیں پھر دیکھیں کہ عوام جو بے نقطہ سنائیں گے وہ تو الگ بات ہے آپ کی برادری کے ختمی مُلّا ہی انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے تکّے بوٹیاں کردیں گے معاف رکھنا ضروری اور کس چیز کا نام ہے؟ جس چیز کو خانصاحب تعیین عرفی سے تعبیر کرتے لوگوں کے عمل سے وہی چیز آج کل تعیین حقیقی اور شرعی بنی ہوئی ہے۔ الغرض باقی تمام عبارات کو پی کر خانصاحب کی جس عبارت کا انہوں نے جواب دیا ہے وہ بھی نری دفع الوقتی اور تارِ عنکبوت سے فروتر ہے مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ ہمت اور جرأت ہے تو التحفۃ الفاتحہ کا جواب دیں خالص طفلانہ بات ہے اس لئے کہ التحفۃ الفاتحہ سے کہیں بڑھ کر ان بدعات کے اثبات پر مولوی عبدالسمیع صاحب نے انوار ساطعہ میں حوالے دیئے ہیں جن کا عالمانہ اور محققانہ جواب البراہین القاطعہ میں دیا جاچکا ہے آپ کو توفیق ہو تو اس کی تردید کردیں پھر خدا تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ دیکھیں کہ آپ کو کس طرح دن کو تارے نظر آتے ہیں۔ مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ۔ اسی طرح سرفراز صاحب نے دیگر فقہاء کرام کی عبارتوں سے مواد پیش کیا ہے کہ موت کے تیسرے روز ضیافت کرنا مکروہ ہے الخ اس کے بغیر ہم اور کیا عرض کرسکتے ہیں کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین ہم نے فقہاء کرام کی جو جو عبارات نقل کی ہیں ان میں کسی ایک میں بھی ممانعت کی علت ضیافت مذکور نہیں ان میں جو کچھ مذکور ہے وہ ایام کی تعیین ہے حتیٰ کہ خانصاحب کی عبارت میں بھی ممانعت کی علت ضیافت نہیں قرار دی گئی بلکہ دنوں کی تعیین ہی قرار دی گئی ہے افسوس ہے کہ مؤلف مذکور اپنے ناخواندہ حواریوں کو جنہوں نے تنقید متین نہیں پڑھی کس طرح اندھیرے

میں رکھے ہیں اور کس طرح صریح جھوٹ پر کمر باندھی ہے ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ اور ہم نے حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ کی یہ عبارت بھی نقل کی تھی، آما ایں اجتماع مخصوص روز سوم وارتکاب تکلفاتِ دیگر وصرف اموال بے وصیت از حق یتامٰی بدعت است وحرام (مدارج النبوت ج ۱ ص ۴۲۱ طبع نولکشور) مؤلف مذکور نے اس عبارت کا بھی قطعاً کوئی جواب نہیں دیا اور بھلا وہ ایسی صریح عبارات کا جواب لائیں بھی کہاں سے صرف موٹی سی بے مغز کتاب لکھ کر اپنے حواریوں سے داد تحسین لینا ہی ان کا کمال ہے۔ مؤلف مذکور کی یہ بات بھی بڑی ہی تعجب انگیز ہے کہ۔ مار کھا کر بسورنا ان لوگوں کی پرانی عادت ہے بہرحال رونے دھونے سے آپ پر رحم تو آسکتا ہے لیکن دعوٰی تو دلائل سے ہی ثابت ہوگا۔ اس عبارت میں وہ اپنے سیدھے سادھے اور بھولے بھالے مگر شکم پرست حواریوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ مؤلف مذکور نے علمی توپ سے کوئی ایسا گولا چلایا ہے جس سے سرفراز جیسا توحید و سنت کا شیدائی اور شرک و بدعت پر کاری ضرب لگانے والا تجربہ کار اور بوڑھا جرنیل علم کے میدانِ کارزار میں گھائل ہو کر گر پڑا ہے اور بیچارہ رو دھو رہا ہے اور مؤلف مذکور کو انسانی ہمدردی کے تحت اس پر رحم آرہا ہے شاباش علمی مورچے یوں ہی بلا دلائل مفت میں فتح کر لینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ مؤلف مذکور کو گوش ہوش سے سن لینا چاہیئے کہ حق باطل سے سچ جھوٹ سے توحید شرک سے سنت بدعت سے اور علم جہل سے کبھی مار نہیں کھاتا ہاں صرف اپنے ہی حلقۂ درس میں اور اپنے ہی حواریوں میں یک طرفہ کارروائی کرتے ہوئے صرف ہوائی فائر سے فرضی طور پر دل خوش کرنے کے لئے اپنے مدمقابل کو آپ گھائل کر دیں تو یہ صرف آپ کے جُبّے قُبّے کے کرشمہ تک ہی محدود ہے اور بس ؎

ان خاک کے پتلوں کو تو چاہے تو کندن کر   اخلاص کی تھوڑی سی اکسیر عطا کر دے

الحاصل مؤلف مذکور پوری کتاب میں عموماً اور اس باب میں خصوصاً جواب دینے میں بالکل ناکام رہے ہیں ہماری کسی بات اور کسی حوالہ کا کوئی جواب نہیں دے سکے اور نہ ان سے اس کی توقع ہو سکتی ہے اور آخر میں انہوں نے جو یہ بات کہی ہے کہ اگر شئی من حیث ہو ہو کا خارج میں تحقق بدون کسی فرد کے متصور ہے تو اس منطق سے ہمیں بھی مطلع کریں اور اپنے منطقی ہونے کا رعب جمایا ہے یہ بھی نری مضحکہ خیز بات ہے اس لئے کہ کلی طبعی کے سلسلہ میں مناطقہ میں خاصا اختلاف ہے جمہور حکما یہ کہتے ہیں کہ کلی طبعی خارج میں خود نہیں بلکہ افراد کے ضمن میں متحقق ہوتی ہے اور بعض متاخرین جن میں علامہ تفتازانیؒ وغیرہ بھی شامل ہیں یہ کہتے ہیں کہ خارج میں صرف افراد موجود ہیں کلی موجود نہیں یعنی افراد کے ضمن میں بھی نہیں جو کچھ خارج میں ہے وہ صرف افراد ہی افراد ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ایصال ثواب کی کلی کے افراد صرف تیجہ، ساتواں، دسواں، گیارھویں، چہلم اور برسی وغیرہ ہی ہیں، مؤلف مذکور لکھتے ہیں لیکن یہ نفس ایصال ثواب اسی وقت خارج میں متحقق ہوگا جب کسی قید کے ضمن میں ہوگا یا وفات کے پہلے روز ہوگا یا دوسرے یا تیسرے روز الخ (ص ۲۴۸) کیا اور جملہ افراد اس کے افراد نہیں ہیں صرف یہی دن ہیں؟ مؤلف مذکور کس بھول میں مبتلا ہیں اور ہم سے کس چیز کا مطالبہ کرتے ہیں؟ ہمت کرکے سوئم اور گیارھویں وغیرہ افراد کے علاوہ اور افراد پر ایک مضمون لکھ کر اپنا حشر تو ذرہ دیکھ لیں؟ اور ہم نے کب کہا ہے کہ ایصال ثواب صرف وہمی فرضی اور عقلی بات ہے جس پر آپ ہم سے صریح حدیث طلب کرتے ہیں؟ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھ کی توفیق بخشے گو یہ امید عبث ہے ؎

بجلی سے نہیں جاتی کاشانوں کی تاریکی
ایمان کے چراغوں کو تنویر عطا کر دے

مسئلہ ایصال ثواب دلائل شرعیہ کی روشنی میں یہ عنوان قائم کرکے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ ایصال ثواب اہل سنت کے نزدیک جائز ہے اور معتزلہ چونکہ حیات الاموات کے منکر ہیں اس لئے وہ ایصال ثواب کا انکار کرتے ہیں اس مسئلہ کو متکلمینؒ نے کتب عقائد میں ذکر کیا ہے۔ پہلا حوالہ انہوں نے شرح عقائد ص ۲۵۲ کا دیا ہے کہ زندہ لوگ مردوں کے لئے جو دعا مانگتے اور صدقات کرتے ہیں ان سے ان کو نفع پہنچتا ہے معتزلہ کا اس میں خلاف ہے۔ دوسرا حوالہ مشکوٰۃ ص ۱۶۹ سے پیش کیا ہے کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ کی والدہ کا انتقال ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کنواں کھود کر ان کو بہترین صدقہ کی تلقین فرمائی تیسرا حوالہ اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۶۹ سے نقل کیا ہے کہ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ عبادات بدنیہ کا ثواب بھی پہنچتا ہے اور چوتھا حوالہ مسائل اربعین ص ۲۳ سے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا نقل کیا ہے کہ علماء حنفیہ کے نزدیک بدنی اور مالی دونوں عبادتوں کا ثواب میت کو پہنچتا ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے اور پانچواں حوالہ بغیر صفحہ بتائے شرح الصدور سے دیا (جو ص ۱۲۹ میں ہے۔ صفدر)۔

حضرت انسؓ کی مرفوع روایت کا ذکر کیا ہے کہ میت کی طرف سے جب کوئی صدقہ کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام اس کو نورانی طبق میں رکھ کر میت سے خطاب کرتے ہوئے پیش کرتے ہیں کہ یہ تیرے اہل خانہ نے پیش کیا ہے اور میت اس سے بہت خوش ہوتی ہے اور چھٹا حوالہ بھی بغیر صفحہ بتائے شرح الصدور کا (جو ص ۱۲۷ میں ہے۔ صفدر) حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت کا پیش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عبد صالح کا درجہ جنت میں بلند فرماتا ہے وہ کہتا ہے یہ کیسے؟ تو رب تعالیٰ فرماتا ہے تیری اولاد کی دعا کی وجہ سے

(محصلہ ص۹۴ تا ص۹۶)

الجواب معلوم نہیں کہ مؤلف مذکور نے بلا ضرورت اور غیر متعلق بحث یہاں کیوں چھیڑ دی ہے یہ حوالے تو اُس شخص کے خلاف وہ پیش کرتے جو ایصالِ ثواب کا یا قبور میں حیات کا منکر او رمعتزلہ کے نظریئے کا حامل ہو بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے تسکین الصدور اور سماع الموتیٰ میں حیات فی القبور پر باحوالہ ٹھوس بحث کی ہے جس سے بشرط انصاف کسی منکر کو انکار کی گنجائش ہی نہیں رہتی اور ایصالِ ثواب کے بارے میں ہم نے راہ سنت وغیرہ کتابوں میں بقدر ضرورت باحوالہ بحث کر دی ہے اس مفروغ عنہ بحث کے بجائے مؤلف مذکور کو سوئم وغیرہ ایام کی تعیین کی بدعت ہونے کے بارے معقول جوابات دینے چاہیئے تھے جن سے لوگوں کی علمی پیاس بجھتی لیکن وہاں تو خیر سے مؤلف مذکور ریشۂ خطمی ثابت ہوئے اور اس غیر متعلق اور غیر ضروری بحث میں گاؤ زبان بن رہے ہیں شاید اپنے ناخواندہ حواریوں کو یہ بتانا مقصود ہوگا کہ سرفراز معاذ اللہ تعالیٰ معتزلہ کا ہم نوا ہے اور نفس ایصالِ ثواب کا منکر ہے اور ہمارے خلاف اپنے دعویٰ کے اثبات پر دلائل تو مؤلف مذکور کے پاس ہیں نہیں اس طریقہ سے ذکر کتاب میں فضول بھرتی کر کے اس کو ضخیم بنا دیا جائے عوام سرفراز سے متنفر اور بدظن ہوں گے اور اس کی کتابیں خریدنا اور پڑھنا ترک کر دیں گے مگر یہ مؤلف مذکور کا نرا وہم ہے ؎

بے باک ہیں دیوانے راہوں میں بغاوت کے ان پاؤں کو طاقت کی زنجیر عطا کر دے

ایصالِ ثواب میں تعیین کی توضیح بہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ سرفراز صاحب نفس ایصالِ ثواب کے قائل ہیں مابہ النزاع سوئم۔ گیارھویں اور عرس وغیرہ کی معین تاریخوں میں ہے کہ ایصالِ ثواب جائز ہے یا نہیں؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ جائز ہے کیونکہ ایصال ثواب کا حکم کلی جب ثابت ہے تو ایسا عوجی پڑھنے والا بھی جانتا ہے کہ کلی اپنے افراد کے ضمن میں پائی جاتی ہے لہٰذا سوئم وغیرہ اس کے افراد ہیں سرفراز صاحب نے اعلیٰحضرت اور دوسرے فقہاء کرام کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ تعیین بدعت ہے سو گذارش ہے کہ مطلق تعیین بدعت نہیں تعیین شرعی بدعت ہے کہ کوئی شخص یوں اعتقاد کرے کہ گیارہ تاریخ کو ایصال ثواب کیا گیا تو صحیح ہے اور بارہ کو حرام ہے۔ اگر ان تاریخوں میں ایصالِ ثواب کو فرض وواجب سمجھے تو تعیین یقیناً بدعت سیئہ اور محض باطل ہے۔ اگر ہماری تحقیق نہیں مانتے تو اپنے پیر روشن ضمیر کی بات مان لیجئے وہ فیصلہ ہفت مسئلہ ص۸ میں تحریر فرماتے ہیں نفس ایصال ثواب ارواح اموات

میں کسی کو کلام نہیں اس میں بھی تخصیص و تعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا فرض و واجب اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تقلید (صحیح تقلید ہے۔ صفدر) ہیئت کذائیہ ہے تو کچھ حرج نہیں جیسا بمصلحت نماز میں سورۂ خاص معین کرنے کو فقہاء و محققین نے جائز رکھا ہے۔ اہل سنت ان عرفی تاریخوں کو فرض و واجب اور ان کے علاوہ تاریخوں کو حرام نہیں سمجھتے اور ایام میں بھی ایصالِ ثواب کو جائز سمجھتے اور اس پر عمل کرتے ہیں سرفراز صاحب کو بھی طوعاً و کرہاً اس کا اقرار کرنا پڑا تنقید متین صنہ میں ہے اب کچھ ہوشیار قسم کے لوگوں اور بطن پروروں نے یہ حیلہ شروع کر دیا ہے کہ کسی جگہ تو گیارھویں تاریخ کو یہ دن منا لیتے ہیں اور کسی دوسری جگہ بارھویں اور تیرھویں کو (محصلہ ص۹۷ و ۹۸)

الجواب ۔ مثل مشہور ہے کہ ساون کے اندھے کو ہرا ہی نظر دکھائی دیتا ہے یہی حال مؤلف مذکور کا ہے کہ ان کو ایصالِ ثواب کے لاتعداد ایام میں صرف سوئم۔ گیارھویں چہلم۔ اور برسی وغیرہ ہی نظر آتی ہے دوسرے افراد ان کو قطعاً دکھائی ہی نہیں دیتے اور ہم بقدر ضرورت بحث اس پر پہلے کر چکے ہیں مؤلف مذکور اپنے اعلیٰ حضرت اور دوسرے فقہاء کرامؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ مطلق تعیین بدعت نہیں بلکہ تعیین شرعی بدعت ہے کہ گیارہ تاریخ کو ایصالِ ثواب صحیح ہے اور بارہ کو حرام ہے مؤلف مذکور بھی عجیب شخصیت کے مالک ہیں اور سچ تو یہی ہے کہ دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔ قارئین کرام کو یاد ہو گا کہ پہلے مؤلف مذکور نے تنقید متین میں پیش کردہ حضرات فقہاء کرام رحہ کی عبارات کے بارے میں لکھا تھا کہ سرفراز صاحب نے دیگر فقہاء کرامؒ کی عبارتوں سے مواد پیش کیا ہے کہ موت کے تیسرے روز ضیافت کرنا مکروہ ہے الخ وہاں تو ممانعت کی علت ضیافت بتلائی تھی اور یہاں انہیں حضرات فقہاء کرامؒ سے ممانعت کی وجہ تعیین ایام بیان کی ہے آخر اس دورنگی چال اور گورکھ دھندے کا کیا سبب ہے؟ ممکن ہے مؤلف مذکور کے نزدیک اس پر عمل ہو کہ گنگا گئے تو گنگا رام اور جمنا گئے تو جمنا داس ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور پھر دوبارہ عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ میں ہمت اور جرأت ہے تو سوئم گیارھویں چہلم اور برسی وغیرہ کو عملاً جماعتی صورت میں اپنی جگہ سے ہٹا کر بتا دیں ہم بھی آپ کی یہ کرامت تسلیم کر لیں گے اور یہ سمجھیں گے کہ واقعی جلوہ خوروں میں بھی کوئی خالص دینی انقلابی مرد پیدا ہوا ہے اور اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے اور ہرگز نہیں کر سکیں گے تو پھر کلی طبعی کے ان چند افراد کی رام کہانی کو بار بار دھرانے کی تکلیف نہ اٹھائیں عملی صورت میں عوام نہیں بلکہ آپ جیسے خواص بھی ان ایام میں حاضری جمعہ و جماعت میں حاضری سے بھی زیادہ اہم سمجھتے ہیں اور ان کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹا سکتے تو پھر اس کے بدعت سیئہ اور باطل محض ہونے میں کیا شبہ ہے؟ ہمارے حضرت پیر روشن ضمیر کی عبارت

آپ کو ہرگز سود مند نہیں کیونکہ آج کل عوام کیا بلکہ خواص بھی ان ایام کی کارروائی کو عملاً فرض و واجب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں لہٰذا اس کے ممنوع ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہاں اگر کسی موقع پر کوئی شخص وقتی مصلحت کے پیش نظر دوسرے دن کی تعیین کرے اور کوئی اپنی خانگی مصلحت کی وجہ سے چوتھے دن کی کرے کوئی اور اپنی وقتی مصلحت کے لئے پانچویں دن کی کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں مگر آج کل ایسا کون کرتا ہے اور کہاں ہوتا ہے؟ حضرات فقہاء کرامؒ نے کسی سورت کو معین کرنے کی صرف اس صورت میں اجازت دی ہے کہ اس سورت کا پڑھنا آسان ہے یا اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ پڑھی ہے اس لئے بطور تبرک اس کو پڑھتا ہے اور ظاہر امر ہے کہ متنازع فیہا ایام کی تعیین (دوسرے ایام سے صرف نظر کرتے ہوئے) نہ تو بنسبت دیگر ایام کے شرعاً آسان ہے نہ عقلاً جیسا کہ پوشیدہ نہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی تو کیا حضرات سلف صالحینؒ سے بھی ان ایام کی تعیین ثابت نہیں بلکہ وہ اس کو بدعت سیئہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ مؤلف مذکور نے تنقید متین کا پورا حوالہ نہیں جس میں بات کھلتی ہے لفظ تیرھویں کو۔ کے آگے یہ عبارت ہے وہ بتلاتے تو یہ ہیں کہ لیجئے ہم گیارہویں تاریخ کو ہی ضروری نہیں سمجھتے لیکن اصل بات وہ عوام الناس سے بالکل اوجھل رکھتے ہیں وہ یہ کہ اس طریقہ سے ان کے بطن مبارک کے لئے متعدد جگہیں نکل آتی ہیں اور کوئی جگہ ہاتھ سے نہیں جاتی آڑ تو بظاہر مسئلہ کی ہے مگر انتظام سب پیٹ کا ہے اور عوام الناس کو وہ آئے دن بجائے دلائل و براہین کے چاولوں اور مٹھائیوں سے مطمئن کرتے رہتے ہیں انتہیٰ (ص ۵۹) اس ساری عبارت کو بھی ملاحظہ فرمائیے اور پھر جو نتیجہ مؤلف مذکور نے اس سے نکالا ہے اس کو بھی ملاحظہ کر لیجئے کہ من چہ میگویم و طبل من چہ میسراید مگر وہ کہہ سکتے ہیں ؎

بُرا ہو نیرا محرم راز تو نے کیا ہم کو رسوا بُرا کہتے کہتے

گیارہویں کو حرام کہنا بدعت ہے یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے جو کچھ اس کے تحت لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے عرفی تاریخوں میں ایصال ثواب کرنا ہمارے نزدیک واجب اور غیر میں حرام نہیں ہم مطلق شرعی کو اس کے اطلاق پر رکھتے ہیں لیکن آپ نے سوئم، ہفتم، چہلم، گیارہویں اور عرس وغیرہ ایام میں ایصالِ ثواب کو حرام کر کے اطلاق شرعی کو باطل اور معاذ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تغلیط کی ہے۔ نیز جب آپ نے ان تاریخوں میں ایصالِ ثواب کو حرام قرار دیا اور باقی ایام میں جائز رکھا تو ان ایام کو آپ نے ثواب کے لئے متعین کر دیا اور یہ تعیین عرفی نہیں جس سے آپ کی جان

چھوٹ جائے بلکہ تعیین شرعی ہے تو سال کے تین سو پینسٹھ ۳۶۵ دنوں میں سے ہم پر سات دنوں کی تعیین کا اعتراض ہے تو آپ پر تین سو اٹھاون ۳۵۸ دنوں کی تعیین کا اعتراض ہے اس شرعی حرمت اور تعیین شرعی پر آپ کے پاس کونسی صحیح اور صریح دلیل ہے اور تعیین شرعی کے بدعت ہونے میں کسی کو کلام نہیں سرفراز صاحب ذرا ہوش میں آکر جواب دیجئے کہ تعیین شرعی بریلویوں کی بدعت ہے یا دیوبندیوں کی ع وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔ (محصلہ ص۹۸ و ص۹۹)

الجواب کہاوت مشہور ہے کہ بلی کو چھیچھڑوں کے خواب ہی نظر آتے رہتے ہیں یہی حال مؤلف مذکور کا ہے کہ موقع و محل ہو یا نہ ہو سوئم۔ گیارہویں اور چہلم وغیرہ ان کے ذہن سے نکلتے ہی نہیں اور النقش فی الحجر کی طرح یہ ان کے ذہن میں جاگزین ہیں اور تنقید متین کے ٹھوس حوالوں نے ان کو کچھ ایسا حواس باختہ کر دیا ہے کہ رہ رہ کر ان کو گیارہویں اور سوئم وغیرہ ہی یاد آتے ہیں کہ ہائے کیا بن گیا؟ اور کس طرح شکم شریف پر محکم حوالوں کا گولہ پڑ گیا؟ مگر اس واویلا سے کیا حاصل؟ علمی گولہ نے جو کام کرنا تھا وہ بفضلہ تعالیٰ کر چکا ہے اور رہی سہی کسر بھی انشاء اللہ تعالیٰ نکل جائے گی۔ مؤلف مذکور اور ان کی پارٹی اگر بقول خود سوئم وغیرہ عرفی تاریخوں میں ایصال ثواب کو واجب اور غیر میں حرام نہیں سمجھتے تو عملی صورت میں اس پر عمل کر کے دکھائیں تاکہ عوام کو بھی یقین آجائے کہ جو وہ کہتے ہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں اگر جماعتی صورت میں ایسا کر دکھائیں تو عوام خود بخود سمجھ لیں گے کہ واقعی آپ لوگ اطلاق شرعی کو اپنی اصل پر رکھتے ہیں ورنہ سب یہی سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ مؤلف مذکور اور ان کی پارٹی کے پاس ہاتھی کے دانت ہیں کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ ہمارا یہ موقف تو نہیں کہ سوئم وغیرہ ایام میں ایصالِ ثواب کرنا حرام ہے حاشا و کلا یہ ہم پر نرا بہتان اور خالص جھوٹ ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ انہی ایام کو ایصالِ ثواب کے لئے خاص کر لینا اور دوسرے ایام میں ایصال ثواب نہ کرنا یہ بدعت ہے۔ نہ تو ہم نے اطلاق شرعی کو باطل کیا ہے اور نہ معاذ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تغلیط کی ہے یہ آپ کی خالص شیطنت ہے کہ عوام کے جذبات کو خواہ مخواہ ہمارے خلاف بھڑکاتے ہیں جب ہم نے یہ کہا ہی نہیں کہ ان ایام میں ایصال ثواب حرام ہے تو پھر بنیوں کی طرح یہ حساب کرنا کہ سات دن کی تعیین کا ہم پر اور تین سو اٹھاون ۳۵۸ دن کی تعیین کا اعتراض تم پر آتا ہے۔ قطعاً بے فائدہ ہے ان ایام کی تعیین شرعی پر آپ لوگوں کے اتفاقی تعامل سے بڑھ کر اور کونسی دلیل آپ کو درکار ہے؟ آپ لوگوں کا تعامل ہی اس تعیین کو تعیین شرعی اور تعیین حقیقی

بتا رہا ہے اور ہم تو شمولیت ان ایام کے جب کہ انہی ایام کی تخصیص نہ ہو باقی تمام ایام میں بھی ایصال ثواب کو تعیین عرفی ہی سمجھتے ہیں اور ہے بھی ایسا ہی لہٰذا ہم سے دلیل کا مطالبہ بے سود ہے باقی سوئم وغیرہ کی تعیین کے بدعت وحرام ہونے پر ہم نے حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ وغیرہ کے حوالے عرض کر دیئے ہیں۔ جن سے آپ نے کبوتر کی طرح بالکل آنکھیں بند کر لی ہیں الغرض بریلویوں کی تعیین ان کے اجماعی تعامل سے تعیین حقیقی و شرعی بن جاتی ہے جس کے بدعت ہونے کا آپ کو بھی اقرار ہے کہ تعیین شرعی کے بدعت ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ اور ہمارا بھی اس پر صاد ہے باقی رہے اہل السنت والجماعت اور اہل حق دیوبندی تو ان کے نزدیک یہ تعیین، تعیین عرفی ہے اور ان پر عملی اور تحقیقی طور پر قطعاً کوئی زد نہیں پڑتی جیسا کہ کسی بھی اہل علم اور منصف مزاج سے یہ بات مخفی نہیں ہے تعجب ہے کہ مؤلف مذکور نے عنوان تو یہ قائم کیا ہے کہ گیارہویں کو حرام کہنا بدعت ہے اور آگے دلیل بغیر بنیوں کے بے سود حساب کے اور کچھ نہیں دی گویا نری لفاظی سے اپنا یہ بے بنیاد دعویٰ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ گیارہویں کو حرام کہنا بدعت ہے اور ہمارے سابق پیش کردہ واضح اور روشن حوالے جو ان کی آنکھوں کو خیرہ کر رہے ہیں وہ بالکل ان کو نظر نہیں آ رہے بقول بلگرامیؒ ؎

شپرہ با حضرتِ خورشید گفت
چشم مرا کور چرا می کنی

تعیین عرفی یہ سرخی قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ سوئم، چہلم اور عرس وغیرہ ایصال ثواب کے حکم کے کلی افراد ہیں اور ان تاریخوں میں تعیین شرعی نہیں بلکہ عرفی ہے۔ جیسے شارع نے ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے یہ حکم مطلق ہے ظہر کی نماز اپنے پورے وقت میں سے جس وقت بھی پڑھ لی جائے ادا ہو جائے گی لیکن باوجود اس کے مساجد میں ادائیگی کا وقت معین کر دیا جاتا ہے کہیں ظہر ڈیڑھ بجے اور کہیں دو بجے اور کہیں ڈھائی بجے ہوتی ہے۔ یہ تعیین عرفی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان اوقات کے آگے پیچھے نماز جائز نہیں اسی طرح سوئم و چہلم وغیرہ کا معاملہ ہے ان دنوں کی تعیین عرفی ہے آگے پیچھے بھی ایصال ثواب جائز ہے (بمصلہ ص ۹۹ و ۱۰۰)

الجواب مؤلف مذکور کا یہ قیاس بالکل مردود اور مع الفارق ہے اولؔ اس لئے کہ وہ خود یہ تسلیم کرتے ہیں کہ کہیں ظہر ڈیڑھ بجے کہیں دو بجے اور کہیں ڈھائی بجے ہوتی ہے سوال یہ ہے کہ کیا ان کی رسم قل بھی بدعت پسند طبقہ کے ہاں کہیں دوسری تاریخ کو اور کہیں تیسری کو اور کہیں چوتھی اور پانچویں وغیرہ کو ہوتی ہے۔ اور ان کا چالیسواں بھی کہیں پچاسویں دن یا ساٹھویں دن کو اور برسی کہیں ڈیڑھ برس کے بعد اور کہیں اڑھائی

برس کے بعد بھی ہوا کرتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو صحیح ہے ورنہ یہ قیاس قطعاً باطل و مردود ہے وثانیاً اس لئے کہ جہاں اوقاتِ نماز کے لئے یہ تعیین عُرفی کی جاتی ہے وہاں موسم گرما و سرما کے لحاظ سے یہ اوقات بھی ادلتے بدلتے رہتے ہیں جیسا کہ کسی بھی ذی شعور آدمی پر یہ مخفی نہیں ہے مگر سوئم اور چہلم اور برسی وغیرہ ایسی بدرسوم ہیں کہ یہ اپنی جگہ سے ہلنے کا سرے سے نام ہی نہیں لیتیں ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں اور سہ بارہ عرض کرتے ہیں کہ مؤلف مذکور ان رسوم مذمومہ و بدعیہ کو اپنی جگہ سے جماعتی صورت میں اصل طور سے ہٹا کر دکھا دیں تاکہ پتہ چلے کہ واقعی یہ تعیین عرفی ہے مگر مفت کے لذیذ کھانے کون چھوڑتا ہے؟ ؎

مومن خدا کے واسطے ایسا متاع نہ چھوڑ   دوزخ میں ڈال طعن کو کوئے بتاں نہ چھوڑ

تعیین عُرفی کو ترجیح مؤلف مذکور یہ عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ اگرچہ ایصالِ ثواب ہر دن جائز ہے لیکن لوگوں میں سوئم، چہلم اور عرس کی عادت پڑ گئی ہے اور مردے ان دنوں ایصال ثواب کا انتظار کرتے ہیں لہٰذا ان کو ترجیح ہے حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ لکھتے ہیں کہ۔ عالم برزخ میں زندوں کی مدد اموات کو بہت جلد پہنچتی ہے اور اموات کو زندوں کی مدد کا انتظار رہتا ہے اور وہ یوں سمجھتے ہیں کہ وہ ابھی زندہ ہیں اور صدقات فاتحہ دعائیں اس وقت بہت کام آتی ہیں اسی وجہ سے لوگ ایک سال تک اور بالخصوص چالیس دن تک اسی قسم کی مدد کرتے ہیں (تفسیر عزیزی ص۱۱۲ پ۳۰) مبتدعین دیوبند کے مسلّم شیخ حاجی امداد اللہ صاحبؒ فیصلہ ہفت مسئلہ ص۹ میں تحریر فرماتے ہیں۔ رہا تعیین تاریخ! یہ بات تجربہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول (یعنی کسی معین وقت میں اس کام کو کرنا معمول بن چکا ہو صفدر) نہیں بلکہ کسی کام کو کسی خاص وقت میں کرنے کا معمول بنا لیا جائے جو محض تعیین عُرفی ہے نہ کہ تعیین شرعی وحقیقی۔ صفدر) اس وقت وہ یاد آجاتا ہے۔ اور ضرور آتا رہتا ہے اور نہیں تو سالہا سال گذر جاتے ہیں کبھی خیال بھی نہیں ہوتا اسی قسم کی مصلحتیں ہر امر میں ہیں جن کی تفصیل طویل ہے محض بطور نمونہ تھوڑا سا بیان کیا گیا ہے ذہین آدمی غور کر کے سمجھ سکتا ہے؟ کاش کہ سرفراز صاحب بھی غور کر کے سمجھ جائیں ورنہ ہم ان کی ذہانت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہمعات ص۵۸ میں لکھتے ہیں۔ اور اسی ضمن میں بزرگوں کے عرسوں کی محافظت کرنا ہے اور ان کی قبروں پر ہمیشہ جاتے رہنا اور ان کے لئے فاتحہ کو لازم کرنا اور ان کے لئے صدقہ دینا ہے۔ اب ذہین آدمی سمجھ جائے گا کہ شاہ صاحبؒ مشائخ کے اعراس کی حفظ کی نصیحت فرما رہے ہیں

اور بہ حفاظت معین تاریخ ہی ہیں ہوسکتی ہے ورنہ کسی کو کیا معلوم عرس کب ہوا ؟ پس لوگ نہ وہاں جائیں گے نہ عرس ہوگا معلوم ہوا کہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک بھی عُرفی تاریخوں کی تعیین راجح ہے مگر یہ باریک بینی سرفراز صاحب کے بس کا روگ نہیں۔ ہم ان کی خدمت میں شاہ رفیع الدین صاحبؒ کا فتویٰ پیش کرتے ہیں جس میں صاف الفاظ میں اس ترجیح کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ فتاویٰ صـ۴۱ـ میں لکھتے ہیں حدیث میں ہے کہ یہود نے جناب نبوت میں ۔۔۔۔ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد اور غرقِ فرعون یوم عاشورہ کو کیا حضرت اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم حق موسیٰ علیہ السلام کو ادا کرنے کے زیادہ حق دار ہیں پس آپ نے عاشورہ کا خود روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی حکم فرمایا اور نیز حضرت بلالؓ کو پیر کا روزہ رکھنے کی وصیت کی اور فرمایا کہ میں اس دن پیدا ہوا اور اس دن میں مجھ پر قرآن نازل ہوا اور اسی دن میں نے ہجرت کی اور اسی دن مجھے وفات ہوگی بنابریں تاریخ وماہ وسال کو یاد رکھنے کی لوگوں میں رسم پڑ گئی ہے اگرچہ حقیقت میں اس دن کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ وقت تصدق اور دعا ہمیشہ ہے لیکن جب لوگ ان خاص ایام میں ایصالِ ثواب کرتے ہیں تو ان کے فوت شدہ اقارب کو ان خاص دنوں میں وصول ثواب کا انتظار رہتا ہے اور کشف سے ثابت ہوا ہے کہ اس قسم کے ایام میں ارواح مجتمع ہوتی ہیں پس ختم دعا اور کھانا کھلانے کے ثواب سے ان کی امداد کرنا بدعت مباح ہے اور اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے شاہ ولی اللہؒ۔ شاہ عبدالعزیزؒ۔ شاہ رفیع الدینؒ اور حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے کلام سے ثابت کر دیا ہے کہ تعیین عُرفی راجح ہے۔ پہلے تین بزرگوں کی عبارات سے سرفراز صاحب نے تنقید متین میں استدلال کیا ہے اور چوتھے مبتدعین دیوبند کے متفق علیہ پیر اور مسلّم شیخ ہیں اب آپ کے لئے دو ہی راستے ہیں یا تو تعیین یوم کو مباح مان کر عرس سومؔ اور چہلم کو جائز مان لیجئے یا پھر ان حضرات کو بدعتی اور مشرک قرار دے کر جہنم میں پہنچا دیجئے (محصلہ صـ۱۰۱ـ تا صـ۱۰۳ـ)

الجواب۔ مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ لکھا ہے بالکل مردود ہے اوّلاً اس لئے کہ وہ عنوان تو تعیین عُرفی کی ترجیح کا قائم کرتے ہیں اور پہلے ہم نے عرض کر دیا ہے کہ تعیین عُرفی میں کوئی نزاع نہیں ہے۔ ہر قوم اور ہر علاقہ کے باشندوں کو حق حاصل ہے کہ وہ شرعی قواعد وشرائط کو ملحوظ رکھ کر کبھی کوئی دن مقرر کر لیں اور کبھی کوئی دن اور کہیں کوئی یوم متعین ہو جائے اور کہیں کوئی یوم۔ اور مؤلف مذکور اس عنوان کے تحت اپنے فاسد ذہن کے موافق جس تعیین کے اثبات کے درپے ہیں وہ تعیین عرفی نہیں رہتی بلکہ تعیین حقیقی اور شرعی بن جاتی ہے جس کے بدعت

ہونے میں اصولی طور پر انہیں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے وثانیاً ہم نے حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے حوالہ سے یہ بات پہلے عرض کردی ہے کہ ایصال ثواب کے لئے دن اور ہیئتہ وغیرہ مقرر کرنا بدعت ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت ہے جو حرام اور ناروا ہے ان کی اس مفصل عبارت کی موجودگی میں ایک مبہم مجمل اور غیر مفصل عبارت سے استدلال کا کیا مطلب؟ وثالثاً تفسیر عزیزی کے حوالہ سے نہ تو سوئم کی تعیین ثابت ہے اور نہ چہلم وغیرہ کی اس سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ کہ مردے ایصال ثواب کے منتظر ہوتے ہیں اور صدقات و دعائیں ان کے کام آتی ہیں اور لوگ سال تک اور بالخصوص چالیس دن تک ان کی اس قسم کی مدد کرتے رہتے ہیں، غرضیکہ یہ حوالہ دعویٰ سے بالکل غیر متعلق ہے ورابعاً حضرت حاجی صاحبؒ کی عبارت میں بھی کوئی ایسا واضح لفظ نہیں جو تعیین حقیقی و شرعی پر دال ہو بلکہ ذہین آدمی ان کی عبارت میں رہا تعیین تاریخ کے الفاظ سے تعیین عرفی ہی سمجھیگا جیسا کہ کسی بھی ذی فہم پر یہ مخفی نہیں ہے وخامساً حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی صریح عبارت جس میں سوئم اور چہلم وغیرہ کی صریح الفاظ میں تردید کی گئی ہے ہم نے تنقید متین ص۹۶ میں درج کی ہے جس کا کوئی جواب مؤلف مذکور نے نہیں دیا وہ خود ہی انصاف سے کہیں کہ اُن کی یہ مجمل عبارت اُس صریح عبارت کا توڑ کیوں کر ہوسکتی ہے؟ اور اس سے تعیین حقیقی کیسے ثابت ہوتی اور ہوسکتی ہے؟ باقی مشائخؒ کے جن اعراس کی حفظ کا انہوں نے تذکرہ فرمایا ہے وہ سادھے اعراس اب کس جگہ اور کہاں ہوتے ہیں جن میں اختراعی قیود اور ان کا التزام نہ ہو؟ رہا صدقہ خیرات تو بیان ہوچکا ہے کہ ان شرعی امور کا کوئی بھی مسلمان منکر نہیں ہے۔ الغرض حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت میں بھی اس تام نہاد عُرفی تعیین کا کوئی ذکر نہیں جس کو آپ عُرفی تعیین سے تعبیر کرتے ہیں اور حقیقت میں وہ تعیین شرعی اور حقیقی بن چکی ہے ہمت ہو تو اس کو ذرا اپنی جگہ سے سرکا کر دیکھیں اور جو عبارت تفہیمات کے حوالہ سے ہم نے عرض کی ہے اس سے سوئم چہلم وغیرہ کی تعیین کا صراحتہً رد ہوتا ہے وسادساً حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ کی عبارت میں صوم عاشوراء کی تعیین کا ذکر ہے لیکن وہ تو تعیین شرعی ہے خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تعیین فرمائی ہے یہ امر تو محل نزاع سے بالکل خارج اور مفروغ عنہ ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہفتہ میں پیر اور جمعرات کا روزہ اکثر رکھتے تھے پیر کے روزہ کی وجہ بھی بیان فرمائی کہ فیہ ولدت وفیہ بعثت الخ اسی طرح حضرت بلالؓ کو پیر کے دن کے روزہ کی وصیت کی تو یہ تعیین

مادشمای کی نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے اور پھر خصوصیت سے آپؐ نے حضرت بلالؓ کو یہ وصیت کی تھی نہ تو تمام حضرات صحابہ کرامؓ کو یہ وصیت فرمائی اور نہ ساری امت کو۔ آگے حضرت شاہ صاحبؒ خود تصریح فرماتے ہیں کہ بنابریں تاریخ د ماہ وسال کو یاد رکھنے کی لوگوں میں رسم پڑگئی ہے اگرچہ حقیقت میں اس دن کی کوئی خصوصیت نہیں کیونکہ تصدق اور دعا ہمیشہ ہے الخ یعنی شریعت کی طرف سے تو کوئی تعیین نہیں یہ لوگوں کی خود ساختہ رسم ہے اور حقیقتاً اس دن کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ صدقہ اور دعا ہمیشہ درست ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا زمانہ ہمارے زمانہ کی نسبت پھر بھی خیر القرون کے قریب تھا اس میں علماء صلحاء اور صحیح العقیدہ لوگ زیادہ تھے نام ونمود اور شہرت سے بھی اجتناب کرتے تھے اور دین کے اصول کے زیادہ پابند تھے آجکل تو رسم قل وغیرہ میں شرکت ایک لازم امر تصور کر لیا گیا ہے اور اس کے مقابلہ میں جمعہ اور جماعت اور دیگر امور دین کا عموماً ایسا اہتمام نہیں کیا جاتا جتنا کہ رسم قل وغیرہ کا کیا جاتا ہے وسائبعا کاش کہ مؤلف مذکور حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ کی عبارت آخر تک پوری نقل کر دیتے تو معاملہ بالکل صاف ہو جاتا و جہ قبیح مدار (اور اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے) کے آگے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

واما ارتکاب محرمات از روشن کردن چراغہا و ملبوس ساختن قبور و سرودہا و نواختن معازف بدعات شنیعہ اند وحضور چنیں مجالس ممنوع اگر مقدور باشد بعمل حدیث گذشتہ مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا الخ عمل باید کرد و در مقام زجر پراگندہ کردن اسباب بدعت کافی واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ ص۱۴۲)

بہرحال محرمات کا ارتکاب مثلاً قبروں پر چراغ جلانا اور قبروں پر چادریں ڈالنا اور سرود اور ڈھول وغیرہ بجانا تو یہ بدترین بدعات میں سے ہیں اور ایسی مجلسوں میں حاضر ہونا ممنوع ہے اگر قدرت ہو تو حدیث مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا الحدیث پر عمل کرنا چاہیئے اور زجر کے مقام پر بدعت کے اسباب کو پراگندہ کر دینا کافی ہے۔

مؤلف مذکور ہی از راہ انصاف یہ بتائیں کہ آجکل اکثر عرسوں میں کیا قبروں پر چراغاں نہیں کیا جاتا؟ اور کیا قبروں پر چادریں اور پھول وغیرہ نہیں چڑھائے جاتے؟ اور کیا ان میں گانے بجانے والے بھانڈ نہیں آتے اور قوالیاں نہیں ہوتیں؟ اور کیا ایسے اعراس میں حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ شرکت کی تلقین فرماتے اور بقول آپ کے اس تعیین کو ترجیح دیتے ہیں یا اس کو بدعات شنیعہ قرار دیتے ہیں؟ اور کیا ایسے اعراس کی بدعات کو بکھیر کر رکھ دینے

اوران کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیتے ہیں یا بقول آپ کے ان میں شرکت کو ترجیح دیتے ہیں ؟ جواب غور سے دیں الحاصل ان بزرگوں میں سے کسی ایک کی صریح عبارت سے سوئم چہلم اور عُرس معہود کی اباحت ثابت نہیں ہوتی اور نہ یہ حضرات معاذ اللہ تعالیٰ کافر مشرک اور جہنمی ہیں یہ جملہ حضرات بفضلہٖ تعالیٰ مؤمن مؤحد متبع سنت اور علماء حق اور خادمان دین متین تھے جو بزبان حال یہ کہتے ہیں ؎

مرا جوہر ہو سرتا پا صفائے مہر پیغمبر مراجبرت زدہ دل آئینہ خانہ ہو سُنت کا

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی تعیین یوم پر تصریح یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ ہم اس مسئلہ کی مزید توضیح فتاویٰ عزیزیہ ج ۱ ص۳۵ سے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

سوال۔ سال کے بعد ایک دن کو زیارت قبور کے لئے معین کر لینا جائز ہے یا نہیں ؟ جواب سال کے بعد ایک دن معین کر کے قبر پر جانے کی کئی صورتیں ہیں۔ اوّل ایک یا دو شخص بغیر ہیئت اجتماع کے قبر پر جائیں اور زیارت اور دعا وغیرہ کریں اور یہ از روئے روایات ثابت ہے۔

تفسیر درمنثور میں نقل ہے کہ ہر سال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقابر میں اہل قبور کی دعا کے لئے تشریف لے جاتے تھے (تفسیر رازیؒ ج ۵ ص۲ پر بھی اس قسم کی روایات موجود ہیں۔ سعیدی) دوئم ہیئت اجتماعیہ سے کثیر لوگ جمع ہوں اور ختم قرآن کریں اور شیرینی یا طعام پر فاتحہ پڑھیں حاضرین کے درمیان تقسیم کریں یہ قسم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس اور عہد خلفاء راشدینؓ میں معمول نہ تھی لیکن اگر کوئی اس طرح کرے تو حرج نہیں کیونکہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے سوئم لباس فاخرہ پہن کر عید کی طرح شاداں وفرحاں قبر پر ایک معین دن جمع ہوں اور قبر پر رقص وسرود کی محفل سجائیں اور قبر پر سجدہ وطواف کریں یہ قسم حرام وممنوع ہے بلکہ حد کفر تک پہنچتی ہے اور یہی ان دو حدیثوں کا محل ہے جن میں ہے ولا تجعلوا قبری عیداً ۱۱ اور اللّٰھم لا تجعل قبری وثنا یعبد یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ شریف میں مذکور ہیں (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص۳۵) شاہ صاحبؒ کے اس تفصیلی جواب سے ظاہر ہوا کہ عرس کے لئے دن معین کر کے ایصال ثواب کرنا طعام وشیرینی پر فاتحہ پڑھنا ختم قرآن کرنا یہ سب جائز ہیں اور مدار حرمت قبر کے لئے سجدہ وطواف کرنا اور رقص وسرود کا ارتکاب ہے نہ کہ تعیین یوم ممکن ہے سرفراز صاحب کی آنکھیں کھل گئی ہوں اور اب بھی اگر بدعت کا بھوت نہ اترا تو ایک حوالہ اور پیش خدمت ہے فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص۴۵ پر شاہ صاحبؒ کے ایک معاصر کا ان پر ایک اعتراض مندرج ہے جو انہوں نے شاہ صاحبؒ

کے سال بسال عرس کرنے پر وار دکیا ہے۔ انہوں نے اپنے بزرگوں کے عرس کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے سال کے سال مقابر پر جاتے ہیں طعام وشیرینی تقسیم کرتے ہیں اور بنا سے کی تعریف میں مشغول رہتے ہیں۔ اب اس سوال کا جواب شاہ صاحبؒ کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔ یہ طعن ہمارے حال سے ناواقفیت پر مبنی ہے کیونکہ غیر فرائض شرعیہ کو کوئی شخص بھی فرض نہیں جانتا ہاں قبور صالحین کی زیارت اور اُن سے برکت حاصل کرنا اور ثواب سے اُن کی امداد کرنا اور تلاوت قرآن ودعائے خیر کرنا اور کھانا اور شیرینی تقسیم کرنا باجماع علماء امر مستحسن اور خوب ہے اور روز عرس کی تعیین اس لئے ہے کہ اسی دن ان کا وصال ہوا اور یہ دن اُن کے وصال کی یاد دلاتا ہے (فتاوٰی عزیزی ج۱ ص۴۹) شاہ عبد العزیز صاحبؒ کی اس عبارت سے کئی فوائد حاصل ہوئے اوّل شاہ صاحبؒ ہر سال تاریخ معین پر اپنے والد کا عرس کرتے تھے بریلویوں کو آپ کوستے رہتے ہیں کہ وہ سوئم جہلم عرس اور گیارہویں وغیرہ کرتے ہیں اور تعیین بدعت ہے اور کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار اب اپنے مُسلّم شیخ ومرشد کے بارے میں کیا فتویٰ ہے ؟ کیا ان کو بھی بدعتی قرار دے کر جہنم میں پہنچائیگا؟ اگر وہ بدعتی نہیں تو آپ بریلویوں کو تعیین کی وجہ سے کیوں اہل بدعت کہتے ہیں وجہ فرق بیّن ہو ورنہ لوگوں کو آپ کی اصل میں شبہ پڑ جائے گا کیونکہ اسرائیلی نسل ہی کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ ایک کام کو اپنے احبار ورہبان کے لئے جائز کر دیتے اور اسی کام کو جب مسلمان کرتے (نہیں بلکہ عام اسرائیلی کرتے۔ صفدرؔ) تو اسے غلط کہا کرتے تھے پھر آپ ہی بتلائیے کہ ہم آپ کو کیا سمجھیں ؟ دوم اس عبارت سے مستفاد ہوا کہ شاہ صاحبؒ صالحین کے لئے ایصال ثواب کیا کرتے تھے ان کی عبارتوں پر تکیہ کرنے والے گکھڑوی کے لئے مقام عبرت ہے کہ وہ گیارھویں کو اس لئے حرام وغیرہ قرار دیتے ہیں کہ بڑے پیر نیکیوں سے مالامال ہیں انہیں ایصالِ ثواب کی کیا ضرورت ہے۔ جب صالحین نیکیوں سے مالامال ہیں تو شاہ صاحبؒ سے پوچھئے کہ وہ صالحین کو ایصال ثواب کیوں جائز قرار دیتے ہیں ؟ سوم اس ہیئت مخصوصہ کے ساتھ کیا عرس خیر القرون میں موجود تھا اگر نہیں تھا تو شاہ صاحبؒ کے بارے کیا فتویٰ ہے جو آپ کے مسلمہ حرام (مؤلف مذکور کو اتنی تمیز بھی نہیں کہ لفظ حرام مذکر ہے نہ کہ مؤنث اور اس کی صفت مسلّم ہے نہ کہ مسلمہ۔ صفدرؔ) کو حلال کئے جا رہے ہیں چہارم بریلویوں کے بارے آپ اپنی روایتی سوء ظنی اور بدگمانی کی وجہ سے کہہ دیتے ہیں کہ آڑ تو بظاہر مسئلہ کی ہے مگر انتظام سب پیٹ کا ہے اور عوام الناس کو وہ آئے دن بجائے دلائل وبراہین کے چاولوں اور مٹھائیوں سے مطمئن کرتے رہتے ہیں (تنقید ص۵۱) اب شاہ صاحبؒ کے بارے کیا کہے گا جو فرماتے

بین تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است اگر یہ مسئلہ واقعی پیٹ کے انتظام کے لئے ہے تو گستاخی معاف اس کی بنیاد تو آپ کے حکمی باپ دادا نے رکھی ہے اور من سنّ فی الاسلام سُنّۃً سیئۃً فعلیہ وزرھا ووزر من عمل بھا کے فارمولے کے تحت ان اندر کا وبال آپ کے معنوی آباء کے قرطاس عمل کی رسوائی قرار پائے گا اہل سنت پر تبرّا کرنے سے پہلے کاش آپ نے ایک نگاہ اپنے اسلاف پر کی ہوتی (محصلہ ص۱۰۳ تا ص۱۰۸)

الجواب۔ مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ لکھا ہے بالکل لاحاصل ہے اوّلاً اس لئے کہ ہم نے پہلے خود حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے حوالے سے یہ بات عرض کر دی ہے کہ ایصالِ ثواب کے لئے دن مقرر کرنا بدعت ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کی خلاف ورزی ہے، جو حرام و ناروا ہے وثانیاً حضرت شاہ صاحبؒ کی اُس سابق عبارت کے پیش نظر اس عبارت کا مطلب یہ لیا جا سکتا ہے کہ اس میں تعیین حقیقی نہ ہو بلکہ تعیین عُرفی ہو مثلاً کسی سال وہی دن ہو جس میں کسی بزرگ کی وفات ہوئی تھی اور دوسرے سال اس کے بعد تیسرے سال اس کے بعد کا کوئی دن مقرر کر لیا جائے اور حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت میں یک روز معین کردہ (جس کا معنیٰ مؤلف مذکور نے یہ کیا ہے ایک دن معین کر کے) اور یک روز معین نمودہ کے الفاظ اس کی تائید کرتے ہیں کیونکہ اگر علیٰ التعیین قطعی اور حتمی طور پر وہی دن مراد ہو جو کسی بزرگ کی وفات کا تھا تو وہ تو از خود متعین ہے پھر معین کردہ اور معین نمودہ کا کیا مطلب ہے اور فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص۸۹ کی یہ صریح عبارت آگے ص۱۲۸ میں آرہی ہے کہ برائے زیارت قبور روز معین نمودن بدعت است الخ جو اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل واضح ہے؟ وثالثاً پہلی اور دوسری صورت میں جس اجتماع کی بغیر خرافات زائدہ اور بدعات ممنوعہ کے حضرت شاہ صاحبؒ نے اباحت بیان فرمائی اور یہ تحریر فرمایا کہ اس میں کوئی قباحت نہیں مؤلف مذکور ہی یہ بتائیں کہ ایسا عرس آج کل کہاں ہوتا ہے جو ان خرافات سے کلاً و بعضاً پاک اور خالی ہو؟ ورابعاً مؤلف مذکور نے فاتحہ بر شیرینی یا طعام نمودہ کا ترجمہ شیرینی یا طعام پر فاتحہ پڑھیں غلط کیا ہے کیونکہ حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت میں فاتحہ خوانده نہیں جس کا معنیٰ فاتحہ پڑھنا ہے بلکہ فاتحہ نمودہ ہے اور فاتحہ سے محض ایصال ثواب اور دعا مراد ہوتا ہے یہ ضروری نہیں کہ فاتحہ ہی پڑھی جائے خود حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

ہر فرقہ از ہندو و مسلمان و غیرہم در امداد و	ہندوؤں اور مسلمانوں وغیرہم کا ہر فرقہ اپنے مردوں کی

اعانت مردگان خود بفاتحہ درود و صدقات مشغول اند (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۲۴)	فاتحہ درود اور صدقات کے ذریعہ امداد و اعانت میں مصروف ہے۔

سوال یہ ہے کہ ہندو کب اپنے مزعوم ایصال ثواب میں فاتحہ اور درود پڑھتے ہیں؟ اور کب فاتحہ و درود کے قائل ہیں؟ مطلب بالکل واضح ہے کہ فاتحہ و درود و صدقات وغیرہ سے محض ایصال ثواب مراد ہے۔ ہر فرقہ اپنے زعم وخیال کے لحاظ سے اپنے مردوں کو ایصال ثواب کرتا ہے اور خانصاحب لکھتے ہیں۔ فاتحہ ایصال ثواب کا نام ہے جو کچھ قرآن مجید و درود شریف ہو سکے پڑھ کر ثواب نذر کرے آہ (احکام شریعت حصہ سوم ص۱۵۷ طبع برقی پریس مرادآباد)
اس سے معلوم ہوا کہ فاتحہ ایصال ثواب کا نام ہے قرآن کریم کا کوئی حصہ ہو یا درود شریف ہو اس کا ثواب پہنچانا فاتحہ کہلاتا ہے اگرچہ اس میں علی التعیین سورۂ فاتحہ نہ بھی ہو چونکہ بعض لوگ بعض اوقات بزعم خویش ایصال ثواب میں پیش کی ہوئی اشیاء پر فاتحہ بھی پڑھتے ہیں تو اس لئے مجموعہ کا نام (تسمیۃ الکل باسم الجزء) فاتحہ رکھ دیا جاتا ہے (ملاحظہ ہو انوار ساطعہ ص۵۲) اور مؤلف انوار ساطعہ لکھتے ہیں۔ تنبیہ ہاں اگر کوئی کم فہم عوام میں ایسا ہو کہ وہ ثواب عبادت مالی کو یوں سمجھے کہ بغیر فاتحہ پڑھے نہیں پہنچے گا اس کو عقیدہ بد کہنا چاہیئے اور اُس کو زجر و توبیخ کرنا چاہیئے الخ (انوار ساطعہ ص۵۶) خود آپ کے صدر الافاضل اپنے رسالہ فیضان رحمت ص۶۴ میں لکھتے ہیں فقط الحمد اور قل ہو اللہ کی تخصیص مراد نہیں ہے اور ص۶۷ میں حضرت شاہ صاحبؒ کی مذکورہ عبارت کے متعلق لکھتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کی اگر فاتحہ سے جو ان کی عبارت میں وارد ہے فاتحہ شریف مرسومہ ہند مراد ہو تو ہمارا عین مدعا ہے۔ اور اگر فاتحہ سے مطلق دعا مراد ہونا ہم ہمارے لئے مضر نہیں۔ اگر اس عبارت میں فاتحہ پڑھنا ہی قطعاً مراد ہو تو آپ کے صدر الافاضل کو اگر مگر کی کیا ضرورت پیش آئی ہے؟ وخامسًا اس لئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے جو تیسری صورت لکھی ہے عمومًا عرس میں آج کل یہی صورت ہوتی ہے جس کے حرام و ممنوع ہونے میں ان کے نزدیک بھی کوئی کلام نہیں اور بقول ان کے دو حدیثوں کے مضمون سے یہی ثابت ہے مؤلف مذکور نے کمال استادی کی ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت میں و دیگر بدعات ممنوعہ کا سرے سے ترجمہ ہی نہیں کیا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ عرس کے موقع پر قبر پر چراغاں کرنا۔ چادریں چڑھانا پھول ڈالنا اور قوالی وغیرہ عام رائج ہے اور یہی دیگر بدعات ممنوعہ کا مصداق ہیں اگر اس جملہ کا ترجمہ کرتے تو ان کی گاڑی نہیں چل سکتی تھی لہذا انہوں نے سلامتی اسی میں سمجھی کہ اس کا ترجمہ ہی نہ کیا جائے لیکن ان کے تعاقب میں جو لگا ہوا ہے وہ کب ان کو کسی سوراخ میں گھس کر

چھپنے دیتا ہے۔ غرضیکہ حضرت شاہ صاحبؒ کی خود اپنی عبارات سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ حقیقی طور پر ایصالِ ثواب کے لئے دن مقرر کرنا بدعت، حرام اور ناروا ہے ہاں عرفی طور پر از خود کبھی کوئی دن اور کبھی کوئی دن ایصالِ ثواب اور ختم قرآن کریم کے لئے مقرر کر لینا مباح ہے اور شیرینی پر فاتحہ پڑھنے کا مفہوم حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت میں قطعاً نہیں ہے یہ مؤلف مذکور کی اپنی خانہ ساز اختراع ہے ان کی عبارت میں کھانا اور شیرینی تقسیم کرنا ہے۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک مدارِ حرمت تعیین یوم چراغاں۔ چادریں اور پھول چڑھانا رقص و سرود۔ قوالی اور سجدہ و طواف وغیرہ بسب اُمور ہیں اور انہی اُمور کو وہ بدعات ممنوعہ سے تعبیر فرماتے ہیں الحمد للہ تعالیٰ کہ سرفراز کی آنکھیں تو پہلے ہی سے کھُلی ہیں اسی لئے وہ توحید و سنت اور شرک و بدعت کا فرق بخوبی جانتا ہے اور اکابر کی عبارات کا صحیح مطلب بھی سمجھتا ہے یہ آپ اور آپ کی بدعت پسند جماعت ہی ہے کہ روشن دلائل دیکھنے کے باوجود آپ کے بدعت کا بھوت آپ کے وجود سے نکلنے کا نام ہی نہیں لیتا کیونکہ اُسے لذیذ سے لذیذ تر خوراکیں آئے دن سوئم چہلم۔ گیارہویں اور عُرس وغیرہ کی شکل میں ملتی رہتی ہیں وہ بھلا ایسے میزبان کو کیوں چھوڑے؟ اور آنکھیں کیسے کھلنے دے وہ تو یہ کہے گا ؎

ہے نگاہ لطف دشمن پر تو بندہ جائے ہے — یہ ستم اے بے مروت کس سے دیکھا جائے ہے

وسادساً اس لئے کہ فتاویٰ عزیزی کی جو دوسری عبارت مؤلف مذکور نے پیش کی ہے وہ بھی ان کو سود مند نہیں کیونکہ حضرت شاہ صاحبؒ قبور صالحینؒ پر اُس اجتماع برائے عرس کی اجازت دیتے ہیں جو بدعات ممنوعہ سے خالی ہو چونکہ اُن کے دور میں علماء و صلحاء زیادہ تھے اس لئے اُس میں بدعات ممنوعہ اور خرافات سے خالی اجتماع ہوتا ہوگا مگر آجکل یہ بالکل ناممکن ہے اس لئے حضرت شاہ صاحبؒ ہی کی صریح عبارات کے پیش نظر اس کی گنجائش نہیں ہے وسابعاً مؤلف مذکور نے حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت سے جو نوادر اخذ کئے ہیں وہ بھی ان کیلئے نرے ہوائی قلعے ہیں۔ اولاً تو اس لئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ جس تعیین یوم کے قائل ہیں وہ تعیین عُرفی ہے کما مر لہٰذا وہ نہ تو بدعتی ہیں اور نہ جہنمی ہیں اور بریلوی جس تعیین کے قائل ہیں وہ حقیقت میں تعیین شرعی اور تعیین حقیقی بن جاتی ہے اور بدعت کے بارے یہ ارشاد بالکل فٹ ہے کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار اگر اتنی واضح وجہ فرق بھی آپ کو سمجھ نہ آسکے تو دیوبندی مکتب فکر کے کسی مدرسہ میں داخلہ لے لیں اور ہماری اصل میں آپ کو شُبہ کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے اگر شُبہ کرنے پر مجبور ہیں تو قندھار سے آنے والے کسی خان کی اصل میں کریں جو حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ اور حضرت سہارنپوریؒ اور حضرت تھانویؒ

جیسے بزرگوں پر بزعم خویش کم جرائم کی وجہ سے کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں اور ان کے کفر میں شک کرنے والے کو بھی کافر قرار دیتے ہیں اور حضرت شاہ شہید مظلومؒ کے بزعم خود بڑے سنگین کفریہ عقائد بتا کر بھی ان پر کفر کا فتویٰ نہیں دیتے اور علما محتاطین کو بھی ان کی تکفیر سے منع کرتے ہیں (ملاحظہ ہو عبارات اکابر حصہ اول وغیرہ) یہ فرق قندھاری رگ سے آیا ہے جو بقول آپ کے اسرائیلی نسل ہی کی خصوصیت ہے بفضلہ تعالیٰ ہم نے صرف اسی چیز کو بدعت کہا ہے جس کو حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ (وغیرہ) نے بدعت کہا ہے اور جس چیز کو ہم بدعت کہتے ہیں اس کو علماء و مشائخ اور عوام سب کے لئے بدعت کہتے ہیں اس میں کسی کی تفریق نہیں کرتے اور دوم اس لئے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صالحین تو کیا خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے لئے بھی ہمارے نزدیک ایصال ثواب درست ہے ہم پر مؤلف مذکور کا یہ نرا بہتان اور جھوٹا الزام ہے کہ ہم صالحین کے لئے ایصالِ ثواب کے قائل نہیں ہیں الحمد للہ تعالیٰ کہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ وغیرہ بزرگوں کی عبارات پر تکیہ کرنے والے کا دامن بالکل پاک ہے اسی طرح ہم نے مطلقاً گیارہویں کو حرام نہیں کہا حرام اُس صورت میں کہا ہے جو بطور تقرب ہو ہاں ایصال ثواب کی مد میں ایک ہی شخص اور ایک ہی دن کی تعیین کے بارے ہم نے پہلے کہا ہے کہ یہ بھی خدشہ سے خالی نہیں ہے اور سوم اس لئے کہ اگرچہ حضرت شاہ صاحبؒ کے بقول ہیئت مخصوصہ کے ساتھ عُرس خیر القرون میں نہ تھا اور اُن کے زمانہ میں جو تھا وہ بدعات ممنوعہ سے خالی تھا جیسا کہ خود ان کی عبارت میں یہ قید گزر چکی ہے لیکن آپ لوگ جو عرس کرتے کرتے ہیں وہ بدعات ممنوعہ سے پُر اور خرافات سے مملو ہوتا ہے لہذا ناجائز ہے حضرت شاہ صاحبؒ نے جو کچھ فرمایا اس پر فتویٰ نہیں لگتا اور جو کچھ آپ حضرات کرتے ہیں وہ ان کے حرام و ممنوع کے فتویٰ کی زد سے ہرگز نہیں بچتا اور چہارم اس لئے کہ بحمد اللہ تعالیٰ ہم کسی کے خلاف سوءظنی اور بدگمانی نہیں کرتے ہم تو آپ لوگوں کے حالات کے پیش نظر کہتے ہیں کہ سب انتظام پیٹ کا ہے اور آپ کی کئی مساجد سے متعدد حضرات اس لئے دیوبندیوں کی مسجد میں آئے ہیں اور آتے رہتے ہیں کہ وہ گیارہویں اور عرس اور خدا جانے کیا کیا ایجاد کردہ مدات کے چندوں سے اکتا گئے تھے اور یقین جانئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ اور ان جیسے دوسرے حضرات جب طعام اور شیرینی کا تذکرہ فرماتے ہیں تو لوگوں سے ٹھور ٹھور کر چندوں کے ذریعہ وہ ہرگز نہیں ہوں گے بلکہ حلال وطیب اور اپنی جیب سے طعام و شیرینی پیش کرتے ہوں گے اور آپ لوگ تو دوسروں کے جیبوں پر بدعات کے سلسلہ میں بادشاہی کرتے ہیں چونکہ وہ حضرات بڑے نیک اور حلال خور تھے اور تعیین ایام کو بدعات سمجھتے تھے اس لئے وہ جو کچھ بھی ایصالِ ثواب کی مد میں کرتے تھے وہ مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً

الحدیث کی میں ہی شمار کرنے کے لائق ہے اور ان کا قرطاس عمل بالکل صاف و ستھرا ہے ان کی فکر ہرگز نہ کیجئے اپنی خیر منائیے اور بفضلہ تعالیٰ ہم نے اہل بدعت کی جس کارروائی کو بدعت سے تعبیر کیا ہے وہ صحیح بدعت ہے اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ جیسی علمی شخصیتیں بھی ان کو بدعت ہی قرار دیتی ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ہم نے اپنے اسلاف کی عبارات کو بڑی گہری نگاہ سے دیکھا اور حساس اور بصیرت والے دل سے پڑھا اور سمجھا ہے جس سے آپ لوگ یقیناً محروم ہیں لیکن اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ آپ حضرات پر شرک و بدعت کی رجعت پڑی ہے ؎

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے ❊ جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

فائدہ۔ حضرات فقہاء کرامؒ نے تو یہ بات صراحت سے لکھی ہے اور ہم نے راہ سنت میں ان کے کچھ حوالے بھی درج کئے ہیں لیکن ہم آپ لوگوں کی خیر خواہی کے لئے آپ کے ہی ایک مسلّم بزرگ مولوی عبد السمیع صاحب رامپوری کا حوالہ عرض کئے دیتے ہیں تاکہ سوئم۔ ساتواں۔ دسواں۔ اور چہلم وغیرہ میں حرام خوری سے آپ بچ جائیں مولوی عبد السمیع صاحب لکھتے ہیں۔ نصیحت جب کوئی آدمی مر جاوے اور کوئی شخص اس کا عزیز و قریب اپنے خالص مال میں سے اس کے لئے فاتحہ کرے اس میں کسی فقیہ و محدث کو کلام نہیں اور خاص میت کا مال اگر اس کام میں صرف کرنے لگیں تو اس میں یہ شرط ہے کہ اس کے وارثوں میں کوئی نابالغ لڑکی یا لڑکا نہ ہو اس لئے کہ ترکہ بعد مرنے مورث کے ملک وارثوں کا ہو جاتا ہے پس اگر وارث بالغ ہیں تو وہ مال خاص ان کا ہوگیا اگر کوئی وارث ان میں غائب نہیں سب موجود ہیں یا کوئی غائب تھا اور اس نے اجازت دے دی تو اس صورت میں ان کو اختیار ہے جس قدر چاہیں میت کے لئے صرف کر دیں اور اگر سب نابالغ ہیں تو ترکہ میت سب ان کی ملک ہوگیا اس کا صرف کر دینا میت کے ایصال ثواب میں جائز نہیں نہ کپڑا نہ کھانا نہ روپیہ نہ پیسہ فقط تجہیز و تکفین میں جو اٹھے وہی درست ہے اور بس اور اگر بعضے وارث نابالغ ہیں تب بھی نابالغوں کا حصہ کل اشیاء ترکہ میں مشترک ہے اس کا صرف کرنا بھی ایصال ثواب کے لئے جائز نہیں الخ (انوار ساطعہ ص ۱۲۵) کیا مؤلف مذکور اور ان کی جماعت نے اپنے بزرگ کی اس نصیحت اور اس میں پیش کردہ شرط کو بھی سوئم۔ ساتویں۔ دسویں۔ چہلم اور برسی وغیرہ میں ملحوظ رکھا ہے؟ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو اکل اموال یتامیٰ کی نہی کی زد سے تو بچ گئے جو قطعی ہے اور تعیین ایام کی وجہ سے صرف بدعت کے مرتکب ہوئے اور اگر ایسا نہیں کرتے اور ترکہ میں یتیم اور غیر حاضر وارث کے ہوتے ہوئے بھی سوئم وغیرہ میں صفایا کر جاتے ہیں تو

پھر یہ غَضَبٌ عَلیٰ غَضَبٍ کا مصداق ہونے کے ساتھ ساتھ پیٹ ظالم کا دھندا نہیں تو اور کیا ہے؟ ؎

ہوس دنیا کا حُبِ مطلب رسی سے — مجھے تفضیل سب پر اس لئے ہے

پیٹ کا منتظم کون ہے؟ یہ سرخی جما کر مؤلف مذکور نے لکھا ہے کہ آپ نے کھانے والے منہ نہیں دیکھے یا پھر مسئلہ کی آڑ میں پیٹ کا انتظام کرنے والے کاریگروں سے تجاہل عارفانہ برت رہے ہیں اب وقت آگیا ہے کہ اس راز سے پردہ اٹھا ہی دیا جائے اس کے بعد انہوں نے تنقید متین میں نقل کردہ فتاویٰ رشیدیہ کا حوالہ دیا ہے کہ ہندو ہولی یا دیوالی میں تحفہ دیں تو مسلمان کو لینا اور کھانا درست ہے (محصلہ) اس پر مؤلف مذکور گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہولی اور دیوالی کی تاریخیں معین طور پر منائی جاتی ہیں جن میں اہل ہنود آگے پیچھے کرنا جائز نہیں سمجھتے جب گیارہویں تعیین کی وجہ سے آپ کے ہاں حرام ہے تو ہولی اور دیوالی کی پوریاں تعیین کی وجہ سے کس طرح جائز ہوگئی ہیں جب سبیل کی شربت روافض کے شعار کے تشبیہ کی وجہ سے آپ کے قطب عالم کے نزدیک حرام ہے تو خود کفار کے شعار کا کھانا کس طرح جائز ہوگیا؟ پھر آپ کے مفتی نے علی الاطلاق بغیر کسی دلیل اور شرعی شہادت کے اہل ہنود کے ہاتھ کا پکا ہوا کسی قید یا استثناء کے بغیر کیسے حلال کر دیا؟ گکھڑوی صاحب نے گنگوہی صاحب کا حق فرزندی ادا کرتے ہوئے وکالت میں کہا ہے کہ فقہاء کرامؒ نے تصریح کی ہے کہ کافر کا مال خواہ سود اور خنزیر وغیرہ کی رقم ہی سے حاصل ہو جب مسلمان کے پاس آجائے تو تبدل ملک سے حلال و طیب ہو جائے گا سبحان اللہ کیا کہنے اس استدلال کے اگر آپ کو کافر کتا اور خنزیر بھی پکا کر پیش کرے تو تبدیل ملک کے بعد وہ بھی آپ کے لئے حلال و طیب ہو جائیگا بریں عقل و دانش بباید گریست۔

پتہ نہیں کہ سرفراز صاحب نے خود مغالطہ کھایا ہے یا لوگوں کو بیوقوف بنانے کی کوشش کی ہے کفار کی رقم حرام کی کمائی ہی سہی لیکن رقم کو تو نہیں چبایا جاتا اس سے خرید کر کوئی چیز کھائی جاتی ہے بخلاف کافر کے ہاتھ سے پکی ہوئی چیز کہ اس کو خود کھایا جائیگا پس ان دونوں کا حکم ایک کیسے ہو سکتا ہے؟ اہل ہنود گائے کے پیشاب کو پاک سمجھتے ہیں کتا ان کے برتنوں کو چاٹتا رہتا ہے دن رات انواع واقسام کی نجاستوں میں ملوث رہتے ہیں ان کے ہاتھ سے پکے ہوئے معین دن کے کھانے کو بلا کسی قید و استثناء کے جائز قرار دینا گنگوہی جیسے فقیہ ہی کا کام ہو سکتا ہے ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ اب پتہ چلا کہ مسئلہ کی آڑ میں پیٹ کا انتظام کرنے والے کون ہیں؟ اگر اب بھی طبیعت صاف نہ ہوئی ہو تو ایک اور حوالہ بھی پیش خدمت ہے۔ مکالمۃ الصدرین ص۱۲ پر مرقوم ہے کہ مولوی شبیر احمد عثمانی مولوی حفظ الرحمٰن صاحب کے جواب میں کہتے ہیں دیکھئے مولانا اشرف علی تھانوی

صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے آپ کے مسلّم بزرگ و پیشوا تھے ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سُنا گیا کہ ان کو چھ سو روپیہ حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نہ تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو اس کا شبہ بھی نہ گذرتا تھا اب اُسی طرح اگر حکومت مجھے یا کسی شخص کو استعمال کرے مگر اس کو یہ علم نہ ہو کہ اسے استعمال کیا جا رہا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ شرعاً ماخوذ نہیں ہو سکتا ۔ دیکھا آپ نے یہ ہے مسئلہ کی آڑ میں پیٹ کا انتظام مولوی تھانوی اور عثمانی اپنے پیٹ کا انتظام بھی کرتے رہے اور شرعاً ماخوذ بھی نہ ہوئے حقیقت یہ ہے کہ مولوی عثمانی اپنی اور تھانوی صاحب کی برأت میں خواہ کچھ کہتے رہیں لیکن سوچنے والے ضرور سوچیں گے کہ حکومت برطانیہ آخران مولویوں کو اس قدر رقوم کیوں مہیا کرتی تھی ؟ اور دیوبند کی چاردیواری کے اندر ان سے وہ کونسا کام لیا جاتا تھا جس کے لئے حکومت ان کو بھاری قیمت ادا کرتی رہی مولوی سرفراز صاحب کو اس آئینہ میں بخوبی معلوم ہو گیا ہو گا اور اب یہ حقیقت راز نہ رہی ہو گی کہ کھانے پینے کا رسیا کون ہے ؟ اور فقہی رعایتوں سے فائدہ کس نے اٹھایا ہے ؟ (محصلہ ص۱۰۹ تا ص۱۱۱)

الجواب ۔ مؤلف مذکور کی اپنے روحانی آباء کی طرح یہ عادت ہے ۔ اور اس کتاب میں وہ نمایاں طور پر نظر آ رہی ہے کہ جب وہ معقول جواب دینے سے قطعاً قاصر اور سراسر عاجز ہو جاتے ہیں تو بالکل غیر متعلق باتیں چھیڑ کر عوام سے دادِ تحسین حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہی وتیرہ انہوں نے اس عنوان میں اختیار کیا ہے جس کے بارے ہمیں بھی چند باتیں عرض کرنے کی ضرورت ہے اوّل ہم نے تنقید متین میں فقہ حنفی کی مستند کتاب البحر الرائق کا حوالہ دیا ہے اور اس کے علاوہ مؤلف مذکور کے مسلّم عالم حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے فتاویٰ مہریہ کے دو حوالے دیئے ہیں جن کو مؤلف مذکور شیر مادر سمجھ کر پی گئے ہیں ان کا اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ ان حوالوں کا ذکر کرتے اور پھر ان کو تسلیم کرتے اور یا ان کا کوئی معقول جواب دیتے مگر وہ ایسا نہیں کر سکے ۔ دوئم مؤلف مذکور اپنی جہالت کی وجہ سے اس کی تمیز بھی نہیں کر اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والا اسلام کے اصولوں و فروع کا مکلف ہوتا ہے اور وہ اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتا وہی کچھ کر سکتا ہے جس کی اس کو شریعت نے اجازت دی ہو لہذا اس کا اپنی طرف سے ایام کی تعیین کا اور مطلب ہے ؟ بخلاف غیر مسلموں کے کہ وہ جب نہ تو اسلام کے اصول مانتے ہیں اور نہ فروع تو ان کی کسی کارروائی پر مسلمان کہلانے والے کی کارروائی کو قیاس کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور نے کیا ہے جہالت کا پلندہ

ہے مسلمان اگر کسی جانور وغیرہ کو غیر اللہ کے تقرب کے لیئے نامزد کرے تو وہ حرام ہو جاتا ہے اور مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کی مد میں چلا جاتا ہے اور کافر خود ساختہ تحریمات کے تحت بحیرہ سائبہ وصیلہ اور حام قرار دیں تو اس کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا۔ ہم نے حضرات فقہاء کرام کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ جو رقم کافر کے پاس ہو خواہ اس سے شراب فروخت کی ہو یا سود لیا ہو اور عام اس سے کہ اس نے خنزیر فروخت کر کے رقم حاصل کی ہو الخ بات ہم نے رقم کی کی ہے نہ کہ عین چیز کی مگر مؤلف مذکور نے اپنے بڑوں کی طرح خالص خبیثانہ ذہن استعمال کر کے یہ لکھا ہے کہ اگر آپ کو کافر کتا اور خنزیر بھی پکا کر پیش کرے تو تبدیل ملک کے بعد وہ بھی آپ کے لیئے حلال وطیب ہو جائے گا لاحول ولا قوۃ الا باللہ داد دیجئے مؤلف مذکور کی اس ابلیسانہ فہم کی۔ بات اشیاء کو فروخت کر کے ان کی رقم کی ہو رہی ہے اور وہ عین کتا اور خنزیر پکا کر کھلا رہے ہیں مؤلف مذکور کو کچھ تو شرم کرنی چاہیئے کہ بات کیا ہوتی ہے اور وہ اپنی شعبدہ بازی سے اپنے ناخواندہ حواریوں کو کیا کر بتاتے ہیں۔

وجہ چہارم مسلمان جب بھی کسی غیر مسلم کے کھانے کا ذکر کریگا تو اس سے وہی چیز مراد ہو گی جو مسلمان کے لیئے شرعاً حلال ہو سکتی ہے لفظ مسلمان کے ذکر کرنے ہی میں وہ تمام شرعی قیود وحدود آجاتی ہیں جو اس کے لیئے لازم ہیں ان کو الگ بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں الا لوجہ مخصوص حضرت گنگوہیؒ بفضلہ تعالیٰ فقیہ النفس تھے جہاں شرعی اور فقہی طور پر کسی قید کے ذکر کی ضرورت ہوتی تھی وہ اس کو نظر انداز نہیں کرتے تھے اور جہاں بات واضح ہوتی تھی وہاں اس کا تذکرہ نہیں فرماتے تھے۔ مؤلف مذکور نے اپنے کسی لائق استاد سے ضرور یہ سنا ہو گا کہ سنہ ۷ھ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بشمولیت اپنے بعض صحابہ کرامؓ کے خیبر کے ایک یہودی کے ہاں دعوت کھائی (اگرچہ پہلے ہی لقمہ نے یہ بات بتا دی کہ حضرت نہ کھائیں کیونکہ اس میں زہر ہے) سوال یہ ہے کہ گائے وغیرہ ماکول اللحم جانور کے پیشاب کے طاہر اور نجس ہونے کے بارے حضرات ائمہ اربعہؒ کا آپس میں اور حضرت امام محمدؒ کا حضرات شیخینؒ سے اختلاف ہے اور سؤر الکلب کو حضرت امام مالکؒ طاہر قرار دیتے ہیں اور برتن دھونے کے حکم کو تعبدی کہتے ہیں مگر خنزیر و شراب (جو سنہ ۳ھ میں حرام ہو چکی تھی) کی حرمت میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے حالانکہ یہود ان کو استعمال کرتے تھے اور اپنے برتنوں میں ان کو رکھتے اور پکاتے تھے اور ان کے ہاتھ بھی ان کو لگتے تھے پھر ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا آپؐ نے کیوں قبول فرمایا جب کہ یہود بھی انواع و اقسام کی نجاسات میں ملوث رہتے تھے وجہ فرق واضح ہونی چاہیئے۔

قارئین کرام نے ملاحظہ کر لیا کہ سوئم گیارہویں چہلم اور عرس وغیرہ کی ممانعت کے دلائل نے کس طرح

مؤلف مذکور کو مخبوط الحواس کر دیا ہے کہ ان کمینی باتوں سے بھی گریز نہیں کرتے اور بالآخر شرمندہ ہوتے ہیں۔ ۵: پنجم مکالمۃ الصدرین کی عبارت سے یہ ثابت کرنا کہ انگریز علماء دیوبند کو بڑی بڑی رقمیں دیتا تھا اور دیوبند کی چار دیواری کے اندر خدا جانے وہ ان سے کیا خدمات لیتا تھا؟ مؤلف مذکور اور ان کے ہم نوا دوستوں کے ٹیڑھے دماغ کی پیداوار ہے اور ان کے دماغ کے بھینگے پن کی علامت ہے کیونکہ حضرت مولانا عثمانیؒ تو یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ہمارے سیاسی مخالف ہمارے متعلق جو یہ کہتے ہیں کہ ہمیں حکومت امداد دیتی ہے اور ہمیں استعمال کر رہی ہے تو ایسی بے بنیاد باتیں لوگ حضرت تھانویؒ جیسے مسلّم بزرگ کے متعلق بھی کہتے رہے ہیں نہ تو یہ ان کے علم میں تھی اور نہ ہمارے علم میں پھر ایسے بے پَر کی باتوں سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ مگر مؤلف مذکور عوام کو دھوکہ دینے کے لئے اس سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ حکومت برطانیہ ان کو رقمیں دیتی تھی اور خود مؤلف مذکور کو اس کا دبی زبان سے اقرار ہے کہ اس عبارت میں مولانا عثمانیؒ اپنی اور حضرت تھانویؒ کی برأت بیان کرتے ہیں نہ کہ رقم لینے کا اثبات چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ کہ مولوی عثمانی اپنی اور تھانوی صاحب کی برأت میں خواہ کچھ کہتے رہیں الخ جب وہ برأت کرتے ہیں اور اس سے بالکل اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں تو پھر برطانیہ سے رقوم لینے کا کیا معنیٰ؟ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کو فہم عطا فرمائے۔ ۶: ششم الحمد للہ تعالیٰ کہ علماء دیوبند نے نہ تو ظالم برطانیہ کی کسی بھی صورت میں خدمت اور مدد کی ہے اور نہ وہ ان سے اپنی تائید میں کوئی خدمت لے سکا ہے بلکہ ہندوستان میں برطانیہ کا سب سے بڑا دشمن علماء دیوبند ہی کا طبقہ تھا جیسا کہ کسی بھی تاریخ دان سے یہ بات مخفی نہیں ہے بخلاف اس کے اُس ظالم و جابر برطانیہ کے دور میں آپ کے اعلیحضرت نے اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام لکھ کر اس کے ہاتھ مضبوط کئے۔ ہم مشہور و معروف مؤرخ پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب کا ایک حوالہ سر دست عرض کئے دیتے ہیں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ انگریز کی خدمات کس نے کیں تھیں؟ اور انگریز نے کن سے خدمات لیں تھیں قادری صاحب لکھتے ہیں۔

حکومت کی معاندانہ پالیسی حقیقت یہ ہے کہ انگریز نے تحریک جہاد کو بُری طرح کچلا مجاہدین اور مصلحین کو وہابی کے نام سے موسوم کر کے بدنام کیا گیا تمام ملک میں وہابیوں کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا مرکزی حکومت نے صوبائی حکومتوں سے ان کے حالات اور سرگرمیوں کی کیفیت طلب کی ایک محکمہ سراغ رسانی اسی مقصد خاص کے لیے وجود میں آیا حکومت انگریزوں نے باغی اور وہابی مترادف الفاظ قرار دیئے عامۃ المسلمین میں ان کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا کیا اور ایک عام معاشرتی انقطاع شروع ہو گیا

بعض علماء کا کردار بہت سے علماء نے مذہبی خدمات سمجھ کر وہابیوں کی مخالفت کی حکومت نے

ایسے علماء کی سرگرمیوں کو بہ نظر استحسان دیکھا اور ان علماء کو بالواسطہ یا بلاواسطہ ان خدمات کا معاوضہ دیا۔ وہابیوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روکا گیا مقدمات قائم کرکے ان کے قبضہ سے مسجدیں نکالی گئیں ایک عرصہ تک حکومت کی عام پالیسی اس سلسلے میں یہ رہی کہ ایسے مقدمات میں بالعموم وہابیوں کی مخالف پارٹی کے حق میں فیصلہ ہوا۔ مولوی وصی احمد سورتی ثم پیلی بھیتی (ف ۱۳۳۴ھ) نے ایک فتویٰ جامع الشواہد فی اخراج الوہابین عن المساجد مرتب کیا گم نام سے گم نام مولوی نے اس پر دستخط کئے اس فتویٰ کی خوب تشہیر ہوئی مولوی محمد لدھانوی (ف ۱۹۰۱ء) بن مولوی عبدالقادر لدھیانوی نے اس موضوع پر ایک رسالہ انتظام المساجد باخراج اہل الفتن والمفاسد لکھا اسی طرح لاہور کے مولوی نبی بخش حلوائی نے اخراج المنافقین من مساجد المسلمین لکھا ان فتاویٰ اور رسائل کی رو سے مساجد میں وہابیوں کو نماز پڑھنے سے روکا گیا ان کو زدوکوب کیا گیا ان کی تذلیل اور تشہیر کی گئی اگر ایک طرف ولیم ولسن ہنٹر نے اور انڈین مسلمانس لکھ کر ان کے خلاف حکومت کو مواد مہیا کیا تو دوسری طرف مولانا فضل رسول بدایونی (ف ۱۲۸۹ھ ۱۸۷۲ء) اور ان کے ہمنوا علماء نے غریب وہابیوں کے خلاف تصنیفات و تالیفات کا ایک انبار لگا دیا۔ مولوی فضل رسول بدایونی کی تصانیف میں سیف الجبار۔ تصحیح المسائل البوارق الحمدیہ رجم الشیاطین النجدیہ۔ احقاق الحق و ابطال الباطل اور مجموعہ رسائل و فوائد وغیرہ ہماری نظر سے گزرے ہیں مولانا فضل رسول بدایونی کی تصانیف کی طباعت کے سلسلے میں ایک بات خاص طور سے ہم نے نوٹ کی کہ ان کی اکثر تصانیف کسی نہ کسی سرکاری ملازم کی اعانت سے شائع ہوئی ہیں۔ شاید یہاں یہ ذکر بھی بے محل نہ ہو کہ مولوی فضل رسول بدایونی کو ریاست حیدرآباد سے سترہ روپے یومیہ وظیفہ دیا گیا جو بعد کو گیارہ روپے یومیہ ہو گیا اور ۱۹۱۵ء تک ان کی اولاد کو ملتا رہا جیسا کہ ان کے سوانح نگار نے لکھا ہے (اکمل التاریخ جلد دوم از مولوی محمد یعقوب صاحب ضیاء القادری بدایونی ۱۹۱۵ء ص ۵۲) مولانا حیدر علی ٹونکی نے اس سلسلے میں ایک خاص بات یہ لکھی ہے کہ مولوی فضل رسول بدایونی نے مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی کی شہادت ۱۸۳۱ء کے بیس سال بعد وہابیوں کی رد میں کتابیں لکھنی شروع کیں ظاہر ہے پنجاب کے انگریزوں کے قبضے میں آجانے کے بعد مجاہدین کا مقابلہ براہ راست انگریزوں سے تھا مولوی فضل رسول کے ہمنوا علماء میں ان کے بھانجے اور داماد مولوی فیض احمد بدایونی نے تعلیم الجاہل۔ مولوی عماد الدین سنبھلی نے شمس الایمان مولوی محی الدین نے رسالہ صولۃ قادریہ مولوی سراج الحق نے رسالہ تحفۃ الحرمین الشریفین

رسالہ مسائل فقہیہ۔ مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی نے تحفہ محمدیہ فی رد وہابیہ لکھے (ملاحظہ ہو طوالع الانوار از مولوی انوار الحق ص۸۵۔ ص۹۱ و اکمل التاریخ ج ۲ ص۲۵) (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء از جناب پروفیسر محمد ایوب صاحب قادری ص۶۱ تا ص۶۳ طبع پاک اکیڈمی) مؤلف مذکور کو یہ مفصل تاریخی حوالہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ انگریز کی خدمت کس طبقہ نے کی ہے ؎

پڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں جلا کے خاک نہ کردوں تو داغ نام نہیں

و ہفتم مؤلف مذکور تو یہ بات ثابت کرنے سے قاصر ہے کہ علماء دیوبند مسئلہ کی آڑ میں پیٹ کا انتظام کرتے ہیں آیئے اب ہم بتاتے ہیں کہ پیٹ کا انتظام کس طبقہ نے کیا؟ اور اس کے لئے مسائل کی آڑ کیسے لی؟ تمام اہل بدعت بشمول بیت ان کے اعلیٰ حضرت کے سوئم۔ ساتواں۔ دسواں۔ گیارہویں چہلم اور برسی وغیرہ کو مسائل کی شکل دے کر سنگینوں کی نوکوں سے ان کی حفاظت پر کمربستہ ہیں اور ہر سمجھدار آدمی ان کی اس پیٹ پروری کو بخوبی جانتا ہے خانصاحب زندہ تھے تو لوگوں کو ہاضمہ کا یہ چورن بتاتے تھے چنانچہ وہ لکھتے ہیں نیز زبر دجاج بعض علماء کرام سے نقل فرمایا جس نے کھانا زیادہ کھالیا اور بدہضمی کا خوف ہو وہ اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا تین بار یہ کہے اَللَّیْلَۃُ لَیْلَۃُ عِیْدِیْ یَاکَرِشِیْ وَرَضِیَ اللّٰہُ عَنْ سَیِّدِیْ اِلٰی عَبْدِ اللّٰہِ الْقُرَشِیْ۔ اے میرے معدے آج کی رات (غالباً گیارہویں کی رات ہوگی۔ صفدر) میری عید کی رات ہے اور اللہ راضی ہو ہمارے سردار حضرت ابو عبداللہ قرشی سے آھ (فتاویٰ افریقہ ص۶۸ طبع رضوی پریس بریلی) یہ ہے پیٹ کا انتظام جس میں صریح طور پر پیٹ کا ذکر بھی ہے اور ہاضمہ کا چورن بھی پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بتایا گیا ہے۔ اور خانصاحب جب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو وفات سے چند گھنٹے پہلے یہ وصیت فرما گئے۔ اعزا سے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ میں ہفتہ دو تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں دودھ کا برف خانہ ساز اگرچہ بھینس کا دودھ ہو مرغ کی بریانی۔ مرغ پلاؤ خواہ بکری کا شامی کباب پراٹھے اور بالائی۔ فیرنی اُڑد کی پھریری دال مع ادرک و لوازم۔ گوشت بھری کچوریاں سیب کا پانی۔ انار کا پانی سوڈے کی بوتل دودھ کا برف اگر روزانہ ایک چیز ہو سکے یوں کر دیا جیسے مناسب جانو مگر بطیب خاطر میرے لکھنے پر مجبوراً نہ ہو۔ (وصایا شریف ص۸ طبع لاہور) یہ ہے درحقیقت پیٹ کا انتظام کہ زندگی میں بھی پیٹ پر ہاتھ پھیرنے کے طریقے اور ہاضمے کے نسخے بتاتے رہے اور مرنے کے بعد بھی ان اشیاء کو بھیجنے کے متمنی ہیں اور اپنے اعزہ وغیرہم کو یہ بھی فرماتے گئے کہ حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑو اور میرا دین و مذہب جو میری

کتب سے ظاہر ہے اُس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے (وصایا شریف صٹ) ملاحظہ کیا آپ نے کہ خانصاحب کیا فرما گئے ہیں؟ کہ اتباع شریعت توحتی الامکان لیکن خانصاحب کا دین اور مذہب جو اُن کی کتابوں سے ظاہر ہے (جن میں پیٹ مبارک کا خاصا انتظام موجود ہے۔صفدر) اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے امید ہے کہ مؤلف مذکور پر یہ راز منکشف ہو گیا ہو گا کہ پیٹ کا منتظم کون ہے؟ ورنہ یار زندہ صحبت باقی ؎

شیشے کے گھر میں رہ کے وہ پتھر ہیں پھینکتے دیوار آہنی پر حماقت تو دیکھئے

ضابطہ سنت بیان کرنے میں سرفراز صاحب کی فاش غلطی یہ سرخی جما کر مؤلف مذکور لکھتے ہیں۔

گیارہویں کو خلاف سنت اور بدعت قرار دینے کے لئے گکھڑوی صاحب نے ایک اور مذموم کوشش کی ہے چنانچہ تنقید ص۵۲ میں لکھتے ہیں کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گیارہویں دینے کا حکم دیا؟ اس کے جواب میں عرض ہے کہ اگر کسی جزئیہ کے سنت ہونے کا مدار اس امر پر ہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بالخصوص اس جزئیہ کا حکم فرمایا ہو تو دنیا میں بے شمار جزئیات سنت ہونے سے رہ جائیں گے مثلاً وعظ و تبلیغ کرنا سنت ہے پس اب کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالخصوص مولوی سرفراز کو وعظ کرنے کا حکم فرمایا ہے اگر ایسا ہے تو اس کی صحیح سند با حوالہ مطلوب ہے ورنہ ثابت ہوا کہ گکھڑوی صاحب کا وعظ کہنا بدعت ہے۔ اس کے بعد سرفراز صاحب نے دوسرا سوال یہ قائم کیا ہے کہ ایصال ثواب کے لئے کیا کسی ایک شخصیت کے انتخاب کا ارشاد فرمایا ہے (ص۵۲) جواباً عرض ہے کہ دروغ گو را حافظہ نہ باشد، ایک طرف تو آپ یہ کہتے ہیں کہ بریلوی سوئم چہلم وغیرہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ عام افراد امت کے لئے ہوتے ہیں پھر بھی یہ کہتے ہیں کہ ایصال ثواب کے لئے ایک ہی شخصیت کا انتخاب کر لیا ہے اگر آپ کے خیال میں بریلوی صرف گیارھویں دیتے ہیں تو سوئم چہلم اور عرس کا نام نہ لیجئے اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ سوئم وغیرہ بھی کرتے ہیں تو یہ نہ کہئے کہ انہوں نے ایصال ثواب صرف بڑے پیر کے ساتھ خاص کر لیا ہے آپ کے کلام میں کس قدر تناقض ہے۔ آپ نے ہم پر تبرا کیا آپکے عقل ہوش و حواس سب ماؤف ہو گئے یا شمپئن کی بوتل چڑھالی اور نشہ میں بے تکیاں ہانکتے چلے گئے اس کے بعد پھر گویا ہوئے کہ کسی کے ایصال ثواب کے لئے دنوں کی تعیین کا فرمان دیا گیا ہے تو اس کی صحیح سند با حوالہ مطلوب ہے اور پھر گیارھویں سنت ہے ورنہ ہرگز نہیں (تنقید ص۵۳) اس کے جواب میں گذارش ہے کہ آپ جمعہ میں خطبہ سے پہلے وعظ کرتے ہیں کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے اس تعیین کا حکم دیا ہے؟ اگر دیا گیا ہے تو اس کی سند یا حوالہ مطلوب ہے؟ تب یہ سنت ہے ورنہ ہرگز نہیں چلیئے آپ کا وعظ جمعہ بھی بدعت ہو کر جہنم کی نذر ہو گیا الغرض آپ کا ہر عمل سر سے پاؤں تک بدعت ہی ہوگا اور پھر آپ کا ٹھکانا کہاں ہوگا؟ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی (مصلہ ص۱۱۱ و ۱۱۲)

الجواب ہم نے اہل السنت والجماعت کی تعریف میں حضرت شیخ عبدالقادر صاحبؒ کی غنیۃ الطالبین کا اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی حجۃ اللہ البالغہ کا اور حافظ ابن کثیرؒ کی تفسیر کا اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے فتاویٰ عزیزی کا حوالہ دیا ہے مگر افسوس کہ مؤلف مذکور ان سب کو پی گئے ہیں اور ہمیں تو معلوم نہیں کہ شمپسٹن کیا بلا ہوتی ہے؟ ممکن ہے مؤلف مذکور ان سب ٹھوس اور صریح حوالوں کو یہی بوتل سمجھ کر چڑھا گئے ہوں مؤلف مذکور کا اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ ہمارے نقل کئے ہوئے تمام حوالوں کا صریح الفاظ میں تذکرہ کرتے اور پھر سب کا باحوالہ جواب دیتے مگر علمی باتوں کا جواب دینا تو ان کے بس میں کب ہے؟ اور امید بھی کیا ہے؟ ہم دوبارہ گذارش کرتے ہیں کہ ہم نے سنت کا جو معنیٰ بیان کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے اور ان بالا بزرگوں کی صریح عبارات کی روشنی میں کیا ہے اور آپ نے ان کا قطعاً کوئی جواب نہیں دیا بفضلہ تعالیٰ ہم بدستور اپنے صحیح موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں باقی جو باتیں مؤلف مذکور نے ذکر کی ہیں تو وہ خود ان کی جہالت پر واویلا کر رہی ہیں اولاً تو اس لئے کہ ان کا دعویٰ ہے سنت کی جزئی کا اثبات اور اس کے ساتھ جوڑ وہ یہ ملا رہے ہیں کہ سرفراز صاحب کو آپؐ نے وعظ کرنے کا حکم فرمایا ہو سو گذارش یہ ہے کہ سرفراز سنت کی جزئی نہیں سرفراز تو سنت پر عمل کرنے والے کلی افراد کا ایک فرد ہے حیرت ہے کہ مؤلف مذکور پر کران کو ذات اور صفت کی ہی تمیز نہیں جب قرآن کریم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ہر امتی کو صریح حکم ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک ہی نہیں بلکہ ہزاروں حضرات صحابہ کرامؓ نے آپ کے (بخاری ج ۱ ص۱۶ وغیرہ کی صحیح سند سے ثابت شدہ) ارشاد لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ پر عمل کر کے امت کو یہ بتا دیا ہے اور تا قیامت آپ کا حکم جاری وساری ہے کہ تبلیغ ہر امتی کا فریضہ ہے تو سنت کی ایک ہی جزئی نہیں بلکہ بے شمار جزئیات سامنے آچکی ہیں لہٰذا نہ تو سرفراز کا وعظ کہنا بدعت ہے اور نہ کسی اور کا ہاں اگر اُس وقت تبلیغ و وعظ پر کوئی عمل نہ ہوا ہوتا اور تبلیغ و وعظ کی ایک جزئی بھی سامنے نہ آئی ہوتی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم نہ ہوتا تو پھر معاملہ الگ تھا مؤلف مذکور کا مطلقاً وعظ و تبلیغ کو سنت کہنا نہ معلوم کس خیال پر مبنی ہے؟ کیونکہ تبلیغ دین کسی موقع پر فرض کسی پر واجب کسی پر سنت اور کسی پر مستحب ہے۔ دوم ہم نے مطلق ایصال ثواب کے

کسی ایک شخصیت میں انحصار پر گرفت نہیں کی تاکہ آپ اپنے محبوب مشغلہ سوئم چہلم اور عرس وغیرہ کا حوالہ دیکر گلو خلاصی کر لیں کہ تو ہم امت کے اور افراد کے لئے بھی ایصال ثواب کرتے ہیں ہم نے گیارہویں کے ایصال ثواب کو صرف ایک ہی شخصیت کے لئے مخصوص کرنے پر گرفت کی ہے چنانچہ تنقید متین ص۹۵ میں ہمارے الفاظ یہ ہیں۔ اور گیارہویں کا ایصالِ ثواب صرف حضرت شیخ صاحبؒ سے ہی کیوں مختص کر دیا گیا ہے؟ اور ہماری مضبوط گرفت ابھی تک آپ کی گردن پر ہے اور ہمارا سوال بدستور باقی ہے جس کا کوئی جواب تاہنوز نہیں ہوا اور بحمد للہ تعالیٰ ہمارے کلام میں ہرگز قطعاً کوئی تناقض نہیں ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے اور راقم اثیم سمجھتا ہے کہ یہ توحید و سنت پر عمل کرنے کی برکت ہے کہ تقریباً پینسٹھ ۶۵ سال کی عمر میں بھی ہوش و حواس بالکل صحیح ہیں اور کافی حد تک حافظہ بھی برقرار ہے کیونکہ بفضلہ تعالیٰ راقم اثیم سچا ہے۔ ہم اس میں آپ کے مؤید ہیں کہ دروغ گو را حافظہ نہ باشد لیکن ایسا شخص جب آپ اپنا آئینہ دیکھیں گے تو آپ کو ضرور نظر آجائے گا۔

سوم اس لئے کہ ہم نے تفسیر ابن کثیر کے حوالہ سے یہ لکھا تھا۔

واما اهل السنة والجماعة فيقولون فى كل فعل وقول لم يثبت عن الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم هو بدعة الخ

بہر حال اہل السنت والجماعت یہ فرماتے ہیں کہ جو فعل و قول حضرات صحابہ کرامؓ سے ثابت نہیں وہ بدعت ہے الخ۔ (ج ۴ ص۱۵۶)

اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم طلبہ کے افادہ کے لئے ایک دو حوالے مزید یہاں عرض کر دیں علامہ ابو الفتح محمد بن عبد الکریم الشہرستانیؒ (المتوفی ۵۴۸ھ) لکھتے ہیں کہ

واخبر النبى عليه الصلوٰة والسلام ستفترق امتى على ثلاث وسبعين فرقةً الناجية منها واحدة والباقون هلكىٰ قيل ومن الناجية؟ قال اهل السنة والجماعة قيل وما السنة والجماعة؟ قال ما انا عليه اليوم واصحابى (الملل والنحل ج ۱ ص۱۳ طبع بیروت)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ بتاکید میری امت تہتر ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی نجات پانے والا ان میں سے ایک فرقہ ہوگا اور باقی (عذاب میں مبتلا ہو کر) ہلاک ہو جائیں گے پوچھا گیا کہ فرقۂ ناجیہ کون سا ہے؟ فرمایا اہل السنت والجماعت پوچھا گیا کہ السنت والجماعت کیا ہے؟ فرمایا جس طریقہ پر آج میں اور میرے صحابہؓ ہیں۔

اس روایت میں ما انا علیہ الیوم واصحابی کے الفاظ معیار اور کسوٹی کا درجہ رکھتے ہیں اور یہ

الفاظ مستدرک حاکم ج ۱ ص۱۲۹ و در منثور ج ۲ ص۶۳ اور مجمع الزوائد ج ۱ ص۱۸۹ وغیرہ میں بھی موجود ہیں اہل بدعت حضرات ہی انصاف سے یہ کہیں کہ کیا تیجہ۔ دسواں۔ چالیسواں میلاد۔ ایصالِ ثواب کے کھانے کو سامنے رکھ کر اس پر کچھ پڑھنا۔ اجتماعی شکل میں ذکر بالجہر اور بلند آواز سے مسجدوں میں اذان سے قبل اور بعد درود شریف پڑھنا اور گیارہویں وغیرہ بدعات جن پر وہ سختی سے کاربند اور مصر ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اور حضرات صحابہ کرامؓ کے وقت تھیں؟ جب کہ سوائے گیارھویں کے (کہ حضرت شیخ صاحبؒ کی ولادت اور وفات کافی عرصہ بعد کو ہوئی) تمام امور کے اسباب محرکات اور دواعی اس وقت موجود تھے تو ان اُمور کے بدعت ہونے میں کیا شک اور شبہ ہے؟ اور اہل السنت والجماعت کا یہی ناجیہ فرقہ ہوگا جس کا چہرہ قیامت کے دن سفید ہوگا اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے چنانچہ حبر الامت حضرت ابن عباسؓ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

یعنی یوم القیٰمۃ تبیض وجوہ اھل السنۃ والجماعۃ وتسود وجوہ اھل البدعۃ والفرقۃ۔	یعنی قیامت کے دن اہل السنت والجماعت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت اور افتراق کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص۳۹۰ در منثور ج ۱ ص۶۳ وتفسیر مظہری ج ۲ ص۱۱۶)

اب مؤلف مذکور ہی غور کریں کہ کیا جہنم اہل بدعت کا ٹھکانہ ہے یا اہل السنت والجماعت کا؟ اور پھر حدیث کی روشنی میں سُنّی کون ہے اور بدعتی کون ہے؟ اور بروز قیام سفید فام کون ہوں گے اور رو سیاہ کون ہوں گے؟ اب انصاف کو ملحوظ رکھ کر فیصلہ کرنا خود ان کا اپنا کام ہے۔

اور ہم نے راہ سنت ص۲۷۸ میں جمعہ سے قبل تقریر کرنے کے باقاعدہ صحیح اسانید سے حوالے دیئے ہیں ان کی موجودگی میں ہم سے حوالے طلب کرنا یا وعظ جمعہ کو جہنم کی نذر کرنا ہمارے لئے کوئی ٹھکانہ تلاش کرنا کس قدر جہالت اور کم فہمی کا نتیجہ ہے آپ کو خود اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے کیونکہ اگر ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

شاطبیؒ کی عبارت کی وضاحت یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ مولوی سرفراز صاحب نے اپنی بے سمجھی اور نادانی سے تعیین کو بدعت قرار دینے کے لئے علامہ شاطبیؒ کی ایک عبارت پیش کی ہے ہم اُسے نقل کر کے مولوی صاحب کی غلط فہمی دور کرنا چاہتے ہیں شاطبیؒ فرماتے ہیں ان مطلق احکام میں قید لگانا جن کی قید کسی

شرعی دلیل سے ثابت نہیں اپنی رائے سے شریعت بنانا ہے خصوصاً جب اس کے معارض کوئی دلیل موجود ہو (الاعتصام ج ۱ ص ۲۸۴ بحوالہ تنقید) علامہ شاطبیؒ کے قول میں تقیید سے مراد قید عملی ہے مثلاً ایصال ثواب کے لئے کوئی شخص سوئم کو یا یوم مقرر کر کے ... ایصال ثواب ہو تو جائز اور آگے پیچھے ہو تو ناجائز اور یہ شرع میں زیادتی ہے اس کلام کا اس کے سوا کوئی محمل نہیں کیونکہ اطلاق شرعی کا تحقق بغیر کسی فرد کے متحقق نہیں گکھڑوی ہی ہم کو کسی اطلاق شرعی پر بغیر اس سے مقید کئے عمل کر کے دکھا دیں نیز حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ سے اس کی وضاحت تعیین عرس کے سلسلہ میں نقل کر چکے ہیں فانظر و تدبر (محصلہ ص ۱۱۲ و ۱۱۳)

الجواب مؤلف مذکور نے محض اپنے ناخواندہ حواریوں کے مطمئن کرنے کے لئے اور ان کو راقم اثیم کی بے سمجھی اور نادانی کی گپت سنا کر لوری دے کر علامہ شاطبیؒ کی عبارت کی جو تاویل اور اس میں جو علمی ٹھوکر کھائی ہے وہ علمی اور تحقیقی طور پر ایک نرا عجوبہ ہے اور توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ کا مصداق ہے کیونکہ علامہ شاطبیؒ علمی اور عملی دونوں قیدوں کو بدعت قرار دیتے ہیں یعنی مثلاً غیر فرض کو فرض یا فرض کو غیر فرض اعتقاد کرنا یہ علمی قید ہے اور دوسری یہ ہے کہ جہاں تعیین کے ساتھ شارع سے عمل ثابت نہیں وہاں عمل کرنا اس کو بھی وہ بدعت ہی قرار دیتے ہیں جو عملی قید ہے لہٰذا مؤلف مذکور کا علامہ شاطبیؒ کی عبارت میں قید کو صرف علمی قید میں منحصر سمجھنا ان کی بے سمجھی اور کھلی نادانی کی واضح دلیل ہے کیونکہ علامہ شاطبیؒ کے نزدیک مطلقات شرعیہ میں دونوں طرح کی قیدیں بدعت ہیں ہم علامہ شاطبیؒ کی چند عبارات عرض کرتے ہیں جو اسی تقیید فی المطلقات کے سلسلہ میں انہوں نے تحریر فرمائی ہیں

(۱) فاذا اجتمع فی النافلة ان تلتزم التزام السنن الرواتب اما دائما واما فی اوقات محدودة وعلی وجه محدود واقیمت فی الجماعة فی المساجد التی تقام فیها الفرائض او المواضع التی تقام فیها السنن الرواتب فذالك ابتداع والدلیل علیه انه لم یأت عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ولا عن اصحابه ولا عن التابعین لهم باحسان فعل هذا المجموع هكذا مجموعا

جب نوافل میں یہ چیز جمع ہو جائے کہ ان پر ایسا التزام کیا جائے جیسا کہ سنن مؤکدہ میں ہوتا ہے ہمیشہ التزام ہو یا متعین اوقات میں اور مخصوص طریقہ پر اور وہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ پڑھے جاتے ہوں جہاں فرائض پڑھے جاتے ہیں یا ان جگہوں میں پڑھے جائیں جہاں سنن مؤکدہ پڑھے جاتے ہیں تو یہ کاروائی بدعت ہوگی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ اور آپ کی اخلاص کے ساتھ پیروی کرنے والے تابعینؒ سے اکٹھے ہو کر اجتماعی صورت میں یہ کاروائی ثابت

(الاعتصام ج۱ ص۲۸۴) نہیں ہے۔

اس عبارت میں اس امر کی تصریح ہے کہ عملی طور پر نوافل پر ایسا التزام کرنا جیسا کہ سنن مؤکدات پر کیا جاتا ہے یا متعین اوقات میں متعین طریقہ سے عملاً ان کا التزام کرنا یا جماعت کے ساتھ ان کو ادا کرنا بدعت ہے اور اس کی دلیل وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ یہ عمل اور فعل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے اس طریقہ پر ثابت نہیں ہے اس سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک صرف علمی قید ہی بدعت نہیں عملی قید بھی بدعت ہے۔

(۲) فالعمل بالنافلة التی لیست بسنةٍ علیٰ طریق العمل بالسنة اخراج للنافلة عن مکانها المخصوص بها شرعاً ثم یلزم من ذٰلك اعتقاد العوام فیها ومن لاعلم عنده انها سنة وهذا افساد عظیم لان اعتقاد مالیس بسنةٍ والعمل بها علیٰ حد العمل بالسنة نحو من تبدیل الشریعة کمالو اعتقد فی الفرض انه لیس بفرض اوفیما لیس بفرض انه فرض ثم عمل علیٰ وفق اعتقاده فانه فاسد فهب العمل فی الاصل صحیحًا فاخراجه عن بابه اعتقادًا وعملًا من باب افساد الاحکام الشرعیة (ج۱ ص۲۸۴)

سوا ایسے نوافل پر جو سنت نہیں ایسے طریقہ پر عمل کرنا جس طریقہ سے سُنّت پر عمل کیا جاتا ہے نوافل کو ان کے مخصوص مکان سے جو شرعاً ان کا ہے نکالنا ہے پھر اس سے عوام کا اور جن کو کوئی علم نہیں ہوتا یہ اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ سنت ہیں اور یہ ایک بہت بڑا افساد ہے کیونکہ جو چیز سنت نہیں اس کو سنت اعتقاد کر لینا اور سنت کے طریقہ سے اس پر عمل کرنا ایک گونا شریعت کو تبدیل کرنا ہے جیسا کہ کوئی شخص فرض کو غیر فرض اور غیر فرض کو فرض اعتقاد کر کے اپنے اعتقاد کے موافق اس پر عمل کرے تو یہ فاسد ہے یہ مان لیا کہ اصل میں عمل صحیح ہے لیکن اس کا اعتقاداً یا عملاً اس کے باب سے نکالنا شریعت کے احکام کے بگاڑنے کے باب سے ہے۔

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ جس طرح غیر سُنّت کو سُنّت اعتقاد کرنا تبدیل شریعت ہے اسی طرح غیر سنت پر سنت کی حد اور سنت کے طریقہ پر عمل کرنا بھی تبدیل شریعت ہے اور اس عبارت میں اس کی بھی انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ جو عمل اصل میں صحیح ہو لیکن اعتقاداً یا عملاً اس کو اس کی جگہ سے ہٹا دیا جائے تو اس سے احکام شرعیہ کا بطلان لازم آتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا متدعین حضرات نے سوئم چہلم اور برسی وغیرہ کو عملاً ان ایام میں متعین کر کے اس التزام کا ثبوت فراہم نہیں کر دیا؟ اور کیا وہ جماعتی صورت میں ان ایام کی تعیین توڑنے پر قادر ہیں؟۔

(۳) علامہ شاطبیؒ نے چند افعال و اعمال کا ذکر فرمایا ہے جو اصل میں جائز یا مستحب ہیں لیکن فرماتے ہیں کہ حضرات سلفؒ نے ان کو اس ڈر کے مارے ترک کر دیا تھا کہ ان کے کرنے سے بدعت ظاہر ہوتی ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

فهذه امور جائزة او مندوب اليها ولكنهم كرهوا فعلها خوفاً من البدعة لان اتخاذها سنة انما هو بان يواظب الناس عليها مظهرين لها وهذا شأن السنة واذا اجرت مجرى السنن صارت من البدع بلا شك (الاعتصام ج ۲ ص ۲۹۶)

یہ امور جائز یا مستحب ہیں لیکن ان حضرات نے ان پر اس ڈر کے مارے عمل ناپسند اور مکروہ سمجھا کہ کہیں یہ بدعت ہی نہ ہو جائے اس لئے کہ ان کا سنت بنا لینا بایں طور کہ لوگ ان پر ان کو ظاہر کرتے ہوئے مواظبت کرنے لگیں اور یہ سنت کی شان ہے اور جب یہ امور سنن کی جگہ جاری ہو جائیں تو بلا شک یہ بدعت ہو جائیں گے۔

اس عبارت میں ان افعال کو علامہ شاطبیؒ نے بدعت کہا ہے جو اصل میں تو جائز و مباح ہیں لیکن لوگ ان کو سنت کی طرح ظاہر کر کے اور ان پر مواظبت کر کے شرعی حدود سے تجاوز کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب یہ مباح اور جائز امور سنت کی طرح لوگوں میں معمول بہا بن جائیں تو ان کے بدعت ہونے میں کوئی شک ہی نہیں ہے اس عبارت میں گُر کی بات یہی ہے کہ عملی قید سے بھی جائز اور مستحب امر بدعت بن جاتا ہے۔ مؤلف مذکور ہی بتائیں کہ کیا سوئم و چہلم و عرس وغیرہ کی ان کے نزدیک عملی پوزیشن یہی نہیں ہے کہ لوگ ان پر مواظبت بھی کرتے ہیں اور ان کو ظاہر بھی کرتے ہیں؟ غرضیکہ علامہ شاطبیؒ کی عبارت میں تقیید سے علمی۔ اعتقادی اور واجبی قید ہی سمجھنا اور عمل کو اس سے خارج کر دینا مؤلف کی نہایت کم فہمی اور پرلے درجہ کی نادانی پر مبنی ہے۔ رہا ان کا یہ کہنا کہ اطلاق شرعی پر بغیر اسے متقید کئے عمل کر کے دکھا دیں اور شاہ عبد العزیز صاحبؒ سے تعیین عُرس کا حوالہ ہم نقل کر چکے ہیں سو گذارش یہ ہے کہ ہم ان دونوں باتوں کا جواب پہلے عرض کر چکے ہیں وہاں ہی ملاحظہ کر لیا جائے بار بار اعادہ سے خواہ مخواہ تطویل ہوتی ہے ؎

سخن ہائے غلط کو سب نے جانا ہُوا یہ تذکرہ آخر فسانا،

کیا غنیۃ الطالبین شیخ جیلانیؒ کی تصنیف ہے؟ یہ سرخی قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ گکھڑوی صاحب کے ضعیف مطالعہ اور نہایت جسارت کی ایک اور بین مثال یہ ہے کہ انہوں نے غنیۃ الطالبین کو حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی تصنیف قرار دیا ہے حالانکہ شیخ ابن حجر مکیؒ نے فتاوی حدیثیہ میں علامہ عبد العزیزؒ نے نبراس میں علامہ ملتانیؒ نے حاشیہ نبراس میں اور شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے ترجمہ غنیہ میں تصریح فرمائی ہے کہ یہ کتاب آنجناب کی تصنیف نہیں ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم نے عبارات پیش نہیں کیں علاوہ ازیں اس کتاب میں بعض حنفیہ کو فرقہ مرجئہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس میں ایسے مسائل شامل ہیں جو جمہور اہل السنت کے معتقدات کے خلاف ہیں مثلاً رویت باری تعالیٰ کا انکار حالانکہ یہ اعتزال پر مبنی ہے اہل سنت کا اس نظریہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور جناب شیخؒ کی ذات ستودہ صفات اس بدعقیدگی سے بہت بلند و بالا ہے (محصلہ ص ۱۱۳ و ۱۱۴)

الجواب۔ مشہور کہاوت ہے کہ چوہے کو سونٹھ کی گرہ کہیں سے مل گئی تھی اور اس نے اس کے بل بوتے پر جنرل میڈیکل سٹور کھولنے کی ٹھان لی تھی یہی ذہن مؤلف مذکور نے استعمال کیا ہے ہم نے تنقید متین میں کتاب غنیۃ الطالبین وغیرہ کے حوالے سے اہل السنت والجماعت کی تعریف اور حدود اربعہ نقل کئے تھے چونکہ مؤلف مذکور اور ان کی جماعت اہل السنت والجماعت کی اس تعریف میں کسی طرح داخل نہیں اس لئے انہوں نے آسان طریقہ سے یوں گلو خلاصی چاہی کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ صاحبؒ کی تصنیف ہی نہیں اور مؤلف مذکور نے شاید اس پر عمل کیا ہو کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری لیکن اس عنوان اور سرخی کے تحت انہوں نے جو کچھ کہا ہے بالکل بے سود ہے اولاً اس لئے کہ اگر چہ علامہ عبد العزیز فرہارویؒ نے نبراس ص ۴۷۶ میں اور اس کے محشی مولانا محمد برخوردار ملتانیؒ نے اور شیخ عبد الحق صاحبؒ وغیرہ نے کتاب غنیۃ الطالبین کی حضرت شیخ صاحبؒ کی تصنیف ہونے کا انکار کیا ہے لیکن جمہور محققین اور علماء کی تحقیق کے مقابلہ میں ان چند حضرات کی رائے کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں ہے اب غور فرمائیے کہ یہ راقم اثیم اپنے ضعیف مطالعہ کے پیش نظر چند حوالے عرض کرتا ہے اور قوی مطالعہ والا تو بہت ہی زیادہ حوالے پیش کر سکتا ہے "وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ"۔

(۱) ناقد فن رجال علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ صاحبؒ کی تالیف ہے (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۰۔ والعرش الکبیر ورق ۶۹ للذہبیؒ)۔

(۲) حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ صاحبؒ کی تصنیف ہے۔ ملاحظہ ہو الحمویہ فی الرد علی الجہمیۃ ص۶۶)

(۳) حضرت ملا علیؒ القاریؒ غنیۃ الطالبین کو حضرت شیخ صاحبؒ کی تصنیف تسلیم کرتے ہیں (ملاحظہ ہو شرح فقہ اکبر ص۸۹ طبع کانپور)

(۴) ملا کاتب چلپی الحنفیؒ اس کو حضرت شیخ صاحبؒ کی تصنیف بتاتے ہیں (کشف الظنون ج ۲ ص۵۹)

(۵) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ اس کو حضرت شیخ صاحبؒ کی تصنیف مانتے ہیں (ملاحظہ ہو تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص۲۷)

(۶) امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن شہاب الدین المشہور بابن رجب الحنبلیؒ اس کو حضرت شیخ صاحبؒ کی تصنیف مانتے ہیں (ملاحظہ ہو طبقات ابن رجبؒ ـــ)

(۷) مؤلف دراسات اللبیب اس کو حضرت شیخ صاحبؒ کی تالیف مانتے ہیں (ملاحظہ ہو ص۳۵۹)

(۸) اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ۔ (۹) علامہ عبد الغنی النابلسیؒ (۱۰) اور علامہ عبد الحکیم سیالکوٹیؒ اس کو حضرت شیخ صاحبؒ کی تصنیف مانتے ہیں (بحوالہ عقیدۃ الحمدیہ لمولانا ابی عبد الرحمٰن عبد اللہ گیلانیؒ ج ۱ ص۴۷ تا ص۴۶) اور (۱۱) خود عقیدۃ الحمدیہ کے مصنف بھی اس کو حضرت شیخ صاحبؒ کی تصنیف مانتے ہیں (ملاحظہ ہو عقیدۃ الحمدیہ ج ۱ ص۴۷) لیجئے ہم نے بفضلہ تعالیٰ آپ کے مرغوب عدد گیارہ کی گنتی کے مطابق گیارہ حوالے عرض کر دیئے ہیں اگر آپ نے کچھ لکھا اور ہماری زندگی ہوئی تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم مزید کچھ عرض کریں گے۔ بار زندہ صحبت باقی۔

مگر چونکہ ہم مزعوم گیارہویں کے قطعاً قائل نہیں ہیں اس لئے ممکن ہے کہ کوئی کوڑ مغز ہمارے ان پیش کردہ حوالوں کے عدد سے یہ ثابت کرتا پھرے کہ لیجئے گیارہ حوالے دے کر گیارہویں کے قائل ہو گئے ہیں اس لئے ہم اس عدد کو (جو مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کا تو مرغوب عدد ہے اور ہر گیارہویں تاریخ پر ان کے وارے نیارے ہوتے ہیں) توڑ کر مزید حوالے عرض کرتے ہیں۔

(۱۲) مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ (دلیل الطالب علی ارجح المطالب ص۱۶۵ میں) لکھتے ہیں کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ صاحبؒ کی تصنیف ہے۔

(۱۳) مولانا شاہ محمد علی حبیب الغلواروی اسوۂ حسنہ ص۱۹ میں لکھتے ہیں کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ صاحبؒ کی

تصنیف ہے۔ (۱۴) خود آپ حضرات کے علمی اور جماعتی رسالہ رضائے مصطفیٰ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ ص۵ میں غنیۃ الطالبین کو حضرت شیخ صاحبؒ کی مشہور و معروف تصنیف بتایا اور تسلیم کیا گیا ہے۔

(۱۵) مولوی محمد عمر صاحب مقیاس حنفیت ص۹۴ و ۹۹ وغیرہ میں سات مرتبہ غنیۃ الطالبین کے حوالے دے کر صریح الفاظ میں اس کو حضرت پیران پیرؒ کی تصنیف تسلیم کرتے ہیں (۱۶) مفتی احمد یار خاں صاحب بھی غنیۃ الطالبین کو حضرت پیر جیلانیؒ کی تصنیف تسلیم کرتے ہیں چنانچہ وہ اشرف التفاسیر المعروف بہ تفسیر نعیمی پارہ سوم ص۶۱۷ میں لکھتے ہیں حضور غوث پاک غنیۃ الطالبین جلد دوم ص۴۲ میں فرماتے ہیں کہ نواں عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا۔

(۱۷) جامع الفتاویٰ المعروف بہ انوار شریعت ص۵۵۵/۱۶۲ و ک۵۵ و ص۵۵۵۔ (۱۸) دانوار ساطعہ ص۳۵ و ص۴۰۔ (۱۹) وتجانب اہل السنت ص۲۳۳ (۲۰) دفیصلہ شرعیہ بر حرمت تعزیہ مؤلفہ شیخ القرآن و التفسیر مولوی مہر دین جمال پوری ثم لاہوری سابق مدرس دار العلوم حزب الاحناف لاہور۔ وغیرہ کتابوں میں غنیۃ الطالبین کو حضرت شیخ صاحبؒ ہی کی تصنیف تسلیم کیا گیا ہے۔ غرضیکہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ صاحبؒ کی ایسی مشہور و معروف تصنیف ہے جس کا کوئی بھی منصف مزاج آدمی انکار نہیں کر سکتا۔ بجز متعصب اور ضدی کے۔

وثانیاً اس لیے کہ اصحاب ابی حنیفہؒ کو حضرت شیخ صاحبؒ نے غنیۃ الطالبین میں مرجئہ کے فرقہ میں داخل کیا ہے لیکن کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ غنیۃ الطالبین انکی تصنیف ہی نہ ہو۔ ان دونوں باتوں میں شرعی عقلی اور منطقی طور پر کونسا تلازم ہے؟ کیا مؤلف مذکور اس منطق سے کام لیتے ہوئے ان تمام کتابوں کو بھی انکے مؤلفین کی تالیف ہونے سے انکار کر دیں گے جن میں بشمولیت بعض احنافؒ کے بہت سے ائمہ حدیث کو مرجئہ کے فرقہ میں داخل کیا ہے؟ ہم نے اپنی کتاب مقام ابی حنیفہؒ ص۱۲۰، ۱۲۱ میں جامع بیان العلم لابن عبد البر الملل و النحل للشہرستانیؒ تفہیمات الٰہیہ لشاہ ولی اللہؒ اور دلیل الطالب لنواب صدیق حسن خان صاحبؒ وغیرہ کے حوالے سے قدرے تفصیل سے لفظ مرجئہ کی تفصیل اور اصحاب ابی حنیفہؒ کے مرجئہ ہونے کا مطلب عرض کر دیا ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیا جائے۔ اور اس معنیٰ میں مرجئہ ہونے سے ان پر شرعاً قطعاً کوئی زد نہیں پڑتی۔ وثالثاً مؤلف مذکور کو غنیۃ الطالبین میں صرف رؤیت باری تعالیٰ کا مسئلہ ہی نظر آیا ہے جس سے وہ سیخ پا ہو کر اسکو حضرت شیخ صاحبؒ کی تصنیف ہی نہیں تسلیم کرتے خدا معلوم اگر ان کو اسمیں بجائے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانی کے حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانی کا مسئلہ نظر آجاتا ہے اور مختلف ابواب میں جعلی حدیثوں کی بھرمار نظر آجاتی (بشرطیکہ مؤلف مذکور میں احادیث پرکھنے کی اہلیت ہو) تو خدا جانے ان پر کیا گزرتی؟ بلاشک حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ اور صاحب کرامات ولی اور رشد و اصلاح کا درس دینے والے بہترین واعظ تھے لیکن ناقد فن رجال نہ تھے اور نہ احادیث کے صحت و سقم کو اس طرح پرکھتے تھے جس طرح کہ محدثین کرامؒ پرکھتے ہیں کہ ہندی کی چندی اور بال کی کھال اتار کر رکھ دیتے

ہیں بخلاف حضرات صوفیاء کرامؒ کے کہ وہ نیک دل ہونے کی وجہ سے لوگوں کے بارے ضرورت سے زیادہ حسن ظنی کرتے ہیں اور اپنے صاف و شفاف دل پر لوگوں کے دلوں کو قیاس کرتے ہیں کہ جیسے ہم مخلص و صادق ہیں واقعہ بیان کرنے والا راوی بھی ایسا ہی ہوگا اس لئے وہ تنقید نہیں کرتے امام ابن الجوزیؒ کا یہ مقولہ محدثین کرامؒ میں مشہور ہے اذا وقع صوفی فی الاسناد فاغسل یدیك منه (العرف الشذی ص۴۲۶)

یعنی جب کسی سند میں صوفی واقع ہو جائے تو پھر تم اس سند (اور حدیث) سے ہاتھ دھو ڈالو کیونکہ وہ غیر معتبر ہے اور اس کی وجہ یہی ہے جو ہم نے ابھی اوپر بیان کی ہے۔ ورابعاً اس لئے کہ رؤیت باری تعالیٰ کے انکار سے مؤلف مذکور کی کیا مراد ہے؟ کیا یہ مراد ہے کہ قیامت کے دن مومنوں کو پیار و شفقت کے ساتھ اور دوسروں کو عمومی طور پر اللہ تعالیٰ کی جو رؤیت اور دیدار نصیب ہوگا اس کے حضرت شیخ صاحبؒ منکر ہیں جس طرح کہ معتزلہ وغیرہ منکر ہیں؟ تو یہ ان پر نرا بہتان اور خالص افتراء ہے اور حضرت شیخ صاحبؒ کا دامن اس سے بالکل پاک ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ دیدار اور رؤیت نہیں ہوئی؟ تو یہ مسئلہ خود اہل السنت والجماعت میں مختلف فیہا ہے اور صاحب نبراس نے چار قول اس میں اہل السنت والجماعت کے نقل کئے ہیں (ملاحظہ ہو نبراس ص۴۷۵ و ۴۷۶) وخامساً اس لئے کہ خود مؤلف مذکور جہل مرکب کا شکار ہیں بات دراصل کچھ اور ہے اور انہوں نے اپنی جہالت اور ضعفِ مطالعہ کی وجہ سے کچھ اور ہی سمجھ رکھی ہے علامہ عبد العزیز فرہارویؒ لکھتے ہیں۔

واما حدیث جابرؓ رأیت ربی مشافهة لا شك فیه ففی ثبوته نظر ولا یغرنك وقوعه فی غنیة الطالبین المنسوبة الی الغوث الاعظم عبد القادر جیلانی قدس سره العزیز فالنسبة غیر صحیحة والاحادیث الموضوعة فیها وافرة انتهٰی (نبراس ص۴۷۶)

بہرحال حضرت جابرؓ کی حدیث جس میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو مشافہ دیکھا ہے جس میں کوئی شک نہیں تو اس حدیث کے ثبوت میں کلام ہے اور اس حدیث کا غنیۃ الطالبین میں جس کی نسبت غوث اعظم عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی طرف کی گئی ہے واقع ہونا تجھے ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے کیونکہ یہ نسبت صحیح نہیں اور اس میں موضوع حدیثوں کی بھرمار ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت شیخ صاحبؒ معراج کی رات کی رؤیت کے منکر نہیں بلکہ وہ نوعیاً تاً اور مشاہدۃً آنکھوں

کے ساتھ رؤیت ثابت کرتے ہیں جیسا کہ ایک جماعت کا مسلک ہے اور اس کے لئے وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس کے بارے علامہ عبد العزیز صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کی صحت محل نظر ہے قارئین کرام سمجھ گئے ہوں گے کہ بات اصل میں کیا ہے اور مؤلف مذکور نے اپنی لاعلمی قلت مطالعہ اور کم فہمی کی وجہ سے اس کا کس طرح بتنگڑ بنا دیا ہے اور علامہ عبد العزیزؒ اور اسی طرح شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ اپنے اس دعویٰ پر کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ صاحبؒ کی تصنیف نہیں کوئی دلیل نہیں پیش کر سکے بجز اس کے کہ اس میں جعلی حدیثوں کی بھرمار ہے مگر اس سے تو دعویٰ ثابت نہیں ہوتا جن کتابوں میں صحت کا التزام نہیں کیا گیا ان میں بعض موضوع احادیث بھی موجود ہیں کیا ترمذی شریف اس سے خالی ہے؟ یا ابن ماجہ میں بیسؔ سے زائد روایتیں ایسی موجود نہیں ہیں حتّٰی کہ نسائی اور ابو داؤد میں سجل والی روایت موضوع ہے (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲) ہم نے قدرے تفصیل سے اس پر مقام ابی حنیفہؒ میں بحث کر دی ہے۔ یہ چند حضرات بلا دلیل غنیۃ الطالبین کے حضرت شیخ کی تصنیف ہونے کا انکار کرتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں ان سے بدرجہا زیادہ محقق اور کثیر تعداد میں علماء اس کتاب کو حضرت شیخ صاحبؒ کی ہی تصنیف سمجھتے ہیں اور اصول کا مسئلہ ہے کہ المثبت اولیٰ من النافی لہٰذا انہی حضرات کے قول و تحقیق کا اعتبار ہے اور غنیۃ الطالبین حضرت شیخؒ ہی کی تالیف ہے ؎

الفاظ کے پیچوں الجھتے نہیں دانا ۔۔۔ غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے؟ (اقبالؒ)

حق سے فرار تنقید متین ص ۶۲ و ص ۶۳ و ص ۶۴ میں حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی غنیۃ الطالبین کی عبارت کے بعد ایک صحیح اور مرفوع حدیث اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی بے مثال کتاب حجۃ اللہ البالغہ اور حضرت ملا علیؒ القاریؒ کی مرقات کے حوالے بھی درج کئے گئے ہیں لیکن مؤلف مذکور ان کا کوئی جواب نہیں دے سکے اور کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرکے آگے چل دیئے ہیں ان کا اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ اپنے قارئین کو ان سے بھی روشناس کراتے مگر ایسا کرنے کے بعد ان کے حلوے مانڈے پر زد پڑتی تھی اور ان کے مغالطات کی جن کے بل بوتے پر وہ اپنی بھولی بھالی بھیڑوں کو الگ باڑے میں رکھے ہوئے ہیں قلعی کھل جاتی تھی اس لئے ان کے لئے خیر اسی میں تھی کہ ان کا ذکر ہی نہ کیا جاتا۔

طعام پر فاتحہ پڑھنا یہ عنوان قائم کرکے مؤلف مذکور نے تنقید متین کا ایک ادھورا اور نامکمل حوالہ لکھا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں، مولوی گکھڑوی صاحب نے کھانے پر فاتحہ پڑھنے کو ہندوانی رسم قرار دیتے ہوئے ذکر کیا۔ لیکن جس تاریخ کو کوئی مرا اس تاریخ میں انہیں ثواب پہنچانا ضرور مانتے ہیں اور کھانے

کے ثواب پہنچانے کا نام سرادھ ہے اور جب سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے تو اول اس پر پنڈت کو بلوا کر بید پڑھواتے ہیں جو بید اس کھانے پر بید پڑھتا ہے ان کی زبان میں ابھشٹرمن کہلاتا ہے اور اسی طرح اور بھی دن مقرر ہیں (تنقید ص۶۱) اس بیان میں انتہائی بے باکی اور دروغ گوئی سے کام لیا گیا ہے اور ادنیٰ سوجھ بوجھ رکھنے والے پر بھی مخفی نہیں ہے کہ ہندوؤں میں نہ قیامت کا تصور ہے اور نہ ثواب و عذاب کا لہٰذا یہ کہنا کہ ہندو ثواب پہنچانے کے لئے طعام پر بید پڑھواتے تھے ایسی یاوہ گوئی ہے جسے ماننے کے لئے کوئی ہوشمند تیار نہیں ہوگا نیز ہم بحث استعانت میں تفسیر عزیزی سے نقل کر چکے ہیں کہ جو لوگ مردوں کو جلا دیتے ہیں ان کے مذہب میں مرنے والوں کو زندوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تفسیر عزیزی پ۲ ص۵۵ دیکھئے توضیح البیان ص۴۵ پھر بتلایئے آپ کے حکمی دادا کی اس تحقیق کے مقابلہ میں آپ کے ہذیان پر کون کان دھرے گا آپ کہتے ہیں ہندو اپنے مردوں کو ثواب پہنچاتے ہیں شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ایں چیزہا اصلاً نسبت بآنہا در اصل مذہب آنہا نیز واقع نیست اب بتلایئے کہ آپ جھوٹے ہیں یا آپ کے حکمی دادا انتہیٰ بلفظہٖ (ص۱۱۴)

الجواب مؤلف مذکور بھی خالص اعجوبۂ روزگار ہیں کہ دجل و تلبیس کے بغیر کوئی بات لکھنا ان کی قسمت ہی میں مقدر نہیں سچ ہے جیسے روح ویسے فرشتے تنقید متین ص۶۵ تا ۷۱ میں سیوم و چہلم وغیرہ ایام کے اندر ایصال ثواب کے بدعت و مکروہ ہونے پر گیارہ روشن حوالے دیگر دیگر علماء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کے مذکور ہیں جن میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا حوالہ بھی ہے . واما ایں اجتماع مخصوص روز سوم وارتکاب تکلفات دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ بدعت است و حرام (مدارج النبوۃ ج۱ ص۴۱۲) اور تین حوالے ان کے علاوہ ان کے اعلیٰ حضرت کے پیش کئے تھے جن میں سے ایک یہ بھی تھا جو امام بزازیؒ کے حوالہ سے انہوں نے نقل کیا ہے و یعنی میت کے پہلے یا تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد جو کھانے تیار کرائے جاتے ہیں سب مکروہ و ممنوع ہیں (احکام شریعت حصہ سوم ص۱۹۲) اور اس کے بعد حافظ ابن کثیرؒ اور حضرت عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے حوالوں سے اصولی طور پر بدعت کی تعریف اور اس کا حرام اور ناروا ہونا ذکر کیا تھا مگر صد افسوس کہ مؤلف مذکور نے ان میں سے کسی ایک کا ذکر تک بھی اپنی کتاب میں نہیں کیا اور نہ جواب دیا ہے اور نہ قیامت تک جواب دے سکتے ہیں علمی دنیا میں اس سے بڑھ کر بد دیانتی اور کیا ہوگی ؟ اور کیا ہو سکتی ہے ؟ کہ جس کتاب کی تردید پر کمر باندھی ہے ان میں مرکزی حوالوں کا نام تک

نہ لیا جائے اور ادھر اُدھر کی فضول بھرتی اور نری لفاظی سے اپنے ناخواندہ حواریوں کو یہ باور کرایا جائے کہ لو کتاب کا جواب ہو گیا ہے ع وزیرے چنیں شہر یارے چنیں۔ معاف رکھنا اس کا نام جواب نہیں ہے اور نہ فضول بھرتی سے کتاب کے حجم بڑھانے کا نام جواب ہے۔ الغرض ان تمام ٹھوس۔ ناقابل تردید اور صریح حوالوں کو آپ جو تقریباً سات صفحات پر مشتمل ہیں شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کر گئے ہیں اور اس کے بعد یہ پوری عبارت ہضم کر گئے ہیں۔ چنانچہ مشہور بریلوی مولوی محمد صالح صاحب کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے سے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ رسم سوائے ہندوستان کے اور کہیں اسلامی ممالک میں رائج نہیں انتہیٰ (بلفظہٖ تحفۃ الاحباب ص۱۲۲) اور یہ رسم ہندوستان کے ہندوؤں سے ماخوذ ہے چنانچہ مشہور نومسلم عالم مولانا عبید اللہ صاحبؒ جو پہلے پنڈت تھے لکھتے ہیں کہ لیکن جس تاریخ کوئی مرا الیٰ قولہ اور بھی دن مقرر ہیں (بلفظہٖ تحفۃ الہند ص۹۱) (تنقید متین ص۱۱ و ص۱۲) مؤلف مذکور نے جو بقول خود ہماری تردید کے لئے کمر بستہ ہیں اس عبارت کو کمر سے پکڑ لیا ہے نہ تو نو مسلم محقق عالم مولانا عبید اللہ صاحبؒ کا ذکر کیا ہے اور نہ آخر میں ان کی کتاب کا حوالہ دیا ہے اور نہ مولوی محمد صالح صاحب کے حوالہ کا ذکر کیا ہے اور نہ اس کا جواب دیا ہے مؤلف مذکور کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ ہمارے نقل کردہ تمام حوالے بقید حروف نقل کرتے پھر ان کا جواب دیتے یا کم از کم ان کا خلاصہ ہی باحوالہ ذکر کرتے پھر ان کی تردید کرتے مگر شرک و بدعت میں مبتلا ہو کر اور سیوم اور چہلم اور گیارھویں کے حلوے مانڈے اور جلیبیاں کھا کر اور ان پر شمپئن سیون اپ۔ اور کوکا کولا وغیرہ کی مکرر تولیں چڑھا کر علم و دیانت کیسے باقی رہ سکتے ہیں محض مغالطہ آفرینی سے کام لے کر عوام کو گمراہ کرنا ہی ان کا شیوہ اور وتیرہ ہے اور اسی پر ان کے پیٹ کا دھندہ چلتا ہے یَأْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا قارئین کرام! ملاحظہ کیجئے کہ مؤلف مذکور کس دجل سے لکھتے ہیں کہ مولوی گکھڑوی صاحب نے کھانے پر فاتحہ پڑھنے کو ہندوانی رسم قرار دیتے ہوئے ذکر کیا الیٰ قولہ اس بیان میں انتہائی بے باکی اور دروغ گوئی سے کام لیا گیا ہے الخ سو گذارش ہے کہ گکھڑوی خود اپنی طرف سے نہیں لکھ رہا بلکہ ایک مشہور و معروف پڑھے لکھے ہندو بلکہ پنڈت کے حوالہ سے لکھتا ہے جو سالہا سال تک ہندو اور پنڈت رہے اور ہندوؤں کے عقائد و اعمال کے ایسے ہی ماہر و عالم تھے جیسے آپ لوگ ختموں کے ماہر استاد ہیں و صاحب البیت ادریٰ بما فیہ اور ان کے ٹھوس اور صریح حوالہ کے بعد کہ ہندو اپنے مردوں کو ثواب پہنچاتے ہیں ہمیں کسی مزید حوالہ کی ضرورت نہیں ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ان ہندوانہ رسوم و بدعات سے تائب ہونے کی توفیق دی اور سچے دل سے وہ مسلمان ہو گئے اور تحفۃ الہند نامی قیمتی اور معلومات افزا کتاب

لکھی اور اس میں انہوں نے جو کچھ لکھا بالکل حق اور صحیح لکھا مگر چونکہ انہوں نے آپ کے سیوم و چہلم خور پیٹ پر علمی لات ماری ہے اس لئے آپ کو ان کی یہ صحیح کا روائی دروغ گوئی نظر آتی ہے رہا مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ ہندو میں نہ قیامت کا تصور ہے اور نہ ثواب و عذاب کا پس یہ کہنا کہ ہندو ثواب پہنچانے کے لئے طعام پر بید پڑھواتے تھے ایسی یاوہ گوئی ہے جیسے ماننے کے لئے کوئی ہوشمند تیار نہیں ہوگا نیز ہم بحث استعانت میں تفسیر عزیزی سے نقل کر چکے ہیں کہ جو لوگ مردہ کو جلا دیتے ہیں ان کے مذہب میں مرنے والوں کو زندوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا (محصلہ) نہ معلوم یہ کس خیال پر مبنی ہے اگر یہ کہا جائے کہ ہندو قیامت اور ثواب و عذاب کے بارے اس طرح کا نظریہ نہیں رکھتے جس طرح کہ اہل اسلام کا ہے تو بجا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ ہندوؤں میں بعض فرقے کلیتہً قیامت کے منکر ہیں جیسا کہ مشرکین عرب میں ایسے لوگ موجود تھے تو اس میں بھی کوئی کلام نہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ ہندوؤں کا کوئی بھی طبقہ کسی بھی معنیٰ میں قیامت کا اور ثواب و عذاب کا قائل نہیں تو یہ بالکل غلط ہے ہم مؤلف مذکور کے معلومات کے لئے مہرشی سوامی دیانند سرسوتی کی مشہور کتاب ستیارتھ پرکاش کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں ان کو غور سے دیکھیں۔ (۱) سورگ سکھ بھوگنے کا نام ہے اور نرگ دکھ کا اگر جیو آتما کی ہستی نہ مانی جائے تو سکھ دکھ کا محسوس کرنے والا کون ہے؟ جیسے اس وقت سکھ دکھ بھوگنے والا جیو (یعنی روح و حیات) ہے ویسے اگلے جنم میں بھی ہوگا۔ کیا راستبازی اور پرا وپکار وغیرہ نیک افعال بھی ورن آشرم والوں کے رائیگاں جائیں گے؟ ہرگز نہیں انتہیٰ بلفظہ (۲) جس چیز کی (مثلاً روح) ہستی ہے وہ بالکل نیست و نابود نہیں ہست جیو نیست و نابود نہیں ہو سکتا جسم جل جاتا ہے جیو نہیں جیو تو دوسرے جسم میں داخل ہو جاتا ہے اس لئے جو لوگ قرضہ لیکر بیگانے مال سے اس جہان میں مزے اڑاتے ہیں اور قرضہ ادا نہیں کرتے وہ یقیناً گنہگار ہوتے ہیں اور دوسرے جنم میں نرگ یعنی دکھ بھوگتے ہیں اس میں کچھ شک نہیں (بلفظہ) (۳) جسم سے نکل کر جیو دوسرے مقام اور دوسرے جسم میں چلا جاتا ہے اور اس کو پہلے جنم اور کنبہ وغیرہ کا علم بالکل نہیں رہتا اس لئے پھر کنبہ میں نہیں آسکتا (بلفظہ) (۴) ہاں برہمنوں نے پریت کرم (مردہ کے متعلق رسوم) اپنی روزی کی خاطر جاری کئے ہیں چونکہ یہ وید کے مطابق نہیں اس لئے قابل تردید ہیں (بلفظہ) (ستیارتھ پرکاش ص۵۲۷) مؤلف مذکور کو بار بار یہ عبارت پڑھ کر غور کرنا چاہیئے کہ ہندوؤں کے روشن خیال فرقہ آریہ کا جہاگرو کیا کہہ رہا ہے کہ فی الجملہ اگلا جنم یعنی برزخ و قیامت بھی ہے اور دکھ اور سکھ بھی ہے فی الجملہ قیامت اور ثواب و عذاب کے لئے ہندوؤں کا اور کونسا حوالہ

آپ کو در کار ہے؟ البتہ سرسوتی صاحب نے اس عبارت میں ایک اور مزیدار بات بھی صفائی سے کہی ہے وہ یہ کہ مردہ کے متعلق رسوم مثلاً تیجہ۔ ساتواں۔ دسواں۔ برسی وغیرہ اور کھانا سامنے رکھ کر اس پر کچھ پڑھنا وغیرہ یہ وید کی تعلیم کے خلاف ہیں اور قابل تردید ہیں یہ تو برہمنوں نے اپنے پیٹ کے دھندے اور روزی کی خاطر جاری کی ہیں جیسے بعینہا یہ بدرسوم ختنی ملاؤں نے اپنی روزی اور پیٹ کے دھندے کی خاطر نہ صرف یہ کہ ایجاد کئے ہیں بلکہ سنگینوں کی نوکوں سے ان کی حفاظت کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں تو یہ امور بدعات ہیں ہی اور فقہاء ملت سختی سے ان کی تردید کرتے ہیں جن کے واضح حوالے ہم نے تنقید متین میں دیئے ہیں مگر مؤلف مذکور ان کو پی گئے ہیں اسی طرح یہ اُمور وید کی تعلیم کے لحاظ سے بھی بدعات ہیں اور براہمنوں کی ایجاد ہیں اب دیکھئے کہ بلا وجہ ہمارا قارورہ معتزلہ سے ملانے والوں کا اپنا قارورہ کن سے جا ملا ہے؟ ؎

کند ہم جنس باہم جنس پرواز کبوتر با کبوتر باز با باز

سرسوتی صاحب کی اس عبارت سے یہ بات بھی واضح ہوگئی ہے کہ ہندؤں میں ایصال ثواب کا عقیدہ اور تصور موجود تھا اگر نہ ہوتا تو برہمن رسوم کے ذریعہ اپنی روزی کمانے کی خاطر ان کا استحصال نہ کرتے اور نہ کر سکتے یہ سب باتیں ہندؤں کا اپنے وقت میں سب سے بڑا مذہبی رہنما اور ہوشمند لکھ رہا ہے معلوم نہیں کہ مؤلف مذکور جیسے ہوشمند ہونے کے دعویدار کی سمجھ میں یہ بات آتی ہے یا نہیں؟ ۔

عجیب دھوکہ مؤلف مذکور نے لکھا ہے کہ: نیز ہم بحث استعانت میں تفسیر عزیزی سے نقل کر چکے ہیں کہ جو لوگ مردوں کو جلا دیتے ہیں ان کے مذہب میں مرنے والوں کو زندوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تفسیر عزیزی پ ۲ صنہ دیکھئے توضیح البیان ص۴۵ الخ

الجواب: مؤلف مذکور سے عرض ہے کہ ہم نے تفسیر عزیزی سے آپ کی نقل کردہ عبارت کی تشریح پہلے با حوالہ کر دی ہے لیکن معاف رکھنا وہاں جو نتیجہ آپ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت سے نکالا تھا وہ آپ کی بولی میں یہ تھا شاہ صاحبؒ کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ اولیاء سے بعد الوصال استعانت اور ان کا مدد کرنا یہ مسلمانوں کی خصوصیت ہے اور امداد و استمداد کا نہ ہونا یہ کفار کا خاصہ ہے پس اب آپ غور فرمایئے کہ اولیاء سے استعانت کا انکار کر کے سرفراز صاحب نے اپنا قارورہ کس جماعت اور کس گروہ سے جا ملایا ہے الخ (ص۴۵ و ص۴۶) سو گذارش ہے کہ اس سے معلوم تو ہوا کہ بقول آپ کے ان لوگوں (یعنی کفار) کا مذہب یہ ہے کہ جو مُردے جلا دیئے جاتے ہیں وہ نہ تو از خود زندوں کی مدد کرتے ہیں اور نہ ان سے استمداد کی جا سکتی ہے۔ اور

یہاں آپ اسی عبارت سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جو لوگ مردوں کو جلا دیتے ہیں ان کے مذہب میں مرنے والوں کو زندوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا سچ ہے کہ دروغ گو را حافظہ نہ باشد دروغ گوئی کی نسبت آپ دوسروں کی طرف کرتے ہیں اور جبر سے خود اقراری دروغ گو ثابت ہو رہے ہیں آخر معاملہ کیا ہے ؟ کیا یہ بات درست نہیں کہ تنقید متین کے ٹھوس اور لاجواب حوالوں نے آپ کو بدحواس کر دیا ہے اور بدحواس ہو کر آپ کچھ کا کچھ لکھ دیتے ہیں۔ الغرض جس چیز کو ہمارے حکمی دادا ثابت کر رہے ہیں، وہ اور ہے اور جو نتیجہ آپ اپنی کم فہمی کی وجہ سے اس سے اخذ کر رہے ہیں وہ اور ہے لہٰذا ہم بھی سچے ہیں اور ہمارے حکمی دادا بھی سچے ہیں بفضلہ تعالیٰ ہم میں سے کوئی بھی جھوٹا نہیں جھوٹا تو وہ شخص ہے جس کو اپنا لکھا بھی یاد نہیں رہتا کیونکہ دروغ گو را حافظہ نہ باشد کاش کہ آپ اہل دیوبند کے کسی مدرسہ میں کچھ عرصہ رہ کر مبتدی طالب علموں سے ہی کچھ پڑھ لیتے تو آپ کو دعویٰ اور دلیل کی مطابقت کا اور تقریب تام کا مفہوم تو کم از کم سمجھ آجاتا اور یوں اندھی اونٹنی کی طرح اندھیرے میں ٹھوکریں نہ کھاتے پھرتے۔

مرکزی پیر کا حوالہ مؤلف مذکور لکھتے ہیں جس کا نہایت مختصر خلاصہ یہ ہے کہ آپ طعام پر قرآن پڑھنے کو کھانے پر بید پڑھنے کی مشابہت کی وجہ سے حرام کہتے ہیں اور آپ کے مرکزی پیر حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ فیصلہ ہفت مسئلہ ص۹ میں لکھتے ہیں کہ تشبہ تو تب ہو کہ وہ عادات اس قوم کے ساتھ مخصوص ہوں کہ جو کرے اسی قوم سے سمجھا جائے جب دوسروں میں بھی وہ پھیل کر عام ہو جائیں جیسا کہ امور متعلق عادات و ریاضات جو غیر قوموں سے ماخوذ ہیں جو مسلمانوں میں اور درویش عالموں کے گھروں میں بھی پائی جاتی ہیں مذموم نہیں قصہ تطہیر اہل قبا اس میں کافی حجت ہے۔ پس یہ ہیئت مروجہ ایصال ثواب کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں اور گیارھویں۔ دسویں۔ بیسویں چہلم ششماہی۔ سالانہ اور توشہ شیخ احمد عبدالحق ردولویؒ اور سہ منی حضرت شاہ بو علی قلندرؒ وحلوائے شب برات اور دیگر طرق ایصال ثواب اسی قاعدہ پر مبنی ہے (محصلہ) (توضیح البیان ص۱۱۵)

الجواب۔ بلاشبہ حضرت مولانا امداد اللہ صاحبؒ مرکزی پیر تھے لیکن آپ کا استدلال اس سے صحیح نہیں ہے۔ اولاً اس واسطے کہ رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ حضرت حاجی صاحبؒ کا نوشتہ نہیں چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص۱۰۱ میں ہے کہ یہ رسالہ (ہفت مسئلہ) ان کا لکھا ہوا نہیں کسی نے لکھا ان کو سنا دیا انہوں نے اصل مطلب کو دیکھ کر اباحت کی تصحیح کر دی اور حال اہل زمانہ سے خبر نہ ہوئی فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد عفی عنہ۔

اس کے حاشیہ میں ہے: نقل ضمیمہ فیصلہ ہفت مسئلہ بعد الحمد والصلوٰۃ اشرف علی تھانوی خادم آستانہ حضرت شیخ المشائخ سید السادات مولانا و مرشدنا الحافظ الحاج الشاہ محمد امداد اللہ صاحب ضوعفت برکاتہم اپنے پیر بھائیوں اور دیگر ناظرین فیصلۂ ہفت مسئلہ کی خدمت میں عرض رساہے کہ رسالہ ہفت مسئلہ جو بباعث اس کے کہ بوجہ ضعف قوائے جسمانیہ حضرت ممدوح کو خود قلم مبارک سے لکھنے میں تکلف ہوتا ہے بحکم حضرت ممدوح بعبارت اس خادم کے بغرض محاکمہ بعض مسائل تحریر ہو کر تقریباً عرصہ چار سال کا ہوا کہ شائع ہوا ہے چونکہ بعض صاحبوں کو اس کے مقصود اصلی سمجھنے میں غلطی ہوئی اور حضرت ممدوح کو علی الاطلاق ان اعمال وغیرہا کا مجوز قرار دیا یہ بالکل خلاف واقعہ ہے اس لئے محض خیر خواہی کی نظر سے حضرت صاحب کی غرض اور تحقیق کا اظہار ضروری سمجھ کر اطلاع عام دیتا ہوں تاکہ مجھ کو حق پوشی کے گناہ سے اور دوسرے صاحبوں کو التباس و اشتباہ سے نجات ہو ظاہر ہے کہ یہ اُمور و اعمال جس ہیئت و کیفیت سے مروج و شائع ہیں اکثر عوام بالخصوص جہلائے ہندوستان اس کے سبب انواع انواع مفاسد اعتقادی و عملی میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن کا تجربہ و مشاہدہ ہر عاقل فہیم منصف کر سکتا ہے مثلاً مولد میں بعض قیود کو مؤکد سمجھنا اور ترک قیود سے دل تنگ ہونا ایصال ثواب کے طرق میں علاوہ تاکد قیود کے اگر اولیاء کی روح کو ہو تو ان کو حاجت روا سمجھنا اور ترک التزام میں ان سے ضرر رسانی کا خوف کرنا اور اگر عام اقارب کی روح کو ہو تو اکثر قصدِ نام آوری ہونا اور طعن و تشنیع سے ڈرنا اور سماع میں زیادہ مجمع اہل لہو و باطل کا ہونا اور امارد (امرد کی جمع ہے بے ریش۔ صفدر) و نساء سے اختلاط اعراس میں اوّل تو فساق و فجار کا مجتمع ہونا اور یہ بھی ہو تو ادائے رسم کی ضرورت کو فرض دام کرنا۔ پڑھنے والوں کا اکثر طعام و شیرینی کے لئے یا وجاہت داعی کی وجہ سے پڑھنا ندائے غیر اللہ میں بعض کم فہموں کا منادیٰ کو خبیر و قدیر جاننا کام پورا ہو جانے پر ان کو فاعل و متصرف سمجھنا جماعت ثانیہ سے اکثر جماعت اوّل میں سستی کرنا حقہ و زٹل میں جماعت اولیٰ کو فوت کر دینا اور اس پر متاسف نہ ہونا جبر کے مسئلوں میں باری تعالیٰ کے عجز کا اعتقاد کر لینا اور اسی طرح کے بہت سے مفاسد ہیں جن کی تفصیل استقراء و تتبع سے معلوم ہو سکتی ہے سو حضرت ممدوح ہرگز ہرگز ان مفاسد کو یا ان کے مقدمات و اسباب کو جائز نہیں فرماتے حضرت ممدوح پر ایسا گمان کر کے علی الاطلاق ان امور کے جواز پر تمسک کرنا یا حضرت ممدوح سے سوءِ عقیدت کر لینا حضرت ممدوح کے کمال اتباع شریعت

اور آپ کی تقریر دلپذیر کی غرض سے ناواقفی ہے خلاصہ ارشاد حضرت ممدوح کا یہ ہے کہ جس شدومد کے ساتھ یہ امور لوگوں میں شائع ہیں وہ بدعت ہیں کیونکہ اس رسالہ میں مصرح ہے کہ غیر دین کو دین میں داخل کرنا بدعت ہے سو جو لوگ ان قیود کو جو فی نفسہ مباح ہیں مؤکد کرتے ہیں وہی غیر دین کو دین میں داخل کرنے والے ہیں اس مرتبہ میں مانعین حق پر ہیں اور بلاالتزام قیود ورسم ولزوم مفاسد احیاناً کر لینا اور احیاناً نہ کرنا یہ مباح ہے اس کو حرام کہنا مانعین کا تشدد ہے وہی اس مرتبہ میں جواز حق ہے بایں معنی دونوں کو آپ نے حق پر فرمایا چنانچہ بعض اکابر مخصوصین کے پاس جو حضرت ممدوح کا والا نامہ مہری آیا تھا اس میں لفظ موجود ہیں کہ نفس ذکر مندوب اور قیود بدعت ہیں اسی طرح دیگر مسائل میں تفصیل ہے جو اصول شرعیہ میں غور کرنے سے مفہوم ہو سکتے ہیں اس توضیح کے بعد کسی کو اشتباہ والتباس کا محل باقی نہیں رہ سکتا اگر رسالہ ہذا کی کوئی عبارت اس تقریر مذکور کے خلاف پائی جائے وہ اس خادم کی عبارت کا قصور سمجھا جاوے اور حضرت صاحب دامت فیوضہم وبرکاتہم کو بالکل مبرا اور منزہ اعتقاد کیا جائے وما علینا الا البلاغ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۱۶ھ مطبوعہ مجتبائی دہلی ماہ ستمبر ۱۸۹۸ء بلفظہ (حاشیہ فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۲۹)

اس واضح تفصیل وتشریح کے بعد اولاً تو رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ کو بزعم حاجی صاحبؒ کی خود نوشتہ تحریر سمجھنا اور یہ باور کرانا جیسا کہ مؤلف مذکور لکھتے ہیں" آپ کے مرکزی پیر حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۹ میں لکھتے ہیں الخ حقیقتِ حال سے بے خبری کا نتیجہ ہے وثانیاً حضرت تھانویؒ جو اس رسالہ کے مضمون کو اپنی عبارت میں مرتب کرنے والے ہیں ان کی اس تصریح کے بعد ان کی مراد کے بغیر کوئی اور مطلب لینا جیسا کہ مؤلف مذکور اور ان کی جماعت ایسا کرتی ہے خالص سینہ زوری اور ہٹ دھرمی ہے وثالثاً رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ میں مندرج مسائل کے بارے فتاویٰ رشیدیہ میں تصریح ہے کہ اور مسئلہ نداء غیر میں صاف صاف (اس رسالہ میں۔ صفدر) حق لکھا ہے کہ نداء غیر اگر حاضر وعلم غیب جان کر کریگا تو شرک ہوگا اور جو بے اس کے شوق میں کہا ہے تو معذور ہے گنہگار نہیں اور جو بدوں عقیدہ شرکیہ کے یہ سمجھ کر کہے کہ شاید ان کو حق تعالیٰ خبر کر دیوے تو خلاف محل نص میں خطا وگناہ ہے مگر شرک نہیں اور جو نص سے ثبوت ہو جیسا صلوٰۃ وسلام بخدمت فخر عالم علیہ السلام کے ملائکہ کا پہنچانا تو وہ خود ثابت ہے سو یہ سب حق ہے اس میں کوئی اہل حق مخالف اس کے نہیں کہتا۔ اب رہے تین مسئلے قیود مجلس مولود کے اور قیود ایصال ثواب کے اور عرس بزرگان دین کا کرنا سو اس میں وہ خود لکھتے ہیں کہ در اصل یہ مباح ہیں۔ اگر ان کو سنت یا ضروری جانے بدعت وتعدی حدود اللہ تعالیٰ وگناہ ہے اور بدون اس کے کرنے میں وہ اباحت لکھتے ہیں ہم لوگ منع کرتے ہیں تو وجہ یہ ہے کہ ان کو رسوم اہل زمانہ سے

خبر نہیں کہ یہ لوگ اُن قیود کو ضروری جانتے ہیں لہذا باعتبار اصل کے مباح لکھتے ہیں اور ہم لوگوں کو عادت عوام سے محقق ہوگیا ہے کہ یہ لوگ ضروری اور سنت جانتے ہیں لہذا ہم بدعت کہتے ہیں پس فی الحقیقت مخالفت اصل مسائل میں نہیں ہوئی بلکہ بسبب عدم علم حالِ اہل زمانہ کے یہ امر واقع ہوا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا امام صاحبؒ نے صابی کو ایک حکم دیا اور صاحبینؒ نے دوسرا حکم یہ کہ بسبب اختلاف صابی کے ہوا ہے کہ امام صاحبؒ کے وقت ان کا حال اہل کتاب جیسا تھا اور صاحبینؒ کے وقت مجوس جیسا پس اختلاف اصل مسئلہ کا نہیں بلکہ بوجہ حالِ اہل زمانے کے ہے ایسا ہی دیگر مسائل میں ہے پس ایسا ہی ان تین مسائل ہفت مسئلہ میں سمجھ لو ورنہ حضرت سلمہ کے عقائد ہرگز بدعت کے نہیں ہیں کہ اہل فہم و دانش خود عبارت رسالہ سے سمجھ سکتا ہے الخ (فتاوی رشیدیہ ج ۱ ص ۱) علاوہ ازیں میدان فتویٰ میں مشائخؒ کی بات حجت نہیں ہوتی حضرات فقہاء کرامؒ کی بات ہی حجت ہوتی ہے چنانچہ فتاوی رشیدیہ میں ایک سوال کے آخر میں یہ بھی درج ہے :

اور سُنا ہے کہ آپ کے پیر صاحب حاجی امداد اللہ صاحبؒ بھی مولود سُنتے تھے جواب تفصیل سے فرمائیے (اس کے جواب میں لکھا ہے) الجواب۔ مجلس مولود کا مفصل براہین قاطعہ میں دیکھو (براہین قاطعہ میں اس پر خاصی مدلل بحث موجود ہے جس میں حافظ ابن حجرؒ اور شیخ عبد الحقؒ سے محفل میلاد میں شرکت کے جواز پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ بعد اس کے سنو کہ اُس وقت مجالسِ مولود میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہوتا تھا اور نفس ذکر ولادت کو نجیب اور کوئی عالم منع نہیں کرتا اس وقت کی محافل میں اگر کوئی امر مباح اتفاقی تھا اُس پر تاکد کا گمان بر قلوب عوام میں تاکد و وجوب (بلکہ بقول ان حضرات کے سُنتی اور غیر سُنتی ہونے کی مابہ الامتیاز وجہ میلاد اور ختم وغیرہ قرار پاچکے ہیں۔ صفدر) راسخ ہوا تو مکروہ ہوگیا گاہ کوئی امر ہوتا ہے اور علماء کو اس وقت اباحت موجودہ کا خیال ہوتا ہے اور مآل کاری مفسدہ پر دھیان نہیں ہوتا تو اُس وقت جواز کا فتویٰ دیتے ہیں اور پھر آخر میں اس میں کراہت پیدا ہو جاتی ہے تو اُس وقت ممنوع ہو جاتا ہے پس تعامل اُن لوگوں کا موجب جواز نہیں ہوتا البتہ قرون ثلاثہ کا تعامل حجت ہوتا ہے لہذا امر منصوص مباح بھی بعض اوقات بسبب اس تاکد کے مکروہ ہو جاتا ہے جیسا صلوٰۃ ضحیٰ کہ تداعی و اہتمام سے مساجد میں ادا کرنے سے صلوٰۃ ضحیٰ مستحب کو حضرت ابن عمرؓ نے بدعت فرمایا تو پس شیخ عبد الحقؒ اور ابن حجرؒ کی تحریر سے اس حالت موجودہ میں یہ محفل مروجہ ہرگز جائز نہیں ہو سکتی گو اُس وقت میں مباح تھی الخ) اور حجت قول و فعل مشائخ سے نہیں ہوتی بلکہ قول و فعل شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور اقوال مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں جب ان کے

پیر سلطان نظام الدین قدس سرہ کے فعل کو حجت کوئی لا تا کر وہ ایسا کرتے ہیں تم کیوں نہیں کرتے کہ فعل مشائخ حجت نہ باشد اور اس جواب کو حضرت سلطان الاولیاءؒ بھی پسند فرماتے تھے لہذا جناب حاجی صاحب سلمہ اللہ کا ذکر کرنا سوالات شرعیہ میں بے جا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی عفی عنہ ۱۳۰۱ھ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۹۸ طبع جید برقی پریس دہلی)

ہم نے تنقید متین میں دس سے زیادہ حضرات فقہاء کرامؒ کی ٹھوس اور صریح عبارتیں سیوم وغیرہ کے مکروہ بدعت اور حرام ہونے پر نقل کی ہیں جو ان کے مفاسد شرعیہ سے واقف و آگاہ تھے اور انہیں کی بات دینی امور میں قابل قبول ہے اور مؤلف مذکور کے ہم مسلک مولوی محمد صالح صاحب کی عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ بغیر ہندوستان کے اور کسی اسلامی ممالک میں کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے کا رواج نہیں (محصلہ) اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ دیگر ممالک کے مسلمانوں نے اس نامبارک حرکت کو نہیں اپنایا اور یہ ہندوستان کے ہندؤں میں ہی رائج تھی اور انہیں سے جاہلوں اور پیٹ پرستوں نے اس کو لیا ہے تو یہ رسم عام تو نہ ہوئی اور تشابہ بالغیر کی حد سے نہ نکلی اور حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں۔ ورنہ اکثر امور متعلق عادات اور ریاضات جو غیر قوموں سے ماخوذ ہیں مسلمانوں میں اس کثرت سے پھیل گئے ہیں کہ کسی عالم درویش کا گھر بھی اس سے خالی نہیں الخ اور اس بدعت کو ہندوستان کے بغیر کسی دوسرے اسلامی ملک میں سرے سے کوئی جانتا ہی نہیں تو یہ بدرسم تشبہ بالغیر سے کیونکر اور کیسے خارج ہو گئی ؟ غرضیکہ حضرت حاجی صاحبؒ کا نقل کردہ حوالہ بھی مؤلف مذکور کو کسی طرح مفید نہیں ہے کما لا یخفیٰ۔

لاف و گزاف مؤلف مذکور نے اس کے بعد ایک نرالی منطق یا ایک مبہم نثر پیش کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ طعام پر قرآن پڑھنا اہل ہنود کی مشابہت نہیں بلکہ سراسر مخالفت ہے کیونکہ وہ وید پڑھتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھتے ہیں جیسے مشرکین جانور ذبح کرتے وقت بتوں کا نام لیتے تھے مسلمان ان کی مخالفت میں اللہ کا نام لیتے ہیں تو جس طرح جانور پہ بتوں کی جگہ اللہ کا نام لینا کفار کی مشابہت نہیں مخالفت ہے اسی طرح طعام پر وید کی جگہ کلام اللہ پڑھنا ان کی مخالفت ہے ورنہ آپ کے قاعدہ کے مطابق ذبح پر اللہ کا نام لینا طواف میں اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ کہنا یہ سب کفار کی مشابہت قرار پائے گا ممکن ہے سرفراز صاحب اپنی روایتی کجروی سے یہ عذر پیش کریں کہ ذبح پر اللہ کا نام لینا اور طواف میں تلبیہ کے احکام تو منصوص ہیں طعام پر کلام پڑھنے کی کونسی نص موجود ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مخصوص جزئیہ پر نص

نہ سہی مشرکین کی مخالفت تو ثابت ہے باقی یہ عذر کہ دونوں کا ثواب اکٹھا کیوں پہنچایا جاتا ہے الگ الگ فاتحہ اور طعام کا ثواب کیوں نہیں پہنچایا جاتا جواب یہ ہے کہ الگ الگ بھی جائز ہے اور لوگ پہنچاتے ہیں آپ کوربینی اور سوءظنی کا علاج کیجئے اور دونوں کو جمع کرکے ثواب پہنچانا بھی جائز ہے اور جمع بین العبادات ثابت ہے جیسے قران میں حج وعمرہ کو جمع کرنا حالت جہاد میں ذکر کرنا۔ عیدگاہ جاتے ہوئے تکبیرات پڑھنا حضرت علیؓ کا حالت نماز میں زکوٰۃ دینا اہل مکہ کا تراویح وطواف کو جمع کرنا اہل مدینہ اور امام مالکؒ کا تراویح کا بیس رکعات کے ساتھ طواف کے قائم مقام سولہ رکعتوں کو جمع کرنا شیخ محقق اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۳۴ پر فرماتے ہیں ایک عمل خیر میں ثواب ہائے متعددہ کی نیات جمع کی جاسکتی ہیں (۱) زیارت حق (۲) انتظار نماز (۳) اعضاء کو معاصی سے پاک رکھنا (۴) اعتکاف (۵) قصد درود (۶) تجرد برائے ذکر (۷) قصد ادراک ثواب جمع وعمرہ (۸) افادہ واستفادہ (۹) زیارت برادر دینی (۱۰) سلام (۱۱) تفکر ومراقبہ (۱۲) قصد مشاہدہ حق اور نیت کے بارے حدیث ہے نیۃ المؤمن خیر من عملہ جب ایک وقت میں بارہ عبادتیں جمع ہوسکتی ہیں تو طعام اور تلاوت کے ایصال ثواب کی دو عبادتیں جمع ہونے میں کونسی چیز مانع ہے؟ (محصلہ ص ۱۱۶ و ص ۱۱۷)

الجواب مؤلف مذکور کو فہم وبصیرت سے بالکل کوئی سروکار نہیں وہ صرف صفحات سیاہ کرنے کا نام ہی تصنیف سمجھے بیٹھے ہیں اس مضمون میں انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ ان کی کم فہمی کا شاخسانہ ہے اور بس اولاً اس لئے کہ مشابہت میں من کل الوجوہ مساوات مراد نہیں ہوتی حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ

(التشبیہ لا یشترط فیہ المساواۃ من کل جھۃ (شرح نخبۃ الفکر ص ۸) — تشبیہ میں من کل الوجہ مساوات شرط نہیں ہے۔

بلاشبہ آپ حنفی لوگ طعام سامنے رکھ کر اس پر قرآن کریم پڑھتے رہیں اور برہمن بید پڑھتے رہیں تشابہ پھر بھی ہے کیونکہ ایصال ثواب کا کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے کی کارروائی بغیر ہندوؤں کے اور کسی قوم میں اور خاص طور پر مسلمانوں میں نہیں کی گئی اور نہ اسلامی ممالک میں یہ موجود ہے یہ ہندوانہ رسم ہے اور انہیں سے رسم پرستوں اور بدعتیوں نے لی ہے لہذا بہر حال تشابہ برقرار ہے وثانیاً خود مؤلف مذکور کو اس کا اقرار ہے کہ جانور پر بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لینا اور تلبیہ منصوص احکام ہیں اور خود ہی سرفراز کے مضبوط حملہ کا بیت عنکبوت میں داخل ہو کر دفاع بھی کر رہے ہیں اور یہ بھی صاف لفظوں میں تسلیم کرتے ہیں کہ کھانا

سامنے رکھ کر اس پر قرآن کریم پڑھنے کے جزئیہ میں کوئی نص بھی نہیں ہے یعنی خود ہی مقیس اور مقیس علیہ کا فرق بھی تسلیم کرتے ہیں اور مجتہد فی الاصول یا فی الفروع کے حوالہ کے بغیر ہی بغیر اشتراک علت کے محض ہوائے نفسانی کے تحت قیاس فاسد کی بنیاد رکھتے ہیں اور بایں ہمہ پھر لکھتے ہیں کہ مشرکین کی مخالفت تو ثابت ہے عجیب مخمصے میں پھنسے ہوئے ہیں معاف رکھنا آپ کو باحوالہ یہ ثابت کرنا ہے کہ ایصال ثواب ھ کا کھانا سامنے رکھ کر اس پر قرآن کریم پڑھنے کا ثبوت فلاں صحابی یا فلاں امام یا کم از کم فلاں معتبر فقیہ سے ہے اِدھر اُدھر کی باتوں میں نہ الجھیں اور نہ ناخواندہ لوگوں کو بلا وجہ الجھانے کی ناکام کوشش کریں وثانیاً یہ آپ کو کس نے کہا ہے کہ جمع بین العبادتین صحیح نہیں آپ دوسروں کی کور بینی اور سوء ظنی کا شکوہ تو کرتے ہیں کاش اسی شیشہ میں اپنا چہرہ مبارک بھی دیکھا ہوتا جمع بین العبادتین بلکہ بین العبادات کا کوئی منکر نہیں ہاں البتہ اس کا شرعاً ثبوت درکار ہے۔ قرآن۔ جہاد میں ذکر۔ عیدگاہ کے راستہ میں تکبیرات کا پڑھنا اور وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ (ایک تفسیر کی رو سے) سب منصوص احکام ہیں اور اسی طرح تراویح و طواف کا جمع کرنا اور اہل مدینہ اور حضرت امام مالکؒ کا عمل جو خیر القرون ہی کے دور میں تھے سب کچھ مُسلّم و درست ہے اور اسی طرح اشعۃ اللمعات کے حوالہ میں سے ایک فعل میں بارہ نیکیوں کا جمع ہونا محل نزاع سے بالکل خارج ہے مؤلف مذکور کو ثابت تو یہ کرنا ہے کہ ایصال ثواب کا کھانا سامنے رکھ کر اس پر قرآن کریم وغیرہ پڑھنا فلاں آیت یا حدیث یا خیر القرون کے تعامل یا فلاں امام اور معتبر فقیہ کی اس صریح عبارت سے ثابت ہے اور ہم بحمد اللہ تعالیٰ باحوالہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ ہندوؤں کی رسم ہے اور ہندوستان کے بغیر کہیں بھی نہیں ہے۔ الغرض جو دلیل آپ کو ثابت کرنا تھی اس سے آپ قطعاً قاصر اور یقیناً عاجز رہے ہیں لطیفہ مؤلف مذکور کی ترکی تو صرف اس پر ختم ہو گئی ہے کہ ایک فعل میں بارہ عبادتیں آسکتی ہیں اور کون مسلمان اس کو نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہر سنت عبادت ہے اب ہم عرض کرتے ہیں کہ صرف ایک فعل میں چھ سو سنتیں بھی ثابت ہیں چنانچہ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی رح (المتوفی ۳۵۴ھ) اپنی کتاب صفۃ الصلوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ

فی کل اربع رکعات یصلیھا الانسان ست مأئۃ سنۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخرجناھا بفصولھا فی کتاب صفۃ الصلوٰۃ الخ

ہر وہ چار رکعتیں جن کو انسان پڑھتا ہے ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ سو سنتیں ہیں جن کی تخریج ہم نے ان کے فصول کے ساتھ کتاب صفۃ الصلوٰۃ

(مقدمۃ النشر لمواردالظمآن ص۱۳) میں کر دی ہے۔

مرکزی پیر کا ایک اور حوالہ مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ انصاف پسندوں کے لئے تو یہ بالا تحقیق کافی ہے لیکن مبتدعین دیوبند دلائل سے زیادہ اپنے آباء کے اقوال کو سند سمجھتے ہیں اس لئے ہم ان کے مرکزی پیر کے فیصلہ ہفت مسئلہ ص۸ کا حوالہ پیش کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ سلف میں تو یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مسکین کو کھلا دیا اور دل سے ایصال ثواب کی نیت کر لی متاخرین میں سے کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نیت دل سے کافی ہے۔ لیکن عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے اسی طرح زبان سے کہہ لیا جائے کہ اس کھانے کا ثواب فلاں کو پہنچ جائے تو بہتر ہے پھر کسی کو خیال ہوا کہ کھانا سامنے ہو تو زیادہ استحضار قلب ہوگا کسی کو خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے اگر کچھ کلام الٰہی بھی پڑھ لیا جائے تو جمع بین العبادتین ہوگا چونکہ قرآن شریف کی بعض سورتیں لفظوں میں مختصر اور ثواب میں زیادہ ہیں پڑھی جانے لگیں کسی نے خیال کیا کہ رفع یدین سنت ہے ہاتھ بھی اٹھانے چاہئیں اور کسی کو خیال ہوا کہ کھانے کے ساتھ پانی بھی ہونا چاہیئے کیونکہ پانی پلانا بڑا ثواب ہے پس یہ ہیئت کذائیہ حاصل ہوگئی (محصلہ ص۱۱۷ و ۱۱۸)

الجواب بحمد اللہ تعالیٰ اس دور میں مسلک دیوبند سے وابستہ حضرات اول درجہ پر توحید و سنت کے داعی اور شرک و بدعت کا قلع قمع کرنے والے ہیں اور خلق خدا اس کو بخوبی جانتی اور منصف مزاج حضرات اس کو مانتے ہیں ان کو مبتدعین کہنے والا ضدی متعصب اور کوڑ مغز کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا اور یہ بات بھی بالا باحوالہ عرض کی جا چکی ہے کہ دلائل شرعیہ اور سوالات شرعیہ میں مرکزی پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کا ذکر بالکل بے جا ہے۔ علماء دیوبند دلائل شرعیہ سے استناد کرتے ہیں نہ یہ کہ اپنے آباؤ کے اقوال اور ان کی علمی اغلاط سے وہ تو حضرات سلفؒ اور خیر القرون کے تعامل ہی میں خیر سمجھتے ہیں اور متاخرینؒ کی اغلاط کو ہرگز پلے نہیں باندھتے کیونکہ ایصال ثواب کے سلسلہ میں کوئی نیا محرک داعیہ اور سبب پیش نہیں آیا تاکہ اس میں قیاس و اجتہاد کی ضرورت پیش آئے اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل اور قرون مشہود لہا بالخیر کی مخالفت کو وہ بدعت بھی سمجھتے ہیں اور حرام بھی۔ ہم نے تنقید متین ص۱۰۱ میں حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کی باحوالہ عبارت نقل کی ہے و مخالفت سنت حرام پس ہرگز روا نہ باشد۔ مگر مؤلف مذکور اس کو بالکل پی گئے ہیں اور شیخ عبد الحقؒ کی عبارت بھی بدعت است و حرام کے بارے بھی بات عرض کی جا چکی ہے اس لئے اس مزعوم خیال سے دو عبادتوں کو جمع کرنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے جو بدعت بھی ہے اور حرام بھی

اور مرکزی بیر کی بات شرعی دلائل کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ وہ خود قابل تاویل ہے کہ بلا التزام احیاناً ایسا ہو تو جائز ہے ورنہ بدعت ہے جیسا کہ پہلے مفصل حوالہ عرض کر دیا گیا ہے اور آج تو اس کو اہل سنت کی علامت قرار دیتے ہیں اور ان کے لئے تو اس کو ترک کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مؤلف مذکور خود تجربہ کر دیکھیں عوام کالانعام اس کو عملاً ہر واجب سے اہم قرار دیتے اور اس پر عمل کرتے ہیں حتٰی کہ جمعہ اور جماعت وغیرہا کے تارک کو ایسی اور بری اور غضبناک نگاہ سے نہیں دیکھتے جس سے وہ ان بدرسوم کے تارک کو دیکھتے ہیں۔

شریعت کے بادشاہ کا فیصلہ | مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ حاجی صاحبؒ آپ کے طریقت کے شہنشاہ اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ شریعت کے بادشاہ کہلاتے ہیں اب ہم آپ کو بادشاہِ شریعت کی زبان سے طعام پر فاتحہ پڑھنے کے جواز کا حکم سنواتے ہیں شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ختم کلام اللہ کنند و فاتحہ بر شیرینی یا طعام نمود تقسیم درمیان حاضران نمایند این قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفاء راشدینؓ نبود اگر کسے این طور بکند باک نیست زیرا کہ دریں قسم قبح نیست بلکہ فائدہ احیاء و اموات را حاصل مے شود (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۳۸)

اور فتاویٰ عزیزی ص۷۱ میں لکھتے ہیں کہ۔

طعامیکہ ثواب آن نیاز حضرت امامین نمایند بر آں فاتحہ و قل و درود خواندن تبرک میشود و خوردن بسیار خوب است (ص۱۱۸ و ۱۱۹ توضیح البیان)

وہ کھانا جس کا ثواب نذرانے کے طور پر دو اماموں کو پیش کرتے ہیں اور اُس پر فاتحہ قل اور درود پڑھتے ہیں وہ متبرک ہو جاتا ہے اور اسکا کھانا بہت خوب ہے۔

الجواب: حقیقۃً شریعت کا بادشاہ اللہ تعالیٰ ہے اور مجازاً شریعت کے بادشاہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے حضرات خلفاء راشدینؓ ہیں اور حضرت شاہ صاحبؒ خود فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ ان بادشاہوں میں نہ تھا سو دینی طور پر خیریت اُسی میں ہے جو عمل انہوں نے کیا علاوہ ازیں اگر احیاناً بلا التزام ایسا کرنا فی نفسہ مباح بھی ہو لیکن عوام اس کارروائی کا ایسا التزام کریں (اور آج کل فی الواقع ایسا ہی ہوتا ہے) کہ ترک کرنے پر دل آمادہ ہی نہ ہو بلکہ ترک کرنے والے کو ملامت کریں اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنے لگیں تو ایسا معاملہ مآل کے لحاظ سے بدعت ہو جاتا ہے اور مؤلف مذکور کا بھی اس پر صاد ہے کما مر۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے اس جملہ سے کہ و فاتحہ بر طعام شیرینی نمود یہ سمجھنا کہ کھانا سامنے رکھ کر اس پر فاتحہ پڑھی گئی جیسا کہ مؤلف مذکور کا مدعیٰ ہے درست نہیں ہے کیونکہ فاتحہ دادن اور فاتحہ بر شیرینی نمود کا مطلب ایصالِ ثواب ہے

یہ نہیں کہ کھانا سامنے رکھ کر اور ہاتھ اٹھا کر اس پر فاتحہ پڑھی جائے براہین قاطعہ ص۶۰ میں ہے فاتحہ داون کے معنی ایصالِ ثواب کے ہوتے ہیں مجاز متعارف کے طور پر الخ اور خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں فاتحہ ایصال ثواب کا نام ہے جو کچھ قرآن مجید و درود شریف سے ہوسکے پڑھ کر ثواب نذر کرے الخ (احکام شریعت حصہ سوم ص۱۵ طبع برقی پریس مراد آباد)

اور فتاویٰ عزیزی ج۱ ص۱۰۱ کی عبارت خوب است کے آگے یہ عبارت بھی ہے جس کو مؤلف مذکور نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

لیکن بسبب بردن آں طعام پیش تعزیہ ہا و نہادن پیش تعزیہ وغیرہ تمام شب بلکہ پیش قبور حقیقۃً ہم تشبہ بکفار و بت پرستان مے شود پس ازیں جہت کراہت پیدا می کند واللہ اعلم (ج۱ ص۱۰۱)

لیکن اس کھانے کو تعزیوں کے سامنے لے جانے اور تعزیہ وغیرہ کے سامنے شب بھر رکھنے بلکہ حقیقۃً قبروں کے سامنے رکھنے میں بھی کفار اور بت پرستوں سے مشابہت آتی ہے پس اس وجہ سے کراہت پیدا ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ مشابہت کسی صورت میں اور کسی طرح بھی نہیں ہونی چاہیے اور چونکہ کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنا ہندوؤں کا طریقہ ہے اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہیے اور اقل درجہ یہ ہے کہ اس چیز میں کراہت پیدا ہو جاتی ہے غالباً جن حضرات نے کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے کی اجازت دی ہے ان کے علم میں یہ بات نہ ہوگی کہ یہ ہندوؤں کی رسم ہے اور ان سے ماخوذ ہے اور پھر وہ اس کا رواج اعتقاداً و عملاً ضروری بھی نہیں سمجھتے ہوں گے بخلاف ان حضرات کے جن کو اس کا علم ہے انہوں نے اس بد رسم کی نفی کی ہے اور اصول کا قاعدہ ہے کہ من عرف حجۃ علیٰ من لم یعرف کہ جاننے والوں کی بات نہ جاننے والوں پر حجت ہے

تشبہ بالکفار کا ضابطہ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے کفار کے ساتھ تشبہ کے ممنوع اور غیر ممنوع ہونے کے سلسلہ میں شرعی قاعدہ تحریر فرمایا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

موافق قواعد شرع شریف چیزیکہ مخصوص بکفار باشد و مسلمانان آنرا استعمال کنند خواہ در لباس خواہ در اکل و شرب داخل تشبہ و ممنوع و آنچہ مخصوص بکفار نیست گو کہ کفار آنرا بیشتر استعمال میکنند و مسلمانان کمتر پس مضائقہ ندارد الی قولہ تشبیہ

شرع شریف کے قواعد کے موافق جو بات ہے وہ یہ ہے کہ جو چیز کفار کے ساتھ مخصوص ہو اور مسلمان بھی اس کو استعمال کرتے ہوں خواہ وہ لباس میں ہو یا کھانے پینے میں وہ تشبہ میں داخل ہے اور ممنوع ہے اور جو چیز کفار کے ساتھ مخصوص نہیں اگرچہ کافر اس کو زیادہ

در عبادات و اعیاد مطلقاً ممنوع است و احادیث دال بریں بسیار اند غرضیکہ تشبہ بآنہا ہر چونکہ باشد داخل منع است الخ (فتاویٰ عزیزی ج ۱ صفحہ ۱۴۰)

اور مسلمان کم استعمال کرتے ہوں اس میں کوئی مضائقہ نہیں (آگے فرمایا) رہا وہ تشبہ جو عبادات اور عیدوں میں ہے وہ مطلقاً ممنوع ہے اور اس پر بے شمار حدیثیں دلالت کرتی ہیں غرضیکہ اُن سے اِن میں تشبہ جس طرح بھی ہو منع میں داخل ہے۔

اس عبارت میں خط کشیدہ جملے صراحت سے اس پر دلالت کرتے ہیں کہ کفار سے عبادات واعیاد میں مشابہت مطلقاً منع ہے اور کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنا مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کے نزدیک عبادات میں داخل ہے یہی وجہ ہے کہ وہ جمع بین العبادتین سے اس کو تعبیر کرتے ہیں اور یہ بھی باحوالہ گذر چکا ہے کہ کھانا سامنے رکھ اس پر پڑھنا بغیر ہندوستان کے اور کسی اسلامی ملک میں نہیں پایا جاتا اور ہندوستان میں یہ ہندوانہ رسم ہندوؤں سے مأخوذ ہے لہذا ممنوع ہے علاوہ ازیں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ ہی فرماتے ہیں کہ کھانے پر قرآن کریم پڑھنا بعض صورتوں میں بے ادبی بھی ہے اور بعض صورتوں میں یہ واجب بھی ہے چنانچہ ایک سوال اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

سوال کسے کلام اللہ یا آیت کلام مجید را بر طعام خواند چہ حکم است شخصے میگوید کہ کلام اللہ بر طعام خواندن آنچناں است کہ کسے در جائے ضرور بخواند نعوذ باللہ منہا۔ جواب باین طور گفتن روا نیست بلکہ سوء ادبی است اگر ایں چنیں گفت کہ در ہمچو اینجا خواندن سوء ادبی است مضائقہ ندارد و آن ہم وقتے است کہ بطریق وعظ و پند نخوانند اما بطور وعظ و پند و منع از شرک و بدعت خواندن در ہر جا روا است بلکہ برائے رد بدعت گاہ واجب میشود (فتاویٰ عزیزی ج ۱ صفحہ ۹۲)

سوال اگر کوئی شخص کھانے پر کلام اللہ یا قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ کھانے پر اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ بیت الخلاء میں پڑھنا معاذ اللہ تعالیٰ۔ جواب۔ اس طرح کہنا جائز نہیں ہے بلکہ بے ادبی ہے ہاں اگر اس طرح کہے کہ اس موقع پر پڑھنا بے ادبی ہے تو مضائقہ نہیں اور وہ بھی اس صورت میں کہ وعظ و نصیحت کے طور پر نہ ہو اور اگر وعظ و نصیحت کے طور پر ہو اور شرک وبدعت سے منع کرنے کے لئے ہو تو ہر جگہ پڑھنا جائز ہے بلکہ رد بدعت کیلئے پڑھنا کبھی واجب بھی ہو جاتا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ کہنا کہ قرآن کریم کا ایسی جگہ (یعنی طعام وغیرہ کے مقام) پر پڑھنا بے ادبی ہے تو یہ درست ہے لیکن یہ بے ادبی بھی صرف اس وقت ہوگی جب کہ قرآن کریم کا پڑھنا وعظ و نصیحت کے طور پر نہ ہو اگر وعظ و نصیحت کے موقع پر ہو اور شرک و بدعت کی تردید میں ہو تو ہر جگہ جائز ہے بلکہ رد بدعت کے لیے کبھی قرآن کریم کا پڑھنا واجب ہو جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کھانے پر کلام اللہ پڑھنا حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک بھی ایک گونہ بے ادبی ہے اگر اس کا پڑھنا مطلقاً اور بہمہ وجوہ جائز ہوتا تو یہ بے ادبی نہ ہوتا پھر حضرت شاہ صاحبؒ کا زمانہ اور ان کا ماحول خالص علمی تھا ان کے تصور میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو شرعی طور پر وراثت تقسیم کئے بغیر یتیموں اور غائب وارثوں کی اجازت کے بغیر ہی مشترکہ مال سے گوناگون کھانے اور پھل فروٹ سامنے رکھ کر ان پر قرآن کریم پڑھا کر ختم دلوائیں گے اور اس کارروائی کو ایسا ضروری سمجھیں گے کہ اس کو اہل السنت والجماعت کی علامت قرار دیں گے اور ایسا نہ کرنے والوں کو وہابیت کی توپ سے داغیں گے اور یہ کہ رسم قل کا ایسا التزام کریں گے کہ نماز، جمعہ اور جماعت چھوٹ جائے تو کوئی پرواہ نہیں مگر سوئم وغیرہ ہاتھ سے ہرگز نہ چھوڑیں گے اور یہ کہ کئی لوگ محض ناک اور دکھلاوے کی خاطر اور ناموری کی خاطر یہ کارروائی کریں گے اور بجائے فقراء کے غنیوں امیروں اور اپنی برادری کے لوگوں کو بھاجی کے طور پر کھلائیں گے اور یہ کہ بعض لوگوں کی کمائی خالص حرام ہوگی مگر ختمی ملاں وہاں بھی حاضری دیں گے اور یہ کہ نابالغ بچوں تک کے لیے جو مکلف ہی نہیں ہوتے رسم قل التزاماً ہوگی یہ اور اس قسم کے دیگر بے شمار مفاسد ان کے ذہن میں بھی نہ ہوں گے اور مؤلف مذکور بھی اس امر سے بخوبی آگاہ ہوں گے کہ اگر ختم کے کھانے پر کچھ بھی نہ پڑھا جائے اور ویسے کھا پی لیا جائے تو ختم دلوانے والوں کا دل کبھی مطمئن نہیں ہوگا اور وہ اس کارروائی کو ایک خامی تصور کریں گے اسی کو کہتے ہیں غیر ضروری کو ضروری سمجھنا اور غیر سنت کو سنت سمجھنا جس کے بدعت ہونے پر مؤلف مذکور بھی متفق ہیں کما مر۔ اگر حضرت شاہ صاحبؒ اس دور میں ہوتے اور عوام کے یہ نظریات ان کے پیش نظر ہوتے تو یقیناً مذکور کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے کی اجازت کبھی نہ دیتے اور اس کو بدعت بھی قرار دیتے لہٰذا انباز حضرت امامینؒ کے کھانے پر فاتحہ وغیرہ پڑھنے کے حوالہ پر آجکل کے سوئم وغیرہ کے پڑھنے کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے مؤلف مذکور کو صرف حوالہ ہی نہیں دیکھنا چاہیئے بلکہ ماحول بھی دیکھنا چاہیئے ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۴ وغیرہ میں ہے کہ آپؐ نے بوڑھے کو روزہ کی حالت میں مباشرت یعنی عورت کے بدن سے بدن ملانے (کی

اجازت دی تھی اور نوجوان کو اس سے منع فرمایا تھا۔

آخری حربہ | مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ ہم طعام پر فاتحہ پڑھنے کے جواز و اباحت کے قائل ہیں اسکو فرض و واجب نہیں سمجھتے اور آپ اسے حرام کہتے ہیں اسی طرح ہم تعیین عُرفی کو جائز کہتے ہیں اسے فرض واجب نہیں سمجھتے اور آپ اس تعیین کو حرام کہتے ہیں اب گذارش ہے کہ ہم سے تو ایک امر کی اباحت پر اس قدر شدو مد سے نص صریح اور حدیث صحیح کا مطالبہ ہے (حاشیہ پر تنقید متین ص۵۲ کا حوالہ لکھتے ہیں کہ سرفراز صاحب لکھتے ہیں کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گیارھویں دینے کا حکم اجراء فرمایا ہے؟ یا ایصال ثواب کے لئے کسی ایک شخصیت کے انتخاب کا ارشاد فرمایا ہے؟ یا کسی کے لئے ایصال ثواب کیلئے دنوں کی تعیین کا فرمان دیا ہے؟ اگر ایسا فرمایا ہے تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے پھر گیارھویں سنت ہے ورنہ ہرگز نہیں۔ پس ہم بھی کہتے ہیں کہ آپ گیارھویں کو حرام کہتے ہیں اور حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہوتی ہے بتلائیے قرآن کریم کی کونسی نص قطعی یا خبر متواتر میں گیارہویں کو حرام کیا ہے؟ اور اگر کوئی خبر متواتر ہے تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے پھر گیارھویں حرام ہے ورنہ ہرگز نہیں بلفظہ) لیکن آپ جو حرمت کا فتویٰ دیتے ہیں آپ کے پاس اس مخصوص حکم کی حرمت پر کونسی صریح اور متواتر حدیث یا قرآن کریم کی نص قطعی موجود ہے جس کی وجہ سے آپ نے طعام پر فاتحہ پڑھنے کو بیک جنبش قلم حرام کر دیا اگر کوئی دلیل قطعی ہے تو پیش کیجئے کہ قرآن کریم کی فلاں آیت یا فلاں حدیث متواتر سے سوئم چہلم۔ عرس گیارہویں اور فاتحہ علی الطعام کی حرمت ثابت ہے ان امور کی حرمت پر آپ دلیل قطعی تو بجائے خود خبر واحد بھی نہیں لا سکتے میں قیامت تک مہلت دے کر مبتدعین دیوبند کی پوری جماعت کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اپنے حرمت کے دعویٰ پر کوئی صاف اور صریح نص پیش کریں فان لم تفعلوا الآیۃ بغیر کسی دلیل کے اپنی اہواء سے اللہ کے حلال کردہ کو حرام کرنا اللہ اور رسول کے منصب پر غاصبانہ قبضہ ہے جو مشرکین کا شعار ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ اہل دیوبند کے پاس کوئی صریح دلیل ایسی موجود نہیں ہے۔ جس سے وہ فاتحہ علی الطعام یا سوئم یا چہلم کی حرمت ثابت کر سکیں کہیں کل بدعۃ ضلالۃ کے عموم سے استدلال ہوگا کہیں نفس بدعت کو لے کر رد کیا جائے گا کہیں من احدث فی امرنا ہذا مالیس منہ فہو رد سے احتجاج ہوگا کہیں سوء ظنی سے عقائد اختراع کئے جائیں گے غرضیکہ دعویٰ کسی خاص امر کی حرمت کا کریں گے اور دلیل میں ایسے عمومات اور اطلاقات شرعیہ کو لائیں گے جن کا دعویٰ سے دور کا علاقہ بھی نہ ہوگا۔ مولوی گکھڑوی صاحب

نے اگرچہ ایصال ثواب کا اقرار کیا ہے لیکن ایصال ثواب کی جس قدر ممکنہ صورتیں تھیں ان سب کا انکار کر کے حقیقت میں نفسِ ایصالِ ثواب کا ہی انکار کر دیا ہے کیونکہ وہ کسی تعیین و قید کو ماننے پر تیار نہیں اور ظاہر ہے کہ بغیر قید اور تعیین کے نفس ایصال ثواب کا تحقق ممکن نہیں پس قید اور تعیین کا انکار کرنا حقیقت میں نفس ایصالِ ثواب کا انکار کرنا ہے اور ایصال ثواب کا انکار معتزلہ نے کیا ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۷۶ میں ہے کہ معتزلہ نے کہا ہے کہ کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے عمل کا ثواب اپنے غیر کو پہنچائے۔ پس ایصال ثواب کا انکار کر کے مولوی گکھڑوی نے اپنا قارورہ کن لوگوں سے جا ملایا۔ (توضیح البیان ص۱۱۹ تا ۱۲۱)

الجواب۔ اس مضمون میں مؤلف مذکور نے جس کوتاہ فہمی اور جہالت کا ثبوت دیا ہے وہ صرف ان کا اور ان کی جماعت کا خاصۂ لازمہ ہے اور یہ ان کو کسی طرح بھی مفید نہیں اور نہ ہمیں مضر ہے اولًا اس لئے کہ جواز اور اباحت بھی ایک شرعی حکم ہے اور بلا دلیل وہ بھی ثابت نہیں ہوتا آپ نے اس پر کونسی شرعی دلیل پیش کی ہے؟ کتاب و سنت اجماع و قیاس مجتہد میں سے کونسی دلیل آپ نے اس پر باحوالہ نقل کی ہے؟ ہم نے راہ سنت ص۱۰۶ و ۱۰۷ میں یہ بات باحوالہ لکھی ہے کہ مباح وہ چیز ہے جس میں شارع نے اس کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا ہو الغرض ہمارا آپ سے امر مباح پر دلیل شرعی طلب کرنا بالکل صحیح اور مبنی بر انصاف ہے لہذا آپ اباحت اور جواز کی آڑلے کر دلیل بیان کرنے سے تو نہیں چھوٹ سکتے اور آپ کو ایسا کون چھوڑتا ہے وثانیاً مطلق امر مباح کے لئے وقت مقرر کرنا اور اس پر اصرار اور اس کا التزام کرنا بھی بدعت ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ

سوال برائے زیارت ایشاں روز معین نمودن یا روز عرس ایشاں کہ معین است رفتن درست است یا نہ

جواب برائے زیارت قبور روز معین نمودن بدعت است و اصل زیارت جائز و تعین وقت در سلف نہ بود ایں بدعت ازاں قبیل است کہ اصلش جائز است و خصوصیت وقت بدعت مانند مصافحہ بعد العصر کہ در ملک توران وغیرہ رائج است و روز

سوال ان کی زیارت کے لئے دن مقرر کرنا یا ان کے عرس کے دن جو معین ہے جانا درست ہے یا نہیں؟

جواب قبروں کی زیارت کے لئے دن مقرر کرنا بدعت ہے اور اصل زیارت سُنت ہے اور وقت کی تعیین سلفؒ میں نہ تھی یہ بدعت اس قبیل سے ہے کہ اصل جائز ہے اور خصوصیت وقت بدعت ہے جیسا کہ عصر کے بعد مصافحہ کرنا کہ ملک توران وغیرہ میں رائج ہے

عرس برائے یاد دہانیدن وقت دعا برائے میّت اگر باشد مضائقہ نیست ولیکن التزام آں روز نیز بدعت است ازاں قبیل کہ گذشت ۔

اور عرس کا دن میّت کے لئے دعا کے یاد کرنے کی خاطر اگر ہو تو مضائقہ نہیں لیکن اس دن کا التزام کرنا بھی بدعت ہے اسی قبیل سے جیسا کہ بیان ہوا ۔

(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص۸۹)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی چیز اصل میں جائز بھی ہو لیکن اس کا التزام کیا جائے تو یہ بھی بدعت ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک عرس بھی بدعت ہے لہٰذا فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص۳۸ کی عبارت سے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے مغالطہ نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اس میں بلا تعیین یوم ختم قرآن کریم اور ایصال ثواب کے لئے لوگوں کے جمع ہونے کا ذکر ہے ۔ اب آپ ہی از راہ دیانت و انصاف فرمائیے کہ آپ نے یا آپ کی بدعت پسند جماعت نے کسی مرنے والے کا تیجہ یا گیارہویں وغیرہ کبھی ترک کی ہے ؟ اور کیا لوگوں سے کہا ہے کہ کبھی تیجہ اور گیارھویں وغیرہ ترک کر دیا کرو ؟ اگر سچ مچ آپ نے ایسا کیا اور کہا ہے تو پھر یہ صرف جواز اور اباحت کے درجے میں رہے گا گو ہے بلا اذن شارع اور بلا دلیل ہی لیکن اگر آپ نے کبھی ترک کرنے کا سبق نہیں دیا اور نہ موقع میسر ہوتے وقت عملاً ترک کیا ہے تو پھر یہ مباح و جائز ہی نہ رہا بلکہ ضروری سمجھ لیا گیا جو بدعت قرار پائیگا کسی بیماری یا سفر یا لاعلمی یا کم فرصتی وغیرہ کی وجہ سے کسی تیجہ اور گیارھویں وغیرہ میں شریک نہ ہو سکنا اصولاً ترک نہیں کہلاتا اس لئے غلط مبحث کا شکار ہرگز نہ ہوں ۔

حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ ہی ایک اور سوال کے جواب میں یہ تحریر فرماتے ہیں ۔

سوال اکثر مردمان بعد نماز صبح سلام علیک میکنند سنت است یا نہ ؟

سوال اکثر لوگ صبح کی نماز کے بعد سلام علیک (کہتے اور) کرتے ہیں یہ سنت ہے یا نہیں ؟

جواب التزام مداومت او بدعت است

جواب اس کی مداومت پر التزام کرنا بدعت ہے

(فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص۹)

ظاہر ہے کہ مسلمان کو سلام کہنا اور مصافحہ کرنا شرع شریف کے واضح دلائل سے ثابت ہے اور جائز ہے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس کا بعد از نماز صبح التزام اور مداومت بدعت ہے ۔

و ثالثاً ہم نے حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے حوالہ سے عرض کیا ہے کہ شرع شریف کے قواعد کے

موافق عبادات میں کفار سے تشبہ مطلقاً ممنوع ہے اور کرنے والے اس کو عبادت سمجھ کر ہی کرتے ہیں اور نیز ہم نے باحوالہ یہ بھی عرض کیا ہے کہ یہ کاروائی ہندوانہ رسم ہے اس لئے بھی ممنوع ہے اور حضرات فقہاء کرامؒ نے بھی اس کو ممنوع ہی قرار دیا ہے کما مر ورابعاً مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ ہم تعیین عرفی کو جائز کہتے ہیں فرض وواجب نہیں سمجھتے آپ اسے حرام کہتے ہیں الخ افسوس ہے کہ مؤلف مذکور کو تعیین حقیقی اور تعیین عرفی کا فرق بھی کسی استاد نے نہیں سمجھایا جس کو وہ تعیین عُرفی سے تعبیر کرتے ہیں وہ درحقیقت اور عوام الناس کے ہاں تعیین حقیقی ہی ہے ہر جگہ اور ہر ایک کے لئے متعین طور پر تیسرے دن ہی رسم قل وغیرہ ہوتی ہے عموماً رشتہ داروں اور احباب کو بتلانے اور اطلاع دینے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی وہ خود بخود چلے آتے ہیں اور اس رسم کے نہ ہونے پر ناراض ہو کر چلے جاتے ہیں جیسا کہ حتمی ملّاں اور حفاظ وغیرہ سوئم وغیرہ کے پھل فروٹ اور مٹھائیوں کی طرف کشاں کشاں چلے جاتے ہیں وہاں سے کچھ نہ ملے تو صلواتیں سُناتے جاتے ہیں تعیین عرفی اس کو کہتے ہیں جو ہر جگہ سب کے لئے متعین نہ ہو بلکہ اپنی مصلحت کے پیش نظر کوئی دن مقرر کر کے رشتہ داروں اور احباب کو اطلاع دی جائے جیسے شادی اور جلسہ وغیرہ میں ہوتا ہے کہ ہر ایک کو اطلاع دیئے بغیر پتہ نہیں ہوتا کہ کب یہ کاروائی ہوگی۔ وخامساً ہم نے گیارھویں کی جس شق کو حرام کہا ہے اس کی دلیل کی طرف تنقید متین ص۵۵ میں اشارہ کر دیا ہے الفاظ یہ ہیں ظاہر امر ہے کہ غیر اللہ سے خوف و رجاء اور اُمید وبیم کے اسی نظریہ کو تقرب لغیر اللہ کہا جاتا ہے جس کے حرام اور شرک ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے بیشتر عوام اسی غرض سے گیارھویں دیتے ہیں الخ۔ اور تنقید متین ص۱۴۷ تا ص۱۷۱ تک مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کی بمسوط باحوالہ بحث ہے اور ص۱۶۰ و ۱۶۱ میں تفسیر اکلیل اور درمختار کے حوالے درج ہیں کہ غیر اللہ کا تقرب مَا اُھِلَّ الآیۃ کی مد میں ہے اور ص۵۰ میں حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کا یہ حوالہ بھی ہم نے درج کیا ہے کہ۔ ماکولات ومشروبات ودیگر اموال را نیز از راہ تقرب لغیر اللہ دادن حرام و شرک است (فتاویٰ عزیزی ج۱ ص۵۶) مؤلف مذکور کا اخلاقی فرض تھا کہ اس مقام پر ہمارے نقل کردہ تمام حوالوں کو پیش نظر رکھ کر اس کے مطابق گفتگو کرتے اور ان کا مناسب جواب دیتے اگر بن پڑتا مگر ان کو تو صرف اپنے عوام کو ٹرخانا ہی ہے کہ تو تنقید متین کا جواب ہو گیا ہم نے گیارھویں کی تقرب لغیر اللہ کی شق کو حرام کہا ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی نص قطعی مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ سے اس کی حرمت ثابت کی ہے اور اس پر حضرات مفسرین کرامؒ اور فقہاء عظامؒ کی مستند کتابوں کے باقاعدہ حوالے دیئے ہیں آپ

ہم سے اور کونسی اور کس طرح نص قطعی مانگتے ہیں؟ یہ اب آپ کا اخلاقی اور عملی فریضہ ہے کہ گیارھویں میں تقرب لغیر اللہ کی شق کے جائز اور مباح ہونے کے لئے کوئی نص یا خبر متواتر پیش کریں اور آپ کو مع آپ کی جماعت کے قیامت تک اس کی مہلت ہے دیدہ باید مگر ایصال ثواب کی جائز شق کو تقرب لغیر اللہ کی مد میں گڈمڈ نہ کریں وسادساً مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ آپ نے طعام پر فاتحہ پڑھنے کو بیک جنبش قلم حرام کر دیا اگر کوئی دلیل قطعی ہے تو پیش کیجئے؟ الخ ہمیں بار بار مؤلف مذکور کی کم فہمی پر افسوس آتا ہے کہ کم فہمی کا شکار ہونے کے ساتھ بددیانتی سے بھی کہیں نہیں چوکتے ہم نے کھانا سامنے رکھ کر اس پر فاتحہ پڑھنے کو حرام نہیں کہا خالص بدعت کہا ہے الفاظ یہ ہیں مگر ایصال ثواب کے لئے جو کھانا فقراء کو دیا جاتا ہے اس کو سامنے رکھ کر اس پر قرآن وغیرہ کچھ پڑھنا ہرگز ثابت نہیں اور یہ خالص بدعت ہے الخ (تنقید متین ص ۴۲) مؤلف مذکور کا فریضہ تھا کہ وہ ہمارے اس جاندار دعویٰ کو صحیح، صریح اور مرفوع حدیث سے یا خیر القرون کے تعامل سے رد کرتے کہ ایصال ثواب کے کھانے کو سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے کا یہ با حوالہ ثبوت موجود ہے مگر وہ ایسا نہیں کر سکے اور نہ کر سکتے ہیں وہ اپنی جماعت کے دیگر افراد کی طرح محض عوام کو بھڑکانا اور اہل حق سے متنفر کرنا ہی جانتے ہیں اور یہی کچھ ان کو پڑھایا جاتا ہے اور یہی کچھ انہوں نے سیکھا ہوتا ہے اور اسی کے بل بوتے پر ہی ان کے شرک وبدعت کی گاڑی چلتی ہے وَذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ اور بحمد اللہ تعالیٰ جس چیز کو ہم نے حرام کہا ہے اس پر دلیل قطعی پیش کی ہے۔ سوئم چہلم اور عرس وغیرہ کو ہم نے بدعت کہا ہے تو اس پر حضرات فقہاء کرامؒ کے صریح اور ٹھوس حوالے نقل کئے ہیں اور بحمد اللہ تعالیٰ یہ سب حوالے تنقید متین میں موجود ہیں جن کا ذکر تک مؤلف مذکور نے نہیں کیا۔ اگر چمگادڑ کو دن کے وقت بھی سورج نظر نہ آئے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ محض بلاوجہ چیلنج بازی سے اہل حق کو مرعوب کرنا اور اپنے ناخواندہ حواریوں کو خوش کرنا بغیر طفل تسلی یا گیدڑ بھبکی کے اور کچھ نہیں ہے۔ ع

ہرگز نہ کر سکے مرے خامے سے سرکشی   پیدا سرنگوں سے ہے عجزِ عیان تیغ

وسابعاً بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ کو حرام کرنا اللہ تعالیٰ کے منصب پر غاصبانہ قبضہ ہے کیونکہ اشیاء کی تحلیل وتحریم صرف اسی کا منصب ہے اور اس کا بیان کرنا اللہ تعالیٰ کے رسول برحق کا منصب اور مقام ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیکن حرام کو حلال کرنا بھی تو اسی قاعدہ کی زد میں ہے کیا مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کو حلال قرار دینا اللہ تعالیٰ اور اس کے برحق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مناصب پر قبضہ کرنا نہیں ہے؟

اور کیا یہ مشرکین کا شعار نہیں ہے؟ خدارا کچھ تو فرمائیے کہ معاملہ کیا ہے؟ تصویر کے دونوں رخ دیکھئے یک طرفہ ٹریفک نہ چلائیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو یہ ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ	اور مت کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ کا بہتان باندھو بے شک جو لوگ بہتان باندھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا وہ فلاح نہیں پا سکتے۔

(پ ۱۴ - النحل - ۱۵۰)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جس طرح اپنی خواہش سے کسی چیز کو حرام کہنا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا افتراء باندھنا ہے اسی طرح کسی چیز کو حلال کہنا بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا افترا باندھنا ہے اور یہ آیت بدعات کی تردید میں نص ہے چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ویدخل فی هذا کل من ابتدع بدعة لیس له فیها مستند شرعی او حلل شیئاً مما حرم الله او حرّم شیئاً مِمّا اباح الله بمجرد رائیه و تشهیه (تفسیر ج ۲ - ص ۵۹۰)	اور اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جس نے کوئی ایسی بدعت نکالی جس میں اس کے پاس کوئی شرعی دلیل نہیں یا جس نے محض اپنی رائے اور چاہت سے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کو حلال یا اللہ تعالیٰ کی جائز کی ہوئی چیز کو حرام قرار دے دیا ہو۔

وثانیاً مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ اہل دیوبند کے پاس فاتحہ علی الطعام یا سوئم اور چہلم کی حرمت ثابت کرنے کے لئے کوئی صریح دلیل نہیں کل بدعۃ ضلالۃ۔ یا نفس بدعت یا من احدث فی امرنا ہذا ما لیس منہ فھو رد سے احتجاج ہوگا کہیں شوخ طبعی سے عقائد اختراع کئے جائیں گے غرضیکہ دعویٰ کسی خاص امر کی حرمت کا کریں گے اور دلیل عمومات اور اطلاقات شرعیہ کو لائیں گے جن کا دعویٰ سے دور کا علاقہ بھی نہ ہوگا قارئین کرام غور فرمائیں کہ مؤلف مذکور کس سطحی ذہن سے کام لے رہے ہیں ہم نے فاتحہ علی الطعام کے بدعت ہونے پر اور اسی طرح سوئم اور چہلم وغیرہ کے بدعت ہونے کے بارے تنقید متین میں ٹھوس حوالے عرض کر دیئے ہیں جن کا مؤلف مذکور کی طرف سے جواب بالکل ندارد اور اس کتاب میں بھی پہلے اشارہ کر چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے البتہ یہاں جو بات عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ ایک طرف تو مؤلف مذکور خود ہمارے دلائل

کا تذکرہ کرتے ہیں کہ کل بدعۃ ضلالۃ یا بدعت کے مذموم ہونے کی احادیث اور من احدث فی امرنا ہذا ما لیس منہ فھو رد سے استدلال و احتجاج کرتے ہیں اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ ان کے پاس دلیل ہی کوئی نہیں مؤلف مذکور کو اصولاً اس کا توحق حاصل تھا کہ وہ یہ کہتے کہ یہ احادیث و دلائل کتابوں میں موجود ہی نہیں یا یہ احادیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں اور ان میں فلاں فلاں راوی ضعیف و کمزور ہیں لہٰذا ان سے استدلال درست نہیں ہے لیکن وہ ایسا نہیں کہہ سکے اور نہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ ان کو بخوبی یہ معلوم ہے کہ یہ صحاح کی مرکزی روایات و احادیث ہیں اور ان کا رد کرنا خارجی کا گھر نہیں ہے البتہ وہ اپنی روایتی کم فہمی کی وجہ سے جہل مرکب کا شکار ہیں وہ یہ کہ بقول ان کے ہم لوگ دعویٰ کسی خاص امر کی حرمت کا کرتے ہیں اور دلیل عمومات اور اطلاقات شرعیہ سے لاتے ہیں اور بقول ان کے دعویٰ کا اس دلیل سے دور کا علاقہ بھی نہیں ہوتا سو اس کے بارے اوّل تو گذارش یہ ہے کہ جب دعویٰ خاص ہو اور دلیل عام ہو تو تقریب تام نہیں ہوتی اور علمی طور پر اشکال پیش آتا ہے مگر بحمد اللہ تعالیٰ ہم اس کے مرتکب نہیں ہیں بلکہ ہمارا موقف تو یہ ہے کہ عام (جو مخصوص البعض نہ ہو) اپنے تمام افراد پر حاوی سب پر مشتمل اور سب کے لئے مستغرق ہوتا ہے اور جن افراد پر عام مشتمل ہوتا ہے ان کے لئے اس کا حکم بھی قطعی ہوتا ہے اور آپ حضرات اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ نیجہ جہلم اور طعام پر قرآن کریم پڑھنا وغیرہ اُمور دینی اُمور اور عبادات ہیں اسی لئے تو آپ ان کے اثبات کے درپے ہیں تاکہ بزعم آپ کے یہ اُمور ثابت ہو جائیں اور شکم مبارک پر گرانی کے زمانہ میں زد بھی نہ پڑے اور دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے یہ امر ثابت ہے کہ باوجود محرک۔ داعیہ اور سبب کے موجود ہونے کے یہ امور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک زمانہ اور خیر القرون میں نہ تھے تو ان امور کے شرعاً بدعت ہونے میں کیا اشکال ہے؟ اگر فقہاء ملت کے ان امور کے بارے بدعت کے الفاظ کی تصریح موجود نہ بھی ہوتی تب بھی یہ بدعت ہی ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائے ہر مسلک کے فقہاء کرام کو کہ انہوں نے دین کا نقشہ محفوظ رکھنے کے لئے اور دین کا صاف و شفاف چشمہ گدلا ہونے سے بچانے کے لئے صریح الفاظ میں امت کی خیر خواہی کے لئے ان امور کو بدعت کہا الغرض یہ اور اس قسم کے دیگر اختراعی امور سب بدعات ہیں اور کل بدعۃ ضلالۃ اور من احدث فی امرنا ہذا ما لیس منہ فھو رد وغیرہ عمومات اپنے تمام افراد پر حاوی سب کو شامل اور سب کو مستغرق ہیں کیا آپ حضرات کے نزدیک عام اپنے افراد کے لئے حاوی نہیں ہوتا؟ یا جن افراد پر عام حاوی ہوتا ہے کیا ان کے لئے اس کا حکم قطعی نہیں ہوتا؟ آخر بتلایئے تو

سہی کہ ہم نے کونسی نئی بات کہی ہے جو کتب اصول میں موجود نہیں ہے اور آپ لوگ کیوں عوام کالانعام کو مغالطات میں الجھا کر ان صحیح روایات پر عمل کرنے سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں؟ ہاں اگر آپ حضرات ان امور کو دین تصور نہ کریں صرف رسوم تصور کریں تو ہم ان کو لغو رسوم سے تو تعبیر کریں گے لیکن بدعات نہیں کہیں گے چنانچہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ۔

واعلم ان البدعة مالا یکون اصله فی الاصول الاربعة ویزعم الناظر فیه انه من امور الدین فعلم ان رسوم النکاح لیست ببدعة وان کانت لغوًا فان الناظر لا یزعمها من امور الشرعیة بخلاف الرسوم الماتم فان الناظر یزعمها من امور الشرع۔

(العرف الشذی ص۲۰۳)

تو جان لے کہ بے شک بدعت وہ چیز ہے جس کی اصل اصول اربعہ (کتاب، سنت، اجماع وقیاس) میں نہ ہو اور دیکھنے والا اس کو امور دین میں سے سمجھے سو اس سے معلوم ہو گیا کہ نکاح کی رسمیں بدعت نہیں ہیں اگرچہ لغو اور بیہودہ ہیں کیونکہ دیکھنے والا ان کو امور شریعت سے نہیں سمجھتا بخلاف مردہ کی رسوم کے (تیجہ، دسواں وغیرہ) کیونکہ دیکھنے والا ان کو امور شرع سے سمجھتا ہے

الغرض جب یہ امور بدعات ہیں تو کل بدعة ضلالة وغیرہ کے عمومات اپنے جملہ افراد کو شامل ہیں یہ نہیں کہ یہاں دعویٰ خاص ہے اور دلیل عام ہے جیسا کہ مؤلف مذکور نے کم فہمی سے یہ سمجھ رکھا ہے اور دوم یہ کہ قرآن کریم اور حدیث شریف میں عمومات اور اطلاقات شرعیہ ہی ہیں کیا ان کے جزئیات اور افراد پر ان سے استدلال واحتجاج درست نہیں؟ مثلاً قرآن کریم میں آتا ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ تو کیا اس سے یہ استدلال درست نہیں کہ زید ساکن لاہور پر جو عاقل و بالغ اور صاحب نصاب ہے نماز اور زکوٰة فرض ہے؟ کیا وہ یہ کہہ کر جان چھڑا سکتا ہے کہ میرے متعلق قرآن کریم سے مخصوص دلیل ثابت کرو۔ کیونکہ میں تو خاص شخصیت ہوں عمومات اور اطلاقات شرعیہ سے استدلال میرے لئے حجت نہیں؟ اور اسی طرح زانی اور چور وغیرہ کیا وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ عمومات سے احتجاج ہم پر فٹ نہیں؟ اور ہم پر رجم وسنگساری اور قطع ید کا قانون لاگو نہیں ہو سکتا کیونکہ دعویٰ خاص ہے اور دلیل عام ہے؟

اگر اسی غلط فہم کو معیار بنا لیا جائے تو قرآن وحدیث سے کوئی حکم ثابت نہیں ہو سکے گا (معاذ اللہ تعالیٰ) اور غالبًا ایسے ہی موقع کے لئے کہا گیا ہے کہ ع خویش را تاویل کن نے ذکر را۔

رہا مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ کہیں سوء ظنی سے عقائد اختراع کئے جائیں گے الخ تو اس سے کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ ہم نے اپنے لئے عقائد اختراع کئے ہیں اور یہ سُوء ظنی کا نتیجہ ہیں تو صاف لفظوں میں سُن لیجئے کہ بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے تمام عقائد و اعمال وہی ہیں جو حضرات صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ کے تھے اور سرِ مو بھی ان سے متفاوت نہیں ہیں ہاں بشری تقاضا کے تحت عملی کمزوریوں کا انکار نہیں لیکن وہ ہمارے گناہ اور خطائیں ہیں اللہ تعالیٰ معاف کرے۔ اور اگر یہ مراد ہو کہ ہم نے اپنی طرف سے آپ کے لئے اور آپ کی جماعت کے لئے عقائد اختراع کئے ہیں اور اس میں سوء ظنی کار فرما ہے تو آپ کا فریضہ ہے کہ ہماری کتابوں سے ان کی باحوالہ نشاندہی کریں کہ فلاں عقیدہ ہمارا نہیں اور تم نے اختراع کر کے ہمارے گلے مڑھا ہے؟ بخلاف اس کے آپ کے اکابر نے ہمارے اکابر کے خلاف اس قسم کے بے بنیاد الزامات لگائے ہیں قدرے تفصیل کے لئے راقم اثیم کی کتاب عبارات اکابر پہلا حصہ ملاحظہ کریں۔

مؤلف مذکور کا افتراء مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ مولوی گکھڑوی صاحب نے ایصال ثواب کی جس قدر ممکنہ صورتیں تھیں سب کا انکار کر کے حقیقت میں نفس ایصال ثواب ہی کا انکار کر دیا ہے کیونکہ قید اور تعیین کے بغیر ایصال ثواب کا تحقق ممکن ہی نہیں اور ایصال ثواب کا انکار کر کے اپنا فاروقہ معتزلہ سے جلایا ہے (محصلہ) مؤلف مذکور نے یہ بات بھی خوب کہی ہے اور دل میں بڑے ہی خوش ہوئے ہوں گے کہ میں نے منکرین بدعات کو خوب لتاڑا ہے لیکن درحقیقت اس بات میں مچھر کے پر جتنا وزن بھی نہیں ہے کیونکہ ہم نے تعیین عرفی کا کوئی انکار نہیں کیا تعیین حقیقی کا انکار کیا ہے اور کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے کی قید کا انکار کیا ہے۔ کیا ثواب سوئم۔ دسویں اور چہلم ہی کو پہنچتا ہے آگے پیچھے ایصال ثواب کا راستہ بند ہے؟ اور کیا طعام سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے سے ہی ثواب ملتا ہے ویسے ہی نہیں ہو سکتا؟ کیا ایصال ثواب کے بارے میں ہم نے شرعی قواعد کے مطابق سہولت رکھی ہے یا آپ لوگوں نے؟ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ مرنے والے کی موت کے سے لے کر زندہ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک ایصال ثواب کیا کرے یہ ہی نہیں کہ تیسرے۔ ساتویں۔ دسویں۔ جمعرات اور چہلم اور برسی کی ہی انتظار ہو اور آپ لوگ ان دنوں کی تعیین پر مُصر ہیں اب انصاف سے فرمائیں کہ ایصالِ ثواب کے ہم منکر ہیں یا آپ لوگوں نے اسے پنجرے میں اور مداری کی پٹاری میں بند کر رکھا ہے۔ خدارا فرمائیں کہ بات کیا ہے؟ نیز ہم تو کہتے ہیں کہ ہر آدمی خود ایصالِ ثواب کر سکتا ہے اور آپ نے بھائی چارہ کے طور پر ختمی مُلاؤں کے

لئے یہ سربستہ راز اور نکتہ تلاش کر رکھا ہے کہ کھانا سامنے ہو اور خاص ترتیب سے قرآن کریم کی آیات اس پر پڑھی جائیں تاکہ مسلسل اور مرتب نہ ہونے کی وجہ سے نہ تو عوام انہیں یاد رکھ سکیں اور نہ سمجھ سکیں کہ کہاں کہاں کی آیات کریمات پڑھی گئی ہیں اور وہ ناچار ختمی ملّا کو بلانے پر مجبور ہوں غور سے فرمائیں کہ ایصال ثواب کے لئے جو حدود و قیود آپ حضرات نے اختراع کی ہیں ان سے ایصال ثواب کرنے میں کمی واقع ہوتی ہے یا قیود اور لایعنی شرائط کو بالائے طاق رکھ کر شرعی قواعد کے مطابق جو سہولت اور رِفق ہم نے پیش کیا ہے اس سے کمی واقع ہوتی ہے انصاف سے فرمائیں ؟ ؎

یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا ۔۔۔ میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

رہا مؤلف مذکور کا عوام کو بدظن اور متنفر کرنے کے لئے معتزلہ سے ہمارا قارورہ ملانا تو یہ دجل و تلبیس کے سوا اور کچھ نہیں راقم اثیم کی کتاب راہ سنت سماع الموتیٰ اور تسکین الصدور وغیرہ ملاحظہ کریں کہ ان میں معتزلہ کے غلط نظریات کی کس علمی انداز سے تردید کی گئی ہے اور اہل سنت والجماعت کے حق مسلک کو کس طرح اجاگر کیا گیا ہے اور راہ سنت اور تنقید متین وغیرہ میں کس مؤثر اور مدلل طریقہ سے ایصال ثواب کا اثبات کیا گیا ہے افسوس ہے کہ مؤلف مذکور دوسروں کو اختراع عقائد کے طعن سے ملوث کرتے ہیں اور خود اس لاعلاج بیماری میں چوٹی سے ایڑی تک مبتلا ہیں ۔

عہد رسالت میں ایصال ثواب یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور پہلے تو راقم کی کتاب راہ سنت ص۲۴ کا حوالہ نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو بیبیاں تین صاحبزادیاں اور چچا محترم آپ کی زندگی میں وفات پا گئے لیکن آپ نے ان کا تیجہ ، ساتواں ، دسواں اور چالیسواں کچھ نہ کیا (محصلہ) اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اسی صفحہ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں کہ ایصال ثواب تو ہوتا تھا مگر نہ تو دنوں کی تعیین ہوتی تھی الخ شکر ہے کہ آپ نے ایصال ثواب کا اقرار کر لیا ورنہ ہم آپ کا کیا بگاڑ لیتے رہی دنوں کی تعیین تو اگر مطلب یہ ہے کہ عہد رسالت میں جن دنوں میں ایصال ثواب ہوتا تھا وہ نفس الامر میں معین نہ تھے تو پاگل خانے میں جا کر اپنی عقل کا علاج کرائیں اور اگر یہ مطلب ہے کہ شرع میں کسی دن کو معین کرنا واجب نہ تھا تو بسر و چشم ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ شرعاً ۔۔۔ ۔ مال ثواب کے لئے کوئی دن معین نہیں کہ سوئم چہلم اور گیارہویں کو ایصال ثواب کیا جائے تو جائز ہو اور اس کے سوا کسی اور تاریخ کو کیا جائے تو ناجائز ہو ہم ان تاریخوں کو ضروری نہیں سمجھتے اور دوسری تاریخوں میں ایصال ثواب کرتے ہیں اور آپ کو بھی بمروہ انداز میں اس کا اقرار ہے چنانچہ تنقید متین ص۵ میں ہے کہ اب کچھ

ہوشیار اور بطن پرور لوگوں نے یہ حیلہ شروع کر دیا ہے کہ گیارہویں بارہویں اور تیرھویں تاریخ کو بھی منالیتے ہیں تاکہ بطن مبارک کے لئے متعدد جگہیں نکل آئیں گو کہتے تو وہ یہ ہیں کہ ہم گیارہویں تاریخ ہی کو ضروری نہیں سمجھتے (محصلہ) نیت کا حال تو خدا کو معلوم ہے لیکن سرفراز صاحب کی سوء ظنی سے یہ بات بہرکیف معلوم ہو گئی کہ انہیں ایصال ثواب ہی سے ضد ہے کیونکہ وہ ایصال ثواب کی سنت ہی کو اپنے طرز عمل اور انداز تبلیغ سے مٹا دینا چاہتے ہیں۔ کیونکہ جب ہم کہتے ہیں کہ گیارھویں ہی تاریخ ضروری نہیں دوسری تاریخوں میں بھی ایصال ثواب درست ہے تو وہ کہتے ہیں بطن پروری کا سامان ہے اور اگر معروف تاریخوں پر کیا جائے تو کہتے ہیں بدعت ہے کیا ایصال ثواب کا حکم حضور نے بدعت کے لئے دیا ہے یا بطن پروری کے لئے (محصلہ) (توضیح البیان ص۱۲۱ تا ۱۲۲)

الجواب مؤلف مذکور اپنی اسی کج روی کی ڈگر پر چل رہے ہیں جس پر ان کے بڑے اور بیشتر حضرات چلتے رہے اور چلتے ہیں اور یہ چیز گویا ان کے خمیر میں ودیعت رکھی گئی ہے کہ اس کے بغیر انہیں چین اور سکھ نہیں آتا مؤلف مذکور کو اس کا اقرار ہے کہ سرفراز ایصال ثواب کا اقرار کرتا ہے اور بحمداللہ تعالیٰ راقم اثیم اس نیک کام کا صرف مقر ہی نہیں بلکہ حسب وسعت اس پر عمل بھی کرتا ہے مؤلف مذکور کا فریضہ تھا کہ جن بزرگوں کا ہم نے ذکر کیا تھا با حوالہ صحیح روایات سے ان کا تیجہ۔ ساتواں۔ دسواں اور چالیسواں نقل کرتے تاکہ پتہ چلتا کہ اُن حضرات کے لئے انہی مخصوص ایام میں ایصال ثواب ہوا بہذا التعیین ثابت ہے اور اگر ان کے سلسلہ میں نقل نہیں کر سکے تو آپ کی زندگی میں کوئی اور واقعہ ہی صحیح سند کے ساتھ نقل کر دیتے کہ لو یہ سوم اور چہلم وغیرہ کا ثبوت ہے اور وہ روایت جعلی اور موضوع نہ ہوتی لیکن وہ ایسا کہاں سے کرتے جب کہ نفس الامر میں خیر القرون میں کوئی ایسا واقعہ کسی صحیح سند سے ثابت ہی نہیں ہے رہا ان کا یہ کہنا کہ عہد رسالت میں جن دنوں میں ایصال ثواب ہوتا تھا اگر وہ نفس الامر میں معین نہ تھے الخ تو یہ نری پاگلوں کی بڑ ہے جو بے پر کی ہانکا کرتے ہیں کیونکہ جن دنوں میں ایصال ثواب ہوتا تھا وہ تو نفس الامر میں متعین ہوتے تھے لیکن ایصال ثواب کرنے والے اپنی طرف سے بقید سوئم و دہم و چہلم وغیرہ ان کی تعیین نہ کرتے تھے جب کہ نزاع ہی صرف اس بات میں ہے مؤلف مذکور کا یہ باطل آمیز اقرار خاصہ وزنی ہے کہ۔ اگر مطلب یہ ہے کہ شرع میں کسی دن کو معین کرنا واجب نہ تھا تو بسر و چشم ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ شرع میں ایصال ثواب کے لئے کوئی دن معین نہیں ہے کہ سوئم اور چہلم اور گیارہویں کو ایصال ثواب کیا جائے تو جائز ہو اور اس کے سوا کسی اور تاریخ کو کیا جائے تو ناجائز ہوا الخ یہ عبارت حق و باطل کا ملغوبہ ہے یہ تو حق اور صحیح ہے کہ شرع میں ایصال ثواب

کے لئے کوئی دن متعین ہی نہیں ہے واجب کہاں سے ہوتا۔ لہٰذا مؤلف مذکور کے واجب نہ تھا کہ الفاظ بالکل غیر متعلق اور سینہ زوری پر مبنی ہیں۔

انصاف سے فرمائیں کہ آپ حضرات نے کبھی بھی بھول کر ہی سہی سوئم۔ گیارھویں اور چہلم ناغہ ہونے دیا ہے؟ یا بغیر کسی مجبوری کے جماعتی صورت میں ان کے علاوہ اور ایام میں ایصال ثواب کا یہ فریضہ ادا کیا ہے یا کرتے ہیں؟ آپ حضرات نے عوام کا ذہن ہی یہ بنا دیا ہے کہ وہ ان ایام ہی میں بلا بلائے خود بخود کشاں کشاں چلے آتے ہیں ان کے ہاں جمعہ وجماعت سے یہ اُمور مقدم سمجھے جاتے ہیں کیا عملاً یہ اصرار و التزام اور مداومت وجوب اور ضروری ہونے سے کم ہے؟ پھر ان ہی ایام کی تعیین کی کیا ضرورت ہے جواز کے لئے اور دن بھی تو ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ اور دنوں میں آپ اس جواز اور کار ثواب پر عمل نہیں کرتے؟ بحمداللہ تعالیٰ نہ تو ہم کسی کے خلاف سوء ظنی میں مبتلا ہیں اور نہ ہمیں ایصالِ ثواب سے ضد و عناد ہے۔ ہمیں تو ضد صرف بدعت سے ہے اور عشق و محبت صرف سنت سے ہے اور بس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت سے ایصال ثواب کا جو طریق ثابت ہے اس کا آپ کو بھی اقرار ہے کہ شرع میں ایصال ثواب کے لئے کوئی دن معین نہیں ہے۔ لہٰذا جب چاہیں کریں ان ایام کی تعیین وتخصیص کو مٹانا آپ کا بھی فریضہ ہے عرفی تعیین کے ذریعہ جب چاہیں ایصال ثواب کریں یہ بات تعیین حقیقی پر ہی موقوف نہیں ہے اس طریقہ پر عمل کرنے سے سنت پر بھی عمل ہوگا اور بدعت سے بھی اجتناب ہو جائے گا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی ارشاد ہے کہ سنت پر عمل کرو اور بدعت سے اجتناب کرو اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

قارئین کرام! اہل بدعت کے لئے گیارھویں وغیرہ ایام کو ترک کرنا کوئی سہل کام نہیں ہے وہ گیارھویں تاریخ کو اپنی جگہ سے ہلنے نہیں دیتے ہاں مل بھگت کے طور پر آپس کی ساز باز کے تحت کسی جگہ بارھویں اور کسی جگہ تیرھویں وغیرہ کو بھی ساتھ ملا لیتے ہیں تاکہ کسی جگہ کے پھل فروٹ۔ برفی اور جلیبیاں اور چاول وغیرہ ہاتھ سے نہ نکل جائیں اور بطن مبارک پر زد نہ پڑے

بدعت سیئہ کا ضابطہ مؤلف مذکور راقم کی کتاب راہ سنت ص۶۵ کا یہ حوالہ نقل کرتے ہیں ایسے امور میں جن کے اسباب و دواعی و محرکات اُس وقت موجود تھے نہ قیاس ہو سکتا ہے اور نہ بدعت حسنہ کا درجہ پا سکتے ہیں یہ امور قطعی طور پر بدعت قبیحہ اور سیئہ کی مد میں داخل ہیں اس میں ایک رتی برابر شک نہیں چنانچہ علامہ قاضی ابراہیم الحنفیؒ تحریر فرماتے ہیں الخ اس کے بعد مؤلف مذکور لکھتے ہیں سرفراز صاحب نے

جو بدعت سیئہ کا یہ ضابطہ وضع کیا ہے چند وجہ سے مردود اور باطل محض ہے اولاً مرقات ج ۳ ص۱۹۳ پر ہے کہ امام سیوطیؒ نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ اہل مدینہ کے لئے اہل مکہ کی مشابہت کی وجہ سے چھتیس[۳۶] رکعات تراویح پڑھنا مستحب ہے الخ آگے لکھتے ہیں سوال یہ ہے کہ طواف کا داعیہ کعبہ معظمہ ہے اور وہ عہد رسالت میں بھی موجود تھا اور تراویح کا داعیہ رمضان ہے اور وہ بھی دور نبوی میں کئی بار آیا اور پھر باوجود سبب اور نہ عدم مانع کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو تراویح چھتیس[۳۶] رکعت پڑھیں نہ دو ترویحوں کے درمیان طواف کیا پھر اہل مکہ کے لئے مع طواف کے اٹھائیس[۲۸] رکعات اور اہل مدینہ کے لئے بغیر طواف کے چھتیس[۳۶] رکعات کس طرح مستحب ہوگئیں جس کو آپ بدعت سیئہ اور قبیحہ قرار دیتے ہیں اسی کو امام سیوطیؒ مستحب فرما رہے ہیں اور یہی امام مالکؒ کا مذہب ہے (محصلہ) وثانیاً قرآن کریم پر اعراب حجاج بن یوسف نے لگائے ہیں وہ آپ کی تحقیق کے مطابق خیر القرون میں سے نہیں ہے کیونکہ راہ سنت ص۴۷ میں ہے کہ قرن کا معنی ہے انسانوں کا بہترین طبقہ اور حجاج بن یوسف کے بارے علامہ عینیؒ بنایہ شرح ہدایہ ج ۱ ص۲۲۷ میں لکھتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کا سب سے زیادہ فاسق شخص تھا پس ثابت ہوا کہ وہ خیر القرون سے خارج ہے اس بدترین فاسق کا احداث فی الاسلام کس طرح جائز ہو گیا اعراب لگانے کا داعیہ اور سبب عہد رسالت میں بھی موجود تھا کیونکہ آپ کے زمانہ اقدس میں بے شمار عجمی اسلام لا چکے تھے۔ اور عہد فاروقی و عثمانی میں تو اسلام کا دائرہ اور بھی وسیع ہو گیا تھا معلوم ہوا کہ اس وقت بھی سبب اور داعیہ تھا اور مانع بھی نہ تھا مگر اعراب نہ لگائے یہ احداث حجاج بن یوسف نے کیا اور یہ بدعت قبیحہ ہے تو جن صحابہ کرامؓ اور ائمہ دینؒ نے اس کی تائید کی آپ ان کو کس کھاتے میں رکھیں گے (محصلہ ص۱۲۳ تا ص۱۲۵)۔

الجواب۔ اگر مؤلف مذکور راہ سنت ص۴۲ میں یہ عنوان کہ خیر القرون کا تعامل بھی حجت ہے پڑھ لیتے اور اس کے تحت ص۴۲ تا ص۵۷ تک پھیلے ہوئے ٹھوس حوالے ملاحظہ کر لیتے تو ان کو کچھ کہنے کی زحمت ہی پیش نہ آتی کیونکہ خیر القرون تبع تابعینؒ تک ہے اور حضرات تبع تابعینؒ کا دور سنہ۲۲۰ھ تک ہے اور حضرت امام مالکؒ کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی ہے اور یہ سب خیر القرون کا زمانہ ہے اور اس دور کا تعامل حجت اور سنت ہے نہ کہ بدعت غلط مبحث عقلاء کی شان سے بعید ہے چہ جائیکہ علماء کی شان سے۔ بلاشبہ طواف کا داعیہ کعبہ معظمہ موجود تھا اور تراویح کا سبب رمضان بھی موجود تھا مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں باجماعت تراویح پڑھانے میں ایک مانع تھا اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے تین راتیں تو باجماعت نماز تراویح پڑھائی پھر نہیں پڑھائی اور یہ فرمایا کہ۔

اِنّی خشیت ان تکتب علیکم الحدیث (بخاری ج ۱ ص۱۰۱) — بلاشبہ مجھے خوف ہے کہ یہ تم پر کہیں فرض نہ کر دی جائیں۔

اور ایک روایت میں ہے۔

حتّٰی خشیت ان یکتب علیکم فلو کتب ما قمتم بہ الحدیث (بخاری ج ۲ ص۱۰۸۳) — یہاں تک کہ مجھے خوف ہوگیا کہ یہ تم پر فرض ہو جائیں گی سو اگر یہ تم پر فرض ہو جاتیں تو تم اس پر قائم نہ رہ سکتے۔

اور آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد فرضیت کا خدشہ اور مانع جاتا رہا کیونکہ آپ کے بعد وحی کے ذریعہ کسی حکم کے نازل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے اہل مدینہ نے اس پر خیر القرون ہی میں عمل کیا اور حضرت امام مالکؒ نے اس کو مسلک بنا لیا تو یہ کار روائی راہ سنت میں پیش کردہ کسی حوالہ اور عبارت کے خلاف نہیں بلکہ مؤید ہے علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد رمضان مبارک مکہ مکرمہ میں گذارا کب؟ بجز اس کے کہ فتح مکہ والے سال ۸ھ میں آپ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہوئے اور پھر غزوہ حنین اور اوطاس اور غزوہ طائف جیسے اہم معرکے درپیش رہے الغرض جس چیز کو امام سیوطیؒ نے مستحب فرمایا اس کا ہماری کسی عبارت اور کسی حوالہ سے بدعت قبیحہ اور سیئہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

قرآن کریم کے اعراب کا مسئلہ مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ قرآن پر اعراب حجاج بن یوسف نے لگائے اور وہ خیر القرون میں سے نہیں ہے اور بڑا فاسق شخص تھا باوجودیکہ اس کا داعیہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ و عثمانؓ کے زمانہ میں موجود تھا تو یہ بھی بدعت سیئہ اور قبیحہ قرار پائیگا جس کی تائید حضرات صحابہ کرامؓ اور ائمہ دین نے کی یہ کس کھاتے میں رہیں گے؟ (محصلہ) تو اس سے مؤلف مذکور کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا اولاً اس لئے کہ ہم نے راہ سنت ص۳۰ میں باحوالہ چار قول نقل کئے ہیں اعراب قرآن کریم کے ساتھ اول ہی سے موجود تھے حجاج بن یوسف کے حکم سے۔ نصرؒ بن عامرؒ نے اعراب لگائے اس کے حکم سے یحییٰؒ بن یعمرؒ نے لگائے اور یہ کہ قرآن کریم کے اعراب ابو الاسود دؤلیؒ نے لگائے اگر حجاج بن یوسف ہی اعراب لگوانے والا ہو تب بھی اس کی وفات ۹۵ھ میں ہوئی اور اس کے بعد ۱۱۰ھ تک صحابہ کرامؓ کا دور تھا اور ہم نے بعض صحابہ کرامؓ کی وفات کے سن بھی باحوالہ وہاں عرض کئے ہیں اگرچہ خود حجاج بن یوسف بڑا ظالم اور فاسق تھا لیکن اس کا دور خیر القرون کا دور تھا یعنی حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا دور تھا اور اس کے اس فعل اور کار روائی پر اس دور میں کوئی گرفت نہیں ہوئی حضرات صحابہ کرامؓ اور اس وقت کے ائمہ دینؒ کا اس کی

تائید کرنا ہی اس فعل کی خیریت کی دلیل ہے اور یہ ما انا علیہ واصحابی کی بشارت کے نیچے داخل ہے وثانیاً مؤلف مذکور نے راہ سنت ص۲۷۴ سے ایک مختصر عبارت تو نقل کر دی ہے کہ قرن سے انسانوں کا بہترین طبقہ مراد ہے لیکن قرن کے معنی کی پوری تشریح جو ص۲۷۵ اور ص۱۵۴ میں مذکور ہے وہ نقل نہیں کی۔ جس میں یہ عبارت بھی ہے کہ اور ان روایات کی تشریح میں امام نوویؒ اور علامہ ابن خلدونؒ کی عبارتیں بھی نقل کی جا چکی ہیں کہ قرن اول سے حضرات صحابہ کرامؓ اور ثانی سے تابعینؒ اور ثالث سے تبع تابعینؒ کے پاک نفوس اور خود ان کی برگزیدہ ہستیاں مراد ہیں الخ (ص۲۷۵) اس لحاظ سے مطلب بالکل واضح ہے کہ جو کارروائی یہ حضرات خود کریں یا جس کارروائی کی تائید و تصدیق کریں وہ خیر القرون کا فعل کہلائیگا اور وہ حجت ہے اگرچہ حجاج بن یوسف ظالم اور فاسق اپنے نفس اور شخص اور فرد ہونے کے لحاظ سے خیر القرون کے اس بالا مفہوم میں داخل نہیں لیکن طبقہ اور دور کے لحاظ سے اس کا زمانہ خیر القرون کا دور تھا اب اگر اس کے بے پناہ مظالم کو کوئی سنت اور حجت ثابت کرے تو باطل ہے کیونکہ اس کی تائید حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ نے نہیں کی بلکہ تردید کی ہے اور ایک تاریخی روایت کے رُو سے اس نے قرآن کریم پر اعراب لگانے کا حکم دیا تو اس دور کے بہترین انسانوں کی تائید سے وہ اُس کا فعل نہ رہا ان حضرات کا فعل قرار پایا اور سنت و حجت ہوگیا۔ وثالثاً اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اگرچہ کچھ عجمی مسلمان ہو چکے تھے لیکن ان میں بیشتر وہ حضرات تھے جو غلاموں کی مد میں تھے اور عرب کے ملک میں رہ کر عربی زبان سے مانوس تھے اور اس میں کچھ شدھ بدھ بھی رکھتے تھے اور آپ کے فیض صحبت سے ان کے دماغ بڑے صاف تھے اور وہ اسلام کی ہر ادا پر مر مٹتا جاتے تھے البتہ حضرت عمرؓ کے مبارک دور میں بکثرت عجمی قومیں مسلمان ہوئیں مصر۔ عراق۔ شام۔ روم کا کچھ حصہ اور ایران مکمل طور پر اسلام کے جھنڈے کے نیچے آگیا اور بائیس۲۲ لاکھ مربع میل علاقے ان کے دور میں فتح ہوئے چونکہ ان کا دور جہاد کا دور تھا اس لئے تقریباً سب حضرات کی توجہ اس اہم امر کی طرف تھی اور فروع و جزئیات کی طرف کم تھی حضرت عثمانؓ کے دور میں جب کچھ حضرات کی جزئیات کی طرف توجہ ہوئی تو بعض اختلافات رونما ہونے لگے تو ان کو لغتِ قریش (جس میں اولاً قرآن کریم نازل ہوا تھا اور باقی چھ لغات میں پڑھنے کی اجازت ملی تھی) میں ہی قرآن کریم لکھوانے اور اس کو حدود مملکت میں پھیلانے اور تقسیم کرنے کی ضرورت پیش آئی چنانچہ بخاری شریف کی وہ روایت جو حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے اس کی واضح دلیل ہے جس میں آتا ہے کہ۔

ان حذیفة بن الیمان قدم علی عثمان وکان
یغازی اهل الشام فی فتح ارمنیة و
آذربیجان مع اهل العراق فافزع حذیفة
اختلافهم فی القرأة فقال حذیفة
لعثمان یا امیرالمؤمنین ادرك هذه
الامة قبل ان یختلفوا اختلاف الیهود والنصاری
فارسل عثمان الی حفصةؓ ان ارسلی الینا
بالصحف ننسخها فی المصاحف ثم نردها
فارسلت بها حفصة الی عثمان فامر زید بن
ثابت وعبد اللہ بن الزبیر وسعید بن العاص
وعبد الرحمن بن الحارث بن هشام فنسخوها
فی المصاحف وقال عثمان للرهط القرشیین
الثلاثة اذا اختلفتم انتم وزید بن ثابت
فی شیء من القرآن فاکتبوه بلسان قریش
فانما نزل بلسانهم ففعلوا الحدیث
(بخاری ج ۲ ص ۷۴۶)

حضرت حذیفہؓ بن الیمانؓ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے
جب کہ وہ شامیوں اور عراقیوں کو ارمینیہ اور
آذربیجان کی فتح کے لئے تیار کر رہے تھے حضرت حذیفہؓ
کو لوگوں کے اختلافِ قرأۃ نے پریشان کر دیا تھا
حضرت حذیفہؓ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ اے
امیرالمومنین اس امت کا اس سے قبل تدارک کرلیں
کہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف میں مبتلا ہو جائے
تو حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کو پیغام بھیجا کہ اپنا
قرآن کریم ہماری طرف بھیج دیں تاکہ ہم اس سے قرآن
کریم کے کئی نسخے نقل کروا کر آپ کو واپس کر دیں حضرت
حفصہؓ نے حضرت عثمانؓ کو وہ بھیج دیا انہوں نے حضرت
زیدؓ بن ثابت، حضرت عبداللہؓ بن الزبیرؓ حضرت
سعیدؓ بن العاص اور حضرت عبدالرحمنؓ بن الحارثؓ
بن ہشام کو حکم دیا کہ اس نسخہ سے قرآن کریم کے نسخے
لکھیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور حضرت عثمانؓ
نے تین قریشیوں کی جماعت سے فرمایا کہ جب تمہارا زیدؓ
بن ثابت سے اختلاف ہو تو لغت قریش میں لکھنا کیونکہ
انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب اس کار دائی کا داعیہ پیش آیا تو یہ کار دائی اس وقت انہوں نے کی اسی طرح اس تاریخی روایت کے پیش نظر کہ اعراب بعد کو لگایا گیا داعیہ پیش آنے کے بعد یہ کار دائی ہوئی تاکہ عجمی لوگ پڑھنے میں غلطی نہ کریں اور اختلاف رونما نہ ہو تو اس میں کیا حرج ہے پہلے اس کا داعیہ یا تو پیش ہی نہیں آیا ہوگا اور یا اس کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی ہوگی کیونکہ بعض امور ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ابتدائی اسباب تو پیش آچکے ہوتے ہیں لیکن ان کے بارے عجلت سے کام نہیں لیا جاتا سوچنے سمجھنے اور

مشاورت کی ضرورت ہوتی ہے ایسا ہی اس کو سمجھیں ؎

ہنر مندی سے ہو تو کیوں کھلے عیب | کہ وہ ستّار ہے جو عالم الغیب

تکرار بلا فائدہ و سوءِ فہم اور بے ربط جوڑ | اس لایعنی بحث کے بعد مؤلف مذکور نے ص۱۲۵ اور ص۱۲۶ میں فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص۳۹ کی عبارت نقل کی ہے اور اس سے اپنے مطلب کا نتیجہ اخذ کیا ہے مگر بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے اسی کتاب کے ص۱۲۳ میں اس کا جواب عرض کر دیا ہے اس لئے اب دوبارہ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے وہاں ہی ملاحظہ فرمالیں اس کے بعد مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ پس اب اس کے سوا اور کوئی عذر نہیں کہ آپ نے بدعت سیئہ کا معیار مقرر کیا ہے وہ باطل اور مردود ہے اصل میں بدعت سیئہ ہر وہ نیا امر ہے جو مزاج اسلام کے خلاف اور اس کا مغیر ہو جس کا منشار کتاب و سنت میں موجود نہ ہو اور اس کو دین میں داخل کر لیا جائے (محصلہ شامی ج ۱ ص۳۹۳) اور جو شخص کسی ایسی بدعت سیئہ کا ارتکاب کرے وہ بدعتی ضال اور مضل ہے خواہ کوئی بھی ہو صحابہ کرامؓ تابعین عظامؒ اور ائمہ دینؒ نے جن امور کا احداث کیا ان سب کی اصل کتاب و سنت سے ثابت ہے اور وہ منشار اسلام کے مطابق ہیں ان پر بدعت سیئہ اور قبیحہ کی تعریف کسی طرح سچی نہیں آتی بدعت کیا ہے سنیئے حیات انبیاء کے انکار کا عقیدہ بدعت سیئہ ہے۔ امکان کذب کا عقیدہ بدعت سیئہ ہے۔ عطائی علم غیب کے انکار کا عقیدہ بدعت سیئہ ہے علم الٰہی کا حادث ماننا (کما فی بلغۃ الحیران) بدعت سیئہ ہے۔ انبیاء کرام کی شان میں تنقیصی اور توہینی کلمات کو صحیح کہنا بدعت سیئہ ہے الغرض مجموعی طور پر پورا کارخانہ دیوبند بدعت سیئہ ہے کاش آپ نے کسی بریلی طالب علم سے پڑھ لیا ہوتا تو یہ رسوائیاں مقدر نہ بنتیں اور ابراہیم الحنفیؒ کی عبارت ہمارے نزدیک ان امور پر محمول ہے جن کا منشار شریعت میں ثابت نہ ہو اور بے شک جس کا منشار شریعت میں موجود نہ ہو اور جو مالیس منہ کا مصداق ہو وہ مردود ہے اور جس کا داعیہ عہد رسالت میں موجود ہو اور مانع کوئی نہ ہو اور پھر بھی حضورؐ اس کو نہ کریں یہ اسی وقت مردود ہوگا جب اس کا منشار اسلام میں موجود نہ ہو اور وہ مزاج اسلام کے خلاف ہو اور یہی بدعت سیئہ ہے بخلاف اہل سنت کے معمولات کے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا منشار اسلام میں موجود ہے (توضیح البیان ص۱۲۶ و ص۱۲۷)

الجواب بفضلہ تعالیٰ ہم نے بدعت سیئہ اور قبیحہ کا جو معیار با حوالہ عرض کیا ہے اس کا کوئی معقول توڑ اور جواب آپ کی طرف سے نہیں دیا جا سکا پھر وہ محض لفظوں سے کیسے مردود اور باطل قرار پایا؟ اور آپ کے کس صریح اور معقول حوالہ سے وہ باطل و مردود ٹھہرا؟ ارشاد تو فرمائیں؟ آپ نے شامی کے

حوالے کا حاصل نقل کر دیا ہے آپ کا فریضہ تھا کہ آپ ان کی پوری عبارت نقل کرتے اور پھر کچھ کہتے سر دست ہمیں اس کے نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ اُن کی مفصل عبارت مع تشریح کے اپنے مقام پر مذکور ہے جب آپ کی طرف سے کچھ کہا گیا تو انشاء اللہ العزیز پھر ہم بھی کچھ عرض کریں گے مگر صد افسوس ہے کہ آپ نے شامی کی عبارت کے ماحاصل پر بھی غور نہیں کیا اولاً اس لئے کہ اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ ہمارے دعویٰ کے کسی طرح خلاف نہیں ہے جس پر آپ پھولے نہیں سماتے ؟ علامہ شامیؒ نے بدعت کی تعریف میں جو کچھ فرمایا ہے وہی کچھ باحوالہ ہم نے عرض کیا ہے اگر فرق ہے تو صرف تعبیر کا ہے بدعت کا جو فرد بھی ہے وہ مزاج اسلام کے خلاف اور اس کا مغیر ہے اور اس کا منشا کتاب و سنت میں ہرگز موجود نہیں ہے اور کرنے والے اس کو دین ہی سمجھ کر کرتے اور اس پر مصر ہوتے ہیں و ثانیاً آپ حضرات کی جو اختراعی بدعات ہیں مثلاً تیجہ۔ دسواں۔ چہلم۔ برسی اور کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنا وغیرہ ان میں کونسی چیز اسلام کے مزاج کے موافق ہے ؟ اگر یہ اشیاء اسلام کے مزاج کے موافق ہوتیں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؒ ان پر ضرور عمل پیرا ہوتے کیونکہ ان کے اسباب محرکات اور دواعی سب اس وقت موجود تھے کیا مزاجِ اسلام کے وہ حضرات زیادہ واقف تھے یا آپ لوگ زیادہ واقف ہیں ؟ کیا اس وقت لوگ مرتے نہیں تھے ؟ یا ان کو ایصال ثواب کرنے والے نہیں ہوتے تھے ؟ یا مسکینوں کو کھانا نہیں کھلایا جاتا تھا ؟ یا قرآن کریم نازل نہیں ہوا تھا ؟ یا پڑھنے والوں میں کوئی کمی تھی ؟ یا مردہ کے ساتھ ہمدردی کرنے والے نہیں ہوتے تھے ؟ آخر ان بدعات و مخترعات کے لئے کونسا نیا داعیہ پیش آیا ہے ؟ اور ظاہر ہے کہ دین کے کسی بھی پہلو اور شعبہ کا جو نقشہ اس وقت تھا اس میں ادنیٰ تغیر بھی مغیر اسلام ہے اور اس سے اسلام کا وہ پیارا اور سادہ نقشہ بدل جاتا ہے جو خیر القرون میں تھا پھر آپ نے یہ بھی صراحت کے ساتھ حوالہ دے کر بیان نہیں کیا کہ ان بدعات و مخترعات کا منشا قرآن کریم کی کس آیت کریمہ میں ہے ؟ اور کس صحیح و صریح حدیث میں موجود ہے ؟ یا کس امام اور مجتہد نے بیان کیا ہے ؟ آپ کا فریضہ تھا کہ قرآن کریم کی کسی آیت یا کسی صحیح اور صریح حدیث سے اس پر روشنی ڈالتے یقین جانیئے کہ یہ تمام بدعات و اختراعات قبیح اور بُری ہیں اور ان کا منشا قرآن و سنت میں موجود نہیں اور آپ لوگ ان کو دین سمجھ کر کرتے ہیں اور ان پر مُصر ہیں یہ تمام رسوم کفار عجم سے اور خاص طور پر ہندوں سے ماخوذ ہیں اور ہندوانہ رسمیں ہیں اور روح اسلام کے سراسر مخالف اور یقیناً مزاج اسلام کے خلاف ہیں باقی حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ اور تبع تابعینؒ کا تعامل تو وہ خود حجت ہے جیسا کہ ہم نے راہ سنت میں

اس پر بسالا مزید علیہ باحوالہ بحث کردی ہے اور حضرات ائمہ دینؒ کا قیاس و اجتہاد کے ذریعہ کچھ فرمانا کتاب وسنت کے اصول سے ماخوذ ہے اس کو درمیان میں لاکر خلط مبحث کرنا انصاف سے بعید ہے اور یہ بالکل بجا ہے کہ ان پر بدعت سیئہ و قبیحہ کی تعریف کسی طور پر سچی نہیں آتی اللہ تعالیٰ کم فہموں کو فہم و بصیرت عطا فرمائے کہ بات کی تہ تک پہنچ سکیں ؎

خدایا ہاتھ اٹھاؤں عرض مطلب سے بھلا کیوں کر   کہ ہے دست دعا میں گوشہ داماں اجابت کا

بے جوڑ شوشہ مؤلف مذکور جب ہمارے مستحکم حوالوں کا جواب نہ دے سکے اور اپنی پسند کی بدعات واختراعات کو با دلائل ثابت نہ کرسکے تو عوام الناس کو ہم سے بدظن کرنے کے لیے اپنے بڑوں کا فرسودہ ہتھیار استعمال کرتے ہوئے یوں بہتان تراشی کرکے اپنے بے بصیرت دل کی بھڑاس نکالی اور لکھا کہ سنیئے حیات انبیاء کے انکار کا عقیدہ بدعت سیئہ ہے الخ سوال یہ ہے کہ علماء دیوبند میں کون حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا منکر ہے آپ کو کم از کم المہند علی المفند اور راقم اثیم کی کتاب تسکین الصدور کا ہی مطالعہ کرلینا چاہیئے انشاء اللہ تعالیٰ آپ پر حقیقت بالکل آشکارا ہو جائے گی اور چوروں کی طرح اندھیرے میں بیٹھ کر بے دیکھے تیر چلانے سے رستگاری حاصل ہو جائے گی الغرض علماء دیوبند میں حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا منکر کوئی نہیں اور اگر کوئی ہے تو وہ دیوبندی نہیں وہ آپ لوگوں کی طرح بدعتی ہے رہا امکان کذب کے عقیدہ کا بدعت سیئہ ہونا تو یہ بھی آپ کا اختراعانہ شوشہ ہے اور اصل بات پر پردہ ڈالنا ہے آپ جہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل۔ فتاویٰ رشیدیہ۔ راقم اثیم کی کتاب عبارات اکابر پہلا حصہ ملاحظہ کریں انشاء اللہ العزیز طبیعت صاف ہو جائے گی اور انشاء اللہ العزیز اپنے مقام پر اس کی کچھ بحث آ بھی رہی ہے اسی طرح عطائی علم غیب کا منکر بھی ازالۃ الریب کے مطالعہ سے انشاء اللہ العزیز بالکل کافور ہو جائے گا اس کا ضرور مطالعہ کریں۔ نیز علم الٰہی کو حادث ماننے کا خالص الزام نرا بہتان اور سفید جھوٹ بھی راقم کی کتاب راہ ہدایت پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بالکل رفع ہو جائیگا اور یہ صریح بہتان کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں تنقیصی اور توہینی کلمات کہنا بدعت سیئہ ہے عبارات اکابر سے بخوبی رد ہو جاتا ہے۔ بھلا وہ کون مسلمان ہے کہ جو ان اکابر کی شان میں گستاخی کرتا ہو اور گستاخی کرنے کے بعد مسلمان بھی رہ سکتا ہو؟ خواہ مخواہ کی بہتان تراشیوں کا اس دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے الغرض اہل دیوبند کا کارخانہ توحید وسنت پر چلتا ہے۔ اور بفضلہ تعالیٰ اس مبارک جماعت کا کوئی بھی عمل بدعت نہیں

ہے اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و مہربانی سے ہمارے اکابر اور لائق اساتذہ کرام نے کتاب و سنت کی روشنی میں ہمیں وہ اصول پڑھائے ہیں جن کو رد کرنے کی استطاعت آپ کے اعلیٰ حضرت کو اور ان کے صف اوّل کے تلامذہ کو بھی حاصل نہیں چہ جائیکہ دوسروں کو۔ عیاں راچہ بیاں۔ آپ کو کسی دیوبندی مکتبۂ فکر کے ابتدائی مدرسہ میں داخلہ لے کر علم کی ابتدائی باتیں ضرور حاصل کرنا چاہئیں کب تک بے علمی کے دلدل میں پھنسے رہیں گے علم کا عشق و شوق بھی پیدا کریں ع علم ہے پیدا سوال عشق ہے پنہاں جواب۔

قاضی ابراہیم الحنفیؒ کی عبارت کے پیش نظر آپ لوگوں کا ہر عمل بدعت ثابت ہے اور آپ لوگوں کے تمام ایسے بدعی معمولات روح اسلام اور منشاء اسلام کے بالکل خلاف ہیں اور ان میں سے ہر ایک امر مالیس منہ کا مصداق ہے اور یقیناً باطل و مردود ہے البتہ حق سے انکار اور پھر اس پر اصرار کا کوئی مداوا نہیں ؎

مجھے مار ڈالا ہے انکار نے پھر نہ کہنا کہ کیا مجھ پہ دعوےٰ کسی کا

مؤلف مذکور کی ملنگانہ بڑ وہ یہ عنوان قائم کرتے ہیں بدعت حسنہ کا استنباط اور اس کے تحت لکھتے ہیں۔ راہ سنت ص۹۶ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں باقی غیر مجتہد کا اجتہاد خصوصاً اس زمانہ میں ہرگز کسی بدعت کو حسنہ قرار نہیں دیتا۔ الجواب مجتہد سے کیا مراد ہے مجتہد فی الشرع جس کا کام اصول کلیہ وضع کرنا ہے یا مطلقاً خواہ کسی درجہ کا مجتہد ہو کر اگر شق اول مراد ہے کہ مجتہد فی الشرع کا غیر کوئی بھی کسی ضرورت کے پیش نظر کسی اصل سے کوئی امر مستنبط نہیں کرسکتا تو یہ بداہۃً باطل ہے کیونکہ ہر نماز میں تثویب کو متاخرین فقہاء نے مستحسن قرار دیا اور ان میں سے کوئی بھی مجتہد فی الشرع نہیں ہے نیز ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں جو نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں انہیں حل کرنے کے لئے اس زمانہ میں کونسا مجتہد ہے مثلاً لاؤڈ اسپیکر پر نماز۔ ریڈیو اور ٹیلیفون پر چاند کی خبر سنیما اور ٹیلی ویژن وغیرہ کا جواز اور عدم جواز اور ایسے صدہا مسائل جن کے بارے میں صریح نصوص موجود نہیں ہیں بتلائیے آپ اور آپ کی جماعت کے جغادری علماء انہیں حل کرتے ہیں یا نہیں؟ اور سب کو چھوڑیئے آپ کے قطب عالم نے جو کو اکھانے کو کار ثواب اور ہولی دیوالی کی پوریوں کو جائز قرار دیا ہے اس پر کونسی صحیح اور صریح نص موجود ہے اور بغیر کسی نص صریح کے جو آپ کے پیشوا نے یہ اجتہاد کیا ہے اس کو کس کھاتے میں رکھیئے گا۔ نیز آپ جو اپنے فاسد اجتہاد سے خدا رسول کے بیشمار حلال کردہ امور کو دن رات حرام کرتے ہیں وہ کونسی شرعی اجتہاد سے انجام دیتے ہیں۔ سرفراز صاحب

نے راہ سنت میں بدعت کی بحث میں دیوبندی نظریئے کو جو سہارا دینے کی کوشش کی تھی بفضلہ تعالیٰ ہم نے اسے پیوند زمین کر دیا ہے اور اگر سرفراز صاحب اس مردہ کو پھر اکھاڑنا چاہیں تو بصد شوق وہ انشاء اللہ ہمیں اپنے تعاقب میں کمربستہ پائیں گے (انتہی بلفظہ توضیح البیان ص۱۲۰ و ص۱۲۱)

الجواب ۔ مؤلف مذکور کی ساری ہی کتاب بے علمی اور کم فہمی کا واضح ثبوت ہے مگر اس مقام پر جو باتیں انہوں نے لکھی ہیں وہ تو ان کی جہالت کا واضح ترین ثبوت ہے اولاً اس لئے کہ اجتہاد و قیاس کی حاجت اور ضرورت ان مسائل میں پیش آتی ہے جن کا محرک ۔ داعیہ اور سبب خیر القرون میں نہ پایا گیا ہو اور اب پیش آیا ہو اور مبتدعین جن بدعات پر مصر ہیں ان میں سے ہر ایک کا محرک اور داعیہ اس وقت بھی موجود تھا ایسے امور میں اجتہاد کا کیا معنیٰ؟ راہ سنت ص۹۲ و ۹۳ میں ہم نے مرقات ج ۱ ص۱۷۱ اور اشعۃ اللمعات ج ۱ ص۱۴۰ کی عبارات درج کی ہیں واللفظ للثانی ۔

اتباع ہمچناں کہ در فعل واجب است در ترک نیز می باید پس آنکہ مواظبت نماید بر فعل آنچہ شارع نکردہ باشد مبتدع بود ۔ کذا قال المحدثون

اتباع جیسے فعل میں واجب ہے اسی طرح ترک میں بھی اتباع ہے سو جس نے کسی ایسے کام پر مواظبت کی جو شارع نے نہیں کیا تو وہ بدعتی ہے اسی طرح محدثین کرام نے فرمایا ہے ۔

زمانہ حال میں جو جو کام اہل بدعت کرتے ہیں ان کا کرنا بدعت اور ترک سنت ہے کیونکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خیر القرون نے باوجود ان کے اسباب کے یہ کام نہیں کئے افسوس کہ مؤلف مذکور ایسے صریح حوالے بھی بالکل پی گئے ہیں اور ان کا نام تک نہیں لیا ۔ وثانیاً مجتہد مطلق ۔ یا مجتہد مستقل یا مجتہد فی المذہب تو صرف حضرات متبوعین تھے یہ درجہ ان کے بعد کسی کو حاصل نہیں ہاں مجتہد منتسب بعد کو ہوتے رہے اور بعض علماء اصول کے نزدیک ایسا جزوی اور فی الجملہ اجتہاد قیامت تک رہے گا اور نئے نئے حوادث اور نوازل کو اپنے تفقہ سے ایسا مجتہد حل کرتا رہے گا ہم نے بقدر ضرورت مقام ابی حنیفہؒ میں اس کی بحث کر دی ہے لیکن یہ اجتہاد ایسے مسائل میں ہوگا جو نئے نئے پیدا ہوں اور ان کے اسباب و دواعی پہلے سے موجود نہ ہوں اور آپ کو خود اس کا اقرار ہے چنانچہ آپ کے اپنے الفاظ یہ ہیں ۔ کہ موجودہ زمانہ میں جو نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں انہیں حل کرنے کے لئے اس زمانہ میں کونسا مجتہد ہے مثلاً لاؤڈ اسپیکر پر نماز الخ ہم بھی اس پر صاد کرتے ہیں کہ ایسے مسائل کو حل کرنے کے لئے علماء کرام کو اپنے تفقہ اور اجتہاد سے کام لینا چاہیئے اور لیا ہے لیکن آپ حضرات جن

بدعات پڑے ہوئے ہیں ان کا کونسا نیا سبب اور داعیہ اب پیدا ہوا ہے جو خیر القرون میں موجود نہ تھا؟ ادھر اُدھر نہ بھاگیئے اس کو حل کیجئے وثانیاً ہم نے راہ سنت ص۱۳۸ و۱۳۹ میں حضرت ابن عمرؓ اور حضرت علیؓ سے تثویب کا بدعت ہونا باحوالہ درج کیا ہے اور علامہ غرناطیؒ کا یہ حوالہ بھی درج کیا ہے کہ سلف صالحینؒ نے جن بدعات کا انکار کیا ہے ان میں سے ایک تثویب بھی ہے (الاعتصام ج ۲ ص۱۱۴) حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ جیسے بلند پایہ صحابی اور حضرت علیؓ جیسے خلیفہ راشد کے ارشاد اور سلف صالحینؒ کے فیصلہ کے مقابلہ میں بعض متاخرین کی غلطی کو کون تسلیم کرتا ہے؟ اور کون اس کو اجتہاد کی مد میں رکھنا چاہتا ہے؟ اور کون اس کو ما انا علیہ و اصحابی کے مقابلہ میں مستحسن ماننے کے لئے تیار ہے؟ اور معاف رکھنا سب متاخرین فقہاءؒ بھی ایسا نہیں کہتے بلکہ صرف بعض اور چند نفوس ایسا کہتے ہیں جو متاخرین فقہاء میں بھی آٹے میں نمک کے برابر ہیں اور یہ اُن کی صریح غلطی ہے اور جمہور ان کی اس معاملہ میں پرزور تردید کرتے ہیں لہٰذا اس خالص بدعت کو اجتہاد کی مد میں رکھ کر ہرگز مغالطہ نہ دیں اور نہ کوئی مغالطہ میں آتا ہے اگر آپ نے کچھ لکھا تو انشاء اللہ تعالیٰ یار زندہ صحبت باقی ورابعاً آپ نے ہمارے دلائل سے عاجز آکر اپنی فطرت کے مطابق عوام کو بھڑکانے کے لئے کوے اور ہولی دیوالی کی پوریوں کا سہارا لیا ہے یہ بھی آپ کو سودمند نہیں اس لئے کہ کوے کی اقسام اور اس کے مباح اور غیر مباح اور مکروہ اور غیر مکروہ ہونے کے بارے میں ائمہ دینؒ اور فقہاء کرامؒ کا قدیماً و حدیثاً خاصا اختلاف ہے ہم نہایت اختصار کے ساتھ صرف دو حوالے حضرات فقہاء احنافؒ کے عرض کرتے ہیں۔

(۱) امام محمدؒ بن محمدؒ سرخسی الحنفیؒ (المتوفی ۴۸۲ھ) اپنی مشہور اور مستند کتاب مبسوط میں کوے کی اقسام اور ان کے احکام کے بارے بحث کرتے ہوئے یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ۔

فان کان الغراب بحیث یخلط فیأکل الجیف تارۃً والحبّ تارۃً وقد روی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انہ یکرہ لانہ اجتمع فیہ الموجب للحل والموجب للحرمۃ وعن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ انہ لا بأس باکلہ وھو الصحیح علی قیاس الدجاجۃ فانہ لا بأس باکلہا الخ (مبسوط ج ۱۱ ص۲۲۶)	اگر کوا وہ ہو جو کبھی گندگی کھاتا ہے اور کبھی دانے تو حضرت ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ وہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں حلت اور حرمت کے دونوں موجب جمع ہو چکے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں اور یہی صحیح ہے مرغی پر قیاس کرتے ہوئے کیونکہ اس کے کھانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں الخ۔

اس عبارت میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی یہ روایت بتائی ہے اور اسی کو صحیح قرار دیا ہے کہ کوے کا کھانا درست ہے حضرت مولانا گنگوہیؒ تو ہمارے ہی پیشوا ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا و آخرت میں انہیں کی معیت نصیب فرمائے لیکن یہ تو فرمایئے کہ امام ابو حنیفہؒ کو تو آپ بھی اپنا پیشوا تسلیم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اس عبارت کو بار بار دیکھئے کہ امام سرخسیؒ امام صاحبؒ سے کیا روایت نقل کر گئے ہیں اور کس طرح اس کو صحیح قرار دے گئے ہیں اور اس کو بھی نظر انداز نہ کریں کہ کیا کوّے کے بارے حکم ہمارے پیشوا ہی سے ثابت ہے یا حضرت امام ابو حنیفہؒ سے بھی کچھ ثبوت مہیا ہو گیا ہے؟ ع جادو وہ ہے جو سر پر چڑھ کر بولے

(۷) علامہ اکمل الدین محمد بابرتی الحنفیؒ (المتوفی ۷۸۶ھ) کوّے کی اقسام اور ان کا حکم بیان کرتے ہوئے آخر میں اُسی کوّے کے بارے میں جو غلاظت اور دانے دونوں چیزیں کھاتا ہے لکھتے ہیں کہ۔

وھو غیر مکروہ عند ابی حنیفۃؒ ومکروہ عند ابی یوسف رحؒ — یہ کوّا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔

(عنایہ شرح ھدایہ ج ۸ ص ۶۲)

حضرات فقہاء کرامؒ کی یہ اصطلاح ہے کہ لفظ عند مذہب پر دلالت کرتا ہے اور عن روایت پر دلالت کرتا ہے مقدمہ عمدۃ الرعایہ میں تصریح موجود ہے۔

فاذا قالوا ھذا عند ابی حنیفۃ دل ذالک علیٰ انہ مذھبہ الخ (ص ۱۱) — یعنی جب فقہاء کرامؒ یہ فرماتے ہیں عند ابی حنیفۃؒ تو یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ان کا مذہب ہے۔

اب امام اعظمؒ کا مذہب یہ ثابت ہوا کہ جو کوّا غلاظت اور دانے وغیرہ دونوں چیزیں کھاتا ہے وہ مکروہ نہیں ہے اور بقول امام سرخسیؒ یہی بات صحیح ہے جس طرح مرغی کہ غلاظت بھی کھاتی ہے اور دانے وغیرہ بھی مگر حلال ہے مگر افسوس ہے کہ مرغی کا مسئلہ تو اہل بدعت نے کبھی نہیں چھیڑا کیونکہ یہ ان کا لذیذ کھانا ہے بلکہ اس سے چٹخارے لے لے کر بطن مبارک کی تواضع کرتے ہیں اور اگر کہیں جلسوں اور دعوتوں میں یہ جنس نہ ملے تو چین بےچین ہوتے ہیں اور طرح طرح کی بولیاں بولتے اور اشارات کرتے رہتے ہیں ؎

اب کوئی کیا کرے علاج شکم — مرغ تے بھی دبا جواب ہمیں

فرمایئے کہ فقہ حنفی کی مستند ترین کتابوں کے حوالہ سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مذہب سے جو بقول امام سرخسیؒ صحیح ہے اور کونسا صریح حوالہ آپ کو درکار ہے؟ الغرض ہمارے پیشوا کے سامنے فقہ کے یہی حوالے

تھے انہوں نے اپنی طرف سے قیاس واجتہاد کچھ نہیں کیا آپ ذرا اپنے مطالعہ کو وسعت دیں باقی رہا ہولی دیوالی کی پوریوں کا مسئلہ تو اگر مؤلف مذکور ہمارے پیشوا کے فتاویٰ سے پوری عبارت نقل کر دیتے تو کسی کو شبہ پیدا نہ ہوتا مگر ان لوگوں کا کام صرف عوام کے دلوں میں ہمارے خلاف جذبات پیدا کرنا اور عوام کو مغالطہ میں الجھانا ہے فتاویٰ کی اصل عبارت یہ ہے۔ مسئلہ ہندو تہوار ہولی یا دیوالی میں اپنے استاذ یا حاکم یا نوکر کو کھیلیں یا پوری یا اور کچھ کھانا بطور تحفہ بھیجتے ہیں ان چیزوں کا لینا اور کھانا استاذ و حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں؟ الجواب درست ہے فقط (فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۱۱۵ طبع جید برقی پریس دہلی)

اس سوال میں اس کی تصریح موجود ہے یہ کھانا بطور تحفہ و ہدیہ ہے اس سوال میں مرکزی نکتہ لفظ تحفہ ہی ہے چونکہ ہر قوم اپنے خوشی کے ایام میں اچھا کھانا تیار کرتی ہے اس لئے اس دن تحفے تحائف کا بھی خیال رہتا ہے اور اس عبارت میں استاذ وغیرہ کا تذکرہ بھی موجود ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا مشرکوں اور کافروں سے ہدیہ اور تحفہ لینا ناجائز ہے؟ صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵۶ میں باب ہے۔ باب قبول الہدیۃ من المشرکین پھر اس کے تحت اجمالاً چند احادیث کا تذکرہ ہے، مثلاً ایک یہ کہ ایک جابر اور کافر بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت ہاجرہ علیہا السلام بطور تحفہ و ہدیہ دی تھیں۔ اور ایک یہ کہ ایلہ کے بادشاہ اُکیدر نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سفید خچر ہدیۃً دی تھی اور ایک یہ کہ غزوہ خیبر کے موقع پر یہود نے سازش کر کے بکری کے گوشت میں زہر ڈال کر آپ کو دعوت دی اور آپ نے قبول کی اور اس کے بعد پھر بعض مفصل احادیث ہیں۔ اور بخاری ج ۲ ص ۶۳۷ کی روایت میں ہے۔ کہ آپ نے اس دعوت سے کچھ کھایا بھی تھا غرضیکہ ہمارے پیشوا نے اس میں اجتہاد نہیں کیا بلکہ قبول الہدیۃ من المشرکین کے شرعی قواعد کے تحت یہ بات فرمائی ہے۔

لیجئے اپنے اعلیٰ حضرت کا ایک حوالہ بھی سُن لیجئے۔

مسئلہ ہندو کے یہاں کی شیرینی پر فاتحہ دینا جائز ہے یا نہیں اور اس کے گھر کا کھانا درست ہے یا نہیں۔ **الجواب** اولیٰ یہ ہے کہ فاتحہ کے لئے شیرینی مسلمان کے یہاں کی ہو اور ہندو کے یہاں کا گوشت حرام ہے باقی کھانوں میں مضائقہ نہیں اگر کوئی وجہ شرعی مانع نہ ہو واللہ تعالیٰ اعلم (عرفان شریعت حصہ اول ص ۵ طبع مراد آباد) غور کیجئے کہ آپ کے پیشوا نے بھی ہندوؤں کے ہاں سے بغیر گوشت کے باقی کھانوں کے ضمن میں پوری وغیرہ بھی داخل ہے، جواز کا فتویٰ دے دیا ہے باقی شرعی مانع اور کیا ہو سکتا ہے کیونکہ ہولی اور دیوالی

میں مسلمان شریک نہیں ہوا اور نہ ان دنوں کی تعظیم اس کے دل میں ہے ہندو خود بطور تحفہ مسلمان کے گھر پوری وغیرہ بھیجتا ہے اور غیر مسلم کا تحفہ اور ہدیہ قبول کرنا درست ہے ہاں اگر غیر مسلموں کے مخصوص ایام کی تعظیم یا ان سے تشبہ مسلمان کرے تو وہ دوسرا مسئلہ ہے اور اس بارہ میں حضرات فقہاء کرامؒ کے سخت فتوے موجود ہیں لیکن فتاویٰ رشیدیہ کے سوال میں بطور تحفہ کے لفظ صراحۃً موجود ہیں خلط مبحث عقلاء کو زیب نہیں دیتی خالصاحب کے فتویٰ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک ہندوؤں کے یہاں سے آئی ہوئی شیرینی پر بھی فاتحہ دینا جائز ہے ہاں اولیٰ یہ ہے کہ مسلمان کے گھر سے آئی ہوئی شیرینی پر فاتحہ دی جائے اور لفظ اولیٰ اس کا واضح قرینہ ہے۔

ہم نے کسی مسئلہ میں کوئی اجتہاد نہیں کیا نہ تو ہم اجتہاد کے اہل ہیں اور نہ ہی مجاز ہیں اور ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے برحق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کسی حلال کردہ امر کو حرام نہیں کیا اور نہ کہا ہے ہم نے صرف ان ہی امور کو بدعات واختراعات اور حرام کہا ہے جن کو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور امت مسلمہ کے مستند علماء اور فقہاء نے بدعات واختراعات اور حرام فرمایا ہے اور ہمارا کسی ایک مسئلہ میں بھی آپ سمیت اپنی پوری جماعت کے ایسا اجتہاد نہیں ثابت کر سکتے ہم نے بفضلہ تعالیٰ ہر بات بادلیل اور باحوالہ کہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے راہ سنت کے تمام جاندار، وزنی اور زندہ دلائل اور قطعی براہین اپنی جگہ پر میدان میں قائم ہیں آپ ان میں سے کسی ایک کا جواب نہیں دے سکے اور نہ یہ آپ کے اور آپ کی پوری جماعت کے بس کا روگ ہے نرے چند صفحات سیاہ کرکے خوش ہو جانا اور ڈھینگیں مارنا کہ جواب ہو گیا اور اپنی جماعت سے داد تحسین حاصل کر لینا کوئی حیثیت نہیں رکھتا اسی طرح آپ کے مقرظ اور مصدق مقدمہ باز بزرگ کا آپ کی اس لایعنی کتاب کے بارے میں یہ لکھنا کہ۔ تو اب یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں ہے کہ ایسی جامع مختلف الانواع کتاب آج تک منصۂ شہود پر جلوہ گر نہیں ہوئی (صنٹ) اور نیز یہ کہ بلکہ ہر دعوئی کو براہین سے مبرھن کیا ہے (صنٹ) نری طفل تسلی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ آں بزرگ کو راہ سنت وغیرہ کتابیں اور اُن میں درج شدہ ٹھوس حوالے اور دلائل دیکھنے کی نوبت ہی نہیں آئی اور یا ان میں دلائل و براہین کے پرکھنے کا مادہ ہی نہیں ورنہ کسی عالم کو موازنہ اور محاکمہ کرنے کے بعد بشرط انصاف ودیانت ایسی غیر ذمہ دارانہ بات کہنے کی کبھی جرات وجسارت نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے اگر آپ کے دلائل اور براہین کا معیار یہی ہے تو معاف رکھئے ؎

یہی کچھ ہے تو برپا کل کو طوفاں اور بھی ہونگے تمہاری خاک کے ذرّے پریشاں اور بھی ہونگے

لطیفہ تنقید متین ص۲۶ میں کافر کے مال کے جائز ہونے کے بارے میں ہم نے البحر الرائق ج۵ ص۲۶۲ اور فتاویٰ ظہیریہ ص۲۲۹ کا حوالہ بھی دیا تھا فتاویٰ ظہیریہ کے الفاظ یہ تھے کافر نے جو صف مسجد میں بچھائی ہے اس پر نماز پڑھنی جائز و درست ہے کیونکہ کافر کا کل مال حلال ہے خواہ ربوا (سود) سے حاصل کیا ہو یا غیر ربا مثل تجارت وغیرہ سے پیدا کیا ہو انتہیٰ مگر مؤلف مذکور شیر مادر سمجھ کر ان حوالوں کو پی گئے ہیں اور ان کا ذکر تک بھی نہیں کیا تاکہ ان کے نملط مسئلہ کی قلعی نہ کھل جائے فوا اسفا ہ

وہ حالِ زار ہے ان کا کہ گاہ بھول سے بھی کسی کے سامنے یہ ماجرا بیان نہ ہوا

قارئین کرام ! آپ بخوبی ملاحظہ کر چکے ہیں کہ ہم نے مؤلف مذکور کی طرح دھوکہ دہی کی کاروائی نہیں کی کہ انہوں نے تنقید متین کی تردید میں یہ وتیرہ اختیار کیا ہے کہ ایک آدھ حوالہ لے لیا اور اس کا بزعم خویش رد کر کے باقی صریح اور محکم حوالوں سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے آگے نکل گئے ہیں کیونکہ عوام الناس نہ تو اصل حقیقت سے باخبر ہوتے ہیں اور نہ انہوں نے اصل کتاب دیکھی ہوتی ہے وہ تو ایک آدھ پھبتی سُن کر خوش ہو جائیں گے کہ واہ واہ ہماری جماعت کے محقق نے کمال ہی کر دیا ہے کیسا جواب دیا اور وہابیوں کو کیسی کیسی بے نقط سنائی ہیں ؟ بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے یا تو مؤلف مذکور کی اصل عبارت پوری نقل کی ہے یا اس کا ایسا خلاصہ عرض کیا ہے جس میں اُن کی گرفت کا کوئی پہلو نہ چھوٹا ہو اور پھر اُس کا رد کیا ہے تاکہ پڑھنے والے بخوبی بیک وقت طرفین کی باتیں ملاحظہ کر لیں کہ انہوں نے کیا کہا اور اُنہوں نے کیا کہا ؟ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو حق سمجھنے کی اور پھر اس پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین ثم آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

احقر ابو الزاہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ و صدر مدرس مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

۱۸ شوال ۱۴۰۱ھ ۱۹ اگست ۱۹۸۱ء

اِتمامُ البرہان

فی ردِّ

توضیحُ البیان

حصّہ سوم

تألیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی

مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم

گوجرانوالہ

۳۲۷

فہرست مضامین اتمام البرہان حصہ سوم

فہرست مضامین اتمام البرہان حصہ سوم

فہرست مضامین اتمام البرہان حصہ سوم

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی حَمْدًا کَثِیْرًا کَمَا یُحِبُّ رَبُّنَا وَیَرْضٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ یُتَنَبَّأُ بَعْدَہٗ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ وَسَیَنْزِلُ عِیْسٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ کَمَا وَرَدَ بِہِ الْحَدِیْثُ الصَّحِیْحُ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

امابعد۔ قارئین کرام نے اتمام البرہان فی رد توضیح البیان کا پہلا اور دوسرا حصہ پڑھ لیا ہے۔ اب یہ تیسرا حصہ حاضر ہے جس طرح پہلے حصے توجہ وانہماک سے پڑھے گئے ہیں ہم پوری توقع رکھتے ہیں کہ اسی طرح یہ حصہ بھی پڑھا جائے گا۔ طرفین کے دلائل کو پرکھنے والے اہل علم وانصاف حضرات بخوبی میزان العدل سے ان کا موازنہ کریں گے اور امید ہے کہ خود مؤلف مذکور یا ان کی جماعت کے افراد حق بات کو قبول کریں گے جیسا کہ دیگر مسائل میں بعض حضرات کی غلط فہمیاں دور ہوئی ہیں اور انہوں نے حق کو قبول کیا ہے کئی حضرات کے خطوط آئے ہیں اور کئی حضرات خود حاضر ہو کر اپنی محبت وعقیدت کا اظہار کر چکے ہیں۔ بہرحال ہمارا مقصد داد تحسین کا حصول نہیں صرف یہ آرزو ہے کہ حق ہر حق جو تک پہنچ جائے اور اتمام حجت ہو جائے اور دیگر کتابوں کی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کی رہنمائی کا ذریعہ بن جائے وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ اللہ تعالیٰ سب کو حق سمجھنے کی پھر اس کو قبول کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین ثم آمین۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَجَمِیْعِ مُتَّبِعِیْہِ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ وصدر مدرس مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ،

۱۶ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ ۱۱ فروری ۱۹۸۲ء

نور و بشر ہم نے تنقید متین ص۲۶ میں مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ حوالہ نقل کیا تھا جو انہوں نے وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ الآية کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ۔ مِنَ النَّاس فرمانے میں لطیف رمز یہ ہے کہ یہ گروہ بہتر صفات و انسانی کمالات سے ایسا عاری ہے کہ اس کا ذکر کسی وصف و خوبی کے ساتھ نہیں کیا جاتا یوں کہا جاتا ہے کہ وہ بھی آدمی ہیں مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو بشر کہنے میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے اس لئے قرآن پاک میں جا بجا انبیاء کرام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا اور در حقیقت انبیاء کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے ص۵ و ص۱۳ مولوی نعیم الدین صاحب کی اس عبارت پر ہم نے بحمداللہ تعالیٰ بڑی ٹھوس اور با حوالہ تنقید کی ہے ہماری تنقید کی کچھ عبارت "نہ تو یہاں لفظ بشر ہے الیٰ قولہ مگر ابلیس لعین نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تک نقل کرنے کے بعد مؤلف مذکور مسئلہ بشریت کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں۔ علماء اہل سنت نے انبیاء علیہم السلام کے جنس بشر اور نوع انسان سے مبعوث ہونے کا کب انکار کیا ہے ؟ لیکن انبیاء علیہم السلام کی بشریت بے شمار فضائل و کمالات کی حامل ہوتی ہے اور چونکہ کتاب و سنت سے نبی علیہ السلام کی نورانیت بھی ثابت ہے اس لئے ہمارے نزدیک نبی علیہ السلام بشریت اور نورانیت دونوں کے علیٰ وجہ الکمال جامع ہیں اور اس اجتماع میں کوئی منافات نہیں ہے بلکہ کتاب و سنت میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں البتہ نبی علیہ السلام کو اپنے جیسا بشر کہنا صحیح نہیں ہے اور یہی صدر الافاضل کا مطلب ہے جس کی انہوں نے خود اپنی تفسیر میں جگہ جگہ تصریح فرمائی ہے ۔

مثلاً سورۂ کہف میں انما انا بشر کی تفسیر میں لکھا ہے۔ بہر حال آپ کی ذات و کمالات میں آپ کا کوئی بھی مثل نہیں الیٰ قولہ مسئلہ کسی کو جائز نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل بشر کہے الخ۔

اور سورۂ حم سجدہ میں اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں فائدہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بلحاظ ظاہر انما انا بشر مثلکم فرمانا حکمت ہدایت و ارشاد کے لئے بطریق تواضع ہے الیٰ قولہ تو کسی امتی کو روا نہیں کہ وہ حضور علیہ السلام سے مماثلت ہونے کا دعویٰ کرے الخ اس کے بعد مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ صدر الافاضل کے کلام سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے (۱) بشریت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں متحقق ہے (۲) کمالات کے اعتبار سے آپ کی بشریت میں کوئی آپ کا مثل نہیں (۳) کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ حضور کو اپنی مثل بشر کہے (۴) انبیاء کو اپنی مثل بشر کہنا ہمیشہ سے کفار کا طریقہ رہا ہے پس ثابت ہوا کہ وَمِنَ النَّاسِ الآية کی عبارت سے بھی یہی مراد ہے

یہاں اختصار کے پیش نظر اجمالی کلام کیا گیا ہے اور جس جگہ اس موضوع پر بحث ہے وہاں تفصیل کو پیش کر دیا ہے اور اس عبارت میں بھی بشر کہنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو انبیاء کرام کو اپنی مثل بشر کہتے ہیں۔ تیسری جگہ صدر الافاضل لکھتے ہیں کہ اس امت میں بہت سے بدنصیب سید الانبیاء کو بشر کہتے ہیں اور ہمسری کا خیال فاسد رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں گمراہی سے بچائے اس سے بھی معلوم ہوا کہ صدر الافاضل نفس بشر کی تحقیق کو جائز رکھتے ہیں البتہ ہم مثلی کے عقیدہ کو فاسد قرار دیتے ہیں اصل تفسیر میں جو مراد آباد کے قدیم مطبوعہ نسخہ میں موجود ہے یوں ہی تھا جب تاج کمپنی میں یہ شائع ہوا تو بعض بد دیانت سرفرازیوں نے اس میں اس طرح تحریف کر دی اس امت میں بھی بہت بدنصیب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کرتے ہیں اور قرآن و حدیث کے منکر ہیں۔ تاج کمپنی کا معذرت نامہ بھی چھپ چکا ہے بہرحال صدر الافاضل کا مقصد یہ ہے جو نص ناطق ہے کہ بدنصیبی اور گمراہی بشر کہنا اور ہمسری کا خیال فاسد رکھنا ہے لیکن سرفراز صاحب ہم مثلی کے خیال کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے ہیں حالانکہ مرکزی نقطہ یہی ہے (محصلہ توضیح البیان ص۱۲۲ تا ص۱۳۶)

الجواب۔ اس تمام مضمون سے ذیل کے امور وضاحت سے ثابت ہو گئے ہیں جن میں کوئی شک نہیں ہے (۱) مؤلف مذکور اور بقول ان کے ان کی جماعت حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جنس بشر اور نوع بشر سے تسلیم کرتی ہے اور اس کا ان میں کوئی منکر نہیں ہے۔ بلاشک اکثر بریلوی صاحبان جملہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو جنس اور نوع کے لحاظ سے بشر۔ آدمی اور انسان ہی تسلیم کرتے ہیں لیکن ان میں سے بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کے ذاتی نور سے مخلوق مانتے ہیں (معاذ اللہ) چنانچہ بریلوی حضرات کے ماہنامہ رسالہ حنفی لاہور بابت ماہ اپریل ۱۹۶۴ء کے ابتدائی ٹائیٹل پر مختصر عقائد اہل سنت والجماعت کے عنوان سے چند عقائد درج ہیں بعض یہ ہیں ۲؎ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے ذاتی نور پاک سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور انور کو پیدا کیا پھر اس نور سے تمام کائنات کا ظہور فرمایا ۸؎ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جامۂ بشریت میں اللہ تعالیٰ کے بے مثل نور ہیں۔ ۹؎ آپ دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والالم ہیں ۱۰؎ حضور سید الانبیاء حبیب کبریاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعطائے الٰہی عالم الغیب ہیں اور عالم ماکان وما یکون الخ بہرحال انصاف اور عقلمند آدمی جس کو عبارت سمجھنے کا ادنیٰ سلیقہ بھی حاصل ہے وہ اس عبارت میں ۲؎ و ۸؎ سے یہی سمجھے گا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور اللہ تعالیٰ کے ذاتی اور بے مثل

نور سے جدا ہوا ہے اور آپ کے نور کا مادہ (معاذ اللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ کا ذاتی اور بے مثل نور ہے اور بقول ان کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعطائے الٰہی عالم الغیب بھی ہیں اور ان باطل عقائد کو انہوں نے اہل سنت وجماعت (یعنی بریلویوں) کے عقائد قرار دیا ہے جن جن لوگوں کے ہاتھوں میں یہ رسالہ پہنچا ہوگا خدا معلوم ان میں سے کتنے لوگوں نے بزعم خویش اہل سنت والجماعت کا مسلک سمجھ کر اس پر یہ عقیدہ اپنایا اور اختیار کیا ہوگا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ذاتی اور بے مثل نور سے پیدا ہوئے علاوہ ازیں بریلویوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا بنائے بغیر چین نہیں پاتے سر دست ہم ان کے مشہور و معروف بزرگ خواجہ محمد یار صاحب (المتوفی ۱۳۶۷ھ) کے دیوان محمدی کے چند اشعار نقل کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتے ہیں۔

ے خدا کہتے ہیں جس کو مصطفیٰ معلوم ہوتا ہے ۔۔۔ جسے کہتے ہیں بندہ خود خدا معلوم ہوتا ہے

(دیوان محمدی ص۱۰۱)

ے محمد مصطفیٰ محشر میں طٰہٰ بن کے نکلیں گے ۔۔۔ اٹھا کر میم کا پردہ ہویدا بن کے نکلیں گے
حقیقت جن کی مشکل تھی تماشا بن کے نکلیں گے ۔۔۔ جسے کہتے ہیں بندہ قل ہو اللہ بن کے نکلیں گے
بجاتے تھے جو اِنّی عَبْدُہٗ کی بنسری ہر دم ۔۔۔ خدا کے عرش پر اِنّی انا اللہ بن کے نکلیں گے

(دیوان محمدی ص۱۰۳)

احمد احد میں فرق نہیں اے محمدا ۔۔۔ عشاق یار رکھتے ہیں ایمان نئے نئے
محمد یار

(دیوان محمدی ص۱۰۴)

ے گر محمد نے محمدؐ کو خدا مان لیا ۔۔۔ پھر تو سمجھو کہ مسلمان ہے دغا باز نہیں
محمد یار

(دیوان محمدی ص۱۰۵)

ے محمدؐ دی صورت ہے صورت خدا دی ۔۔۔ میرے دل توں نقشہ مٹا کوئی نہیں سگدا (ص۱۲۲)
ے احد نال احمد رلا کیوں نہ ڈیکھاں ۔۔۔ حبیبِ خدا کوں خدا کیوں نہ ڈیکھاں (ص۱۲۶)
ے محمد محمد پکیندی گذر گئی ۔۔۔ احد نال احمد ملیندی گذر گئی
میں اپنی حیاتی توں قربان تھیواں ۔۔۔ خدا کوں محمد سڈیندی گذر گئی (ص۱۴۵)
ے احمد احد کوں ڈوں نہ کر ۔۔۔ من گھن چراؤ چوں نہ کر (ص۱۷۰)

غور فرمایا قارئین کرام نے کہ اس غالی نامراد عاشق نے کس طرح احد اور احمد کو ایک کر دکھایا ہے۔ اور معاذ اللہ تعالیٰ کس طرح خالق و مخلوق کو گڈ مڈ کر دیا ہے علماء اور سمجھدار لوگ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور کہتے ہیں یا نور من نور اللہ سے تعبیر کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد یہی ہوتی اور ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نور ہدایت بنا کر بھیجا اور آپ کا بایں معنیٰ نور ہونا اللہ تعالیٰ کے نور کا فیض ہے لیکن عوام کالانعام تو کیا بعض غالی خواص بھی اس شاعر مذکور کی طرح خدا اور رسول کو (معاذ اللہ تعالیٰ) گڈ مڈ کر دیتے ہیں اور وہ جب آپ کو نور کہتے ہیں تو وہ آپ کو خدا تعالیٰ کے نور کا ایک حصہ بنا کر اور نور من نور اللہ زور زور سے کہہ کر عوام کو یہ باور کراتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کا نور ہیں اور اس کے نور سے کشید ہیں اور احد و احمد میں کوئی فرق نہیں ہے ایسے ہی غالی لوگوں کی تردید کے لئے اہل حق کو نور و بشر کی بحث اور اس کی باحوالہ تفصیل ذکر کرنا پڑتی ہے تاکہ عوام گمراہ نہ ہو جائیں (۲) مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشریت اور نورانیت دونوں کے علیٰ وجہ الکمال جامع ہیں اور اس اجتماع میں کوئی منافات نہیں کتاب وسنت سے آپ کی نورانیت بھی ثابت ہے الخ (محصلہ) مؤلف مذکور کی یہ بات بھی درست اور صحیح ہے کسی مسلمان کو اس میں تردد نہیں ہو سکتا ہم نے اپنی کتاب تنقید متین ص۱۲ میں یہ تصریح کی ہے کہ۔ ہمارا ایمان اور تحقیق یہ ہے کہ امام الرسل۔ خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر بھی ہیں اور نور بھی جنس اور ذات کے لحاظ سے تو آپ بشر ہیں اور صفت و ہدایت کے اعتبار سے آپ نور ہیں آپ کی بدولت دنیائے ظلمت کو روشنی نصیب ہوئی الی قولہ کوئی مسلمان اس حقیقت کا منکر نہیں ہے ہاں اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بایں معنیٰ نور سمجھا اور کہا جائے کہ معاذ اللہ تعالیٰ آپ کی بشریت۔ آدمیت اور انسانیت ہی کا سرے سے انکار کر دیا جائے تو نصوص قطعیہ صریحہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہم اس کے قطعاً منکر ہیں الخ۔

ہمارے اس واضح بیان کے ہوتے ہوئے مؤلف مذکور کا ص۱۴۱ میں نبی علیہ السلام کی نورانیت کا عنوان قائم کر کے قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ الآیۃ پیش کرنا اور پھر ص۱۴۲ اور ص۱۴۳ میں حضرت امام رازیؒ اور حضرت ملا علی القاریؒ اور علامہ آلوسیؒ سے یہ نقل کرنا کہ نور سے آپ کی ذات بھی مراد ہو سکتی ہے بلکہ بقول علامہ آلوسیؒ آپ نور الانوار ہیں اور ص۱۴۴ میں اس تفسیر کو قتادہؒ اور زجاجؒ سے نقل کرنا اور اس کو ان کا مختار قرار دینا اور ص۱۴۵ میں تفسیر جلالین اور صاوی اور ابو السعود سے یہ نقل کرنا کہ نور سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم کی ذات مراد ہے اور اسی طرح ص۱۴۸ میں تفسیر بیضاوی۔ خازن اور نسفی سے اور ص۱۴۹ میں روح البیان کے حوالہ سے یہ نقل کرنا کہ نور سے مراد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور ص۱۵۱ میں امداد السلوک ص۸۶ کے حوالہ سے اور مولانا تھانویؒ کے رسالہ النور ص۳۱ کے حوالہ سے اور مولانا عثمانیؒ کے تفسیر کے حوالہ سے یہ نقل کرنا کہ شاید نور سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب مبین سے قرآن کریم مراد ہے اور پھر ص۱۵۲ میں رسالہ التوسل ص۵۳ سے اور قاضی عیاضؒ کی شفا ص۱۰ سے اور ص۱۵۴ میں حضرت ملا علی القاریؒ کی شرح شفا ج ا ص۱۸ سے اور پھر تفسیر خازن سے اور ص۱۵۵ میں تفسیر کبیر کے حوالہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نور اور سراج منیر ہونے کے حوالے نقل کرنا اور عوام کو یہ باور کرانا کہ معاذ اللہ تعالیٰ گویا ہم اس کے منکر ہیں قطعاً غلط ہے یہ حوالے سب برحق ہیں اور ان میں کوئی ایک حوالہ بھی ہمارے خلاف نہیں ہے بلکہ سب ہمارے مؤید ہیں۔ مؤلف مذکور نے اپنے ناخواندہ حواریوں پر محض اپنا علمی رعب ڈالنے کے لئے یہ غیر متعلق حوالے نقل کر کے کتاب کا حجم خواہ مخواہ بڑھایا ہے اس کا کون مسلمان منکر ہے؟ ہم نے خود قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ الآیۃ کی یہ تفسیر نقل کرنے کے بعد کہ ان دلائل اور قرائن کے تحت نور سے قرآن کریم مراد ہے اور عطف تفسیری ہے مگر دوسری تفسیر کو بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ تنقید متین ص۱۲۴ میں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اکثر مفسرین کرامؒ نے نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ میں نور سے قرآن مراد لی ہے ہاں بعض نے نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ہستی بھی مراد لی ہے لیکن وہی مفسرین کرامؒ اپنی تفسیروں میں دوسرے مقامات پر آپ کی بشریت اور انسانیت کا کھلے لفظوں اقرار کرتے ہیں تو اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ بشر آدمی اور انسان ہوتے ہوئے نور تھے جیسا کہ ہم نے ابتداء میں عرض کیا ہے الخ قارئین کرام! ہماری طرف سے اتنی اور ایسی واضح تصریح کے بعد مؤلف مذکور کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور ہونے کے حوالے پیش کرنے سے ان کو فائدہ کیا ہے اور ہمیں نقصان کیا ہے؟ اکثر مفسرین کرامؒ نے اس مقام پر نور سے قرآن کریم ہی مراد لی ہے اگر اس بارے میں مؤلف مذکور کو شبہ ہو تو کتب تفسیر بھی موجود ہیں اور انشاء اللہ العزیز قلم بھی موجود ہے اور یہ اکثر اور بیشتر مفسرین کرامؒ اہل السنت والجماعت ہی سے متعلق ہیں گو اصول عربیت کے تحت اس تفسیر میں ان کے ساتھ بعض معتزلہ بھی شریک ہیں لہٰذا مؤلف مذکور کا ص۱۵۵ میں یہ عنوان قائم کر کے کہ قد جاءکم من اللہ نور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کی نفی کرنے والے کون تھے؟ آگے روح المعانی

کا یہ حوالہ نقل کرنا کہ ابو علی الجبائی اور علامہ زمخشری نے اس مقام میں نور سے کتاب ہی مراد لی ہے اور پھر ص۱۵۶ میں یہ لکھنا کہ صاحب کشاف اپنے آپ کو ابو المعتزلہ کہتے تھے اور ابو علی جبائی بصرہ کے معتزلہ میں سے تھے اور آخر میں مؤلف مذکور نے یہ سوقیانہ بولی بول کر دل کی بھڑاس یوں نکالی ہے کہ پس اب غور فرمایئے کہ مولوی سرفراز صاحب گکھڑوی نے نورانیت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرکے کن لوگوں کے برازمیں اپنے عقیدہ کو شامل کرلیا ہے بلفظہ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ تعالیٰ داد دیجیئے مؤلف مذکور کی اس سوقیانہ بولی کی اور سفید جھوٹ اور خالص افتراء کی سرفراز نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کا کب انکار کیا ہے؟ تنقید متین میں تو آپ کے نور ہونے کا صاف اقرار موجود ہے جیسا کہ حوالے اوپر گذر چکے ہیں مؤلف مذکور کے بارے اس سے زیادہ ہم اس جہان میں کیا کہہ سکتے ہیں کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین اپنے سراسر مشرکانہ اور ملحدانہ نظریہ کی حفاظت اور حمایت میں اس قدر دجل اور تلبیس؟ توبہ توبہ۔ مؤلف مذکور کا فریضہ تھا کہ ہمارے تمام حوالے بقید حروف نقل کرتے یا ان کا باحوالہ خلاصہ لکھتے پھر ان کی تردید کرتے تاکہ عوام کے سامنے دونوں کے دلائل پیش نظر رہتے مگر ایسا کرنا مؤلف اور ان کے استادوں کے مزاج کے بالکل خلاف ہے وہ تو ادھورے حوالے ہی نقل کرکے عوام کو اہل حق سے بدظن کرنے کے فکر میں رہتے ہیں مگر اس سے کیا حاصل ہوتا ہے حق حق ہے اور باطل باطل ہے۔ ؎

آدمی فرض آشنا ہی نہیں　　　آدمی حق طلب بھی ہوتا ہے

(۳) کمالات کے اعتبار سے آپ کی بشریت میں کوئی آپ کا مثل نہیں الخ یہ بات بھی محل نزاع سے بالکل خارج ہے کسی مسلمان کو اس میں رتی بھر شک و شبہ نہیں اور نہ ہو سکتا ہے اور خود مؤلف مذکور نے ص۱۳۶ میں براہین قاطعہ ص۳ کا یہ حوالہ نقل کیا ہے۔ پس کوئی ادنیٰ مسلمان بھی فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تقرب و شرف کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا البتہ نفس بشریت میں مماثل آپ کے جملہ بنی آدم ہیں۔ بلفظہ براہین قاطعہ ص۳ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ پس کوئی ادنیٰ مسلم بھی فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تقرب و شرف کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا البتہ نفس بشریت میں مماثل آپ کے جملہ بنی آدم ہیں کہ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اور بعد اس کے یُوْحٰى اِلَیَّ کی قید سے پھر وہی شرف تقرب کو بعد اثبات مماثلت بشریت کے ثابت فرمادیا الخ بحمداللہ تعالیٰ ہمارا اور ہمارے اکابر کا یہی عقیدہ ہے جو اس عبارت میں بیان ہوا ہے اس کی موجودگی میں ہم پر یہ الزام و بہتان باندھنا کہ معاذاللہ تعالیٰ ہم

کمالات کے لحاظ سے آپ کی بشریت میں آپ کا کسی کو مثل کہنے یا ماننے ہیں خالص جھوٹ اور محض کذب ہے

(۴) کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی مثل بشر کہے الخ اس سے کیا مراد ہے اگر مراد یہ ہے جنس اور نوع کے لحاظ سے کسی کو جائز نہیں تو یہ نظریہ نص قطعی قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کے سراسر خلاف ہونے کے ساتھ مؤلف مذکور کے (اور ان کی اکثر جماعت کے خیال و نظریہ کے بھی خلاف ہے خود مؤلف مذکور نے لکھا ہے کہ علماء اہل سنت نے انبیاء علیہم السلام کے جنس بشر اور نوع انسان سے مبعوث ہونے کا کب انکار کیا ہے الخ (ص۱۳۰) اور نیز اپنے صدر الافاضل کی عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں بشریت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں متحقق ہے (ص۱۳۱) اور اگر مراد یہ ہے کہ تقرب اور شرف کمالات کے اعتبار سے کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل بشر کہے تو بجا ہے اور گذر چکا ہے کہ اس میں کسی ادنیٰ مسلمان کو بھی ذرہ بھر شک نہیں ہے اور نہ کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش ہے۔

(۵) حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنی مثل بشر کہنا ہمیشہ سے کفار کا طریقہ رہا ہے الخ اس سے کیا مراد ہے اگر یہ مراد ہے کہ کفار حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جنس بشر اور نوع انسان میں سے ہونے میں اپنے جیسا مانتے تھے تو معاف رکھنا پھر تو یہ آپ کا اور بقول آپ کے علماء اہل سنت کا مذہب بھی ہے اس لحاظ سے جو طریقہ کفار کا تھا سو وہ آپ کا بھی ہے دونوں میں فرق کیا رہا ؟ جس کے لئے دہائی پر دہائی دی جا رہی ہے۔ اور اگر مراد یہ ہو کہ کفار اور مشرکین حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وصف نبوت اور رسالت سے خالی مان کر اور ان کے خداداد کمالات اور فضائل سے انہیں معاذ اللہ تعالیٰ مبرا تسلیم کر کے اپنے جیسا بشر کہتے تھے اور حقیقت بھی یہی ہے جیسا کہ نصوص قطعیہ اور دلائل واضحہ سے ثابت ہے تو اس میں کون مسلمان کفار کے ساتھ شریک ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نبوت و رسالت اور کمالات و فضائل سے الگ کر کے اُن کو اپنے جیسا بشر کہتا ہو ؟ الغرض کفار جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر کہتے تھے تو وہ ان کی نبوت اور رسالت کا انکار کر کے ایسا کہتے تھے جس کے ثبوت پر قطعی دلائل موجود ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

ءَاُلْقِيَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا الآیۃ (پ۲۷۔ القمر۔ ۲) کیا ہم سب میں سے اس پر ذکر اتارا گیا

یہاں ذکر سے مراد وحی ہے جیسا کہ اسی ترجمہ کی تشریح میں آپ کے صدر الافاضل لکھتے ہیں وحی نازل کی گئی (ص۲۶) یہ تو حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کا بیان ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے کفار نے کہا ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا الآیۃ (پ۲۳-ص-۱) کیا ان پر قرآن اتارا گیا ہم میں سے۔ چونکہ وحی نبی پر اترتی رہی ہے اس لئے اس مضمون میں کفار نے ان پر نزول وحی کا انکار کیا ہے اور وحی و رسالت کا انکار کرکے ان کو اپنے جیسا بشر کہنا یہ کفار کا دستور تھا اور رہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نفس بشریت اور نوع انسانیت میں سے ہونے کا اقرار یہ کفار کا دستور نہیں اس کے تو خود مؤلف مذکور بھی قائل ہیں کمامر لہٰذا ان کا ص۱۳۴ و ص۱۳۵ میں قرآن کریم کی سورۃ ہود و سورۃ مؤمنون اور سورۃ یٰس وغیرہا سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کفار کے یہ مقولے نقل کرنا اِلَّا بَشَرًا مثلنا - اِلَّا بشرٌ مثلکم - بشر مثلکم - لِبَشَرَیْنِ مثلنا وغیرہا بالکل غیر متعلق بات ہے کیونکہ کفار نے جس معنیٰ میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر کہا وہ ان کو نبوت اور رسالت سے الگ کرکے کہا اور مسلمان جب ان کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جنس بشر اور نوع انسان ہونے میں پیغمبر ہمارے جیسے بشر ہیں یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و کرم سے ان کو نبوت و رسالت اور کمالات علمیہ و عملیہ سے نوازتا ہے اور ان کمالات میں ان کا کوئی مثل و نظیر نہیں ہوتا اور دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ؎

فخر انسانیت خاتم المرسلین — جن کا ہم سر زمانے میں کوئی نہیں

خود مؤلف مذکور نے ص۱۳۶ میں یہ عنوان قائم کیا ہے۔ بشریت محضہ اور بشریت بحیثیت نبوت کا فرق اور اس کے تحت انہوں نے طویل کلام میں یہ بھی لکھا ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت اور برتری کا سبب محض بشریت نہ تھی بلکہ وہ ان کی جلالت علمی اور خلافت و نبوت تھی جس نے فرشتوں کی گردنوں کو سجدہ ریز کردیا الیٰ قولہ ابلیس کی نظر بشریت پر پڑی اور اس نے سجدہ سے انکار کردیا قال لم اکن لاسجد لبشر الآیۃ (ص۱۳۷ محصلہ) اور ص۱۳۸ میں تفسیر کبیر ج ۲ ص۳۰۲ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ فرشتوں کو آدم کے سجدہ کا اس لئے حکم دیا گیا تھا کہ نور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آدم کی پیشانی میں تھا۔ جس کی نظر نبی کے نور پر تھی وہ سجدہ میں گر گئے۔

اور قرب خداوندی حاصل کریں اور جس کی نظر نبی کی بشریت پر تھی وہ تکبر کر کے لعنت کا طوق پہن گیا (محصلہ)۔ مگر مؤلف مذکور کی یہ محنت لاحاصل ہے اولاً اس لئے کہ بشریت کا مقام علی الاطلاق تمام مخلوق سے بلند ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ الآیۃ اور بے شک ہم نے اولاد آدم کو عزت دی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم و عقل اور معتدل قامت اور اس کے علاوہ اور بہت سی فضیلتیں دی ہیں نیز بشریت محضہ اور بشریت بعنوان نبوت و خلافت میں فرق موجود ہے اور اس کا کوئی بھی منکر نہیں ابھی ہم یہ بات عرض کر چکے ہیں۔ وثانیاً اس لئے کہ مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ ابلیس لعین کی نگاہ صرف بشریت پر پڑی قرآن کریم کی تعلیم سے بے خبری کا نتیجہ ہے کیونکہ قرآن کریم کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ابلیس لعین کی موجودگی میں یہ حکم دیا تھا (اور اِذْ اَمَرْتُكَ کے الفاظ اس کی صاف دلیل ہے) اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کہ بے شک میں زمین میں خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں یہ ان کی جلالت علمی اور خلافت کی واضح دلیل ہے اور اللہ تعالیٰ کا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ سے امر کرنا وَلَا تَقْرَبَا الآیۃ سے نہی کرنا ان کے نبی ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس وقت کوئی اور نبی نہ تھا (شرح عقائد ۹۹) اور دوسرے مقام پر ہے کہ جب میں اس کو درست کر چکوں تو تم اس کو سجدہ کرنا فرشتے تو سب سجدہ ریز ہو گئے مگر ابلیس لعین نے انکار کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کرنے اور نہ کرنے میں نری بشریت ملحوظ نہ تھی بلکہ بشریت بعنوان خلافت و نبوت ملحوظ تھی اور اسی کا انکار ابلیس لعین نے کیا تھا نہ کہ محض بشریت کا اور ابلیس لعین کا یہ مقولہ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ الآیۃ اسی کی طرف مشیر ہے الغرض حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جس بشریت کا تذکرہ ہو رہا ہے وہ بشریت بشرط شئی کے درجہ میں ہے اور مؤلف مذکور نے اپنی کم علمی کی وجہ سے اسے بشرط لاشئی سمجھ رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ الجھن میں پڑے ہوئے ہیں ہم نے تنقید متین صـ۸ـ میں اس کی طرف اشارہ بھی کر دیا تھا چنانچہ بعض الفاظ یہ ہے اس مضمون کے پیش نظر جو شخص بشر میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو دیکھ رہا یا تلاش کر رہا ہے تو وہ ابلیس کے طریقہ کو اپنا رہا ہے الخ اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تو خواص بشر میں سے ہیں ان کو ان کے فضائل و کمالات سے الگ کر کے کون مسلمان اس کا

تصور کر سکتا ہے؟ آپ کے ہی صدر الافاضل لکھتے ہیں۔ اور خواص بشر یعنی انبیاء علیہم السلام خواص ملائکہ سے افضل ہیں الخ (ص ۴/۱۹ ص ۱۵۸) وثالثاً حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشانی میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور مبارک کے وجود کا قصہ سند کے لحاظ سے محدثین کرامؒ کے ہاں خاصا بحث طلب ہے قطع نظر اس سے ابلیس لعین کی نظر صرف بشریت پر بھی بلکہ بشریت بعنوان خلافت وموت پر بھی بقی کما مرّ اور منطقی لحاظ سے کسی نوع کا تحقق بغیر جنس کے نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے اس لیے ابلیس لعین کو حکم خداوندی سے انکار اور اباء کی صورت میں لِبَشَرٍ اور خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ کا سہارا لینا پڑا اور جنس کا ذکر کیا مگر اس کو بشریت محضہ تصور کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور نے سمجھ رکھا ہے کم فہمی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ۔ اور جس کی نظر نبی کی بشریت پر تھی اس نے تکبر کرکے لعنت کا طوق پہن لیا (محصلہ) اسی کم فہمی کا نتیجہ ہے مگر شرک و بدعت میں مبتلا ہو کر دینی امور میں معاملہ فہمی رہتی کہاں ہے؟

آپ کے صدر الافاضل پر ہماری تنقید بدستور باقی ہے آپ کے صدر الافاضل کے الفاظ یہ ہیں۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو بشر کہنے میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے اس لیے قرآن پاک میں جابجا انبیاء علیہم السلام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا اور درحقیقت انبیاء علیہم السلام کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے بلفظہٖ اس پر جو تنقید ہم نے تنقید متین میں کی ہے وہ بدستور باقی ہے اس کا کوئی معقول جواب آپ کی طرف سے نہیں دیا گیا اس عبارت میں اپنی مثل بشر کا کوئی لفظ نہیں صرف لفظ بشر ہے اور اسی پر ہماری تنقید تھی اور اب بھی ہے اور انشاء اللہ العزیز رہے گی اور اسی طرح آگے بھی لفظ بالکل صاف ہیں قرآن پاک میں جابجا انبیاء علیہم السلام کو بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا یہاں بھی لفظ مثل وغیرہ نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ فتویٰ دیتے وقت اور تکفیر کرتے وقت ایسے مقام پر ایسے اہم اور بنیادی لفظ کو نظر انداز کر دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ لہٰذا اس صریح عبارت کی تاویل میں سورۂ کہف اور سورہ حٰم سجدہ کی تفسیر پیش کرنا بالکل مردود ہے جیسا کہ مؤلف مذکور نے ص ۱۳ و ۱۳۰ میں ان عبارات کی آڑ لے کر گلو خلاصی چاہی ہے فتویٰ اور خصوصاً کسی کی تکفیر کے موقع پر اختصار اور اجمال سے بالکل گاڑی نہیں چلتی مفتی کا فریضہ ہے کہ احتیاط کو ملحوظ رکھ کر فتویٰ کی تمام حدود و قیود اور اوصاف و شرائط کو ملحوظ رکھے آپ کو شاید اپنے اعلیٰحضرت کا یہ ارشاد معلوم نہ ہو وہ لکھتے ہیں

ضروری تنبیہ احتمال وہ معتبر ہے جس کی گنجائش ہو صریح بات میں تاویل نہیں لی جاتی ورنہ کوئی بات بھی کفر نہ رہے الی قولہ شفا شریف میں ہے ادعاء التاویل فی لفظ صراح لایقبل صریح لفظ میں تاویل کا دعویٰ نہیں سنا جاتا۔ شرح شفائے قاری میں ہے ھو مردود عند قواعد الشرع ایسا دعویٰ شریعت میں مردود ہے الخ (حسام الحرمین ص۳۷) لہٰذا مؤلف مذکور کا حاشیہ ص۱۳۱ میں یہ لکھنا کہ ممکن ہے کسی کو شبہ ہو کہ صدر الافاضل نے یہاں صراحۃً بیان کیوں نہیں کیا کہ اپنی مثل بشر کہنا کفار کا دستور ہے جواب یہ ہے کہ یہاں اختصار کے پیش نظر اجمالی کلام کیا گیا ہے اور جس جگہ اس موضوع پر بحث ہے وہاں اس تفصیل کو پیش کر دیا ہے فافہم واستقم انتہیٰ بلفظہ نری طفل تسلی ہے اس لئے کہ مسئلہ کے عنوان سے وہ مسئلہ تو یہاں لکھتے ہیں اور تکفیر کا فتویٰ وہ یہاں دیتے ہیں پھر اس ضروری لفظ (مثل) کو جس پر مسئلہ فتویٰ اور تکفیر کی مدار ہے کیوں یہاں نظر انداز کرتے ہیں ؟ اور نیز ہمارا اس عبارت پر یہ اعتراض بھی بحال ہے کہ جا بجا کا قصہ ہی چھوڑیئے قرآن پاک میں ایک ہی ایسا مقام بتائیے جس میں یہ حکم موجود ہو کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بشر کہنے والا کافر ہے ایچ پیچ نہ ہو یہ حکم صاف اور صریح ہو اس سے بڑھ کر قرآن کریم پر خالص بہتان۔ صریح افتراء۔ اور سفید جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک خالص کافرانہ اور مشرکانہ عقیدہ کو قرآن کریم کا عقیدہ بتلایا جائے الخ (تنقید متین ص۱۱۳)۔ الغرض جب تک اس تکفیری عبارت میں جو بعنوان مسئلہ تحریر کی گئی ہے لفظ مثل نہیں آئے گا ہمارا اعتراض اس پر تا قیامت برقرار رہے گا کیونکہ یہ مسئلہ اور فتویٰ ہے محض عبارت نہیں جس میں اجمال و اختصار کا عذر لنگ قبول ہو اور مصنف کے بغیر کوئی دوسرا آدمی مصنف کی عبارت میں اپنی طرف سے کوئی لفظ زائد کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

ناقابل تردید حوالے بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے تنقید متین از ص۷۹ تا ۱۲۰ میں قرآن کریم کی آیات واضحات کے علاوہ سات صحیح حدیثیں باحوالہ حضرات انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بشر ہونے کے سلسلہ میں پیش کی ہیں اور ستائیس۲۷ حوالے حضرات فقہاء کرامؒ کے اور تقریباً چودہ پندرہ حوالے بریلوی حضرات کے بشمولیت ان کے اعلیٰحضرت کے ہم نے نقل کئے ہیں جن کے بارے میں لاجواب ہو کر مؤلف مذکور یوں گویا ہیں: اور دگامھڑ کے محرف نے اپنی تنقید میں یہ ظاہر کیا ہے کہ مولوی نعیم الدین صاحب نبی علیہ السلام کی بشریت کا انکار کرتے ہیں اور بشر کہنا کفار کا دستور بتاتے ہیں اور پھر علماء اسلاف کی عبارتیں یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کیں کہ آپ میں بشریت متحقق ہے گذارش یہ ہے کہ اگر اس تصنیف سے آپ کا مقصد محض بھرتی کرنا تھا

تو وہ ماشاء اللہ چشم بد دور خوب پورا ہوگیا اولاً اگر مقصد صدر الافاضل کا رد کرنا تھا تو معاف کیجئے آپ کو حاصل نہ ہوسکا کیونکہ صدر الافاضل نے نفس بشریت کا انکار نہیں کیا بلکہ وہ آپ کی ہمسری کا انکار کرتے ہیں اور محض بشر کہنے کو نہیں بلکہ اپنا ہم مثل بشر کہنے کو کفار کا دستور قرار دیتے ہیں اگر آپ میں جرأت تھی تو اس امر کی تردید کے لئے قلم اٹھاتے مگر یہ آپ سے نہ ہوسکا الخ (توضیح البیان ص۱۳۴)

الجواب ۔ یہ بات تو مؤلف مذکور کو مسلم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کے اثبات کے لئے تنقید متین میں علماء اسلاف کی عبارتوں کی بھرمار ہے اور بقول ان کے اس مقصد کے اثبات میں راقم اثیم خوب کامیاب ہے ع والفضل ماشہدت بہ الا عداء ۔ ہاں البتہ ان کا یہ زعم باطل ہے کہ راقم اثیم ان کے صدر الافاضل پر تنقید کرنے میں کامیاب نہیں رہا لیکن مؤلف مذکور بیچارے رسم المفتی کی ابتدائی اصطلاحات ہی سے ناواقف ہیں جبھی تو وہ ایک غلط بات پر مُصر ہیں اور تعصب و تحزب میں مبتلا ہو کر اپنے صدر الافاضل کو بلا دلیل جرم سے بری قرار دینے کا ادھار کھائے بیٹھے ہیں ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ آپ کے صدر الافاضل اپنی جماعت کے ذمہ دار عالم اور مفتی ہو کر مسئلہ کے عنوان سے ایک شرعی مسئلہ اور فتویٰ بیان کرتے ہیں اور ان کی اس عبارت میں کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی ایسا موجود نہیں جس سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہو کہ اس کی بحث آگے بھی آئے گی پھر کیا وجہ ہے کہ ذمہ داری سے ایک مسئلہ بیان کرتے وقت اور فتویٰ صادر کرتے ہوئے ایک اہم چیز (لفظ مثل اور ہمسری) کو وہ مطلقاً نظر انداز کر گئے ہیں آخر اس کی کیا وجہ ہے ؟ آپ کسی بھی مکتب فکر کے لائق اور قابل مفتی سے دریافت کرلیں کہ رسم المفتی کے قواعد کے مطابق کیا اس کی گنجائش ہے کہ جس چیز پر فتویٰ کی مدار ہو اس کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے اور فتویٰ صادر کر دیا جائے ؟ ہمارا بلا خوف تردید یہ دعویٰ ہے اور اس میں ہم بفضلہ تعالیٰ سو فیصد کامیاب ہیں کہ آپ کے صدر الافاضل کی اس عبارت کے پیش نظر ہمارے وہ تمام اعتراضات اور تنقیدات جو ہم نے ان پر کی ہیں بحال باقی ہیں اور آپ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے باقی سورۂ کہف اور سورۂ حٰم سجدہ میں ان کی بیان کردہ تفسیر الگ اور جدا ہے اور باوجودیکہ وہ ہمارے پیش نظر بھی ہے اور تھی بھی مگر ہم نے اس پر کوئی گرفت نہیں کی کیونکہ وَمِنَ النَّاسِ الآیۃ کی تفسیر میں ان کا بیان کردہ مسئلہ اپنی جگہ پر بالکل مکمل ہے اور ہماری تنقید اس پر بدستور برحال ہے اور پینترے پر پینترا بدلنے کے باوجود بھی مؤلف مذکور اس کے جواب میں کامیاب نہیں ہوسکے ۔ ف

مرے کہنے کو شاید مان جائے　　　عبث ہے جان فشانی جان جائے

لایعنی مطالبہ مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ ۔قرآن کریم کی متعدد آیات سے ہم نے بحمد اللہ یہ امر واضح کر دیا ہے کہ انبیاء کو اپنے جیسا البشر کہنا یہ کفار ہی کا دستور ہے مولوی سرفراز صاحب ہیں اگر ہمت ہے تو وہ قرآن کریم کی کسی ایک ہی آیت سے ثابت کر دیں کہ انبیاء کو اپنے جیسا البشر کہنا مومنوں کا دستور ہے مگر شرط یہ ہے کہ آیت بالکل صاف اور صریح ہو کوئی ہیر پھیر اور صیہونی چکر نہ ہو الخ (ص۱۳۵ و ۱۳۶)

الجواب۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اپنے جیسے سے اگر مراد جنس بشر اور نوع انسانیت کے لحاظ سے بشریت مراد ہے تو قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کی نص قطعی اس مماثلت کو مومنوں اور کافروں سب کے لئے ثابت کرتی ہے کیونکہ قرآن کریم تمام مکلف مخلوق کی ہدایت کا ذریعہ ہے اور اس کے احکام مومنوں اور کافروں سب کے لئے ہیں اور علماء اصول کا یہ قاعدہ اپنی جگہ ہے کہ العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص المورد اور تنقید متین ص۸ میں ہم نے حدیث کا یہ حوالہ بھی دیا ہے ۔خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات صحابہ کرامؓ سے اپنا منصب بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ الحدیث (بخاری ج۱ ص۵۸ و مسلم ج۱ ص۲۱۳) کہ میں تمہاری طرح کا بشر ہوں الخ تو جب آپ حضرات صحابہ کرامؓ جیسے مومنوں کی طرح بشر ہیں تو یقیناً وہ بھی آپ کی طرح ہی بشر ہیں اس میں شک وشبہ کی کیا مجال اور کیا گنجائش ہے ؟ اور اگر اپنے جیسے سے مراد درجہ شان اور کمال ہے تو خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق میں آپ کی کوئی نظیر اور مثل نہیں اور اسی معنیٰ میں وَاَيُّكُمْ مِثْلِيْ اِنِّيْ اَبِيْتُ يُطْعِمُنِيْ رَبِّيْ وَيَسْقِيْنِيْ وارد ہوا ہے (بخاری ج۱ ص۲۶۳ وغیرہ) یعنی تم میں سے اس صفت میں میرے جیسا کون ہے بلاشبہ میں رات گذارتا ہوں مجھے میرا رب (روحانی غذا اور پانی) کھلاتا اور پلاتا ہے ۔غرضیکہ ایسے لایعنی مطالبہ سے ممکن ہے کہ آپ کے بعض جاہل حواری تو خوش ہوں گے کہ ہمارے محقق نے کیا مطالبہ کر دیا ؟ لیکن علم وتحقیق کے میدان اور مقام میں اس کی پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں ہے اور لفظ صِہْیَوْن کی رسم الخطی اور تلفظ کے بارے قاموس کے حوالے سے ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ یہ لفظ بروزن برذون ہے حرف ہاء پہلے ہے اور یا بعد کو ہے مؤلف مذکور کو اس کی بھی کچھ خبر نہیں اخبارات میں جو لکھا دیکھا پلّے باندھ لیا وہ جگہ جگہ یہ لفظ صیہون ہی لکھتے ہیں جو لغوی غلطی ہے

لطیفہ ظریفہ ہمارے ایک لطیف الطبع اور ظرافت پسند مولانا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی مولوی صاحب نے کوئی مضمون نہ دیکھا ہو یا اثنا تقریر میں دیکھا ہوا مضمون ختم ہو جائے تو مولوی صاحب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام وغیرہ کا کوئی نہ کوئی قصہ چھیڑ کر وقت پاس کرتے اور مجمع کو ٹرخا دیا کرتے ہیں کہ ان کی لاعلمی کا بھرم بھی نہ کھلے اور خوب واہ واہ بھی ہو جائے کم و بیش یہی حال بریلوی حضرات کا ہے کہ جب ان کے پاس دلائل کی کائنات ختم ہو جاتی ہے اور براہین قائم کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں تو وہ تقویۃ الایمان وغیرہ کی عبارات کو بیان اور نقل کرکے دل کی خوب بھڑاس بھی نکال لیتے ہیں اور جاہل عوام میں اہل حق سے تنفر بھی پیدا کرتے ہیں یہی مذموم طریقہ مؤلف مذکور نے ص۱۳۸ تا ص۱۴۱ میں اختیار کیا ہے کہ تقویۃ الایمان کی بعض عبارات مثلاً یعنی انسان آپس میں سب بھائی ہیں الخ اور یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں اور جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں اور ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ تعالیٰ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے نقل کرکے علمی اور دلائل کے لحاظ سے اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے کی لاحاصل سعی کی ہے ہم نے ان عبارات کی تشریح اپنی کتاب عبارات اکابر حصۂ اولیٰ میں کر دی ہے اور بعض کا جواب دل کا سرور میں دیدیا ہے اس لئے ہم اس پر یہاں کچھ عرض نہیں کرنا چاہتے جب ان کا جواب اُٹھے گا تو پھر بشرط زیست وصحت ہم کچھ عرض کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ تقویۃ الایمان کی ایک عبارت میں ہے کہ جیسے قوم کا چودھری اور گاؤں کا سردار ہوتا ہے سو ان معنوں میں ہر پیغمبر اپنی قوم کا سردار ہوتا ہے۔ اس پر مؤلف مذکور نے گرفت کرتے ہوئے لکھا ہے کیا چودھری کی اطاعت گاؤں والوں پر فرض ہوتی ہے؟ کیا چودھری کو نہ ماننے سے گاؤں کے لوگ کافر ہو جاتے ہیں؟ پھر اس لغو تشبیہ سے کیا حاصل؟ (محصلہ ص۱۳۹ و ۱۴۰) **الجواب** اس میں تشبیہ دینی منصب کے لحاظ سے تو ہرگز نہیں تاکہ کفر و اسلام کا سوال چل نکلے؟ اور نہ تشبیہ میں مشبہ کی مشبہ بہ کے ساتھ من کل الوجوہ مماثلت ضروری ہوتی ہے کما مر اس میں تشبیہ صرف اس امر میں ہے کہ جیسے گاؤں کا چودھری اسی قوم کا ایک فرد ہوتے ہوئے بڑا اور قابل احترام سمجھا جاتا ہے اسی طرح ہر پیغمبر اپنی قوم کا سردار ہوتا ہے حالانکہ وہ اسی قوم کا ایک معزز و محترم فرد ہوتا ہے اس میں کیا شک ہے؟ ؎

جن کی آمد سے سارے اندھیرے چھٹے   کفر و الحاد کی آندھیاں تھم گئیں،

تقویۃ الایمان کی عبارت پر گرفت مؤلف مذکور تقویۃ الایمان ص۴۳ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ یعنی جو خوبیاں اور کمالات اللہ نے مجھ کو دیئے ہیں سو بیان کرو وہ سب رسول کہہ دینے میں آجاتے ہیں کیونکہ بشر کے حق میں رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں۔ اس پر گرفت کرتے ہوئے مؤلف مذکور لکھتے ہیں یہ ٹھیک ہے رسالت سے بڑھ کر بشر کا کوئی مرتبہ نہیں مگر حضور کو صرف رسول کہہ دینے سے آپ کے تمام کمالات کس طرح آجاتے ہیں رسول تو تین سو تیرہ ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ الی قولہ ورفع بعضھم درجات (ص۱۴ محصلہ)

الجواب۔ مؤلف مذکور اپنے بڑوں کی طرح دن رات یہ گیتیں گاتے رہتے ہیں کہ ہمارے مخالفین حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں بجائے خوبیوں اور کمالات کے معاذ اللہ تعالیٰ ان کی خامیوں کا پہلو ملحوظ رکھتے ہیں مگر خود دوسروں کی ضد اور مخالفت میں آکر صریح خوبیوں سے بھی کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیتے ہیں جیسا کہ مؤلف مذکور نے یہاں کیا ہے تقویۃ الایمان کی عبارت میں یہ تصریح موجود ہے کہ یعنی جو خوبیاں اور کمالات اللہ نے مجھ کو دیئے ہیں سو بیان کرو وہ سب رسول کہہ دینے میں آجاتے ہیں الخ اس عبارت میں صراحت موجود ہے کہ مطلق رسول کی بحث نہیں ہو رہی تاکہ تین سو تیرہ کی گنتی کی ضرورت پیش آئے بلکہ اس میں واضح عبارت ہے کہ جو خوبیاں اور کمالات اللہ نے مجھ کو دیئے ہیں سو وہ بیان کرو اور وہ سب رسول کہہ دینے میں آجاتے ہیں یہاں ہر رسول کی بات نہیں بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہو رہی ہے اور آپ کو رسول کہنے میں آپ کی وہ تمام خوبیاں اور کمالات آجاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمائے ہیں کیونکہ دلائل قطعیہ اور اجماع امت سے یہ عقیدہ ثابت ہے کہ آپ کی خوبیاں اور کمالات اور کسی رسول میں نہیں پائے جاتے اور یہ بالکل ایک خالص حقیقت ہے کہ۔

ع آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آخری تیر مؤلف مذکور تقویۃ الایمان کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں ف یعنی کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو اور جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو سو اس میں بھی اختصار ہی کرو۔ اس پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ نبی علیہ السلام کے بارے میں تو ان کا یہ فتویٰ ہے کہ بشر کی سی تعریف میں بھی کمی کرو اور اپنے مولویوں کی شان میں اس طرح رطب اللسان ہیں ؎

تیری تربت کو دے کر طور سے تشبیہ — کہوں ہوں بار بار ارنی مری دیکھی بھی نادانی

(مرثیہ گنگوہی ص۱۲) (۳۴۲)

الجواب ایسا لگتا ہے کہ مؤلف مذکور صحیح حدیث لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسٰی بن مریم فانما انا عبدہٗ ولکن قولوا عبد اللہ ورسولہ (بخاری ج ۱ صفحہ ۴۹۰) سے بالکل بے خبر ہیں اور اسی طرح حدیث لا ترفعونی فوق قدری الحدیث (مستدرک ج ۳ صفحہ ۱۷۹ صحیح) سے بھی ناواقف ہیں ورنہ اس عبارت پر گرفت نہ کرتے کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے جہاں تفریط کی گئی ہے وہاں افراط کرنے والوں نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی آپ ہی کی جماعت کے خواجہ محمد یار صاحب کے چند اشعار پہلے گذر چکے ہیں اس لئے اس عبارت میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ بزرگوں کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو۔ حیرت ہے کہ مؤلف مذکور کو اختصار اور کمی میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا کیونکہ تقویۃ الایمان کی عبارت میں اختصار کا لفظ ہے جس کو مؤلف مذکور نے جہالۃً یا شرارۃً کمی کرو سے تعبیر کیا ہے رہا مرثیہ گنگوہیؒ کے شعر پر اعتراض تو کاش کہ مؤلف مذکور نے کھل کر اس میں شرعی اور عقلی خرابی بیان کی ہوتی تو ہم بھی ان کے بیان کردہ مقدمات کے بارے کچھ عرض کر سکتے باقی تشبیہ کے بارے بات پہلے عرض ہو چکی ہے بار بار اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

توحید الضمیر کا قصہ ہم نے تنقید متین صفحہ ۱۲۲ اور صفحہ ۱۲۳ میں نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ کی تشریح میں یہ بات بھی عرض کی تھی کہ نور سے خود قرآن کریم مراد ہے اور عطف محض تفسیری ہے اگر نور سے آپؐ کی ذات گرامی اور کتاب مبین سے الگ چیز مراد ہوتی تو تثنیہ کی ضمیر بِہِمَا مناسب تھی نہ کہ مفرد کی ضمیر بِہٖ (محصلہ) اس پر مؤلف مذکور نے اعتراض کرتے ہوئے صفحہ ۱۴۷ اور ۱۴۸ میں ایک بات تو یہ کہی ہے کہ قرآن کریم میں ایسی بے شمار نظیریں موجود ہیں جن میں اُمور متعددہ کی طرف ضمیر واحد کا علیٰ سبیل البدلیۃ راجع کیا گیا ہے (الصحیح البدلیۃ کما لا یخفیٰ علی المتدرب۔ صفدر) ارجاع کیا گیا ہے لیکن بغض رسالت کی وجہ سے سرفراز صاحب کو پورے قرآن میں یہی ایک مقام کھٹکا ہے۔ دوسری بات یہ کہی ہے کہ علامہ ابوسعودؒ آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں ضمیر مجرور کو واحد یا تو اس لئے لایا گیا ہے کہ ان کا مرجع متحد بالذات ہے (کیونکہ احکام قرآنی کی جامع انسانی صورت اگر متصور ہو سکتی ہے تو وہ آپؐ کی ذات مقدسہ ہے اور آپ کی ذات وصفات کی اگر کوئی جامع عبارت حامل ہو سکتی ہے تو وہ قرآن کریم ہے) یا اس لئے کہ دونوں کا حکم ایک ہے (کیونکہ دونوں واجب الاطاعت ہیں) اور یا ضمیر دونوں کی طرف مذکور کی تاویل سے راجع ہے اور اسی قسم کے جوابات قاضی بیضاویؒ اور اسمٰعیل حقیؒ وغیرہ مفسرینؒ نے دیئے ہیں اور تیسری بات یہ کہی ہے کہ چلو اگر اسی پر اصرار ہے کہ جب ضمیر واحد ہے تو مرجع بھی واحد ہونا چاہیئے تو کیوں نہیں ہو سکتا کہ دونوں

سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہو اور یہی جواب حضرت ملا علی القاریؒ نے شرح شفاء میں اور علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں دیا ہے جیسے ہم ابھی نقل کر چکے ہیں (محصلہ) توضیح البیان ۔)

الجواب۔ مؤلف مذکور کا یہ سب بیان فضول ہے اولاً اس لئے کہ ہم نے اس کا انکار تو نہیں کیا کہ متعدد امور کی طرف مفرد کی ضمیر راجع نہیں ہو سکتی اور نہ اس کا انکار کیا ہے کہ قرآن کریم میں اور مقامات نہیں صرف یہی ایک مقام ہے جس میں متعدد امور کی طرف مفرد ضمیر راجع ہے چونکہ بحث نور و کتاب مبین کی چل رہی ہے اس لئے اس مقام کا ذکر ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی محبت اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیان کردہ شریعت کی پیروی میں ہم نے یہ بیان عرض کیا ہے یہ الگ بات ہے کہ بھینگے کو یہ محبت بھی بغض کی صورت میں نظر آئے اس کا کسی کے پاس کیا علاج ہے؟ وثانیاً اس لئے کہ مؤلف مذکور نے علامہ ابو السعودؒ کی پوری عبارت ہی نقل نہیں کی کیونکہ اس سے ان کی مختار تفسیر کا پتہ چلتا ہے جو مؤلف مذکور کو مضر ہے ان کی پوری عبارت یہ ہے ۔

والعطف لتنزیل المغایرۃ بالعنوان منزلۃ المغایرۃ بالذات وقیل المراد بالاول ھو الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام و بالثانی القرآن یھدی بہ توحید الضمیر المجرور لاتحاد المرجع بالذات اولکونھما فی حکم الواحد اوارید یھدی بما ذکرا (تفسیر ابو السعود ج ۲ ص۱۴)

یعنی باوجودیکہ نور اور کتاب سے ایک ہی چیز مراد ہے پھر عطف اس لئے ہوا کہ عنوان کی مغایرت کو بمنزلہ مغایرت ذات کے قرار دیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نور سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور کتاب مبین سے قرآن کریم مراد ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے بہ کی ضمیر مجرور کو اس لئے مفرد لایا گیا ہے کہ مرجع متحد بالذات ہے (یعنی قرآن کریم جو روشنی کا ذریعہ بھی ہے اور کتاب مبین بھی ہے) یا اس لئے کہ دونوں یعنی کتاب اور نبی واحد کے حکم میں ہیں (یعنی دونوں ہدایت و روشنی کا ذریعہ ہیں) یا مذکور کی تاویل سے یہ مفرد ہے۔

اس تفسیر میں علامہ ابو السعودؒ نے جو بڑے نکتہ رس مفسر ہیں پہلے نمبر پر یہ تفسیر بیان کی ہے کہ نور اور کتاب مبین سے ایک ہی چیز مراد ہے اور پھر باوجود ذات کے ایک ہونے کے عطف اس لئے ہے۔ کہ عنوان الگ الگ ہے (اسی کو ہم نے تنقید متین ص۱۲۲ میں یوں تعبیر کیا ہے اس میں لفظ نور سے

خود قرآن کریم مراد ہے اور عطف محض تفسیری ہے جس میں معطوف و معطوف علیہ میں ذاتاً تغایر نہیں بلکہ محض صفت کے لحاظ سے تغایر ہے الخ) اور پھر لفظ قیل سے جو عموماً کمزور اور ضعیف قول پر بولا جاتا ہے یہ تفسیر کی ہے کہ نور سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اور کتاب مبین سے قرآن کریم مراد ہے اور پھر ضمیر کو مفرد لانے کی وجہ اول یہ بیان کی ہے کہ چونکہ نور اور کتاب مبین سے ایک ہی چیز مراد ہے جو قرآن کریم ہے اس لئے ذات کے متحد ہونے کی وجہ سے ضمیر مفرد ہے اور یا اس لئے ضمیر مفرد ہے کہ دونوں یعنی کتاب اور نبی ہدایت اور روشنی کا ذریعہ ہیں باعتبار مذکور کے ضمیر مفرد آئی ہے اور اکثر مفسرین کرامؒ نے یہی مطلب لیا ہے جو علامہ ابو السعودؒ نے بیان فرمایا ہے مؤلف مذکور کو غور کرنا چاہیئے کہ علامہ ابو السعودؒ کی تفسیر سے ان کو کیا فائدہ حاصل ہوا؟ اور اس سے ہمیں کیا نقصان ہوا؟ کیا علامہ ابو السعودؒ نے وہی کچھ نہیں فرمایا جو ہم نے کہا ہے؟ مؤلف مذکور نے ص۱۴۲ میں امام رازیؒ کی تفسیر کبیر سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تین اقوال نقل کئے ہیں تیسرا یہ کہ نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن کریم ہو اور یہ کمزور بات ہے کیونکہ عطف تغایر کو چاہتا ہے پھر آگے موج میں آکر لکھتے ہیں اب غالباً مولوی سرفراز صاحب کو پتہ چل گیا ہوگا کہ جس قول پر انہوں نے اپنے عقیدہ کی عمارت کھڑی کی ہے وہ تیسرے درجہ کا قول ہے جس کو امام رازی نہایت کمزور قرار دیتے ہیں الخ سو گذارش ہے کہ اگرچہ امام رازیؒ نے اس کو صرف کمزور کہا ہے (نہایت کمزور نہیں فرمایا) لیکن دیگر جمہور مفسرین کرامؒ اسی کو قوی اور مختار قرار دیتے ہیں جن میں علامہ ابو السعودؒ بھی ہیں جن کی عبارت عرض کی جا چکی ہے اور امام رازیؒ نور سے اسلام بھی مراد لے رہے ہیں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ج۳ ص۱۹۹) آپ ان کی اس قوی تفسیر کو کیوں نظر انداز کرتے ہیں؟ وثالثاً اس لئے کہ حضرت ملا علی القاریؒ نے وقد حاول بعض المفسرین الخ کے الفاظ سے یہ تفسیر نقل کی ہے کہ کتاب مبین سے بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہو جیسا کہ نور سے بھی مراد آپ کی ذات مقدسہ ہے اور چونکہ ذات ایک ہے اور تغایر لفظی ہے لہٰذا ضمیر مفرد لائی گئی ہے سو عرض یہ ہے کہ مؤلف مذکور کو شاید کسی لائق اور فنی استاد نے یہ بتایا ہو کہ لفظ بعض کی جب جمع کی طرف اضافت ہوتی ہے تو اس سے اکیلا دو کیلا ہی مراد ہوتی ہے نہ کہ اکثریت سوال یہ ہے کہ قرآن کریم کے سیاق و سباق اور دیگر دلائل متواترہ اور براہین قطعیہ اور جمہور مفسرین کرامؒ کی رائے کو ترک کر کے اکیلے دو کیلے مفسرین کے قول پر عقیدہ کی عمارت کیسے کھڑی کی جا سکتی ہے؟ یہی ہوگا کہ تفنن کے طور پر ایک تفسیر بعض سے یہ بھی منقول ہے اور ید اللہ علی الجماعۃ کے زرین اصول اور ضابطہ

کو چھوڑ کر شاذہ اور فاذہ کے پیچھے پڑنا دین کی کونسی خدمت ہے؟ اسی طرح علامہ آلوسیؒ نے صرف ایک احتمال کے درجہ میں یہ تفسیر نقل کی ہے ولا یُبْعَدُ ان یراد بالنور والکتاب المبین النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الخ آپ خود ہی انصاف سے فرمائیں کہ کیا محض ایسے احتمالات سے دین کا کوئی بنیادی مسئلہ ثابت ہو سکتا ہے؟ یا اس طرح کے احتمالات پر عقائد کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے؟ ایسے احتمالات کا اگر دین کے اصول و ضوابط سے ٹکراؤ نہ ہو تو قبول کئے جا سکتے ہیں بصورت دیگر وہ خود قابل تاویل ہوتے ہیں یہ بھی نہ ہو تو مردود ہوتے ہیں بقول قلندر لاہوریؒ ع اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں؛

حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تنقید متین ص ۱۲۵ تا ۱۳۳ میں حضرت جابرؓ کی روایت پر با حوالہ بحث کی گئی ہے جس میں یہ آتا ہے کہ اے جابرؓ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور (کے سبب) سے پیدا کیا الخ اس حدیث کے بارے جو باتیں ہم نے عرض کی ہیں ان میں سے صرف دو تین باتوں کی طرف محض اشارہ کئے بغیر اور کسی حوالہ کا ذکر مؤلف مذکور نے نہیں کیا حالانکہ ان کا اخلاقی فریضہ تھا کہ ہماری پوری باتیں نقل کرتے یا ان کا خلاصہ ہی بیان کر دیتے اور پھر بن پڑتا تو ان کا معقول جواب دیتے مگر ان کا یہ طریقہ ہے کہ ہمارے اکثر ٹھوس حوالوں سے نظر بچا کر وہ نکل جاتے ہیں اور ایک آدھ بات کو لے کر بزعم خویش اس کا تسلی بخش جواب دے کر اور غیر متعلق اور اکثر غیر مستند حوالے بیان کر کے اور اپنی راگنی سنا کر اور صفحات کے صفحات سیاہ کر کے آگے نکل جاتے ہیں مگر ہر عقلمند آدمی سمجھتا ہے کہ کسی کتاب کی تردید کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ کتاب کے ایک آدھ حوالے کو لے کر اس پر کچھ لکھ کر باقی حوالوں سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے آدمی آگے چل دے اور نادانی سے یہ سمجھ بیٹھے اور عوام کو یہ سمجھانے کے درپے ہو کر لو فلاں کتاب کا جواب ہو گیا ہے اس مقام پر ہم نے جو باتیں بیان کی ہیں وہ قارئین کرام خود تنقید متین میں ملاحظہ فرمائیں ہم یہاں ان کو نقل کر کے خواہ مخواہ معاملہ کو طول نہیں دیتے ہاں البتہ جو باتیں مؤلف مذکور نے بیان کی ہیں ان کا خلاصہ عرض کر کے ان کا رد کرنا اپنا علمی فریضہ سمجھتے ہیں سو گذارش ہے کہ آپ غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ مولوی سرفراز صاحب نے اپنی کتاب ص۱۰۰ میں نورانیت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دوسری دلیل حدیث جابرؓ سے دی ہے۔ اور کہا کہ یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ امام عبدالرزاقؒ شیعہ تھے اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے مجروح ہے وغیرہ وغیرہ اس جرح کا جواب دینے سے پیشتر ہم

آپ کے سامنے اہل سنت کے اکابر علماء کی عبارات پیش کرتے ہیں جنہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے امام احمدؒ کے استاذ اور امام بخاریؒ و مسلمؒ کے استاذ الاستاذ امام عبدالرزاقؒ اپنی تصنیف میں اور امام بیہقیؒ دلائل النبوۃ میں حضرت جابرؓ سے مرفوعاً قد خلق قبل الا شیاء نور نبیک من نورہ الحدیث روایت کرتے ہیں اور امام قسطلانیؒ مواہب لدنیہ مقصد اول میں ارقام فرماتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ کا ارادہ مخلوق کو پیدا کرنے کا اور اس کے رزق مقرر کرنے کے ساتھ متعلق ہوا تو اس نے حقیقت محمدیہ کو صمدی انوار سے بارگاہ احدیت میں ظاہر فرمایا الخ اور اس کی شرح میں امام زرقانیؒ شرح مواہب میں ارقام فرماتے ہیں کہ اور جز این نیست کہ حقیقت محمدیہ ہی تمام حقائق کی حقیقت ہے کیونکہ حقیقت محمدی کا ثبوت خلق وسطیہ میں ہے جو کہ عین نور احمدی ہے جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا۔ امیر عبدالقادر الجزائری الحسنی اپنی کتاب مواقف کے موقف ۸۹ میں فرماتے ہیں کہ بلا ریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت وہ رحمت عظمیٰ ہے جس نے ہر شئے کو احاطہ کر لیا ہے الی قولہ اور بالتحقیق حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اے جابرؓ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا۔ اور سیدی عبدالکریم جیلی ناموس اعظم کی کتاب النور باب اول میں فرماتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سعادت کبریٰ اور تمام لوگوں کے لئے ظاہری اور باطنی نمونہ بنا کر پیدا فرمایا اور وجود میں آپ کا مرتبہ اللہ نے سب سے پہلے رکھا جس کے اوپر اور کوئی مرتبہ نہیں ہے۔

اور شیخ عبداللہ البوسنوی مطالع النور السنی کے مطلع اول میں فرماتے ہیں یاد رکھو کہ جب حق تعالےٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ اسماء الہیہ کے آثار کے ظہور سے بارگاہ الوہیت کی تجلیات کی معرفت کرائے تو اس نے سب سے پہلے روح محمدی کو جامع صورت میں پیدا کیا الی قولہ جیسا کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاریؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا تو آپ نے فرمایا اے جابرؓ وہ تیرے نبی کا نور ہے جس کو اللہ نے اپنے نور کے سبب سے پیدا فرمایا الخ۔

مدارج النبوۃ میں شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں۔ بہر کیف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود میں اول ہونا پس وہ اس لئے ہے کہ پہلی وہ چیز جس کو اللہ نے پیدا کیا وہ میرا نور ہے اور نبوت میں اول ہونا اس لئے ہے

کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی زمین پر افتادہ تھے۔

ان اکابرین کے علاوہ امام ابن حجر مکیؒ۔ علامہ فاسیؒ۔ علامہ دیار بکریؒ۔ سیدی عبدالغنی نابلسیؒ امام ابوالحسن اشعریؒ وغیرہم نے بھی اس مضمون جلیل کو اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے اور اس پر اظہار اعتماد فرمایا ہے (محصلہ از ص۱۵۶ تا ص۱۶۰)

الجواب۔ مؤلف مذکور کی یہ ساری کاوش بے سود ہے اولاً اس لئے کہ اس روایت کا مدار امام عبدالرزاقؒ کی سند پر ہے اس کے بعد مؤلف مذکور اس روایت کے بارے امام بیہقیؒ کی دلائل النبوۃ کا حوالہ دیتے ہیں یہ ان کا فریضہ تھا کہ امام عبدالرزاقؒ اور امام بیہقیؒ کی سند اور اس کے رواۃ کتب اسماء الرجال سے باحوالہ نقل کر کے توثیق نقل کرتے تاکہ ہمارے اس اعتراض کا جواب ہو جاتا کہ۔ اس کی سند کا علم نہیں کہ کیسی ہے اور امام عبدالرزاقؒ شیعہ تھے گو غالی نہ تھے مگر بعض چیزوں میں وہ منفرد ہیں ان کا کوئی ساتھ نہیں دیتا اور امام ابن عدیؒ کے حوالہ سے ہم نے لکھا ہے کہ عبدالرزاقؒ نے فضائل کے باب میں ایسی روایات بھی بیان کی ہیں جن میں ان کی کسی نے موافقت نہیں کی اور ان کے بھانجے احمد بن عبداللہ نے ان کی کتابوں میں باطل روایتیں بھی داخل کر دی تھیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے امام عبدالرزاق کی مصنف کو طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے اور اول ما خلق اللہ القلم کی صحیح روایت اسکے خلاف ہے (محصلہ تنقید متین ص۱۲۵ تا ۱۲۸) آپ ہی کے اعلیٰ حضرت یہ تحریر فرماتے ہیں کہ۔ حدیث ماننے اور حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے لئے ثبوت چاہیئے بے ثبوت نسبت جائز نہیں الخ (عرفان شریعت حصہ سوم ص۲۷) اور یہ بالکل واضح بات ہے کہ بغیر سند کے اور اس کے رواۃ کی توثیق کے حدیث کا ثبوت نہیں ہو سکتا؟ ہم نے جو حدیث اول ما خلق اللہ القلم پیش کی ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی کا حوالہ دے کر جو صحاح ستہ کی مرکزی کتابیں ہیں ساتھ تصحیح بھی نقل کی ہے لہٰذا اس کے مقابلہ میں یہ روایت جس کی سند ہی معلوم نہیں کیا حیثیت رکھتی ہے؟ خانصاحب بریلوی ہی تحریر کرتے ہیں کہ بعض جہال بدمست یا نیم ملا شہوت پرست یا جھوٹے صوفی باد بدست کہ احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابلہ میں بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعہ یا متشابہ پیش کرتے ہیں انہیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف متعین کے آگے محتمل محکم کے حضور متشابہ واجب الترک ہے الخ (احکام شریعت حصہ اول ص۲۶)

وثانیاً یہ بیشتر حوالے مؤلف مذکور نے اپنے اعلیٰ حضرت کی کتابوں مثلاً نفی الفی اور صلات الصفا وغیرہ سے نقل کئے ہیں اور خانصاحب صلات الصفا صـ۲ میں اس روایت کو امام عبدالرزاقؒ کے مصنف کی طرف منسوب کرتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں امام اجل سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استاذ اور امام بخاری و امام مسلم کے استاذ الاستاذ حافظ الحدیث احد الاعلام عبدالرزاق ابوبکر بن ہمام نے اپنی مصنف میں حضرت سیدنا و ابن سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی الخ کتاب مصنف عبدالرزاق طبع ہو چکی ہے ہم مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کے نہایت ہی مشکور ہوں گے کہ وہ یہ روایت مصنف سے ہمیں بتا دیں اور ان کے اعلیٰحضرت ہی صلات الصفا صـ۳ میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث امام بیہقیؒ نے بھی دلائل النبوة میں بنحوہ روایت کی الخ اس سے معلوم ہوا کہ امام بیہقیؒ کی نقل کردہ روایت کے الفاظ بعینہا وہ نہیں جو امام عبدالرزاقؒ کی روایت کے ہیں ورنہ ان کے اعلیٰ حضرت بنحوہ نہ کہتے بمثلہ کہتے کیونکہ محدثین کرامؒ کے نزدیک جب روایت بالمعنیٰ ہو تو اس موقع پر وہ اوکما قال او نحوہٗ اور شبہہٗ وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں ملاحظہ ہو تدریب الراوی صـ۳۱۲ وغیرہ) اور چونکہ اس روایت میں مرکزی الفاظ نور کے ہیں اس لئے خانصاحب کے بنحوہ کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دلائل النبوة للبیہقیؒ کی روایت میں شاید یہ لفظ نہیں ہیں یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ خانصاحب نے اس کے الفاظ نقل نہیں کئے ورنہ وہ ایسے موقع پر ان کو کبھی نظر انداز نہ کرتے بہرحال اصل حقیقت تو دلائل النبوة کی روایت کے الفاظ اور اس کی سند سامنے آنے ہی سے واضح ہو سکتی ہے ویسے نہیں۔

وثالثاً مؤلف مذکور نے بعض بزرگوں سے اس مضمون کی اجمالاً و تفصیلاً کچھ عبارات نقل کی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور سب سے پہلے پیدا ہوا اور اس لحاظ سے اس روایت کو تقویت ملتی ہے کہ ان بزرگوں نے اس سے استدلال کیا ہے۔ اور علامہ بوسنویؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ سب سے پہلے روح محمدی کی خلقت ہوئی لیکن ان تمام حوالوں سے ان کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ حدیث کی صحت اتصال سند اور اس کے رواۃ کے ثقہ ہونے سے ثابت ہوتی ہے محض اس کو نقل کرنے سے اس کی صحت ثابت نہیں ہو سکتی کما لا یخفیٰ اور نہ صرف نقل کرنے سے اظہار اعتماد ہوتا ہے خصوصاً ان حضرات کی نقل جو محض صوفی اور بزرگ ہیں اور فن حدیث کی پرکھ اور نقد و جرح کی مہارت ان کو نہیں علاوہ ازیں ہم نے تنقید متین

ص۱۲۹ تا ص۱۳۱ میں باحوالہ یہ بات تحریر کی ہے کہ نور محمدی سے روح محمدی مراد ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ نور محمدی کا مطلب روح محمدی ہے الیٰ قولہ اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے جیسا کہ شیخ عبدالحق صاحبؒ نے مدارج النبوۃ ج ۱ ص۱ میں دعویٰ کیا ہے تو اس معنیٰ کے لحاظ سے اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں لہٰذا اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں ہاں اس سے نصوص قطعیہ صریحہ کا رد کرنا اور آپ کی بشریت۔ آدمیت اور انسانیت کا انکار کرنا جیسا کہ بعض اہل بدعت کا وتیرہ ہے قطعًا غلط اور سراسر بے بنیاد ہے الخ (تنقید متین ص۱۳۱) افسوس ہے کہ مؤلف مذکور نے نہ تو ہماری یہ عبارت نقل کی ہے اور نہ اس کا حوالہ دیا ہے جواب دینا تو درکنار رہا حالانکہ علمی طور پر ان پر لازم تھا کہ ہماری اس عبارت کا حوالہ دیتے مگر ان کو دیانت و انصاف سے کیا واسطہ؟ ان کو تو اپنے حواریوں سے سستی شہرت کی داد حاصل کرنا ہے اور اہل حق کے خلاف اپنے دل کا اُبال نکالنا ہے اور بس۔

الغرض ہمارا یہ اعتراض کہ اس حدیث کی سند اور رواۃ کی توثیق معلوم نہیں بدستور باقی ہے اس کا ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا جا سکا ادھر اُدھر کی باتیں کر کے اور غیر معصوم اقوال و عبارات اور غیر متعلق حوالے نقل کر کے ان کا جواب تصور کر لینا طفل تسلی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اس حدیث کی باحوالہ سند اور رواۃ کی کتب اسماء الرجال سے توثیق مطلوب ہے ودُونَہٗ خَرْطُ الْقَتَادِ۔

اولیت اضافی کا جواب | یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے ص۱۶۰ تا ص۱۶۱ تک جو کچھ لکھا ہے اس کا نہایت اختصار سے خلاصہ اور تجزیہ یہ ہے۔

(۱) سرفراز صاحب نے حدیث جابرؓ کو رد کرنے کے لئے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ حضور اوّل خلق نہیں موضوعات کبیر میں ہے کہ قلم اول خلق ہے تنقید ص۱۱۰ میں ہے کہ اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے قلم تقدیر پیدا کیا گیا تو بلاوجہ قلم کے اول حقیقی ہونے کے بجائے اول اضافی پر محمول کرنا قابل سماعت نہیں۔

(۲) مولوی صاحب نے دبی زبان سے اعتراف کیا ہے کہ مرقات ج ۱ ص۱۴۹ اور جمع الوسائل میں اول مخلوقات میں آپ کے نور کا ذکر ہے اور خود ان کتابوں میں تصریح ہے کہ نور سے روح مراد ہے مولوی صاحب کو معلوم تھا کہ اگر مرقات کی ایمان افروز عبارت نقل کر دی تو قصر دیوبند منہدم ہو جائے گا اس لئے اس کو دیوالی کی پوریاں سمجھ کر صاف ہضم کر گئے ہیں جس کو نقل کرنے سے وہ خوف کھاتے ہیں عبارت (کا ترجمہ) یہ

ہے ابن حجرؒ نے کہا کہ اول مخلوق کے بارے میں روایات مختلف ہیں اور خلاصہ یہ ہے جیسا کہ میں نے شرح شمائل ترمذی میں بیان کیا ہے کہ بالیقین اوّل مخلوقات وہ نور ہے جس سے نبی علیہ السلام کو پیدا کیا گیا پھر پانی کو پھر عرش کو۔ ملا علیؒ القاریؒ کے اس کلام سے ظاہر ہو گیا کہ حضور کی اولیت کو حقیقی قرار دینے میں وہ تنہا نہیں ہیں بلکہ ابن حجرؒ بھی اس کی تصریح کرتے ہیں اور صاحب ازہار بھی ایسا ہی کہتے ہیں اور بے شمار جگہ علماء اسلام نے نورِ محمدی کی اولیت حقیقی پر نص صریح قائم کی ہے جیسا کہ ماسبق میں حوالے گذر چکے ہیں ۔

(۳) ازہار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی مقادیر کو آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے لکھا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا یعنی قلم کی پیدائش اور کتابت سے پہلے عرش پیدا ہو چکا تھا اور وہ پانی پر تھا اس کو مسلم نے روایت کیا اور ابن عباسؓ سے وکان عرشہ علی الماء کے بارے میں استفسار کیا گیا کہ عرش تو پانی پر تھا پانی کس چیز پر تھا تو فرمایا کہ ہوا کی پیٹھ پر اسے بیہقیؒ نے روایت کیا۔ (پس ثابت ہوا کہ قلم کی پیدائش ہوا پانی اور عرش کے بعد ہے) اور جو چیز سب سے پہلے پیدا ہوئی وہ نور محمدی ہے جیسا کہ میں نے المورد للمولد میں بیان کیا ہے ۔

(۴) شیخ محقق عبدالحق محدث دہلویؒ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲ میں ارقام فرماتے ہیں ۔ جان لو کہ اوّل مخلوقات اور واسطہ خلق عالم و آدم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا (پھر آگے اول خلق میں عقل کا ذکر بھی کیا ہے اور لکھا ہے کہ محققین اور محدثین کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں اور پھر آگے قلم کا ذکر کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے) پس معلوم ہوا کہ قلم کی پیدائش سے پہلے کچھ ہو چکا تھا اور وہ عرش و کرسی اور ارواح تھیں اور نور محمدی ان سب سے پہلے پیدا ہوا پس اس تقدیر پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ ماکان سے مراد اس نور کے صفات اور احوال ہیں اور مایکون سے مراد وہ اُمور ہیں جو بعد میں دنیا میں ظاہر ہوں گے ۔

مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ ملا علیؒ القاریؒ صاحب ازہار اور شیخ محققؒ کے اس محققانہ کلام کو دیکھئے اور مولوی سرفراز صاحب کے کمزور مطالعہ پر تحسین و آفرین کیجئے وہ تو عداوت رسول میں یہ روایت صحیح مسلم دیوانہ وار یہ ثابت کر چکے تھے کہ قلم سب سے پہلے پیدا ہوا اور ثابت یہ ہوا کہ قلم چوتھے نمبر پر ہے جب خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا کہ قلم عرش اور پانی کے بعد پیدا ہوا اور آپ کے فرمان صریح سے اس کی اولیت اضافی ثابت ہو گئی تو آنجناب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تردید کی جرأت کیونکر

ہوئی کہ قلم کو اول حقیقی کہا کیا آپ کے مذہب غیر مہذب میں فرمان نبوی بھی قابل سماعت نہیں؟ توبہ کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ فکر آخرت کرو اور توبہ کر لو ورنہ تنقیص رسالت میں سیر وں کے حساب سے لکھی ہوئی کتابیں آپ کی لٹیا ڈبونے کے لئے کافی ہیں اور ان کی فروخت سے جو دنیا وی سکے حاصل کئے ہیں وہ اس دن کام نہ آسکیں گے۔

(۵) سرفراز صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ نور سے مراد روح ہے جیسا کہ ملا علیٰ القاریؒ نے لکھا ہے ہمیں مضر نہیں اولاً اس لئے کہ نور ہو یا روح ہو مقصد تو یہ ہے کہ آپ اول خلق ہیں وثانیاً اس سے آپ کو کوئی نفع نہیں نفع تب ہوتا کہ نور اور روح میں تباین ہوتا حالانکہ ملا علیٰ القاریؒ فرماتے ہیں۔ آپکا فرمان کہ سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے کہ میری روح کو پیدا کیا دونوں کا معنیٰ ایک ہے کیونکہ ارواح نورانی ہوتی ہیں۔

(۶) سرفراز صاحب لکھتے ہیں کہ محققین شراح حدیث اور ارباب تاریخ نے جہاں اول المخلوقات کی تحقیق اور بحث کی ہے وہاں قلم عرش اور عقل وغیرہ کا ذکر تو کیا ہے مگر نور کا ذکر نہیں کرتے (تنقید ص۱۱) جواباً عرض ہے کہ ہم ماسبق میں امام عبدالرزاقؒ۔ امام بیہقیؒ۔ امام احمد قسطلانیؒ امام زرقانیؒ عبدالقادر الجزائریؒ۔ ملا علیٰ القاریؒ حنفی۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلویؒ وغیرہم کا کلام نقل کر چکے ہیں اس میں غور فرمالیجئے کہ یہ اکابر ائمہ اولیت خلق میں نور محمدی کا ذکر کرتے ہیں یا نہیں؟ یہ اور بات ہے کہ جن کی آنکھوں پر ابلیس نے بغض رسالت کی پٹی باندھ دی ہو انہیں عبارات میں نور محمدی نظر نہیں آئیگا۔

(۷) سرفراز صاحب حدیث جابرؓ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کی سند کا علم نہیں کہ کیسی ہے اور امام عبدالرزاق شیعہ تھے گو غالی نہ تھے اور بعض چیزوں میں وہ منفرد بھی ہے خصوصاً فضائل کے بارے میں اور ان کا ساتھ بھی کسی نے نہیں دیا (محصلہ تنقید ص۱۰۸) محض تشیع کی طرف نسبت سے امام عبدالرزاق کی روایت کو ناقابل اعتبار قرار دینا صحیح نہیں ہے اہل بدعت کی روایات کے بارے میں شیخ محقق مقدمہ شرح مشکوٰۃ میں ارقام فرماتے ہیں کہ مختار یہ ہے کہ اہل بدعت کی روایت اگر اس کے مسلک کی تزیین اور ترویج میں ہو تو مقبول نہ ہوگی اور اگر ایسی نہ ہو تو قبول ہوگی اور جامع الاصول کے حوالے سے لکھا ہے کہ آئمہ حدیث نے خوارج۔ قدریہ۔ روافض اور دیگر اہل بدعت سے بھی روایت لی ہیں چلو اگر امام عبدالرزاق شیعہ تھے تو امام بیہقیؒ تو شیعہ نہ تھے جنہوں نے دلائل نبوت میں یہ روایت نقل کی ہے علاوہ ازیں امام عبدالرزاق

اس میں منفرد نہیں بلکہ علما داعلام نور محمدی کے اول خلق ہونے میں امام کے ساتھ ہیں جن کی عبارتیں گذر چکی ہیں لہٰذا سرفراز صاحب کا یہ کہنا کہ فضائل میں انہوں نے ایسی روایات بھی ذکر کی ہیں جن میں ان کا کوئی ساتھ نہیں دیتا۔ بالکل غیر متعلق ہے۔

(۸) نور محمدی کے اول خلق ہونے کی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی سرفراز صاحب نے کہا کہ ان باطل اور موضوع روایات کے چکر میں پڑ کر مسلمانوں کو کیا پڑی ہے کہ وہ قرآن پاک کی نصوص قطعیہ اور صحیح و متواتر حدیث کی تاویل بے جا کریں اور معاذ اللہ تعالیٰ ان کو رد کر کے عذاب خداوندی کا شکار ہوں اور آتش دوزخ کا ایندھن بنیں معاذ اللہ تعالیٰ (تنقید ص۱۱۱)

اب آیئے ذرا مولوی سرفراز صاحب کے حکمی خاندان پر نظر ڈالیں کہ ان میں سے کتنے صاحب جنت و دستار جہنم کا ایندھن بن چکے ہیں۔ سرخیل دیوبند مولوی قاسم نانوتوی محذورات عشرہ میں محذور اول کے جواب میں لکھتے ہیں۔ اب سنیئے کہ روح پُر فتوح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جو اصل موصوف نبوت ہے اور ارواح انبیاء باقیہ کے لئے موقوف علیہ ہے اور اسی وجہ سے آپ کو تقدم بالخلق لازم ہوا مگر مخلوقیت روحانی کو تولد جسمانی لازم نہیں اور آپ کے نزدیک لازم ہو تو ثابت کیجئے۔ اور اول ما خلق اللہ نوری وغیرہ مضامین کی تغلیط فرمایئے (الیٰ ان قال) اور اگر یہ سزا اس جرم کی ہے کہ میں نے موقوف علیہ کیوں کہا اول ما خلق اللہ نوری کیوں نہ کہا تو اب سہی،،

معیار دیوبند کے اس مضمون سے مندرجہ ذیل اُمور ثابت ہوئے (۱) نور محمدی اول مخلوق ہے (۲) نبی علیہ السلام تمام انبیاء کے لئے موقوف علیہ ہیں (۳) آپ کی نبوت بالذات اور باقی انبیاء کی نبوت بالعرض ہے (۴) اول ما خلق اللہ نوری نہ صرف لائق احتجاج ہے بلکہ دیوبند کے پیر مغاں نے اس سے استدلال کر کے بے شمار نصوص قرآنیہ کو رد کر دیا کما سیاتی انشاء اللہ تعالیٰ تحذیر الناس ص۳۹ پر دلائل کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے مولوی قاسم صاحب نے کہا۔

باقی رہا آپ کا وصف نبوت میں واسطہ فی العروض اور موصوف بالذات ہونا اور انبیاء ما تحت علیہ وعلیہم السلام کا آپ کے فیض کا معروض اور موصوف بالعرض ہونا وہ تحقیق معنیٰ خاتمیت پر موقوف ہے جس کی شرح و بسط کما ینبغی اوپر کر چکا ہوں،،

اس کے بعد مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ اہل علم پر مخفی نہیں کہ جو موصوف بالعرض بواسطہ فی العروض ہو

اس کے ساتھ وصف کا قیام نہیں ہوتا بلکہ وصف کا قیام موصوف بالذات کے ساتھ ہوتا ہے اور موصوف بالعرض کو مجازاً موصوف بالذات کی مجاورت کی وجہ سے موصوف کہتے ہیں مثلاً جالس فی السفینۃ کے ساتھ حرکت کا قیام نہیں ہوتا لیکن اس کو مجازاً متحرک کہتے ہیں کیونکہ وہ متحرک بالذات یعنی سفینہ کا مجاور ہے جو کہ واسطہ فی العروض ہے پس اس تقریر سے لازم آیا کہ باقی تمام انبیاء کے ساتھ وصف نبوت قائم نہ ہو اور نبی علیہ السلام سے مقارنت کی بناء پر انہیں مجازاً نبی کہا گیا ہو۔ مولوی قاسم صاحب نے اپنے کلام میں حضور کے سوا تمام انبیاء کی نبوت کا انکار کر کے قرآن کی صدہا نصوص کو رد کر دیا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ علامہ ابوالسعودؒ فرماتے ہیں اس لئے کہ معتبر یہ ہے کہ رسولوں کے درمیان نفس رسالت میں فرق نہ کیا جائے نہ کہ باقی اوصاف مخصوصہ میں۔ مؤلف مذکور لکھتے ہیں اور ایک پیغمبر دیوبند کی منطق فرمائیے (شاید ملاحظہ فرمائیے ہو۔ صفدر) جنہوں نے نبی علیہ السلام اور انبیاء علیہم السلام میں نفس رسالت میں فرق کیا اور آپ کے لئے وصف نبوت کو واسطہ فی العروض کے مرتبہ میں مان کر باقی انبیاء سے نبوت کی نفی کر دی اور اس کی بنیاد وہی مقدمہ ہے۔ جس کو وہ کہیں موقوف علیہ سے تعبیر کرتے ہیں اور کہیں اول ما خلق اللہ نوری سے فیا للعجب اب سرفراز صاحب سے پوچھنے دیجئے کہ اگر یہ روایت باطل اور موضوع ہے تو اس کو ماننے والوں میں آپ کے پیر مغاں بھی شامل ہیں ان کے بارے کیا ارشاد ہو گا؟

اور اس باطل روایت کے چکر میں پڑ کر نصوص قرآنیہ اور احادیث صحیحہ متواترہ کا انکار کون کر رہا ہے اور اس موضوع روایت کو اساس بنا کر ایک نئے عقیدہ کی طرح کس نے رکھی۔

ع وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اگر اجازت ہو تو اب ہم بھی کہہ دیں کہ مولوی قاسم نانوتوی نے اس ابلیسی چکر میں پڑ کر قرآن پاک کی نصوص قطعیہ اور صحیح متواتر احادیث کی تاویل بے جا کی ہے اور معاذ اللہ ان کو رد کر کے عذاب خداوندی کا شکار ہوئے اور اپنے آپ کو آتش دوزخ کا ایندھن بنا لیا ہے اور سچ پوچھئے تو قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر الناس میں جس ظلی اور بروزی نبوت کا راستہ دکھایا ہے اس راہ پر چل کر مرزا ملعون نے دعویٰ نبوت کیا اور امت دیوبند آج تک مرزائیہ کے اس استدلال سے جان نہیں چھڑا سکی اگر اب بھی آپ کی طبیعت صاف نہ ہوئی تو لیجئے حکیم الامت حاضر ہیں وہ بقول آپ کے باطل روایت

کے چکر میں پڑ کر جہنم کے کس طبقہ میں جا پہنچے ہیں حضرت جابرؓ کی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد مولوی اشرف علی تھانوی نے ف سے فائدہ کا عنوان قائم کیا کہتے ہیں۔

ف اس حدیث سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم آیا ہے ان اشیاء کا نور محمدی سے متاخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے انتہیٰ (نشر الطیب صے) لیجئے ان حکیم صاحب نے تو آپ کے سارے کئے دھرے پر پانی پھیر دیا آپ کسی طور پر اولیت حقیقیہ نہیں مانتے اور تھانہ بھون کے حکیم الامت اولیت حقیقی کو منصوص قرار دیتے ہیں اب یا تو اپنی جہالت کا اعتراف کر کے حکیم الامت کے پیر پکڑ لیجئے یا انہیں جاہل اور غالی قرار دے کر جہنم میں جھونکیئے یہ آپ کا اور آپ کے آبا کا معاملہ ہے ہم نے صلح صفائی کی غرض سے ایک معاملہ فہمی کی بات عرض کی ہے محصلہ (صفہ ۱۶ تا ۱۷۰)

الجواب - مؤلف مذکور نے اس ساری گرفت میں اسی جہل مرکب کا ثبوت دیا ہے۔ جس کے بھنور میں وہ ساری کتاب میں غوطے کھا رہے ہیں اور کسی طرف نکلنے کی راہ نہیں پاتے اور اپنے بڑوں کی سنت اس مقام پر بھی انہوں نے پوری کی ہے کہ اصل اور مکمل عبارات سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے کوئی ادھوری عبارت لے لی اور اس پر کج بحثی شروع کر دی اور اپنی طرف سے عبارات کے معانی اور مطالب تیار کر کے بلغوبہ بنا کر دل کی بھڑاس نکالنا شروع کر دی صد افسوس ہے اس علم و دیانت پر اور ہزار تف ہے ایسی تحقیق پر اب آپ ترتیب وار جوابات سنیئے۔

(۱) جس طرح ہم نے کتب حدیث کے حوالہ سے اول ماخلق اللہ القلم کی حدیث نقل کی ہے اور ساتھ ہی اس کی تصحیح بھی باحوالہ عرض کر دی ہے مؤلف مذکور کا یہ اخلاقی اور علمی فریضہ تھا (اور ہے) کہ وہ اول ماخلق اللہ نوری کی حدیث کسی بھی حدیث کی معتبر کتاب سے باسند نقل کرتے اور پھر اس کی سند کی تصحیح بھی ساتھ نقل کرتے مگر وہ ایسا نہیں کر سکے اور انشاء اللہ العزیز نہیں کر سکیں گے تو جو روایت (اول ماخلق اللہ القلم) کتب حدیث میں موجود ہے اور محدثین کرامؒ کی تصریح کے ساتھ وہ صحیح بھی ہے تو اس کو کیوں نہ اول حقیقی پر محمول کیا جائے اور اس کے مقابلہ میں غیر ثابت روایت کو کیوں اول حقیقی پہ محمول کیا جائے کیونکہ بقول آپ کے اعلیٰ حضرت کے حدیث ماننے کے لئے ثبوت درکار ہے اور اسی سے آپ اور آپ کی جماعت عاجز ہے آپ کو وہ سند سامنے لانی چاہیئے جس سے یہ روایت مروی ہے تاکہ سند

کے لحاظ سے اس بحث کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے (دیدہ باید)

(۲) ہم نے تنقید متین ص۱۲۹ و ص۱۳۰ و ص۱۳۱ میں شرح الشفا لملا علی القاریؒ ۔ مرقات اور نسیم الریاض للخفاجیؒ اور نشر الطیب ص۵ کے حوالہ سے یہ عرض کیا ہے کہ نور محمدی سے مراد روح محمدی ہے ۔ اور اس کے بعد یہ عرض کیا ہے ۔ اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے جیسا کہ شیخ عبد الحق صاحبؒ نے مدارج النبوۃ ج۲ ص۱ میں دعویٰ کیا ہے تو اس معنیٰ کے لحاظ سے اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں لہٰذا اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں ہاں اس سے نصوص قطعیہ ۔ صریحہ کا رد کرنا اور آپ کی بشریت ۔ آدمیت اور انسانیت کا انکار کرنا جیسا بعض اہل بدعت کا وتیرہ ہے قطعاً غلط اور سراسر بے بنیاد ہے الخ (تنقید متین ص۱۳۱)

غور فرمائیے کہ ہماری اس تصریح کے بعد مرقات کے حوالہ سے قصر دیوبند پر کیا زد آتی ہے ؟ اور کیا اس سے اس کی کوئی اینٹ یا روڑا یا پلستر ہی اپنی جگہ سے ہلتا ہے ؟ بلکہ ان حوالوں سے تو قصر دیوبند اور مضبوط ہوتا ہے کہ جو معنیٰ مرقات میں حضرت ملا علی القاریؒ نے بیان کیا ہے وہی معنیٰ حضرت تھانویؒ نشر الطیب میں بیان کرتے ہیں اور ہماری عبارت میں تضاد سے مراد (جیسا کہ تنقید متین کی عبارت سے بالکل ظاہر ہے) یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس طرح نور تسلیم کیا جائے جس سے آپ کی بشریت کا رد لازم آتا ہو جو قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے اس میں تضاد ہے مگر مؤلف مذکور اپنی کم فہمی اور جہالت کی وجہ سے اول ما خلق اللہ القلم کی حدیث کا اول ما خلق اللہ نوری سے تضاد سمجھ رہے ہیں اور ان میں سے ایک کو بعض حضرات اول حقیقی پر اور دوسرے کو اول اضافی پر حمل کرتے ہیں گو ہمارے نزدیک اول ما خلق اللہ نوری کی حدیث سند کے لحاظ سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے اور تو اس میں نور سے مراد روح ہے جس کی ہم نے تصریح کی ہے اور لکھا ہے کہ اس سے کسی نص کے ساتھ تضاد لازم نہیں آتا اور اس کے تسلیم کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں کیونکہ اس بیان کے مطابق آپ کی ذات بشر اور آپ کی صفت نور ثابت ہوتی ہے۔

اور تنقید متین میں ہم نے اس کی تصریح کی ہے بلا شبہ حضرت ملا علی القاریؒ اول المخلوقات میں آپ کے نور کا ذکر کرتے ہیں اور اسی کو راجح قرار دیتے ہیں اور حافظ ابن حجرؒ اول خلق کے بارے اختلاف تو نقل کرتے ہیں لیکن ترجیح حدیث قلم کو دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہی حدیث صحیح ہے جیسا کہ موضوعات کبیر

کے حوالہ سے یہ بات تنقید متین میں عرض کردی گئی ہے لہذا مؤلف مذکور کا حافظ ابن حجرؒ کو حضرت ملا علی القاریؒ کا اس میں ہمنوا قرار دینا محض سینہ زوری ہے حافظ ابن حجرؒ فنی لحاظ سے اس کی تردید کرتے ہیں کہ اول مخلوقات میں نوری کی حدیث ہو نہ یہ کہ اس کی تائید کی تصریح کرتے ہیں جیسا کہ مؤلف مذکور نے کم فہمی سے یہ سمجھ رکھا ہے۔ اسی طرح علماء اسلام اور ازہار کی عبارات میں آپ کے نور کے اول مخلوقات ہونے کا ذکر ہے اور دیگر بہت سے علماء نے اس کا ذکر کیا ہے لیکن نزاع اس میں ہے کہ صحیح حدیث کی رُو سے اول مخلوقات کیا چیز ثابت ہے نزاع علماء کی عبارات اور اقوال کے بارے تو نہیں خدا کرے کہ مؤلف مذکور بات کو سمجھ سکیں۔

(۳) ازھار کی عبارت میں مسلم کی جن روایت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ۔

كتب الله مقادير الخلائق قبل ان يخلق	اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی خلقت سے
السمٰوت والارض بخمسين الف سنة	پچاس ہزار سال قبل مخلوقات کی تقدیر لکھ دی تھی
قال وعرشه على الماء۔	اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔

(مسلم ج ۲ ص ۳۳۵)

اس صحیح اور مرفوع روایت سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ مخلوقات کی تقدیر آسمان اور زمینوں کی خلقت سے پچاس ہزار سال قبل لکھی گئی اس میں قلم کی خلقت کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ کب ہوئی ممکن ہے کہ قلم تقدیر کی خلقت اس سے بھی بہت قبل ہو لیکن اس کے ساتھ لکھنے کا معاملہ آسمانوں اور زمین کی خلقت سے پچاس ہزار سال قبل ہوا ہو جیسا کہ زمین کا مادہ آسمانوں کی خلقت سے پہلے بنایا گیا اور دحو زمین (پھیلانا) بعد کو ہوا غرضیکہ مسلم کی روایت سے قلم کی پیدائش کے بارے قطعیت سے کچھ ثابت نہیں ہوتا ہاں اس سے بظاہر عرش اور پانی کی خلقت آسمانوں اور زمینوں کی خلقت سے پہلے ثابت ہوتی ہے جیسا کہ امام نووی الشافعیؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ۔

وعرشه على الماء اى قبل خلق السمٰوت	اور اس کا عرش آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے
والارض والله اعلم (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵)	پہلے پانی پر تھا۔

صاحب ازہار کی یہ تفریع یعنی قلم کی پیدائش اور کتابت سے پہلے عرش پیدا ہو چکا تھا اور وہ پانی پر تھا اس کو مسلم نے روایت کیا: یہ ان کا اپنا ذاتی نظریہ اور خانہ زاد تفریع ہے اور یہ تفریع اور بہت سے علماء سے منقول ہے بلکہ بعض نے اس کو الاصح اور بعض نے قول الجمہور سے تعبیر کیا ہے۔ مگر مسلم کی روایت میں

اس کا کوئی ذکر نہیں اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کے موقوف قول اور اثر سے صرف اتنا ثابت ہے کہ پانی ہوا کی پیٹھ پر تھا نہ تو اس قول سے قلم کی خلقت کی اولیت کی نفی ہوتی ہے اور نہ ان مذکورہ اشیاء سے اس کی خلقت کی تاخیر ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ کسی بھی صاحب فہم سے یہ مخفی نہیں اسی طرح مؤلف مذکور کا بین القوسین یہ جملہ لکھنا (پس ثابت ہوا کہ قلم کی پیدائش ہوا پانی اور عرش کے بعد ہے) یہ ان کی اور ان سے پیشتر علماء کی غلط تفریع ہے اس حدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں عبارت کے آخر میں صاحب ازھار کا یہ دعویٰ کہ اور جو چیز سب سے پہلے پیدا ہوئی وہ نور محمدی ہے جیسا کہ میں نے المورد للمولد میں بیان کیا ہے نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ ہمیں تو ثبوت ایسی صحیح حدیث سے درکار ہے جو باسند ہو اور محدثین کرامؒ سے اس کی باحوالہ تصحیح منقول ہو کہ اول مخلوقات نور محمدی ہے صاحب ازہار کے غیر معصوم قول سے یہ مسئلہ تو ثابت نہیں ہوتا اور نہ ثابت ہو سکتا ہے مگر افسوس ہے کہ مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کے علماء میں بات سمجھنے کا سرے سے سلیقہ ہی نہیں اور نہ دعویٰ اور دلیل کی تقریب تام کا وہ خیال کرتے ہیں۔

(۴) بلاشبہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اول مخلوقات میں نور محمدی کی حدیث کے صحیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن ہمارا اور اہل بدعت کا نزاع اسی بات میں ہے کہ اول ما خلق اللہ نوری کی حدیث۔ حدیث کی کس کتاب میں ہے؟ اس کی سند کیا؟ اور کیسی ہے؟ محض حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ کے صحیح کہنے سے بے ثبوت روایت صحیح تو نہیں ہو جاتی حدیث کی صحت کے لئے ثبوت اور سند درکار ہے اور وہی کوہ کندن اور کاہ برآوردن کا مصداق ہے۔

آگے ان کی جتنی تفریعات ہیں وہ اسی پر متفرع ہیں کہ یہ مذکور حدیث صحیح ہے حالانکہ اس کی صحت کسی طرح بھی اصول کے لحاظ سے ثابت نہیں اول مخلوقات میں عقل کی حدیث کی انہوں محققین کے حوالہ سے تضعیف کر دی ہے لیکن حدیث اول ما خلق اللہ القلم بھی انہوں نے نقل کی ہے اور اس کے بارے یہ تحریر فرمایا ہے کہ و حدیث اول ما خلق اللہ القلم نیز گفتہ اند کہ مراد بعد العرش والماء است کہ واقع شدہ است و کان عرشہ علی الماء۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص۲) اور یہ ایک تاویل ہے۔ اس حدیث سے قبل اور بعد علی التعیین کچھ ثابت نہیں کما مر۔

یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہے کہ صحیح حدیث کے مقابلہ میں کسی کا کلام بھی محققانہ نہیں ہو سکتا جب اول ما خلق اللہ القلم کی حدیث صحیح ہے تو سرفراز کیا ہر مسلمان کو حُبّ رسول کے جذبہ سے اس پر دیوانہ وار فریفتہ

ہونا چاہیے اور صحیح حدیث کے پیش نظر قلم کو اول خلق سمجھنا چاہیے اور اس کے مقابلہ میں جملہ اقوال کی مناسب توجیہ اور تاویل کی جائے نہ ہو سکے تو رد کر دئے جائیں کیونکہ ایمان کا تقاضا ہی یہی ہے اگر بفضلہ تعالیٰ راقم اثیم کا مطالعہ قوی اور وسیع نہ ہوتا تو بے ثبوت حدیث کو آنکھیں بند کر کے پلّے باندھ لیتا اور صحیح حدیث تک رسائی ہی نہ ہوتی مگر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی سے صحیح حدیث تک رسائی ہوگئی و ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

مؤلف مذکور کا حقائق سے چشم پوشی کر کے اور جہل مرکب کے گھوڑے پر سوار ہو کر یہ لکھنا جب خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ قلم عرش اور پانی کے بعد پیدا ہوا الی قولہ تو آنجناب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تردید کی جرأت کیونکر ہوئی الخ ان کے خبث باطن کا نتیجہ اور خالص دجل و تلبیس ہے کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز صراحۃً کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ قلم عرش اور پانی کے بعد پیدا ہوا ہے۔ یہ سمجھنے والے حضرات کی خود اپنی ذاتی تفریع ہے وہ کون مسلمان ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ اس کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ثابت شدہ قول کی تردید کی جرأت ہو؟ اور وہ تردید کر کے مسلمان بھی رہ سکتا ہو؟ حاشا و کلاثم حاشا و کلا ع این خیال است و محال است و جنوں؛

قارئین کرام! کیا ہم مؤلف مذکور کی بولی میں یہ کہنے میں حق بجانب نہیں کہ وہ معاذ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغض میں آکر آپ کی صحیح حدیث اول ما خلق اللہ القلم کو رد کر رہے ہیں یہ جرأت ان میں کیونکر آئی؟ کیا ان کے مذہب ناہذیب نے ان کو یہ طریق سکھلایا ہے؟ یا غیر معصوم اقوال و آراء کے تحت وہ نبی معصوم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کو رد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے توبہ کر لیں ورنہ سوئم، چہلم اور عرسوں کے لذیذ کھانے اور گیارھویں شریف کی مٹھائیاں اور جلیبیاں آپ کو ہرگز عذاب خداوندی سے نہیں چھڑا سکیں گی۔ اور آپ کو یقیناً وقت آنے پر کف افسوس ملنا پڑے گا مگر اس وقت کہ جب۔

ع اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ راقم اثیم کو کتابوں سے دنیوی مفاد اور سکے تو چنداں حاصل نہیں ہوئے اور لکھنے کا مقصد بھی یہ نہ تھا جیسا کہ مؤلف مذکور کی بدگمانی ہے البتہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راقم اثیم کی مدلل اور باحوالہ کتابوں سے ہزاروں لوگ شرک و بدعت سے تائب ہو گئے ہیں۔

(۵) ہمارے دعویٰ کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بایں معنی نور تسلیم کرنا جس سے

آپ کی بشریت کا انکار لازم آئے یہ عقیدہ غلط ہے اور اس سے نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ کا رد لازم آتا ہے جو بجائے خود کفر ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) اگر اول ماخلق اللہ نوری کی حدیث صحیح بھی ثابت ہو جائے اور نور سے روح مراد ہو تو چونکہ اس سے نصوص کا رد لازم نہیں آتا اس لئے یہ درست ہے ہم نے تنقید متین میں اس کی تصریح کی ہے جس کو مؤلف مذکور شربت صندل سمجھ کر پی گئے ہیں ہمارے دعویٰ کا بنیادی نقطہ یہ نہیں ہے کہ اول خلق قلم ہے یا نور محمدی ہے ان میں سے جونسا بھی اول حقیقی ثابت ہو گیا دوسرا اضافی ہو جائے گا۔ مگر چونکہ ہماری دانست اور تحقیق کے مطابق اول ماخلق اللہ القلم کی حدیث صحیح اور ثابت ہے اس لئے اس کو محض غیر معصوم اقوال و آراء کی خاطر ترک کر دینا مستحسن بات نہیں ہے حضرت ملا علی القاریؒ نے جو یہ فرمایا کہ ارواح نورانی ہوتی ہیں تو بجا ہے کیونکہ روح کی تعریف عند البعض یہ ہے جسم لطیف سار فی بدن الانسان اور دوسرے الفاظ میں یہی جسم لطیف نورانی کہلاتا ہے لیکن اس سے مؤلف مذکور کو کوئی فائدہ نہیں اور ہمیں کوئی نقصان نہیں۔ کما لا یخفیٰ۔

(۶) امام عبدالرزاقؒ اور امام بیہقیؒ نہ تو شراح حدیث میں ہیں اور نہ انہوں نے اول المخلوقات کا اختلاف چھیڑا اور اس پر بحث و تحقیق کی ہے انہوں نے تو بقول آپ کے اعلیٰ حضرت وغیرہ کے صرف اول ماخلق اللہ نوری کی حدیث نقل کی ہے جس کی صحت ہی محل نزاع ہے امام قسطلانیؒ اور علامہ زرقانیؒ بلاشبہ اول ماخلق اللہ نوری کو نقل کرتے اور بظاہر اس کو ترجیح دیتے ہیں لیکن یہ دونوں بزرگ سیرت نگار ہیں اور سیرت کی کتابوں میں رطب و یابس سب کچھ ہوتا ہے تحقیق بہت کم ہوتی ہے چنانچہ آپ کے اعلیحضرت ہی ایک مقام پر معارج النبوت کے بارے لکھتے ہیں کہ کتاب میں رطب و یابس سب کچھ ہے (احکام شریعت ج ۲ ص ۵۲) اسلئے ہم نے محققین شراح حدیث اور ارباب تاریخ کی قید لگائی ہے بایں ہمہ یہ بزرگ حتمی طور پر نور کی اولیت ہی کا ذکر نہیں کرتے بلکہ وہ اولیت اضافیہ کو بھی نظر انداز نہیں کرتے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ۔

وروی السدی	اور سدی نے ....
..... باسانید متعددۃ ان اللہ لم یخلق	..... متعدد اسانید سے روایت کیا ہے کہ اللہ
شیئًا مما خلق ای من جمیع المخلوقات	تعالیٰ نے جو اشیاء پیدا کی ہیں یعنی تمام مخلوقات میں
قبل الماء فیجمع بینہ و بین ما قبلہ	سے پانی سے پہلے کوئی چیز نہیں پیدا کی اس روایت
من حدیثی جابرؓ و ابی رزینؓ بان اولیۃ	میں اور اس سے پہلی روایت میں جو حضرت جابرؓ

خلقه القلم بالنسبة الیٰ ما عدا النور
المحمدی والماء والعرش انتهیٰ وقیل
فی الجمع ایضاً الاولیة فی کل من المذکورات
بالاضافة الیٰ جنسه ای اول ما خلق
الله من الانوار نوری الضمیر له صلی
الله علیه وسلم وکذا یقال فی باقیها
ای واول ما خلق مما یکتب القلم الذی
کتب المقادیر واول ما خلق مما یصدق
علیه العرش عرش الله اذ العرش
یطلق علیٰ معان کما فی القاموس اھ
(المواهب مع شرحه للزرقانی ج۱ ص۴۸)

اور حضرت ابو رزینؓ کی روایتیں ہیں تطبیق یہ
ہے کہ قلم کی اولیت خلقت کے لحاظ سے نور محمدی
اور پانی اور عرش کی خلقت کے سوا ہے ان کی بات
پوری ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے تطبیق کے سلسلہ
میں کہ اولیت ہر ایک کی ان مذکورہ چیزوں میں
سے اپنی جنس کی طرف اضافت کے اعتبار سے ہے
یعنی انوار میں سے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا گیا
اور ضمیر (متکلم) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف
راجع ہے اور اسی طرح باقی امور کے متعلق کہا گیا
ہے یعنی قلموں میں سب سے پہلے قلم تقدیر اور تختوں
میں سب سے پہلے عرش پیدا کیا گیا کیونکہ عرش کا
اطلاق کئی معانی پر ہوتا ہے جیسا کہ قاموس میں ہے۔

اس عبارت میں تصریح ہے کہ امام احمد قسطلانیؒ جو ماتن ہیں اور امام عبد الباقی زرقانیؒ جو شارح ہیں اولیت اضافیہ کو بھی برابر بیان کرتے اور اس کو عملی طور پر ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور حضرت ملا علی القاریؒ شارح حدیث بھی ہیں اور محقق بھی ہیں مگر ان کا حوالہ ہم نے تنقید متین ص۱۲۹ میں دیا ہے شیخ عبد القادر الجزائریؒ صوفی قسم کے بزرگ ہیں محققین شراح حدیث میں ان کا مقام اور نمبر نہیں ہے اور شیخ عبد الحق دہلویؒ کا حوالہ خود ہم نے تنقید ص۱۳۱ میں دیا ہے کہ وہ اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں اور صرف یہی دونوں بزرگ ہی شارح حدیث نہیں بلکہ شروح حدیث کی اور بھی بے شمار اور لاتعداد کتابیں موجود ہیں جن کے شارح محقق بھی ہیں لیکن ان کے شروح اس کے ذکر سے خالی ہیں الغرض ہمارے الفاظ محققین شراح حدیث اور ارباب تاریخ کی الفاظ بالکل واضح ہیں۔ اور مؤلف مذکور محققین شراح حدیث سے بجز ہمارے بیان کردہ حوالوں کے اور کوئی حوالہ نہیں پیش کر سکے مگر شیطان مردود ہی اگر کسی کی آنکھوں پر ضد اور تعصب کی پٹی باندھ دے کہ اسے یہ الفاظ نظر ہی نہ آئیں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔

ع گر نہ بیند بروز شپرہ چشم۔ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ۔

(۷) حدیث کی صحت کے لئے سند کی ضرورت ہوتی ہے امام عبداللہؒ بن المبارکؒ فرماتے ہیں کہ
الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء (مسلم ج۱ ص۱۲) سند دین (کا حصہ) ہے اور اگر سند نہ ہو تو جس شخص جی جو چاہے گا وہ کہے گا۔
اس لئے جب تک سند اور اس کے رواۃ کی ثقاہت معلوم نہ ہو حدیث کا کوئی اعتبار نہیں یہ ٹھیک ہے کہ تشیع اور بدعت کی وجہ سے روایت رد نہیں ہوتی لیکن اگر اہل بدعت کی ایسی روایت ہو جو داعیہ الی البدعت ہو تو پھر اس کی روایت قابل قبول نہیں (ملاحظہ ہو شرح نخبۃ الفکر ص۴۲ وتدریب الراوی ص۲۱۷ وغیرہ)
اور ایسا راوی جو داعیہ الی البدعت ہو جبکہ متفرد ہو تو اس کی روایت میں مزید شک پڑ جاتا ہے اور اس روایت میں امام عبدالرزاق متفرد ہیں امام بیہقیؒ ان سے بہت متاخر ہیں ان کے اس روایت کو نقل کرنے سے امام عبدالرزاق کا تفرد رفع نہیں ہوتا جب تک کہ امام بیہقیؒ کی روایت میں امام عبدالرزاقؒ کی بجائے کوئی اور ثقہ راوی نہ ہو اور اس حدیث کے الفاظ بھی بعینہا وہی ہوں جو امام عبدالرزاقؒ کی روایت کے ہیں اور اسی طرح علماء کرام کا اپنی عبارات میں اس روایت کو یا اس کے مضمون کو نقل کرنا تفرد کو رفع نہیں کرتا جیسا کہ کتب اصول حدیث جاننے والوں پر یہ بالکل واضح ہے روایت میں راوی کا تفرد تب ہی رفع ہو سکتا ہے کہ اس راوی کا کوئی اور متابع ہو ورنہ تفرد برقرار رہے گا کما لایخفیٰ امام ابن خلدونؒ المتوفی ۸۰۸ھ فرماتے ہیں کہ عبدالرزاقؒ بن ہمامؒ مشہور شیعہ تھے اور آخر عمر میں نابینا اور مختلط بھی ہو گئے تھے امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے فضائل میں ایسی روایات بیان کی ہیں جن میں ان کی کوئی بھی موافقت نہیں کرتا اور ان کو تشیع کی طرف منسوب کیا گیا ہے (مقدمہ ص۳۲۲ طبع مصر) اور ہم نے تنقید متین ص۱۳۱ میں شیعہ کی مشہور و معروف کتاب اصول کافی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کے نور ہونے کا عقیدہ شیعہ کا ہے لہٰذا جب شیعہ راوی ایسی روایت نقل کرے جس میں اس کا عقیدہ مضمر ہو اور ہو بھی وہ منفرد تو اصول حدیث کے لحاظ سے اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اور اسی سے ملتا جلتا مضمون آپ کے اعلیٰ حضرت بھی لکھتے ہیں۔

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا — تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانہ نور کا
(حدائق بخشش حصہ دوم ص۹)

---

(۸) کاش کہ مؤلف مذکور تنقید متین ص۱۳۲ و ص۱۳۳ میں درج کردہ روایات کا حوالہ دیتے اور پھر ساتھ

ہی وہ حوالے بھی نقل کر دیتے کہ یہ روایات باطل اور موضوع ہیں اور ان میں کذاب راوی موجود ہیں تاکہ عوام کو بھی کچھ پتہ چل سکتا کہ تنقید متین میں کونسی روایات کو با حوالہ موضوع اور باطل کہا گیا ہے اور ان کے باطل و موضوع ہونے کا ثبوت کیا ہے؟ مگر مؤلف مذکور نے اپنے بڑوں کی طرح یہاں بھی دجل سے کام لیا ہے اور یہ مجمل جملہ لکھ کر عوام کو مغالطہ میں مبتلا کر رہے ہیں کہ نور محمدی کے اول خلق ہونے کی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی سرفراز نے کہا ہے کہ ان باطل اور موضوع روایات کے چکر میں پڑ کر الخ حیرت اور افسوس ہے اس دجل و تلبیس پر قارئین کرام سے گذارش ہے کہ وہ تنقید متین کا مطالعہ کریں تاکہ حقیقت بالکل نمایاں ہو جائے۔

مؤلف مذکور کی جہالت اور کوڑ مغزی ملاحظہ فرمائیے کہ ہم نے تنقید متین ص۱۲۱ میں لکھا ہے کہ اگر نور محمدی کا مطلب روح محمدی ہو تو اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے جیسا کہ شیخ عبد الحق صاحبؒ نے مدارج ج۲ ص۱ میں دعوٰی کیا ہے تو اس معنٰی کے لحاظ سے اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں لہذا اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں ہاں اس سے نصوص قطعیہ صریحہ کا رد کرنا اور آپ کی بشریت آدمیت اور انسانیت کا انکار کرنا جیسا کہ بعض اہل بدعت کا وتیرہ ہے قطعاً غلط اور سراسر بے بنیاد ہے اھ آپ اس واضح عبارت کو بھی دیکھیں اور مؤلف مذکور کے حضرت نانوتویؒ کی غیر متعلق عبارت کو نقل کر کے راقم اثیم پر اعتراض کو بھی دیکھیں کہ ان میں کیا ربط اور جوڑ ہے؟ حضرت نانوتویؒ نے کہاں آپ کی بشریت کا انکار کیا ہے۔ اور کس مقام پر آپ کی آدمیت اور انسانیت کا رد کر کے قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور صریحہ کو ترک کیا ہے؟ انہوں نے تو اول مخلوق میں نور محمدی تسلیم کیا ہے اور آپ کی ذات کو تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے لئے موقوف علیہا قرار دیا ہے اور وہ نور کو روح کے معنٰی میں لیتے ہیں چنانچہ مناظرہ عجیبہ ص۷ کی اسی عبارت میں جس کا کچھ حصہ مؤلف مذکور نے بھی نقل کیا ہے روح پُر فتوح محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اول ماخلق اللہ نوری کو ہم معنٰی ثابت کر رہے ہیں اور ہم نے بھی تصریح کر دی ہے کہ نور کو روح کے معنی میں لینے سے چونکہ بشریت کا انکار لازم نہیں آتا اور نہ نصوص قطعیہ کا رد لازم آتا ہے اس لئے اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں بفضلہ تعالیٰ نہ تو سر خیل دیوبند نے نصوص قطعیہ کا انکار کیا ہے اور نہ وہ جہنم کا ایندھن بنے ہیں ہاں البتہ آپ کے صدر الافاضل ان الفاظ سے کہ قرآن پاک میں جا بجا انبیاء کرام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا اور درحقیقت انبیاء کی شان میں ایسا

لفظ ادب سے دُور اور کفار کا دستور ہے بلفظہٖ نصوص قطعیہ کا انکار کر کے ضرور دوزخ کا ایندھن بنے ہیں حضرت مولانا نانوتویؒ کا ذکر کر کے آپ نے بلاوجہ اپنے ماؤف دل کی بھڑاس نکالنے کی لاحاصل سعی کی ہے۔

مؤلف مذکور نے حضرت نانوتویؒ کی عبارت سے جو اُمور اخذ کئے ہیں اور ان کے چار نمبر قائم کئے ہیں، ان میں کسی ایک امر کے ساتھ کسی نص کا رد نہیں ہوتا نص (بلکہ نصوص) کا رد صرف اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ آپ کی بشریت۔ آدمیت اور انسانیت کا معاذ اللہ تعالیٰ رد ہو اور حضرت نانوتویؒ کی کسی عبارت سے نصوص کے رد کا ادنیٰ سا اشارہ بھی ثابت نہیں ہوتا ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ نصوص کا رد نور محمدی (بمعنی روح محمدی) کے تسلیم کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ بشریت کے رد کرنے سے ہوتا ہے یہ مؤلف مذکور کی خالص جہالت اور نادانی ہے کہ وہ اول ما خلق اللہ نوری کے تسلیم کرنے سے نصوص کا رد سمجھتے ہیں جب کہ اس کا معنی روح خود ان کی عبارات سے ثابت ہے ؎

دل میں ناصح آئے کیا اپنا خیال   جا سکے کب یار کے مسکن میں ہم

واسطہ فی العروض کی بحث

مؤلف مذکور نے تحذیر الناس ص۳۳ کی ایک مختصر سی عبارت نقل کر کے اور حضرت مولانا نانوتویؒ کی مراد کو نہ پاتے ہوئے اپنی کم فہمی اور تعصب کی وجہ سے مولانا نانوتویؒ کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا معاذ اللہ تعالیٰ منکر قرار دے کر خوب اپنے مریض دل کی بھڑاس نکالی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھی اس میں قدرے تفصیل سے کلام کریں حضرت نانوتویؒ یہ فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت اور رسالت حق ہے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درجہ کا اور کوئی نبی نہیں آپ کی نبوت بالذات (یعنی اولاً اور بالذات) ہے اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت آپ کے طفیل اور آپ کے فیض کا نتیجہ ہے اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے لئے آپ واسطہ فی العروض ہیں خود حضرت مولانا کی چند عبارات ہم عرض کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اور نبیوں کی نبوت پر ایمان ہے پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی برابر کسی کو نہیں سمجھتا اھ (مناظرہ عجیبہ ص۵۰)

(۲) یعنی آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت

بالعرض اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں آپ پر سلسلۂ نبوت مختتم ہو جاتا ہے (تحذیر الناس صہ)

(۳) موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف بالذات سے مکتسب ہوتا ہے موصوف بالذات کا وصف جس کا ذاتی ہونا اور غیر مکتسب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے مفہوم ہے کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہوتا مثال درکار ہے تو لیجئے زمین و کہسار اور در دیوار کا نور اگر آفتاب کا فیض ہے تو آفتاب کا نور کسی اور (مخلوق۔ صفدر) کا فیض نہیں اور ہماری غرض وصف ذاتی ہونے سے اتنی ہی تھی بایں ہمہ یہ وصف اگر آفتاب کا ذاتی نہیں تو جس کا کہو وہی موصوف بالذات ہوگا اور اس کا نور ذاتی ہوگا کسی اور سے مکتسب اور کسی اور کا فیض نہ ہوگا اھ (تحذیر الناس صہ)

(۴) مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں فرد اکمل وہ واسطہ فی العروض ہوگا جو اپنے معروضات کے حق میں موصوف بالذات ہوتا ہے۔ اگرچہ کسی اور کی نسبت وہ بھی معروض ہو جیسے آئینہ وقت نور افشانی در و دیوار اگر در و دیوار کی نسبت واسطہ فی العروض اور موصوف بالذات ہے تو آفتاب کی نسبت خود معروض ہے (تحذیر الناس صہ۱۵)

(۵) وجود ممکنات بالذات اور ذاتی نہیں بالعرض ہے اور وہ بالذات جو ہر بالعرض کے لئے چاہیئے یہاں وہ وجود ہے جو ذات بحت سے صادر ہوا ہے اور اس وجہ سے اس کو لازم ذات خداوندی کہنا ضرور ہے اور اسی کو محققین صوفیاء کرام صادر اول اور وجود منبسط اور نفس رحمانی کہتے ہیں اس وجود کو تو عین ذات کوئی نہیں کہتا اھ (مناظرہ عجیبہ صہ)

(۶) بہرحال موصوف بالذات تو تمام موصوفین بالعرض سے موجود فی الخارج ہوں یا مقدر الوجود افضل ہوتا ہے اور سوا اس کے اور کسی کی افضلیت ایسی عام اور اشمل اور مطلق نہیں ہوتی اھ (مناظرہ عجیبہ صہ۱۱)

(۷) اور انبیاء کی نبوت تو آپ کی نبوت کا پرتو ہے پر آپ کی نبوت پر قصہ ختم ہو جاتا ہے اور اس بات کو آپ کے دین کا ناسخ الادیان ہونا اسی طرح لازم ہے جیسے آفتاب کے نور کا اور انوار کو محو کر دینا الخ (تصفیۃ العقائد صہ۳)

(۸) اور نیز یہ بھی ہر کوئی سمجھ گیا ہوگا کہ واسطہ فی العروض حقیقی دربارۂ وجود کہئے یا کسی اور صفت وجودی کی نسبت کہئے سواءِ موجود مطلق خداوند برحق کے اور کوئی نہیں آخر اپنے وجود کا حال کون نہیں جانتا کہ عرضی ہے ذاتی نہیں ورنہ ہمیشہ سے ہوتا اور ہمیشہ رہتا یہ عیب حدوث اور داغ احتیاج ہی کیوں ہمارے نام لگتا اور جب وجود عرضی ہے تو صفات وجودیہ بتماہا پہلے عرضی ہوں گی اور اس تقریر سے کیفیت ارتباط عالم بھی اپنے خالق کے ساتھ کسی قدر محقق ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ سوا اس کے اور کسی کو اگر واسطہ فی العروض کہتے ہیں تو بایں معنیٰ کہتے ہیں کہ صفت متوسطہ فیہا خالق سے اول وہی لیتا ہے اور سوا اس کے اوروں کو اس کے واسطے سے پہنچتی ہے بایں ہمہ ایک وصف اعنی ایک حصہ اس کا مثل واسطہ فی العروض حقیقی دونوں میں مشترک ہوتا ہے اھ (آب حیات ص۹۴)

(۹) بالجملہ آیت النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم جس تفسیر سے لیجئے مثل آفتاب نیم روز اہل نظر کے لئے اس بات پر شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منشاء وجود ارواح مؤمنین ہیں اور مابین روح نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و ارواح مؤمنین وہ رابطہ اور ارتباط ہے کہ منشأ انتزاع اور انتزاعیات میں ہوا کرتا ہے اور چونکہ بشہادت تقریرات گذشتہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انتزاع من بین الشیئین ہوا کرتا ہے چنانچہ لفظ انتزاع ہی خود اس بات پر شاہد ہے کہ شئے ثانی کے لئے دربارۂ اتصاف روحانیت روح نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واسطہ فی العروض ہوگی کیونکہ منشأ انتزاع، موصوف بالذات ہوا کرتا ہے اور موصوف بالذات ہی واسطہ فی العروض ہوا کرتا ہے مگر ہاں اس بات کو سمجھنا کہ موصوف بالذات ان دونوں میں سے کونسا ہے ہر کسی کا کام نہیں اہل افہام متوسطہ بسا اوقات موصوف بالعرض کو موصوف بالذات اور موصوف بالذات کو موصوف بالعرض سمجھ لیتے ہیں چنانچہ انتزاع فوقیت و تحتیت میں اکثر یہی ہوتا ہے اھ (آب حیات ص۱۲۸)

(۱۰) سو واسطہ فی العروض ہونے کی پوری پوری صفت تو خداوند کریم ہی میں ہے چنانچہ اوپر مرقوم ہو چکا اور اس وجہ سے اُس کو مالک حقیقی سمجھنا چاہیئے دوسرے رُتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مالکیت سمجھئے کیونکہ اول تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محققین کے نزدیک وسیلۂ تمام فیوض اور واسطہ فی العروض تمام عالم کے لئے ہیں چنانچہ آپ کے لئے مقام وسیلہ کا ملنا بھی عقل کے نزدیک اسی طرح مُشیر ہے والعاقل تکفیہ الاشارۃ اور یہاں سے سمجھ میں آتا ہے کہ عجب نہیں

جو روایت لولاک لما خلقت الافلاک صحیح ہو کیونکہ اس کا مضمون صحیح ہی معلوم ہوتا ہے اھ
(آب حیات ص۱۹۶)، تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔

حضرت نانوتویؒ کی ان عبارات اور اقتباسات سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ارواح مؤمنین بلکہ تمام عالم کے لئے آپ وسیلۂ فیض اور واسطہ فی العروض ہیں اور یہ وہی چیز ہے جس کو مؤلف مذکور نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالہ سے یوں نقل کیا ہے۔

بدانکہ اول مخلوقات و واسطۂ صدور کائنات و واسطۂ خلق عالم و آدم نور محمد است صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چنانچہ در حدیث صحیح وارد شدہ کہ اول ما خلق اللہ نوری وسائر مکونات علوی وسفلی ازاں نور وازاں جوہر پاک پیدا شدہ اھ
(مدارج النبوت ج ۲ ص۲)
(توضیح البیان ص۱۶۲)

جان لو کہ اول مخلوقات اور واسطۂ خلق عالم و آدم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور باقی تمام کائنات علوی وسفلی اس نور سے پیدا ہوئی (یعنی نور کے فیض سے نہ یہ کہ نور ان کا مادہ تھا جیسا کہ بعض جاہل سمجھتے ہیں۔ صفدر)

غرضیکہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام (بلکہ تمام جہان) کے لئے جو واسطہ فی العروض کہا ہے تو اس میں انہوں نے کسی نص یا حضرات سلف صالحینؒ میں سے کسی محقق کے قول کی قطعاً کوئی خلاف ورزی نہیں کی اور اسی طرح آپ کی ذات کو تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے موقوف علیہا کہنا اور نیز آپ کی نبوت کا بالذات اور باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا بالعرض کہنا اس تفصیل کے ساتھ جو خود ان کی اپنی عبارات میں گذر چکی ہے بالکل صحیح ہے اور اسی طرح ہمارے بھی کسی بیان کا حضرت نانوتویؒ کی کسی عبارت سے ہرگز کوئی تضاد و تصادم نہیں جیسا کہ کسی بھی عقلمند اور باانصاف پر یہ بات ہماری عبارات کے پیش نظر مخفی نہیں ہے باقی ضدی اور متعصب کے لئے اس جہان میں کسی کے پاس کوئی علاج نہیں ہے ؎

صد نقف کر وہ سلجھی ہوئی تقریر سمجھا   کرتا ہوں میں سوزِ غم پنہاں کی شکایت

دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا انکار (معاذ اللہ تعالیٰ)

مؤلف مذکور نے منطق و معقول کی ایک واضح اصطلاح سے لاعلمی کی بنا پر اپنے بڑوں کی تقلید کرتے ہوئے یہ سطحی شوشہ بھی چھوڑا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت بالذات ہے اور دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت بالعرض ہے اور آپ اُن کی نبوت کے لئے واسطہ فی العروض ہیں تو دوسرے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے نبوت کی نفی بھی درست ہے جیسا کہ کشتی میں سفر کرنے والا حقیقۃً متحرک نہیں متحرک تو صرف کشتی ہے مسافر تو مجازی طور پر متحرک ہے اور اس سے حرکت کی نفی درست ہے تو اس لحاظ سے اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے نبوت کی نفی صحیح ہو گی حالانکہ ان کی نبوت کا انکار کفر ہے جس سے قرآن کریم کی صدہا آیات کا انکار لازم آتا ہے اور اس کی بنیاد آپ کو موقوف علیہ اور واسطہ فی العروض کہنا ہے (محصلہ توضیح البیان ص ۱۶۹ و ص ۱۷۹)

سو جواباً گذارش ہے کہ مؤلف مذکور خود خبط کا شکار ہیں واسطہ فی العروض میں وصف کی نفی بالذات کی ہوتی ہے نہ کہ وصف بالعرض کی جالس فی السفینہ سے حرکت کی نفی نہیں بلکہ بالذات حرکت کی نفی ہے اور جالس فی السفینہ متحرک بالعرض ہوتا ہے اس سے اس کی نفی نہیں ہوتی لہٰذا دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بالعرض نبوت کی نفی ہرگز درست نہیں ہے ہاں بالذات کی نفی ضرور ہے لیکن بالذات نبوت ان کے لئے ثابت ہی کب ہے کہ نفی سے کوئی محذور لازم آئے؟ ان کی نبوت تو آپ کے فیض کا ثمرہ ہے۔ مؤلف مذکور کا یہ شوشہ بھی ان کے بے خبر دماغ کی پیداوار نہیں بلکہ یہ شوشہ مولانا عبدالعزیز صاحب امروہوی کا ہے۔ جو جوابات محذورات عشرہ الموسوم بمناظرہ عجیبہ میں محذور ثالث میں مع جواب کے مذکور ہے۔ چنانچہ اعتراض کا ایک حصہ یہ ہے۔ اگرچہ نسبت وصف کی طرف ذی واسطہ کے ایجاباً مجازاً کرتے ہیں مگر حقیقت سلب کرتے ہیں پس لازم آیا کہ انبیاءؑ موصوفین بالعرض عاری عن النبوت مثل ممکنات عاری عن الوجود کے ہوں اور سلب نبوت کا حقیقۃً ان سے درست ہوا ہے (مناظرہ عجیبہ ص ۹)

اس سوال اور شوشہ کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا نانوتویؒ ارقام فرماتے ہیں کہ خلاصۂ اعتراض اول تو یہ ہے کہ انبیاءؑ باقی سے سلب نبوت ذاتی یعنی بالذات لازم آئے گا اس کا جواب تو فقط اتنا ہے کہ یہ اعتراض تو اور انبیاءؑ کے نبی بالذات ہونے پر موقوف ہے اگر اعتراض کرنا تھا تو پہلے

اس مقدمہ کو دکہ اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت بالذات ہے آپ کے طفیل فیض اور واسطہ سے نہیں۔ صفدر) ثابت کرنا تھا سو یہ مقدمہ نہ آپ سے ثابت ہوا نہ ہو انشاء اللہ تعالیٰ اھ (مناظرہ عجیبہ ص۱۱)
اب مؤلف مذکور اور ان کے بزعم خویش لائق۔ قابل اور محقق استاد ہی یہ مقدمہ ثابت کر دکھائیں کہ باقی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت بالذات ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیض اور واسطہ فی العرض ہونا اس میں نہیں ہے۔ اگر ایسا ثابت کر دیں تو پھر اعتراض بجا ہوگا ورنہ مردود ہے اور انشاء اللہ العزیز یہ ثابت نہیں کر سکتے۔

باقی قرآن کریم کی آیت کریمہ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ اور علامہ ابوالسعودؒ کی تفسیر کے حضرت مولانا نانوتویؒ ہرگز مخالف نہیں کیونکہ حضرت نانوتویؒ قرآن کریم کی آیت مذکورہ اور اس کی تفسیر کی روشنی میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نفس نبوت میں قطعاً کوئی فرق نہیں کرتے سب کو نبی تسلیم کرتے ہیں ہاں اوصاف مخصوصہ کے فرق کو ضرور ملحوظ رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصف نبوت سے بالذات متصف ہیں اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وصف نبوت سے بالعرض موصوف ہیں جیسا کہ علامہ ابوالسعودؒ کی تفسیر میں ہے لہٰذا عوام الناس کو لانفرق الآیۃ اور علامہ ابوالسعودؒ سے اس کی تفسیر نقل کر کے مغالطہ دینا جیسا کہ مؤلف مذکور نے کیا ہے اہل علم کی شان سے کوسوں دور ہے مگر اہل بدعت کو اس سے کیا انہیں تو علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم سے عوام کالانعام کو متنفر کرنے کے لئے کوئی بھی حربہ اور شوشہ درکار ہے۔ ؎

نئی کچھ نہیں ان کی جان بازیاں　　　یہی کھیل ان کا لڑکپن سے ہے

الغرض حضرت مولانا نانوتویؒ نہ تو کسی ابلیسی چکہ میں مبتلا ہوئے ہیں اور نہ کسی نص قطعی اور خبر متواتر کی کوئی تاویل انہوں نے کی ہے یہ عہدۂ جلیلہ آپ کے صدر الافاضل کو ہی حاصل ہے کہ وہ آپ کی بشریت کا اس عبارت میں انکار کر کے صدہا نصوص اور احادیث متواترہ اور اجماع امت کے منکر ہو کر دوزخ کا ایندھن بنے ہیں اللہ تعالیٰ ہر ایک مسلمان کو آتش دوزخ سے بچائے آمین رہا مؤلف مذکور کا یہ شوشہ کہ مولانا نانوتویؒ نے تحذیر الناس میں ظلی اور بروزی نبوت کا راستہ دکھا کر مرزا غلام احمد کو دعوئ نبوت پر آمادہ کیا ہے اور امت دیوبند آج تک مرزائیہ کے اس استدلال سے جان نہیں چھڑا سکی

(محصلہ) تو یہ محض ان کی لاعلمی اور جہالت کا پلندہ ہے اس مسئلہ پر دیگر علماء کرام نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی جگہ پر ہے راقم اثیم نے بھی بانیٔ دار العلوم دیوبند اور عبارات اکابر حصہ اول میں بقدر ضرورت اس کی بحث کر دی ہے جب اس کا فریق مخالف کی طرف سے کوئی معقول جواب آئیگا تو بشرط زیست پھر دیکھا جائیگا انشاء اللہ تعالیٰ ورنہ کوئی اور اٹھ کھڑا ہوگا کیونکہ لکل فرعون موسیٰ مشہور مقولہ ہے ؎

جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومن مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

حضرت تھانویؒ اور حدیث نور | مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ آپ کے حکیم الامت بقول آپ کے باطل روایت کے چکر میں پڑ کر جہنم کے کس طبقہ میں جا پڑے حدیث جابرؓ کے فائدہ میں وہ لکھتے ہیں کہ اس سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا اور یہ اس حدیث میں منصوص ہے اور آپ کسی طور اول حقیقی نہیں مانتے اب یا تو آپ اپنی جہالت کا اقرار کریں یا ان کو جاہل اور غالی کہہ کر جہنم میں جھونکیئے اھ (محصلہ)

جواباً عرض ہے کہ مؤلف مذکور یہاں بھی جہل مرکب کا شکار ہیں اور لاعلمی میں کچھ نہ کچھ ہانک کر حضرت تھانویؒ پر دل کی بھڑاس نکال رہے ہیں مگر اس دجل میں بھی وہ کامیاب نہیں ہو سکتے اولاً اس لئے کہ حضرت جابرؓ کی حدیث کے بارے ہم نے صرف اصولی طور پر اس کی صحت پر باحوالہ کلام کیا ہے کہ اس کی سند معلوم نہیں اور اس کا ظاہری مضمون صحیح احادیث کے خلاف ہے اس کو ہم نے قطعی طور پر باطل اور موضوع تو نہیں کہا جیسا کہ مؤلف مذکور دجل کا ثبوت دے رہے ہیں کہ بقول آپ کے حکیم الامت باطل روایت کے چکر میں پڑ کر اھ (محصلہ) ملاحظہ کیجئے کہ علمی طور پر یہ کتنا بڑا دجل ہے حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ ولایلزم من عدم الصحت وجود الوضع کما لا یخفی (موضوعات کبیر ص۱۱۶) اور مولانا عبد الحیؒ فرماتے ہیں لایصح لایلزم منہ ان یکون باطلاً الخ (الآثار المرفوعہ لمولانا عبد الحیؒ ص۳۳) عدم صحت سے اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ مخفی نہیں عدم صحت سے اس کا باطل ہونا لازم نہیں آتا۔ وثانیاً اس حدیث جابرؓ پر بحث کرنے کے بعد ہم نے تنقید ص۱۳۲ و ص۱۳۳ میں فائدہ کے عنوان سے لکھا ہے کہ اور بھی متعدد الفاظ آپ کے نور ہونے کے مضمون کے مروی ہیں آگے ہم نے اس مضمون کی بعض حدیثوں کا حوالہ دیا ہے اور باحوالہ ان کا باطل اور

موضوع ہونا ثابت کیا ہے اس ساری بحث کو مؤلف مذکور شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کر گئے ہیں اور اس بحث کے آخر میں ہم نے لکھا ہے کہ ان باطل اور موضوع روایات کے چکر میں پڑ کر مسلمانوں کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ وہ قرآن پاک کی نصوص قطعیہ اور صحیح اور متواتر احادیث کی تاویل بے جا کریں الخ اور حضرت تھانویؒ نے ان موضوع اور باطل روایات میں ایک سے بھی استدلال نہیں کیا اور نہ ان کے چکر میں پڑے ہیں مگر مؤلف مذکور نے اپنے بڑوں کی سنت اس میں بھی خوب پوری کی ہے اور حضرت تھانویؒ پر بلاوجہ برس پڑے ہیں وثالثاً حضرت جابرؓ کی مذکور حدیث کے بارے باوجود علمی اور اصولی بحث کے راقم نے تنقید متین ص ۱۳۱ میں لکھا ہے کہ اگر نور سے روح مراد ہو تو اس معنیٰ کے لحاظ سے اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں لہٰذا اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں الخ اور اسی صفحہ میں ہم نے حضرت تھانویؒ کا حوالہ دیا ہے کہ وہ اسی معنیٰ میں اس کو تسلیم کرتے ہیں تو راقم کا حضرت تھانویؒ کی کسی عبارت سے اختلاف نہیں نہ ان کا کوئی قول راقم کے کسی قول سے متعارض ہے ہم نے اس معنیٰ میں نور کو اول حقیقی تسلیم کیا ہے کیونکہ اس سے کسی نص کی مخالفت لازم نہیں آتی ہماری اس تصریح کے ہوتے ہوئے مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ آپ کسی طور اول حقیقی نہیں مانتے سفید جھوٹ اور خالص افتراء ہے اور بفضلہ تعالیٰ جب راقم اثیم اور حضرت تھانویؒ کی بات ایک ہی ہے اور خالص علمی ہے تو ہم میں سے کسی کی جہالت کا کیا سوال ؟ حضرت تھانویؒ اپنی جگہ علم و معرفت کے پہاڑ اور راقم اثیم ان کی پیروی اور خوشہ چینی کرنے والا ایک ادنیٰ طالب علم ہے جب دونوں کی بات میں کوئی تضاد اور تخالف نہیں تو آپ بیچ میں صلح صفائی کرنے والے تبدر باش کا نمونہ کون ہیں ؟ ۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں و در عالم ارواح اول کسے کہ پیدا شد ایشاں بودند (تفسیر عزیزی پارہ ۳۰ ص ۲۱۹) یعنی عالم ارواح میں سب سے پہلے جو پیدا ہوئے وہ آپ ہی تھے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ورابعاً ہم نے تنقید ص ۱۳۱ میں اس کی تصریح کی ہے کہ آپ کو اگر اس طرح نور تسلیم کیا جائے جس سے آپ کی بشریت آدمیت اور انسانیت کا انکار ہوتا ہو تو اس سے نصوص قطعیہ اور صریحہ کا رد لازم آتا ہے اور حضرت تھانویؒ نے اپنی لاتعداد کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کا واضح الفاظ میں اثبات کیا ہے ہم یہاں صرف نشر الطیب ہی کا حوالہ عرض کرتے ہیں جس کے ایک حوالہ سے مؤلف مذکور نے حضرت تھانویؒ کے خلاف دل کی بھڑاس نکالی ہے اور اپنے گیارھویں

خود ناخواندہ عوام کو مطمئن کرنے کی لاحاصل کاوش کی ہے۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں۔ حکمت چہارم چونکہ آپ بھی بشریت میں مادیت میں عنصریت میں امت کے ساتھ شریک ہیں اور بعض امور زائدہ مثل کثرتِ مال وغیرہ میں اوروں کے ساتھ مساوی بھی نہیں الخ (نشر الطیب ص۲۴۴ طبع جید برقی پریس دہلی) الحاصل حضرت تھانویؒ نے نہ تو آپؐ کی بشریت کا معاذ اللہ تعالیٰ انکار کیا ہے اور نہ کسی باطل حدیث کے چکر میں پڑے ہیں البتہ ایک نامعلوم سند سے روایت کا حوالہ دے کر اس کا ایسا معنی بیان کرتے ہیں جو علامہ خفاجیؒ اور حضرت ملا علی القاریؒ وغیرہ بزرگ بیان کرتے ہیں جو نصوص قطعیہ کے عین مطابق ہے اور بفضلہ تعالیٰ وہ جنت کے وارث ہیں آپ اپنی اور اپنے صدر الافاضل کی فکر کیجئے جن کی خاطر تعصب اور ضد میں آکر آپ بے جا تاویلیں بھی کرتے ہیں اور دوسروں پر خالص جھوٹ بھی بولتے ہیں اور اہل علم کی عبارات سمجھنے سے بھی یکسر قاصر ہیں اور جہل مرکب کا خالص مجسمہ ہیں مگر اپنی جماعت سے دادِ تحسین حاصل کر کے پھولے نہیں سماتے اور محقق اور مدقق کے القاب حاصل کر رہے ہیں فوا اسفا ویا للعجب حضرت نانوتویؒ اور حضرت تھانویؒ وغیرہ بزرگ تو بقول علامہ اقبالؒ اس کا مصداق ہیں۔ ؎

یہ غازی یہ تیرے پُر اسرار بندے — جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا — سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی (ضرب کلیم)

نورانیت محمدی کی تابناک شعائیں یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ جواہر البحار ج۴ ص۲۲۶ پر ہے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ ایک اندھیری رات کو وہ حضور کے ہمراہ بستر پر تھیں اچانک ان کے ہاتھ سے سوئی زمین پر گر گئی پس وہ حضور کے چہرۂ انور کے ظاہر ہوئی اور ام المؤمنین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کے نور سے اس سوئی کو پایا اور اٹھا لیا۔

جمع الوسائل ص ج ۲ پر ملا علی القاریؒ تحریر فرماتے ہیں۔

بعض محققین نے بیان فرمایا کہ ہمارے نبی علیہ السلام کا جمال غایت کمال میں تھا روایات سے ثابت ہے کہ آپ کی صورت کا نور دیوار پر منعکس ہوتا تھا اور وہ دیوار آئینہ کی طرح آپ کی صورتِ نور کی حکایت کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے جمال کو صحابہ کی نگاہوں سے بھی مستور رکھا کیونکہ اگر ان پر مکمل جمال ظاہر ہو جاتا تو وہ آپ کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے۔

انفاس العارفین ص۲۹ پر شاہ ولی اللہ شاہ عبد الرحیم سے حکایت کرتے ہوئے تحریر فرماتے

ہیں۔ شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور کی زیارت سے مشرف ہوا اور آپ سے سوال کیا (کہ جمال یوسفؑ سے زنانِ مصر نے انگلیاں کاٹ لیں آپ کے جمال سے کسی نے انگلیاں نہ کاٹیں) آپ نے فرمایا کہ اللہ نے غیرت کی وجہ سے میرے جمال کو لوگوں کی نگاہوں سے مستور رکھا۔ موضوعات کبیر صـ۸۶ میں ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ بہرکیف نبی علیہ السلام کا نور شرقاً و غرباً غایت ظہور میں ہے اور جس کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ آپ کا نور ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی کتاب میں نور سے موسوم فرمایا۔ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا کی تقریر کرتے ہوئے سرفراز صاحب کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی (النور صـ۳۲) پر لکھتے ہیں کہ ہم انزلنا سے بھی رسول مراد لے سکتے ہیں چنانچہ ایک اور مقام پر ہے قد انزلنا الیکم ذکرًا رسولا۔ رسولاً بدل بطور تفسیر ہے ذکرًا سے یہاں بھی انزلنا کا مفعول رسول واقع ہوا ہے پس اس سے بھی تفسیر مختار پر کوئی غبار نہیں رہا۔

حضرت ملا علی القاریؒ جمع الوسائل ج ا صـ۴۱ پر تحریر فرماتے ہیں۔

نبی علیہ السلام چاند سے زیادہ حسین ہیں کیونکہ آپ کا نور آفاق اور انفس دونوں میں ظاہر ہے اور آپ صوری اور معنوی دونوں قسم کے کمالات کے جامع ہیں بلکہ حقیقت میں ہر چیز آپ کے نور سے پیدا ہوئی اسی طرح اللہ نور السموٰت والارض مثل نورہ میں مثل نورہ کی تفسیر نور محمد کے ساتھ کی گئی ہے پس نبی علیہ السلام کا نور ذاتی ہے جس کا دن رات میں کسی وقت بھی انفکاک نہیں ہوتا اور چاند کا نور مکتسب اور مستعار ہے کبھی کم ہو جاتا ہے اور کبھی گہن لگنے سے مسلوب ہو جاتا ہے (اور دن کے اجالوں میں ماند پڑ جاتا ہے۔ سعیدی) (توضیح البیان صـ۱، صـ۱۷۱ و صـ۱۷۲)

الجواب۔ مؤلف مذکور نے یہ جتنی کاوش کی ہے بالکل بے سود ہے اولاً اس لئے کہ حضرت عائشہؓ کی جس روایت میں سوئی ملنے کا ذکر ہے وہ باطل اور موضوع ہے حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رح اپنی کتاب الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ میں گھڑی ہوئی اور جعلی روایات (مختلفۃ موضوعۃ صـ۱۶) کی مد میں لکھتے ہیں۔

ومنها ما یذکرہ الوعاظ عند ذکر الحسن المحمدی انہ فی لیلۃ من اللیالی سقطت عن ید عائشۃؓ ابرۃ ففقدت فالتمستہا	اور ان (جعلی روایتوں) میں وہ روایت بھی ہے جس کو واعظ حسن محمدی کے ذکر میں بیان کرتے ہیں کہ ایک رات حضرت عائشہؓ کے ہاتھ سے سوئی گر گئی

ولم تجد فضحك النبی صلی اللہ علیه وسلم وخرجت لمعة اسنانه فاضأت الحجرة ورأت عائشة بذالك الضوء ابرة وهذا وان كان مذكوراً فی معارج النبوة وغيره من كتب السير الجامعة للرطب واليابس فلا يستند بكل ما فيها الا النائم والناعس لكنه لم يثبت رواية ودراية انتهى (الآثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة ص۲۷۵)

اور وہ گم ہوگئی اور انہوں نے اس کو تلاش کیا مگر نہ ملی اتنے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہنس پڑے اور آپ کے دانتوں سے نور کی ایک شعاع نکلی جس کے ذریعہ حجرہ روشن ہوگیا اور اس روشنی کی وجہ سے حضرت عائشہؓ نے سوئی دیکھ لی اور یہ اگرچہ معارج النبوۃ وغیرہ سیرت کی کتابوں میں جن میں رطب و یابس سب کچھ ہوتا ہے مذکور ہے لیکن ان میں درج شدہ ہر چیز سے صرف وہی استناد کریگا جو سویا ہوا ہو یا اونگھ رہا ہو مگر یہ روایت روایۃً اور درایۃً ثابت نہیں۔

ایسی جعلی اور من گھڑت روایت سے جو نہ روایۃً ثابت ہے اور نہ درایۃً مؤلف مذکور کو کیا فائدہ ہے مولانا سید سلیمان ندویؒ اس روایت کے بارے لکھتے ہیں یہ بالکل جھوٹ ہے (سیرت النبی ج۲ ص۱۶۶) وثانیاً یہ روایت بخاری اور مسلم وغیرہ کی صحیح روایت کے خلاف ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ۔

كنت انام بين يدی رسول اللہ صلی اللہ عليه وسلم ورجلای فی قبلته فاذا سجد غمزنی فقبضت رجلی واذا قام بسطتهما قالت والبيوت يومئذ ليس فيها مصابيح (بخاری ج۱ ص۵۶ ومسلم ج۱ ص۱۹۸)

میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے سویا کرتی تھی اور میرے دونوں پاؤں آپ کے قبلہ کی طرف ہوتے تھے جب آپ سجدہ کرتے تو مجھے دباتے تو میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی اور جب آپ کھڑے ہو جاتے تو میں پاؤں پھیلا لیتی اور گھروں میں اس زمانہ میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔

امام نوویؒ لیس فیہا مصابیح کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

ارادت به الاعتذار تقول لو كان فيها مصابيح لقبضت رجلی عند ارادة السجود ولما احوجته الی غمزی انتهى (شرح مسلم ج۱ ص۱۹۸)

حضرت عائشہؓ لیس فیہا مصابیح کے جملہ سے عذر پیش کرتی ہیں اور فرماتی ہیں کہ اگر گھروں میں چراغ ہوتے تو آپ کے سجدہ کے وقت میں پاؤں خود سمیٹ لیتی اور

آپ کو مجھے دبانے کی ضرورت پیش نہ آتی ۔

اور علامہ عینی الحنفیؒ لکھتے ہیں۔

والمعنی لو کانت المصابیح لقبضت رجلیّ عند ارادتہ السجود ولما احوجتہ الی غمزی (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۱۱)

مطلب یہ ہے کہ اگر چراغ ہوتے تو آپؐ کے سجدہ کے وقت میں پاؤں خود سمیٹ لیتی اور آپ کو میرے (بدن کے) دبانے کی حاجت نہ پڑتی ۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی یہ صحیح روایت اس بات کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں بھی حجرہ میں اندھیرا رہتا تھا اور جب آپ رات کو نماز پڑھتے اور چراغ نہ ہوتا تو آپ اپنے ہاتھ مبارک سے حضرت عائشہؓ کا بدن دباتے تاکہ وہ اپنے پاؤں سمیٹ لیں اور آپ سجدہ کرسکیں اور بقول امام نوویؒ اور علامہ عینیؒ یہ اس لئے ہوتا تھا کہ گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے اور اندھیرے کی وجہ سے آپ کو دبانے کی یہ زحمت گوارا کرنا پڑتی تھی ورنہ حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کو یہ تکلیف دیتیں اگر آپ کے نور کی روشنی ہوتی تو اس روشنی کی وجہ سے خود بخود اپنے پاؤں سمیٹ لیتیں۔ اور کسی بھی صاحب بصیرت پر یہ مخفی نہیں کہ آپ کے گھر میں احیاناً چراغ جلتا تھا اگر گھر میں آپ کے نور کی روشنی ہوتی تو چراغ جلانے کی کیا ضرورت تھی ؟ وثالثاً حضرت ملا علیؒ القاریؒ کی جمع الوسائل کے حوالہ سے جو استدلال مؤلف مذکور نے کیا ہے وہ غلط ہے اس لئے کہ ملا علی القاریؒ اس روایت کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں علیٰ ما روی ان صورتہ الخ جیساکہ روایت کیا گیا ہے یہ روایت کس کتاب میں ہے اس کی سند کیا اور کیسی ہے؟ اس کا کچھ پتہ نہیں تو ایسی مجہول السند اور بے ثبوت روایت سے استدلال کا کیا معنیٰ ؟ مؤلف مذکور کی دیدہ دلیری اور دجل ملاحظہ کیجئے کہ وہ علیٰ ما روی کا معنیٰ کرتے ہیں روایات سے ثابت ہے لاحول ولاقوۃ الاباللہ اور یہ ایک خالص حقیقت ہے کہ عقائد باطلہ اور اعمال بدعیہ دجل اور تلبیس کے سوا ثابت بھی نہیں ہوتے اور نہ ہوسکتے ہیں ۔ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت ملا علیٰ القاری نے مرقات میں پہلے یہ تحریر فرمایا ہے ۔

قال ابن حجرؒ اختلف الروایات فی اول المخلوقات وحاصلھا کما بینتھا فی شرح شمائل الترمذی ان اولھا النور الذی خلق منہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ثم الماء

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اول مخلوقات کے بارے میں روایات مختلف ہیں اور ان کا حاصل جیساکہ میں نے شرح شمائل الترمذی میں بیان کیا ہے یہ ہے کہ اول وہ نور ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

ثم العرش الخ (مرقات ج ۱ ص۱۴۶) علیہ وسلم پیدا ہوئے پھر پانی اور پھر عرش ہے۔

اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک بات تو یہ کہ اس مقام میں وہ وثوق سے اول المخلوقات نور محمدی لکھتے ہیں اور دوسری یہ کہ جمع الوسائل شرح شمائل الترمذی انہوں نے مرقات سے پہلے تصنیف فرمائی ہے جس کا حوالہ وہ مرقات کی اس عبارت میں دے رہے ہیں اس کے بعد وہ مرقات میں لکھتے ہیں کہ

ثم رأیت فی الدر المنثور نقلاً عن ابن عباسؓ ان اول شئ خلقہ اللہ القلم فقال لہ اکتب فقال یارب وما اکتب قال اکتب القدر یجری من ذٰلک بما ھو کائن الی ان تقوم الساعۃ ثم طوی الکتب ورفع القلم رواہ البیہقی وغیرہ والحاکم وصححہ وفی الدر ایضاً عن ابی ھریرۃؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اول شئ خلق اللہ القلم ثم النون و ھی الدواۃ الی ان قال وروی ان اول ما خلق اللہ العقل وان اول ما خلق اللہ نوری وان اول ما خلق اللہ روحی وان اول ما خلق اللہ العرش والاولیۃ من الامور الاضافیۃ فیؤول ان کل واحد مما ذکر قبل ما ھو من جنسہ فالقلم خلق قبل جنس الاقلام ونورہ قبل الانوار والا فقد ثبت ان العرش قبل خلق السمٰوٰت والارض فتطلق الاولیۃ علی کل واحد بشرط التقیید فیقال اول المعانی کذا واول الانوار کذا ومنہ

پھر میں نے در منثور میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول یہ روایت دیکھی کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو چیز پیدا کی وہ قلم ہے اور اس سے فرمایا لکھ اس نے کہا اے میرے رب میں کیا لکھوں؟ فرمایا کہ آج سے لے کر قیامت قائم ہونے تک جو تقدیر جاری ہے لکھ پھر صحیفہ لپیٹ دیا اور قلم اٹھالی اس کو امام بیہقیؒ وغیرہ نے روایت کیا اور امام حاکمؒ نے بھی اور اس کو صحیح کہا ہے اور در منثور میں حضرت ابوہریرہؓ سے ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پھر دوات پیدا کی (پھر فرمایا) اور یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل پیدا کی ہے اور یہ بھی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا ہے اور یہ بھی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح پیدا کی اور یہ بھی کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عرش پیدا کیا اور اولیت اضافی امور میں سے ہے تو اس کی یہ تاویل کی جائے گی کہ اولیت ہر چیز کی جنس کے لحاظ سے ہوگی مثلاً اقلام کی جنس میں قلم تقدیر اور انوار کی جنس میں آپ کا نور پہلے پیدا ہوا ورنہ ثابت ہو چکا ہے

قولہ اول ما خلق اللہ نوری وفی روایۃ روحی ومعناھما واحد فان الارواح نورانیۃ ای اول ما خلق اللہ من الارواح روحی اھ (مرقات ج۱ ص۱۶۷)

کہ عرش آسمان اور زمین سے پہلے پیدا ہوا ہے۔ تو اولیت ہر ایک پر بشرط قید بولی جائے گی مثلاً اول معانی میں فلاں چیز اور اول انوار میں فلاں ہے اور اسی سبب سے آپ کا یہ ارشاد کہ اول ما خلق اللہ نوری اور ایک روایت میں روحی ہے اور دونوں کا مطلب ایک ہے کیونکہ ارواح نورانی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے ارواح میں سب سے پہلے میری روح پیدا کی۔

اس عبارت سے یہ امر بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ حضرت ملا علیؒ القاریؒ کے سامنے پہلے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ مرفوع روایت ان اول ما خلق اللہ القلم نہ تھی اس صحیح روایت کے اور اسی طرح اولیت کی دیگر بعض روایات کے سامنے آجانے سے وہ اولیت کو اضافیہ پر حمل کرنے پر مجبور ہوئے ہیں اگر نور ہی ان کی تحقیق میں اول الخلق ہوتا تو اپنی پہلی تحقیق پر جمے رہتے اور ان کو اول اضافی کی تاویل کی ضرورت پیش نہ آتی اور ثم رأیت فی الدر المنثور کے الفاظ اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ یہ تفصیل پہلے ان کے سامنے نہ تھی ورنہ وہ پہلے ہی اولیت کو اضافی پر حمل کرتے۔ ورابعاً انفاس العارفین کی عبارت سے مؤلف مذکور کو کیا فائدہ ہے؟ آپ کے حُسن وجمال کا کون مسلمان منکر ہے لیکن اس جمال کی وجہ سے اُس نورانیت اور روشنی کا کیا ثبوت ہے کہ اندھیرے میں گری پڑی سوئی مل جائے یا در دیوار منور ہو جائیں بلکہ خود یہ عبارت ان کے خلاف جاتی ہے کیونکہ اس میں تصریح ہے کہ آپ کے جمال کو لوگوں کی نگاہوں سے مستور رکھا گیا ہے ظاہر امر ہے کہ حسی نور تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل اور مستور نہیں ہوا کرتا وہ تو ہر کہ ومہ کو عیاناً نظر آتا ہے اور آسکتا ہے وخامساً حضرت ملا علیؒ القاریؒ کی موضوعات کبیر میں جس نور کا ذکر ہے وہ حسی نہیں بلکہ معنوی نور ہے جس کو نور نبوت نور رسالت اور نور ہدایت سے تعبیر کیا جاتا ہے جو شرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھیلا ہوا ہے اور خود ان کی عبارت میں شرقاً وغرباً کے الفاظ اس کا واضح قرینہ ہے اور اس نور سے حسی نور قطعاً مراد نہیں جو ہر ایک کو ظاہراً نظر آئے کیونکہ موضوعات کبیر ص۱۰۳ میں اسی عبارت کے آگے یہ الفاظ بھی ہیں۔

لکن ھذا النور لیس لہ الظھور الخ

لیکن یہ نور ظاہر نہیں ہے۔

اگر حسی نور ہوتا تو یقیناً اس کا ظہور ہوتا اور وہ کسی پر مخفی نہ رہتا کما لایخفیٰ چونکہ یہ الفاظ مؤلف مذکور کے سراسر خلاف ہیں جیسا کہ بالکل عیاں ہے اس لئے وہ ان کو پی گئے ہیں مفید مطلب عبارت تو نقل کر دی ہے اور ان الفاظ کا حوالہ ہی نہیں دیا تاکہ قلعی نہ کھل جائے وسادساً حضرت تھانویؒ کے نزدیک نوراً مُبیناً سے مختار تفسیر میں قرآن کریم مراد ہے جیسا کہ ان کی منقولہ عبارت میں اس کی تصریح ہے اور بیان القرآن ج۲ ص۱۶۵ میں وانزلنا الیکم نوراً مبیناً کے ترجمہ اور اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اور ہم نے تمہارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے اور وہ قران مجید ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے ذریعہ سے جو کچھ تم کو بتلایا جاوے وہ سب حق ہے الخ اور نور و کتاب مُبین کے عربی کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ۔

اشارۃ الی کون عطف الکتاب للتفسیر فهما متغائران بالصفة متحدان بالذات ولذا احسن افراد الضمیر فی به وبهذا التفسیر حسن اسناد الهدایة ههنا الی اللہ تعالیٰ وجعل الکتاب والنور سبباً واسناد التبیین فیما قبل الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم واما اذا فسر النور بالرسول لا یحصل هذا الحسن ومؤید تفسیر هذا قوله تعالیٰ وانزلنا الیکم نوراً مُبیناً۔ وارید به الکتاب قطعا انتهیٰ (ج۱ ص۱۵ حاشیہ ۲۲ طبع مجتبائی دھلی)

اس میں اشارہ ہے کہ لفظ کتاب کا عطف تفسیر کے لئے ہے اور یہ دونوں لفظ صفت کے لحاظ سے متغایر ہیں اور ذات کے اعتبار سے متحد ہیں اور اسی لئے بہ میں مفرد ضمیر کا لانا اچھا ہے اور اسی تفسیر کے لحاظ سے ہدایت کی اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف اچھی ہے کہ اس نے کتاب اور نور کو ہدایت کا سبب بنایا ہے اور اسی لئے اس سے قبل بیان کرنے کی نسبت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اچھی ہے اور اگر لفظ نور کی تفسیر رسول کے ساتھ کی جائے تو یہ اچھائی حاصل نہیں ہوتی اور میری اس تفسیر کا مؤید اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ہ اور اس سے قطعی طور پر کتاب مراد ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بقول حضرت تھانویؒ نوراً مبیناً سے مراد قطعی طور پر تو صرف کتاب ہے جس کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے ہاں صرف احتمال کے درجہ میں وہ یہ تفسیر بھی نقل کرتے ہیں کہ نور سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہو اور آپ کی بشریت کا وہ واضح طور پر انکار و

اثبات کرتے ہیں کما مرتو آپ کی ذات کو بشر تسلیم کر کے آپ کو نور ماننے کا مطلب یہی ہے کہ آپ نور ہدایت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور نبوت دے کر کل جہان کو نور توحید اور نور ایمان و اسلام سے منور کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پورا ہو گیا ہے کہ۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ اپنے نور (اسلام) کو مکمل کرے گا اور اگرچہ مشرک اس کو ناپسند کریں۔

وسادساً حضرت ملا علی القاریؒ کی جمع الوسائل میں جس نور کا ذکر ہے وہ معنوی نور ہے نہ کہ حسّی جو مؤلف مذکور کا مطلب ہے کیونکہ آفاق اور انفس میں جس نور کا فیض پہنچا ہے اور پہنچتا ہے وہ معنوی نور ہے جو نور نبوت اور نور ہدایت ہے اور یہ جملہ بھی اس کا مؤید ہے کہ آپ صوری اور معنوی دونوں قسم کے کمالات کے جامع ہیں اسی طرح مثل نورہٖ میں آپ کے جس نور کا ذکر ہے وہ نور نبوت اور نور ہدایت ہے اس میں کیا شک ہے ؟ اور آپ کے نور کے ذاتی ہونے کا وہی مطلب ہے جو حضرت نانوتویؒ کی عبارت کی روشنی میں گذر چکا ہے کہ اولاد بالذات وہ آپ کو مرحمت ہوا اور آپ کے فیض سے بالعرض سب انبیاء کو پہنچا آپ کا نور مخلوق میں سے کسی سے مکتسب نہیں صرف اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور چاند کا نور سورج سے مکتسب ہونے کے باوجود گہن میں آجاتا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور نبوت اور نور ہدایت کبھی کفر و شرک کے گہن میں نہیں آیا اور نہ کبھی دلائل و براہین کی مد میں مغلوب ہوا ہے اور اس دور میں بھی لوگ مسلمان ہوئے جب کہ دنیا میں کفر و شرک کا ہر طرف دور دورہ تھا اور ظاہری طور پر دنیا کے کسی ملک میں مسلمانوں کا (بجز چند ایک کے) کوئی اقتدار نہ تھا جو کسی کی کشش کا باعث ہوتا اور اس ایمانی اور اسلامی نور کو دبانے کفر نے مٹانے کی از حد کوشش کی ہے مگر بفضلہ تعالیٰ۔ سے

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا۔

نفی ظل یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ جمہور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ آپ نور تھے آپ کا سایہ نہ تھا نورانیت کا ثبوت یا سایہ کی نفی بشریت کی نفی کو مستلزم نہیں سایہ مطلقاً بشریت کے لوازم سے نہیں بلکہ بشریت کثیفہ کے لوازم سے ہے اور آپ میں لطافت تھی نہ کہ کثافت نیز یہ عقیدہ ظنی ہے اور ظنیات کے باب میں دلائل ظنیہ کفایت کرتے ہیں۔

محدث ابن الجوزیؒ الوفاء باحوال المصطفےٰ ص۴۰۷ میں ملا علی القاریؒ جمع الوسائل ج۱ ص۱۷۶ میں اور

علامہ سناوی شرح الشمائل علی ہامش الوسائل ص۴۷ ج۱ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کا سایہ نہ تھا اور آپ کبھی سورج کی روشنی میں کھڑے نہ ہوتے مگر آپ کا نور سورج کی روشنی پر غالب آجاتا اور نہ کبھی آپ چاند کی روشنی میں آئے مگر آپ کا نور چاند کی روشنی پر غالب رہا۔ علامہ نبہانیؒ وسائل الوصول ص۱۲ میں تحریر فرماتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے پس دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نہ ظاہر ہوتا۔ فوائد جلیلہ شرح شمائل محمدیہ ص۳۶ ج۱ میں سیدی محمد بن قاسم جسوسؒ تحریر فرماتے ہیں کہ۔ ابن مبارکؒ اور ابن الجوزیؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دھوپ میں نہ کھڑے ہوئے مگر آپ کا نور سورج پر غالب رہا اور نہ کبھی چاندنی میں کھڑے ہوئے مگر چاند پر آپ کا نور غالب رہا اسی لئے نبی علیہ السلام کا سایہ نہ تھا اور ابن سبعؒ نے شفاء میں ذکر کیا اور اس کو قاضی عیاضؒ نے شفا میں نقل کیا کہ آپ کے شخص کریم کا سایہ نہ تھا نہ چاندنی میں نہ دھوپ میں اور سایہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا سایہ (جو حقیقت میں آپ کی مثال کے مرتبہ کا ہے) زمین پر گرنے سے محفوظ رکھا جائے یا گندی جگہوں اور قدموں کے نیچے واقع ہونے سے محفوظ رکھنے کے لئے یا اس لئے کہ سایہ تاریکی کو مستلزم ہے اور نور کے لئے حجاب ہوتا ہے اور نبی علیہ السلام تو نور منیر ہیں پس آپ کا سایہ کس طرح متصور ہوگا یا اس لئے کہ شمس و قمر تو آپ کے نور سے مخلوق ہوئے اور آپ کے سبب سے ظہور میں آئے پس آپ کے سبب سے ان کی روشنی کس طرح چھپ سکتی ہے حتیٰ کہ آپ کا سایہ ہو کیونکہ جو کسی چیز کا مظہر ہو وہ اس کے لئے ساتر نہیں ہو سکتا اگر یہ کہا جائے کہ حضور تو بشر ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے پھر آپ کے لئے سایہ کیونکر نہ ہوگا تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ آپ کی بشریت عام بشریت کی طرح نہیں ہے جیسے یاقوت پتھر ہے مگر عام پتھروں کی طرح نہیں ہے بقول ابوالحسن شاذلیؒ آپ باوجود بشریت کے نور ہیں اس لئے آپ نور سے موسوم ہوئے شیخ محقق نے شرح ہمزیہ میں کہا کہ حدیث عمرؓ میں ہے کہ آپ نے فرمایا اے عمرؓ جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں وہ ہوں کہ جس کو اللہ عزوجل نے سب سے پہلے پیدا کیا وہ میرا نور تھا پس میرے نور نے اللہ کو سجدہ کیا اور سات سو سال سجدہ میں رہا پس پہلا ساجد میرا نور تھا اور مجھے اس پر فخر نہیں اے عمرؓ جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں وہ ہوں کہ اللہ نے عرش کو میرے نور سے پیدا کیا اور کرسی و لوح و قلم کو میرے نور سے پیدا کیا اور آنکھوں کے نور کو میرے نور سے پیدا کیا اور عقل جو لوگوں کے سروں میں ہے وہ بھی میرے نور سے پیدا کی اور معرفت جو قلوب مومنین میں ہے وہ بھی

میرے نور سے پیدا کی اور مجھے اس پر فخر نہیں الخ پس تمام انوار و اضواء کو حضور کے نور سے پیدا کیا گیا لہذا سب حضور علیہ السلام کے نور کی فرع ہیں اور آپ کا نور سب کے لئے اصل بھلا فرع کا اصل کے ساتھ کیا مقابلہ ہوسکتا ہے ؟ دیکھو وہ کیسے شقی العقل ہیں جو فرع کے لئے کمال نفی ظل مانتے ہیں اور اصل کے لئے اس کا انکار کرتے ہیں سعیدی) (محصلہ توضیح البیان ص۱۷۳ تا ص۱۷۶)

الجواب۔ مؤلف مذکور کا یہ دعویٰ کہ آپ کا سایہ نہ ہونا جمہور مسلمانوں کا عقیدہ ہے بالکل بے بنیاد دعویٰ ہے اس لئے کہ جب صحیح احادیث سے آپ کا سایہ ثابت ہے تو ان صحیح احادیث کو چھوڑ کر جمہور مسلمان کب جعلی اور بے ثبوت روایات پر عقیدہ رکھ سکتے ہیں ہم نے تنقید متین میں مستدرک حاکم کی سند سے آپ کے سایہ کے ثبوت کی روایت نقل کرکے امام حاکمؒ اور ناقد فن رجال علامہ ذہبیؒ کی تصحیح بھی نقل کردی ہے اور اسی طرح طبقات ابن سعدؒ مسند احمد اور مجمع الزوائد سے بھی روایت نقل کرکے اس کی سند کے رجال اور ان کی توثیق بھی ساتھ ہی بیان کردی ہے۔

مجمع الزوائد کی ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں۔

فرأت ظلہ فقالت ان ھذا الظل رجل وما یدخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فدخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث۔
(مجمع الزوائد ج ۴ ص۳۲۱)

کہ حضرت زینبؓ نے آپؐ کا سایہ دیکھا سو وہ فرمانے لگیں کہ یہ تو مرد کا سایہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو میرے پاس آتے نہیں اتنے میں آپؐ اندر داخل ہوگئے۔

امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ

رواہ احمد وفیہ سمیۃ روی لھا ابوداؤد وغیرہ ولم یضعفھا احد وبقیۃ رجالہ ثقات (ج ۴ ص۳۲۱)

اس روایت کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے اور اس میں سُمیّہؒ ہیں امام ابوداؤدؒ وغیرہ نے ان کی روایت لی ہے اور کسی نے ان کی تضعیف نہیں کی اور باقی راوی ثقہ ہیں۔

اور دوسری روایت کے مرکزی الفاظ یہ ہیں۔

اذرأت ظلہ قد اقبل الحدیث۔
(مجمع الزوائد ج ۴ ص۳۲۳)

اچانک انہوں نے آپؐ کے سایہ کو آتے ہوئے دیکھا۔

اور علامہ ہیثمیؒ اس کے بارے فرماتے ہیں کہ

رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ سمیۃ روی لہا ابوداؤد وغیرہ ولم یجرحہا احد وبقیۃ رجالہ ثقات (ج۲ ص۳۲۳)

اس کو طبرانیؒ نے (معجم) اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں سمیّہؒ ہے امام ابوداؤدؒ وغیرہ نے ان سے روایت لی ہے اور کسی نے ان پر جرح نہیں کی باقی سب راوی ثقہ ہیں۔

جمہور مسلمین ان صحیح روایات کو کیسے ترک کر سکتے ہیں جب کہ ان کے مقابلہ میں کوئی صحیح حدیث ہی موجود نہیں ہے اور ان صحیح روایات کی تائید مجمع الزوائد کی ایک اور روایت سے ہوتی ہے جو اوقات صلوٰات کے باب میں امّتی جبرائیل کے عنوان سے حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعًا مروی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

ثم جاءنی فصلی بی العصر حین کان فیٔ مثلی الی قولہ ثم جاءنی من الغد فصلی الظہر حین کان الفیٔ مثلی ثم جاءنی فی العصر فصلی بی حین کان فیٔ مثلی الحدیث رواہ البزار وفیہ عمر بن عبد الرحمٰن بن أسید بن عبد الرحمٰن بن زید بن الخطاب ذکرہ ابن ابی حاتم وقال سمع منہ ابونعیم و عبد اللہ بن نافع سمعت ابی یقول ذالک وشیخ البزار ابراھیم بن نصر لم اجد من ترجمہ وبقیۃ رجالہ موثقون۔ (مجمع الزوائد ج۱ ص۳۰۴)

پھر میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور اس وقت مجھے عصر کی نماز پڑھائی جب کہ میرا سایہ میرے قد کے برابر ہوگیا (آگے فرمایا) پھر دوسرے دن میرے پاس آئے تو مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سایہ میرے برابر ہوگیا پھر میرے پاس عصر کے وقت آئے اور مجھے اس وقت نماز پڑھائی جب کہ میرا سایہ میری دو مثل ہوگیا الحدیث اس کو محدث بزارؒ نے روایت کیا ہے اس کی سند میں عمرؒ بن عبدالرحمٰنؒ بن اُسیدؒ بن عبدالرحمٰنؒ بن زید بن الخطاب ہے امام ابن ابی حاتمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سُنا کہ ان سے ابونعیمؒ اور عبداللہؒ بن نافعؒ نے سماعت کی ہے اور امام بزارؒ کے استاد ابراہیمؒ بن نصرؒ کا ترجمہ مجھے نہیں مل سکا اور باقی راوی ثقہ ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ پہلے دن حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو عصر کی نماز اُس وقت پڑھائی

جب کہ آپ کا سایہ آپ کی قامت کے برابر تھا اور دوسرے دن ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ آپ کا سایہ آپ کی قامت کے برابر تھا اور فرمایا کہ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام (دوسرے دن) آئے اور مجھے عصر کی نماز پڑھائی جب کہ میرا سایہ دوگنا ہوگیا تھا اس صورت میں جب کہ کان فی رمثلی پڑھیں جو اس سے قبل کی روایت کے مطابق ہے وصلی العصر والفئی قامتان الحدیث مجمع الزوائد جلد ۱ ص۳۰۳ عن ابی سعید الخدریؓ مرفوعا رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر وفیہ ابن لہیعۃ وفیہ ضعف اور اگر یہ لفظ مثلی ہو تو سایہ قد مبارک کے برابر ہوگا کچھ بھی ہو اس سے سایہ تو بہر حال ثابت ہے) ہم اس طویل علمی بحث میں یہاں نہیں پڑتے کہ آیا ظہر اور عصر کا وقت مشترک ہے جیسا کہ حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ وغیرہ کا مسلک ہے (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص۹۱) اور انہوں نے اس مذکور اور اس مضمون کی دیگر احادیث سے استدلال کیا ہے یا ظہر کا وقت ختم ہونے کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے جیسا کہ بقیہ حضرات ائمہ کرامؒ کا مسلک ہے اور وہ مسلم ج ۱ ص۲۲۳ کی روایت ووقت صلوٰۃ الظہر مالم تحضر العصر سے استدلال کرتے ہیں اور پہلی روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس میں وقت کی تعیین وتحدید مراد نہیں بلکہ تقریب مراد ہے یعنی پہلے دن کی عصر کا وقت دوسرے دن کی ظہر کے وقت کے قریب تھا نہ کہ بعینہٖ وہی تھا اور مسلم ج ۱ ص۲۲۳ کی روایت ثم اخر الظہر حتٰی کان قریبًا من وقت العصر بالامس اس کی دلیل ہے غرضیکہ فریق مخالف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ کی نفی پر جس قسم کی روایت سے استدلال کرتا ہے اس سے بڑھ کر ثبوت سایہ کے لئے یہ روایت موجود ہے جسے ہم نے صرف تائید کے لئے پیش کیا ہے اور پہلے گذشتہ روایات اس کے علاوہ ہیں۔

جب قرآن کریم اور حدیث شریف سے آپ کی بشریت واضح الفاظ سے ثابت ہے اور صحیح احادیث سے آپ کا سایہ بھی ثابت ہے تو مؤلف مذکور کا یہ عذر لنگ کہ سایہ بشریت کثیفہ کا ہوتا ہے نہ کہ بشریت لطیفہ کا محض ایک ڈھکوسلہ ہے کیونکہ آپ کی بشریت کا باوجود لطیفہ ہونے کے اور کالیاقوت فی الحجر ہونے کے صحیح حدیث کے موافق سایہ تھا لہٰذا نص کے مقابلہ میں قیاس کی مطلقًا کوئی گنجائش اور سماعت نہیں ہوسکتی اور بے شک ظنیات کے باب میں دلائل ظنیہ کافی ہوتے ہیں لیکن عقیدہ نہ تو ظنی ہوتا ہے اور نہ اس کے لئے دلیل ظنی کفایت کرتی ہے اور مؤلف مذکور اس کو عقیدہ کہتے ہیں ہاں اگر کوئی مسئلہ اور نظریہ ظنی ہو تو اس کے لئے ظنی دلیل بھی کافی ہوسکتی ہے۔ علاوہ بریں یہ بھی عجیب ستم ظریفی ہے کہ ثابت شدہ

ظنی (خبر واحد صحیح) کی تو کوئی پرواہ نہ کی جائے اور بے ثبوت ظنی کو پلّے باندھ لیا جائے یہ کونسا انصاف ہے؟ غرضیکہ صحیح حدیث کی روشنی میں آپ کا سایہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے یہ دوسری بات ہے کہ کوئی ضدی اپنے تعصب اور ضد کو نہ چھوڑے اور میں نہ مانوں اور لاأسلم کی رَٹ ہی لگاتا رہے جیسا کہ مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کا یہ محبوب ولذیذ وتیرہ ہے تو اس کا کسی کے پاس کیا علاج ہے؟

رہی وہ روایت جو مؤلف مذکور نے نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تو سورج میں دکھائی دیتا تھا اور نہ چاند میں تو تنقید متین میں اس پہ باحوالہ بحث ہو چکی ہے کہ اس کی سند میں عبدالرحمن بن قیس زعفرانی راوی ہے جو کذاب اور وضاع ہے ایسی روایت پر مدار رکھ کر شریعت کے کسی حکم کو کیسے رد کیا جا سکتا ہے؟ حیرت ہے کہ مؤلف مذکور حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا جان چھڑانے کے لئے بار بار نام لیتے ہیں لیکن اس کی سند اور رجال اور ان کی کتب اسماء الرجال سے توثیق نقل کرنے سے قطعًا قاصر اور سراسر عاجز ہیں ان کا علمی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ اپنے علمی تھیلے اور پٹاری سے اس روایت کی سند نکالیں اور روات کی توثیق کریں ورنہ اس سے انہیں قطعًا کوئی فائدہ نہیں اسی طرح ان کا بار بار علماء کی عبارات نقل کرنا کہ فلاں فرماتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا اور فلاں فرماتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا تو یہ بالکل بے سود ہے کیونکہ مثلاً انہوں نے اگر دس بزرگوں نے نام لے کر ان کی عبارات اس مضمون پر نقل کی ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا تو ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ بجائے دس کے دس ہزار بزرگوں کی عبارات بھی پیش کر دیں تو اس سے کچھ نہیں بنتا کیونکہ مسند مرفوع اور صحیح حدیث کے مقابلہ میں دس ہزار تو کیا دس لاکھ بلکہ دس ارب وکھرب حضرات کی بات بھی کوئی وقعت نہیں رکھتی کیونکہ علمی قاعدہ تو یہ ہے کل احد یؤخذ عنہ ویترک الا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ باقی یہ دلائل کہ آپ کا سایہ اس لئے نہ تھا کہ آپ نور تھے اور شمس وقمر تو آپ کے نور سے مخلوق ہوئے ہیں پھر آپ کے سبب سے ان کی روشنی کیونکر چھپ سکتی ہے اور اس لئے آپ کا سایہ نہ تھا تاکہ قدموں کے نیچے اور گندی جگہوں کے نیچے واقع ہونے سے محفوظ رہے اور یہ کہ سایہ تاریکی کو مستلزم ہے اور آپ تو نورٌ منیر ہیں وغیرہ وغیرہ تو یہ سب بے وزن اور بے جان باتیں ہیں اولًا اس لئے کہ جب صحیح احادیث سے آپ کا سایہ ثابت ہے تو نص کے مقابلہ میں ایسی صوفیانہ یا عارفانہ خود ساختہ باتیں کیا حیثیت رکھتی ہیں؟ وثانیًا آپ جس معنیٰ میں نور ہیں وہ معنوی نور ہے حسی نہیں تو معنوی نور پر حسی نور کے آثار مرتب کرنا نرا مجنونانہ فعل ہے وثالثًا فرع کا وہ مرتبہ نہیں ہوتا جو

اصل کا ہوتا ہے آپ کا سایہ آپ کے نفس اطہر اور بدن مبارک کی فرع ہے اور یہ بدیہی امر ہے کہ مکہ مکرمہ وغیرہا کی سرزمین پر جگہوں اور راستوں میں جہاں آپ کے قدم مبارک پڑتے تھے وہاں کسی نہ کسی کافر و مشرک کا قدم بھی پڑتا رہا اور ظاہر امر ہے کہ اُن راستوں پر عام انسان تو کیا حیوانات بھی چلتے تھے پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ کے سایہ کو جو آپ کی ذات بابرکات کی فرع ہے تو قدموں سے محفوظ رکھا گیا اور آپ کے بنفس نفیس قدم مبارک جہاں پڑتے رہے ان جگہوں کو کافروں مشرکوں اور حیوانات کے قدموں سے محفوظ نہ رکھا گیا؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس خود ساختہ منطق کے رُو سے مناسب تو یہ تھا کہ آپ کا قدم مبارک ہی زمین پر نہ پڑتا تا کہ کسی کافر اور مشرک کا ناپاک قدم اس پر نہ پڑتا کیونکہ مشرک ناپاک ہیں انما المشرکون نجس اور اس معنوی نجاست سے بھی آپ کے قدم مبارک کو محفوظ رکھنا چاہیئے تھا اس لحاظ سے آپ کو چاہیئے تھا کہ زمین پر قدم مبارک ہی نہ رکھتے یا ہمیشہ سواری پر اور پالکی میں سفر کیا کرتے والظاہر خلافہ اور یہ امر بھی ثابت ہے کہ آپ کی گردن مبارک پر مشرکوں نے اونٹ کی ناپاک جھلی بھی ڈالی جب کہ آپ المسجد الحرام میں کعبۃ اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے بخاری ج ۱ ص ۳۷ میں سلا جزور بنی فلاں کے الفاظ ہیں اور اس کے معنی جھلی کے ہوتے ہیں (انظا بہ انما نجستہ ہاشن بخاری)

اور یہ بھی ثابت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جوتوں سمیت نماز پڑھا رہے تھے آپ کو آکر یہ خبر دی کہ آپ کی جوتیوں کے نیچے غلاظت لگی ہوئی ہے (ان جبرائیل فاخبرنی ان فیہا قذرا یہ روایت ابوداؤد ج ۱ ص ۹۵ مسند دارمی ص ۲۱۸ مترجم موارد الظمآن ص ۱۰۱ اور مستدرک حاکم ج ۱ ص ۲۶ میں موجود ہے قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح علیٰ شرط مسلم اور مشکوٰۃ ج ۱ ص ۷۳ میں بھی یہ روایت موجود ہے ظاہر بات ہے کہ جوتیوں کے نیچے غلاظت تب ہی لگی تھی کہ آپ نے نجس جگہ پر (گو بامر مجبوری یا لاعلمی ہی سہی) پاؤں مبارک رکھے تھے عجیب بات ہے کہ پاؤں اور نعلین پلید جگہ پر پڑ جائیں تو کچھ حرج نہ ہو لیکن سایہ ایسی جگہ پر پڑے تو قابل انکار امر ہو۔ اسی طرح آپ کی بشریت کے اعلیٰ و الطف ہونے سے نیز آپ کے نور بمعنی روح کے پہلے پیدا ہونے اور اس کے پروردگار کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے اور آپ کے نور کے اصل اور باقی مخلوق کے فرع ہونے سے بھی مؤلف مذکور کو قطعاً کوئی فائدہ نہیں کیونکہ صحیح احادیث سے آپ کا سایہ ثابت ہے اور ان کے مقابلہ میں کوئی روایت سنداً ثابت ہی نہیں پھر ایسی بے سند روایات کا کیا اعتبار؟ اور اگر ان کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی اس سے مؤلف مذکور کو کچھ

فائدہ نہیں کیونکہ آپ کا نور یعنی روح مبارک اول خلق ہونے کی وجہ سے اصل ہے مگر یہ معنوی نور ہے جس سے قلوب مؤمنین میں معرفت پیدا ہوتی ہے نہ کہ حسّی نور کتنے بدبخت اور شقی القلب ہیں وہ لوگ جو آپ کی صحیح احادیث کا انکار اور تاویلات کر کے آپ کے سایہ کی نفی کرتے ہیں اور غیر معصوم اقوال کو ترجیح دیتے ہیں۔

حضرت ذکوانؓ کی روایت کا جواب! تنقید متین میں حضرت ذکوانؓ کی یہ روایت نقل کر کے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تو سورج میں نظر آتا تھا اور نہ چاند میں ہم نے اس کی تردید کی تھی اس کے جواب میں مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ۔ حدیث نقل کرنے کے بعد مولوی سرفراز صاحب اپنی طرف سے اہل سنت کا استدلال وضع کرتے ہیں لکھتے ہیں۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور جب سایہ نہ تھا تو (معاذ اللہ تعالیٰ) آپ بشر بھی نہ تھے انتہیٰ کلامہ ص۱۱۵۔

جہاں تک سایہ نہ ہونے کا مسئلہ ہے اہل سنت کے نزدیک مختار یہ ہے کہ آپ کا سایہ ثابت نہیں اور یہ ایک ظنی عقیدہ ہے جس کے اثبات کے لئے دلائل ظنیہ کافی ہیں لیکن مولوی سرفراز صاحب نے اس پر اہل سنت کی طرف سے جو یہ تفریع بٹھائی ہے کہ جب سایہ نہ تھا تو آپ بشر بھی نہ تھے یہ محض افتراء اور کذب خالص کی بدترین مثال ہے اہل سنت کی کتابیں نبی علیہ السلام کی بشریت کے ثبوت و تحقیق کے ذکر سے بھری پڑی ہیں ہم پچھلے صفحات میں صدر الافاضل کا کلام نقل کر چکے ہیں البتہ دیوبندیوں کی طرح نبی علیہ السلام کو عام بشریت کے مماثل ماننا اہل سنت کا عقیدہ نہیں ہم آپ کی بشریت کو بے مثل اور اوصاف و کمالات کے اعتبار سے ممتنع النظیر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں باقی رہا یہ امر کہ جب بشریت مان لی تو سایہ بھی ماننا ہوگا عناد اور جہل کے سوا کچھ نہیں کیونکہ آپ کی بشریت کو عام انسانوں کی بشریت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اولاً تو اس لئے کہ آپ کی ذات مقدسہ بشریت کے ساتھ ساتھ نورانیت بھی کامل ترین جامع ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا ثانیاً اس لئے کہ سایہ اس جگہ کی تاریکی کو کہتے ہیں جو کسی جسم کثیف کے نور کی راہ میں حائل ہونے کی وجہ سے واقع ہو اور نبی علیہ السلام کی بشریت کثافت سے منزہ ہے اور اس درجہ لطافت میں ہے کہ نور کے لئے حاجب نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ تاریک سایہ کی موجب ہو سرفراز صاحب نے ذکوانؓ کی روایت کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ قابل احتجاج نہیں۔ **الجواب** اولاً کسی ضعیف روایت کو عقیدہ قطعیہ کے اثبات میں تو بے شک پیش نہیں کیا جا سکتا لیکن ظنی عقیدہ میں ظنی دلائل کافی ہوتے ہیں لہٰذا اس باب میں یقیناً اس روایت کا اعتبار کیا جائیگا۔ ثانیاً عقیدہ کا اثبات اور شئے ہے اور اس کی

تائید امر آخر ہے نبی علیہ السلام کی نورانیت قرآن سے ثابت ہے اور نور کو سایہ نہ ہونا لازم ہے پس تائید کے درجہ میں اس روایت کا اعتبار کسی خدشے کا حامل نہیں۔ ثالثاً آپ کا سایہ نہ ہونا تمام امت کا تقریباً اتفاقی مسئلہ ہے اور تلقی بالقبول کو بھی ناقدین فن نے وجوہ مصححہ سے شمار کیا ہے۔ رابعاً امام سیوطیؒ نے خصائص الکبریٰ میں اس حدیث کو ذکر کر کے اس کا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے کہ ان کے نزدیک حدیث قابل تسلیم واحتجاج ہے۔ اور فن حدیث میں امام سیوطیؒ کا جو مقام ہے وہ اپنے پرائے سب تسلیم کرتے ہیں۔ خامساً اگر آپ کو اس حدیث سے خدائی بغض ہے تو چلئے یہ نہ سہی الوفا سے جو روایت ہم ابن عباسؓ کی متصلاً پیش کر چکے ہیں اسے مان لیجئے اور اگر اس پر بھی تامل ہو تو تفسیر مدارک علی ہامش الخازن ج۳ ص۳۲۱ پر حضرت عثمانؓ کی حدیث ہے انہوں نے فرمایا کہ بلا ریب اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پر واقع نہیں کیا تا کہ کہیں کوئی شخص آپ کے سایہ پر اپنا قدم نہ رکھ دے۔ یہ کوئی ذکوانؒ کا قول نہیں ہے کہ آپ کہہ دیں اس کی براہ راست رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت نہیں اور حدیث مرسل دیوبند کے حنفیوں میں مقبول نہیں یہ حضرت عثمانؓ کا قول ہے جو سفر وحضر میں رسول اللہ کے جلیس تھے جن کے سر پر انا علیہ واصحابی کا تاج ہے ہاتھ میں اصحابی کالنجوم کا پرچم ہے ماتھے پر علیکم بسنتی کی چتون ہے ایسے عظیم الشان صحابی کا قول جن کا قول بھی حدیث ہے اور پھر وہ بھی بارگاہ نبوی میں پیش ہو کر تقریر سے حکماً مرفوع ہو چکا ہے۔ اور اگر حضرت عثمانؓ کو بھی آپ کے ہاں پذیرائی حاصل نہ ہو تو مولوی رشید احمد گنگوہی سفینۂ دیوبند کے ناخدا امداد السلوک ص۸۶ میں لکھتے ہیں تواتر سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہیں رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام کا سایہ ہوتا ہے۔ حضرت عثمانؓ آپ کے ہاں مقبول نہ سہی ٹکسال دیوبند کا سکہ تو بہر حال آپ کے ہاں چلتا ہے اب فرمائیے کیا خیال ہے تواتر سے جو مسئلہ ثابت ہو وہ قطعی ہوتا ہے یا ظنی ؟ یہ کیسا صریح ظلم ہے کہ ہم اس مسئلہ کو اگر ظن کے درجہ میں مان لیں کافر مشرک اور بدعتی سے کم نہیں اور آپ کے پیر مغاں اسے تواتر سے ثابت اور یقین کے درجہ میں مانیں پھر شیخ کے شیخ جو چیز شرک و بدعت ہو گنگوہی ٹھہرا سے کیسے توحید وسنت بنا دیتی ہے وہ کونسا منتر ہے جس کے عمل سے آپ اپنے مولویوں کو شرک اور بدعت کے فتووں سے بچا لیتے ہیں یہود اپنے احبار ورہبان کی عبادت چھوڑ چکے آپ کے ہاں یہ پوجا کب بند ہوگی ؟ المواہب اللدنیہ شرح شمائل محمدیہ ص۳۰ پر ہے ابن المبارکؒ اور

ابن جوزیؒ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔ زرقانی ج۴ ص۲۲۰ پر ہے۔ ابن المبارکؒ اور ابن جوزیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ نبی علیہ السلام کا سایہ نہ تھا اور آپ کبھی دھوپ میں نہ کھڑے ہوئے مگر سورج کی روشنی پر آپ کا نور غالب رہا۔ یہ ذکوانؒ کی طرح مرسل روایت نہیں بلکہ ابن عباسؓ کی پیش کردہ حدیث متصل ہے اور روایت کرنے والے ہیں ابن الجوزیؒ جیسے ناقد حدیث جو اچھی بھلی حدیث کو موضوع بنا ڈالتے ہیں پس ایسے کی روایت میں تردد کرنا عناد کے سوا کچھ نہیں مولوی سرفراز صاحب کی خیانت اور گمراہ کن ذہنیت کا اندازہ اسی امر سے بآسانی کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اہل سنت کے مسلک کی دلیل حدیث ذکوان کو قرار دیا تاکہ رسول اللہ کے کمال نفی ظل پر اچھی طرح دل کا بخار نکال سکیں عظمت رسول کریم کو کم کرنے کا انہوں نے اپنے زعم میں خوب بہانہ تراشا مگر اس سے غافل تھے کہ یہ رسوائی خود ان کا مقدر بن چکی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مداحوں کے دامن پر گندگی کا جو ہاتھ انہوں نے بڑھایا تھا وہ اپنی تمام تر نجاستوں سمیت ان کی اپنی ذات کی طرف لوٹ آیا۔ قاضی عیاض مالکیؒ شفا شریف ج۱ ص۲۴۳ پر فرماتے ہیں اور وہ جو مذکور ہے کہ آپ کا چاند سورج میں سایہ نہ پڑتا تھا پس وہ اس لئے ہے کہ آپ نور ہیں۔ شہاب الدین خفاجیؒ نسیم الریاض ج۳ ص۳۱۹ میں اس کی شرح میں لکھتے ہیں یعنی آپ کے جسد شریف لطیف کا سایہ نہ تھا اور لطیف کے لفظ میں لطیف اشارہ موجود ہے کہ آپ کی بشریت کثافت سے منزہ ہو کر لطافت کے اس درجہ میں تھی کہ روشنی کے لئے حاجت نہ ہوتی تھی حتّٰی کہ تاریک سایہ کا موجب ہوتی اسی بحث میں آگے چل کر فرماتے ہیں۔ اس کو (ابن جوزیؒ) صاحب کتاب الوفا نے ابن عباس سے روایت کیا کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔ ان تمام اکابر علماء نے نفی ظل کی بنا حدیث ابن عباسؓ پر کی ہے لیکن مولوی سرفراز صاحب نے اس متصل حدیث کو چھوڑ کر اس مسئلہ کو حدیث ذکوان پر مبنی قرار دیا تاکہ اسی روایت کے ضعف و ارسال سے اصل مسئلہ میں ضعف ثابت کر سکیں انا للہ الخ قاضی عیاضؒ کے قول لانہ کان نوراً کی شرح میں ملا علی القاریؒ شرح شفا ج۱ ص۵۲۲ میں تحریر فرماتے ہیں یعنی حضور نور بذاتہ ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا کیونکہ اس میں کثافت نہیں ہے اور جو مضمون نوادر میں وارد ہے اس سے بھی یہی مراد ہے اور اس کے لفظ یہ ہیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں پڑتا تھا نہ چاندنی میں اس کو حلبیؒ نے بھی ابن سبعؒ سے نقل کیا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مدارج النبوۃ ج۱ ص۲۱ میں فرماتے ہیں۔ اور نور نبی علیہ السلام کے اسماء میں سے ہے اور نور کا سایہ

نہیں ہوتا۔ نیز یہی شیخ عبدالحق محدث دہلوئیؒ مدارج النبوۃ ج۱ ص۱۶۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ حضور آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تاکہ کہیں نجس زمین پر نہ پڑے۔ شاہ عبدالعزیزؒ تفسیر عزیزی ص۲۱۹ پ۳۰ میں فرماتے ہیں اور آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا انتہٰی باختصار یسیر۔ (توضیح البیان از ص۱۷۶ تا ص۱۸۲) یہ یاد رہے کہ مؤلف مذکور نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی جو دلیلیں اور حوالے ذکر کئے ہیں یہ سب خانصاحب کی کتاب نفی الفئی وغیرہ سے ماخوذ ہیں۔

الجواب۔ ہم بقدر امکان ترتیب سے جوابات عرض کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) جب دلائل قطعیہ اور براہین ساطعہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت ثابت ہے اور احادیث صحیحہ صریحہ سے آپ کا سایہ بھی ثابت ہے تو اہل السنت والجماعت ان کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کیونکر یہ عقیدہ رکھ سکتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا اور یہ اہل السنت کا مختار کیسے ہوسکتا ہے؟ البتہ اہل بدعت کا عقیدہ یہ ضرور ہے اور انہی کے لئے یہ مناسب بھی ہے کیونکہ حق اور صحیح دلائل کے ساتھ ان ہی کا خدا واسطے کا بیر ہوا کرتا ہے اور وہی ایسا عقیدہ رکھ سکتے ہیں۔

(۲) عقائد تمام قطعی ہوتے ہیں اور ان کے لئے دلائل بھی قطعی درکار ہوتے ہیں کسی مسئلہ یا نظریہ یا کسی جزئیہ کو عقیدہ سے تعبیر کرنا معروف اصطلاح کے خلاف ہے اس لئے ایسی خانہ ساز اصطلاحات سے حقیقت پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

(۳) بے شک اہل بدعت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشر ماننے والے بھی موجود ہیں مگر ان میں آپ کو اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور سے مخلوق تسلیم کرنے والے بھی ہیں اور اسی کو وہ نام نہاد اہل السنت والجماعت کا عقیدہ دیتاتے ہیں جیسا کہ پہلے باحوالہ یہ بات عرض کی جاچکی ہے تو پھر اس کو محض افتراء اور کذب خالص کی بدترین مثال قرار دینا اپنی خالص جہالت کا یا اپنی ہٹ دھرمی کا ثبوت دینا ہے۔ البتہ مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ دیوبندی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کو عام بشریت کے مماثل مانتے ہیں اور ہم آپ کی بشریت کو بے مثل اور اوصاف وکمالات کے لحاظ سے ممتنع النظیر مانتے ہیں یہ تراد جل وتلبیس ہے ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ فضائل ومزایا اور اوصاف وکمالات وغیرہا میں آپ کی ذات سب سے افضل ہے اور آپ افضل البشر ہیں ان خوبیوں میں آپ کا کوئی مثیل اور نظیر نہیں لیکن نفس بشریت اور لوازم بشریت جن میں سایہ ہونا بھی دلائل سے ثابت ہے اس میں آپ قرآن کریم کی قطعی آیات کے حکم سے اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

ہیں اس میں ایک رتی کا شک نہیں ہے باقی ممتنع النظیر کا جملہ بحث طلب ہے اگر اس سے مراد یہ ہے کہ نہ تو آپ کی مثل اور نظیر آج تک پیدا ہوئی اور نہ تا قیامت پیدا ہوگی تو ہمارا اس پر صاد ہے اور اسی معنی میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ ؎

رخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ   نہ ہماری بزم خیال میں نہ دوکان آئینہ ساز میں

اور اگر مراد یہ ہے کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مثل اور نظیر پیدا کرنا چاہے تو اس کو اس پر قدرت ہی حاصل نہ ہو یہ اہل بدعت کا عقیدہ تو ہے لیکن اہل السنت کا نہیں کیونکہ وہ اس پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور اس کی باد لائل بحث تنقید متین میں اور خود اس کتاب میں اپنی جگہ موجود ہے۔

(۴) جب آپ کی بشریت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ ذات اور جنس آپ کی بشر ہے اور خود مؤلف مذکور بھی جنس کے لحاظ سے آپ کو بشر تسلیم کر چکے ہیں اور کرتے ہیں اور نور آپ کی صفت ہے تو سایہ کا آپ کے لئے ہونا نقلاً و عقلاً ثابت ہے کیونکہ یہ بشریت کے لوازم میں سے ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے اس کا انکار عناد و جہل کے سوا اور کچھ نہیں۔

(۵) آپ کا جسم مبارک اپنی ظاہری اور باطنی جسمانی اور روحانی خوبی اور کمال کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ لطیف ہی تھا بلکہ الطف بھی تھا لیکن آپ کا جسم اطہر بایں ہمہ ایسا نہ تھا جو کسی کو نظر نہ آتا جیسا کہ فرشتوں اور جنات کے وجود کہ وہ عموماً نظر نہیں آتے جب آپ کا جسم مبارک مرئی تھا اور ہر ایک کو ہر وقت نظر آسکتا تھا اور آتا تھا تو ایسے جسم کے لئے سایہ کا ہونا کونسی بعید بات ہے۔

(۶) عقیدہ قطعی ہوتا ہے ظنی نہیں ہوتا اور قطعیات میں ظنیات کا قطعاً کوئی دخل نہیں شرح عقائد ص۱۰۱ میں ہے ولا عبرۃ بالظن فی باب الاعتقادیات۔ یعنی اعتقادی امور میں ظن کا کوئی اعتبار نہیں۔ ذکوانؓ کی روایت سے سایہ کی نفی کر کے بالواسطہ آپ کی قطعی طور پر ثابت شدہ بشریت کا انکار ہو رہا ہے اور اس میں وضاع قسم کے راوی بھی موجود ہیں لہذا اس کا کیا اعتبار ہے؟ اس لئے یہ روایت قطعاً اور یقیناً مردود ہے دلائل کی مد میں اس کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں یہ بات اہل بدعت ہی کو زیبا ہے کہ وہ ایسی موضوع روایات کا اعتبار کر کے اپنے دل ماؤف کو بہلالیں اور وہ اکثر ایسا ہی کیا کرتے ہیں ان کا مزاج اور مبلغ علم ہی یہ ہے ع دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔

(۷) آپ کا یہ عقیدہ کہ آپ کا سایہ نہیں کس قطعی دلیل سے ثابت ہے جس کی تائید کے لئے آپ اس موضوع اور بالکل بے بنیاد روایت کا سہارا لے رہے ہیں پہلے تو آپ وہ قطعی دلیل علمی تھیلے سے نکالیں پھر اس موضوع روایت کو اس کی تائید میں پیش کریں قرآن کریم سے اور وہ بھی صرف ایک تفسیر اور احتمال کے لحاظ سے نہ کہ قطعیت سے آپ کی جو نورانیت ثابت ہے وہ صرف وصف کے لحاظ سے ہے نہ کہ ذات اور جنس کے لحاظ سے اور بشریت آپ کی قطعی طور پر ثابت ہے جس کے لئے سایہ ہونا لازم ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت بھی ہے لہٰذا ایسی موہوم و مفروض دلیل کی تائید میں جعلی روایت سے تائید تلاش کرنا جہالت کا پلندہ ہے۔

(۸) تمام امت کا تقریباً اتفاق آپ کے سایہ ہونے پر ہے نہ کہ نہ ہونے پر (چند بزرگوں کا نام تمام امت نہیں ہے) کیونکہ تمام امت آپ کو بشر تسلیم کرتی ہے اور بشر کے لئے سایہ لازم ذات ہے اور تمام امت صحیح احادیث کو بھی تسلیم کرتی ہے اور صحیح احادیث سے بھی آپ کا سایہ ثابت ہے کیا مؤلف مذکور کے نزدیک قرآن و حدیث سے ثابت شدہ کسی فیصلہ کے خلاف بھی کبھی اجماع ہوا ہے یا ہو سکتا ہے؟ بلاشک تلقی بالقبول بھی حضرات محدثین کرامؒ کے ہاں قابل اعتبار ہے لیکن صرف ضعیف حدیثوں میں نہ کہ نری جعلی اور موضوع حدیثوں میں اور یہاں تو تلقی بھی نہیں بلکہ اس روایت کی پرزور تردید کی گئی ہے۔

(۹) بلاشبہ حضرت امام سیوطیؒ وسیع النظر اور بڑے عالم گذرے ہیں لیکن نہ تو وہ ائمہ جرح و تعدیل میں شمار ہیں اور نہ انہوں نے کتاب خصائص الکبریٰ (وغیرہ) میں صحت کا التزام کیا ہے خصائص الکبریٰ میں موضوع اور جعلی روایات کی بھرمار ہے لہٰذا ان کا اپنی کتاب میں کسی روایت کا ذکر کر دینا کسی طرح حدیث کی صحت اور ثبوت کو مستلزم نہیں ہے اپنے پرائے ان کا مقام صرف وسعت نظر میں تسلیم کرتے ہیں نہ کہ حدیث کی تصحیح اور تحسین میں کیونکہ یہ ان کا مقام ہی نہیں ہے ہاں اگر کسی روایت کی باقاعدہ سند موجود ہو اور اس کے جملہ رواۃ ثقہ ہوں اور وہ اس کی تصحیح و تحسین کریں اور دوسرے حضرات محدثین کرامؒ بھی اس حدیث کو صحیح یا حسن کہتے ہوں تو پھر معاملہ جدا ہے۔

امام سیوطیؒ نے خود اپنی کتاب الجامع الکبیر میں حدیث کی صحت و ضعف کا ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے مؤلف مذکور اور ان کے حواریوں کو وہ پیش نظر رکھنا چاہیئے وہ فرماتے ہیں۔

کل ما عزی الی العقیلی وابن عدی — کہ جو حدیث عقیلیؒ ابن عدیؒ خطیب بغدادیؒ ابن

والخطیب البغدادی وابن عساکر والحکیم الترمذی وذکر جماعۃ غیرھم فھو ضعیف فیستغنی بالعزو الیھا رای الی کتبھم) عن بیان ضعفہ انتھی بلفظہ۔ (ھامش المزاح ص۱۵ للعلامۃ بدرالدین ابی البرکات الغزیؒ المتوفی سنہ ۹۸۴ھ)

عساکرؒ یا حکیم ترمذیؒ وغیرہ کی طرف نسبت کی جائے اوران کے علاوہ ایک اور جماعت کا ذکر بھی کیا تو ان کی طرف نسبت ہی حدیث کے ضعیف ہونے کے لئے کافی ہے اس حدیث کے الگ ضعف بیان کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

اور ذکوان کی یہ روایت بطریق عبدالرحمٰن بن قیس الزعفرانی انہوں نے خصائص الکبریٰ ج۱ ص۱۱ میں حکیم ترمذی کی طرف نسبت کی ہے اخرج الحکیم الترمذی الخ توان کے نزدیک اس کے ضعیف ہونے میں کیا شک ہے؟

علامہ سید سلیمان ندویؒ (المتوفی سنہ ۱۳۷۳ھ) لکھتے ہیں کہ علامہ سیوطیؒ کی خصائص کبریٰ جو حیدر آباد دکن میں چھپ گئی ہے معجزات کے موضوع پر سب سے زیادہ مبسوط ہے اور جامع تالیف ہے۔ علامہ ممدوح نے الیٰ قولہ قوی وضعیف اور صحیح وغلط ہر قسم کے واقعات کا انبار لگا دیا اھ (سیرت النبی ج۳ ص۶۲۵ طبع لاہور)

(۱۰) مؤلف مذکور نے الوفا کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت نقل کی ہے اور جسے وہ متصل قرار دے کر بجبر منوانا چاہتے ہیں سوال یہ ہے کہ اس حدیث کی سند کیا ہے؟ اس کے راوی کون ہیں؟ ان کی توثیق کتب اسماء الرجال سے درکار ہے سینہ زوری سے کسی روایت کو بلا کسی ثبوت کے متصل قرار دے کر منوانا دجل نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی طرح مدارک کے حوالہ سے حضرت عثمانؓ سے جو روایت نقل کی ہے اس کی سند کہاں اور کیسی ہے؟ بلاشبہ حضرت عثمانؓ کا قول بھی خلیفہ راشد ہونے کی وجہ سے بڑا وزنی ہے جب کہ اس کی صحت ثابت ہو اور اس روایت کے رواۃ اور سند کا کچھ پتہ نہیں اور کتب تفاسیر میں ہر قسم کی رطب ویابس روایات نقل ہوتی چلی آرہی ہیں لہٰذا کسی تفسیر میں ایسی بے سروپا روایات کا موجود ہونا ان کی صحت کی ہرگز دلیل نہیں ہے غرضیکہ نہ تو یہ روایت سنداً صحیح ہے اور نہ اس کا اعتبار ہے حکماً تو یہ تب مرفوع قرار پاتی جب سنداً صحیح ہوتی جب اس کی سند ہی صحیح نہیں بلکہ پتہ ہی نہیں کہ اس کی سند کیا ہے

تو اس کو دھینگا مشتی مرفوع قرار دیکر منوانے کا کیا مطلب ؟ اور اس طرح مانتا کون ہے ؟۔

مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ حدیث مرسل دیوبند کے حنفیوں میں مقبول نہیں ہوتی ایک خالص جاہلانہ دعویٰ ہے علماء دیوبند کے نزدیک مرسل حدیث حجت ہے بشرطیکہ اس کی سند صحیح ہو اور اس کے مقابلہ میں کوئی صحیح اور حسن متصل حدیث موجود نہ ہو اور اس حدیث کی یہ پوزیشن نہیں کیونکہ ایک تو اس روایت میں جو ذکوان کے طریق سے مروی ہے کذاب اور وضاع راوی موجود ہے جس کی حیثیت پر کاہ کی بھی نہیں ہے۔ اور دوسرے اس کے مقابلہ میں آپ کے سایہ کے ثبوت کی صحیح احادیث موجود ہیں پھر اس کا کیا اعتبار ہے ؟

(۱۱) چونکہ مسند احمد، مستدرک، مجمع الزوائد اور طبقات ابن سعد وغیرہ کتابیں حضرت گنگوہیؒ کے زمانہ میں کمیاب تھیں اور ان میں درج شدہ سایہ کی روایات انکے پیش نظر نہ تھیں اور بعض کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا ذکر موجود ہے اور رُدِی وغیرہ کے الفاظ سے اس کا تذکرہ ہوا ہے اس لئے بنا بر شہرت کے اس کو امداد السلوک میں متواتر احادیث سے تعبیر کیا گیا ہے اور پھر وہ جس معنیٰ میں آپ کو نور کہتے اور تسلیم کرتے ہیں وہ اس معنیٰ میں آپ کے پیروکاروں کو بھی نور تسلیم کرتے ہیں اور آپ کی بشریت کا صاف طور پر اقرار کرتے ہیں اور آپ کو انسان مانتے ہیں ہاں تزکیۂ نفس کی وجہ سے الائش اور کدورت کے سایہ سے آپ کو منزہ مانتے ہیں چنانچہ وہ فتاویٰ رشیدیہ (ج ۱ صلا طبع جید برقی پریس دہلی) میں اس سوال کے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے کس بات میں مثل ہیں الخ جواب میں لکھتے ہیں۔

الجواب نفس بشر ہونے میں مساوات ہے اگرچہ آپ کی بشریت ازکیٰ و اطیب ہے الخ اور امداد السلوک میں فرماتے ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ صریحاً فرماتے ہیں کہ تحقیق سے وہ کامیاب ہو گیا جس نے تزکیۂ نفس کر لیا یعنی اس نے مجاہدہ کی تلوار اور ہوائے نفسانی کی مخالفت سے الائش اور کدورت کو ختم کر دیا اسی لئے حق تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتے ہیں کہ تحقیق آئے ہیں تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور کتاب مُبین نور سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے نیز حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہیں شاہد۔ مبشر۔ نذیر۔ داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے مُنیر روشن کرنے والے اور روشنی دینے والے کو کہتے ہیں اگر انسانوں سے کسی کو روشن کرنا محال ہوتا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات میسر نہ ہو سکتی کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں مگر آپ نے اپنی ذات پاک کو ایسا پاکیزہ کیا کہ خالص نور ہو گئے

اور حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور فرمایا اور متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہیں رکھتے تھے اور یہ واضح ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں اسی طرح آپ نے اپنے پیروکاروں کا ایسا تصفیہ فرمایا کہ وہ سبھی نور ہو گئے جیسے کہ ان کی حکایات اور خرق عادات سے کتابیں بھری پڑی ہیں اور ایسی مشہور ہیں کہ انہیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمارے نبی پر ایمان لاتے ہیں ان کا نور ان کے آگے پیچھے بھاگتا ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اس دن کو یاد کرو جب کہ اہل ایمان کا نور ان کے دائیں بائیں آگے پیچھے ہو گا اور منافق کہیں گے کہ ہمیں بھی اس نور سے کچھ دو ان دونوں آیات سے صاف ظاہر ہے کہ اتباع شریعت سے ایمان اور نور دونوں حاصل ہو جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے اپنے نور سے پیدا کیا اور مومنوں کو میرے نور سے۔ اور ارشاد فرمایا کہ اے اللہ میرے سمع۔ بصر۔ قلب میں نور کر دے بلکہ فرمایا کہ مجھے سراپا نور کر دے پس اگر انسان کا نفس مصفّٰی ہونا محال ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر گز یہ دعا نہ فرماتے اس لئے کہ محال چیزوں کے لئے دعا کرنا بالاتفاق ممنوع ہے۔ نیز حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کو نوری اسی لئے کہتے ہیں کہ آپ سے کئی بار نور دیکھا گیا اور بہت سے خواص و عوام نے صلحاء اور شہداء کے مقابر سے نور بلند ہوتا دیکھا ہے یہ نور ان کے تزکیہ نفس کا ہے جب نفس کا کام بلند ہو جاتا ہے تو اس کا نور بدن میں سرایت کر جاتا ہے اور وہ ہوتے ہوتے بدن کی طبیعت اور مزاج ہی بن جاتا ہے اس کے بعد اگر نفس بدن سے جدا ہو جائے پھر بھی وہ جسم انوار کا منبع اور منفذ بن جاتا ہے جس طرح زندگی کی حالت میں تھا۔ انتہیٰ (امداد السلوک ص۱۵۶ و ۱۵۷ طبع کتب خانہ شرف الرشید شاہ کوٹ) یہ طویل اقتباس ہم نے صرف اس لئے نقل کیا ہے کہ اس سے یہ بات بالکل واضح سے واضح تر ہو جائے کہ جس معنیٰ میں حضرت گنگوہیؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کو نور فرماتے ہیں وہ حسّی نور نہیں بلکہ معنوی نور ہے جو تزکیۂ نفس تصفیہ نفس کی پاکیزگی اور اتباع شریعت سے حاصل ہوتا ہے اور اس معنیٰ میں سراپا نور ہو کر بھی انسان۔ بشر۔ اور اولاد آدم علیہ السلام ہی میں رہتا ہے اس عبارت کے پیش نظر اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیروکاروں کا سایہ تھا اور یقیناً تھا تو آپ کا سایہ بھی ہونا چاہیئے کیونکہ آپ کے پیروکار بھی بقول حضرت گنگوہیؒ سبھی نور ہو گئے تھے اور اس لحاظ سے سایہ سے مراد نفوس کی آلائش اور کدورت کا سایہ ہو سکتا ہے جو اتباع شریعت اور تزکیہ نفس اور

ذات کی پاکیزگی کی وجہ سے سب نوریوں پر چسپاں ہوتا ہے ورنہ جن پیروکاروں کو وہ نور فرماتے ہیں ان کے سایہ کی نفی کرنا پڑے گی حالانکہ ایسا شاید مؤلف مذکور اور ان کے حواری بھی نہ کریں۔ ہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ کی نفی کرنے والوں کو نہ کافر ومشرک قرار دیا ہے اور نہ بدعتی کہا ہے یہ مؤلف مذکور کے خبث باطن کا نتیجہ ہے کہ عوام الناس کو ہم سے متنفر کرنے کے لئے بے بنیاد اور غلط باتیں ہماری طرف منسوب کرتے ہیں الحمد للہ تعالیٰ کہ ہم لوگ نہ تو پہلے اپنے احبار ورہبان کی پوجا کرتے تھے اور نہ اب کرتے ہیں یہ کمال صرف آپ لوگوں کا ہے کہ اتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ الآیۃ کا کوئی پہلو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور یہی آپ کا قیمتی سرمایہ ہے۔

(۱۲) مواہب لدنیہ۔ زرقانی۔ کتاب الوفاء۔ شفا۔ نسیم الریاض۔ شرح شفا ملا علی القاری۔ مدارج النبوۃ اور تفسیر عزیزی وغیرہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کے جتنے حوالے نقل کئے گئے ہیں ان کا جواب ہماری طرف سے یہی ہے کہ سایہ نہ ہونے کی روایت کچھ حضرات نے نقل کی اور اس کو معجزہ تصور کیا گیا اور دوسری طرف کی صحیح روایات پیش نظر نہ تھیں لہٰذا جس روایت میں آپ کا سایہ نہ ہونے کا ذکر ہے اُسی پر بنیاد رکھتے ہوئے ان بزرگوں نے ایسا لکھا ہے حالانکہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں بلکہ اس کے خلاف صحیح وصریح روایات موجود ہیں کما مر۔

ہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ ہونے کی صحیح احادیث باحوالہ عرض کی ہیں اور مؤلف مذکور نے چند بزرگوں کے حوالے نقل کئے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا بجائے اس کے کہ ہم اس کے جواب میں متعدد حوالے نقل کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود مؤلف مذکور ہی کا جواب خود ان کی عبارات میں عرض کر دیں ہم نے حکم الذکر بالجہر میں حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کا کہ نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا اور تکبیر کہنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں تھا جواب حضرت امام شافعیؒ سے یہ نقل کیا تھا کہ یہ حدیث منسوخ ہے (ان کا ارشاد روایات پر مبنی ہے اور دیگر حضرات آئمہ کرام رح کی ان کو تائید بھی حاصل ہے اور وہ خود بھی مجتہد مطلق ہیں) اس کا جواب مؤلف مذکور نے یہ دیا ہے۔

امام شافعیؒ تو بہت دور کی چیز ہیں اگر حدیث رسول کے خلاف صحابہؓ بھی کوئی بات محض اپنی رائے سے کہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کے مقابلہ میں ان کی رائے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوگا الیٰ قولہ ممکن ہے آپ کے لئے امام شافعیؒ کی رائے کافی ہو لیکن ہم دامن رسالت کو چھوڑ

کر کہاں جائیں؟ اور جا بھی کہاں سکتے ہیں؟ اھ (ذکر بالجہر طبع دوم ص۱۲۵) نیز لکھتے ہیں امام شافعیؒ کی شخصیت۔ ان کی علمی وسعت اور زہد و تقویٰ اپنی جگہ پر یہ تمام اُمور مسلم ہیں لیکن جب وہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثِ صحیح کے مخالف کوئی بات محض اپنی رائے سے پیش کریں گے تو شنوائی نہیں ہوگی اھ بلفظہٖ (ص۱۰۱)۔

نیز تحریر کرتے ہیں کہ۔ یاد رکھئے جب کوئی مسئلہ حدیث سے ثابت ہو اور اس کے معارض اور مخالف کتاب و سنت میں کوئی قطعی دلیل نہ ہو تو ایسی صورت میں اس حدیث پر عمل کرنا ہی صحیح دین ہے اور کوئی شخص اپنی جگہ پر کتنا ہی بڑا بزرگ اور عالم دین کیوں نہ ہو لیکن جب وہ حدیث صریح کے خلاف کوئی بات محض اپنی رائے سے بلا دلیل کہتا ہو تو صحیح اور صریح حدیث کے مقابلہ میں اس کی ذاتی رائے کو چھوڑ دینا ہی ہدایت اور راہ استقامت ہے بعد کا کوئی شخص علم و فضل میں کتنا ہی فائق کیوں نہ ہو صحابہؓ سے نہیں بڑھ سکتا اور جب یہ اصول ہے کہ قول صحابی بھی اگر حدیث رسول کے معارض ہو تو حدیث کے مقابلہ میں اس قول کو چھوڑ دیا جاتا ہے تو سوچیئے جس حدیث کے خلاف صحابہؓ کی بات نہ سنی جاتی ہو تو ان کے خلاف بعد میں کسی بزرگ یا ماو شما کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ بلفظہٖ ص۱۰۵۔

قارئین کرام ان بزرگوں کے حوالوں کا جو صحیح اور صریح احادیث کے مقابلہ میں ہیں اس سے بہتر اور کیا جواب دیا جا سکتا ہے جو مؤلف مذکور نے خود دیا ہے وَكَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝

بلا شبہ علامہ ابن الجوزیؒ بڑے عالم اور محدث ہیں اور وہ بعض اوقات صحیح اور حسن قسم کی روایات کو موضوع قرار دینے کی غلطی کرتے ہیں مگر ان کی کتابوں میں بے سند اور بے اصل روایات پر سکوت کی کمی بھی نہیں لہذا ان کا کسی روایت کو نقل کر دینا فن حدیث کے رُو سے کوئی دلیل اور حجت نہیں ہے۔

مسئلہ سایہ اور شیعہ مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ مولوی سرفراز صاحب لکھتے ہیں کہ اصل میں آپ کا سایہ نہ ہونے کا مسئلہ شیعہ کا ہے۔ کیا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ حضرت ابن عباسؓ۔ امام سیوطیؒ قاضی عیاضؒ علامہ نسفیؒ ملا علی القاریؒ شیخ عبد الحقؒ۔ علامہ ہجویریؒ۔ علامہ خفاجیؒ ابن مبارکؒ ابن جوزیؒ یہ تمام صحابہؓ اور اکابر ائمہ دین حضرات شیعہ تھے؟ جب عہد رسالت سے لے کر شاہ عبد العزیزؒ تک تمام اکابر مسلمین حضور کے سایہ نہ ہونے کے قائل تھے تو آپ کے انکار پر کون کان دھرے گا اور ان تمام مسلمانوں کو آپ نے بیک جنبش قلم شیعہ بنا ڈالا ہے اگر واقعی سایہ نہ ہونا شیعہ کا مسئلہ ہے تو گستاخ معاف سب

سے بڑے شیعہ گنگوہیؒ ہیں جو لکھتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ ہونا تواتر سے ثابت ہے پھر مولوی اشرف علی تھانوی ہیں جو شکر النعمہ صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں یہ بات مشہور ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ پھر عزیزالرحمٰن مفتی دیوبند شیعہ ہیں جو فتاوی ج ۳ صفحہ ۲۰۲ میں لکھتے ہیں امام سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر واقع نہ ہونے کے بارے میں یہ حدیث نقل کی ہے اخرج الحکیم الترمذی الخ بہتر ہوگا کہ مولوی سرفراز صاحب خدا سے توبہ کر کے لوٹ آئیں ورنہ تنہا رہ گئے ہیں عمائد دیوبند بھی ایک ایک کر کے ان کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں (محصلہ صفحہ ۱۸۲ و صفحہ ۱۸۳)

الجواب۔ ان حضرات کے سامنے یقیناً وہ احادیث نہیں جو سایہ کے وجود کی باحوالہ ذکر کی گئی ہیں اگر یہ احادیث ان حضرات کے سامنے ہوتیں تو وہ ہرگز ان کے خلاف کچھ نہ فرماتے ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا ضرور ذکر کیا ہے اور ان کا ماخذ آ جا کر کے حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب ۔ مگر بے سند اور بے اصل روایت اور حضرت ذکوانؒ کی موضوع اور جعلی روایت ہے یا پھر ذُکِر و رُوِی وغیرہ الفاظ سے بغیر کسی سند کے اس کا ذکر ہے پھر کسی کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ سایہ کی سنداً صحیح روایات سامنے آنے کے بعد ان بے سر و پا روایات پر اس مسئلہ کی بنیاد رکھے چونکہ سایہ نہ ہونے کی روایات بالکل بے اصل ہیں یہی وجہ ہے کہ مولانا تھانویؒ (وغیرہ) محتاط علماء اس حدیث کی صحت کی ذمہ داری نہیں اٹھاتے اور فرماتے ہیں کہ یہ بات مشہور ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ اور حضرت مفتی عزیزالرحمٰن صاحبؒ نے سایہ ہونے والی روایت کی خوب تردید بھی کی ہے مگر مؤلف مذکور شیر مادر سمجھ کر اس کو بالکل پی گئے ہیں اور اصول کافی جس پر بقول شیعہ حضرات کے امام مہدی نے دستخط اور تصدیق ثبت فرمائی اور فرمایا ہذا کاف لشیعتنا کہ یہ کتاب ہمارے شیعہ کے لئے کافی ہے اور اسی کتاب سے تنقید متین میں باحوالہ یہ عرض کیا گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا تنقید متین میں یہ کہا ہے کہ اصل میں سایہ نہ ہونے کا مسئلہ شیعہ کا ہے اگر سایہ ہونے کی صحیح روایات موجود نہ ہوتیں اور پھر ہم ان اکابر کی نقول کی مخالفت کرتے تو ہم قصوروار ہوتے لیکن سایہ ہونے کی صحیح روایات کی موجودگی میں ہم پر الزام کیسا؟ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ان اکابر کو وہ صحیح احادیث نہیں پہنچیں ورنہ صحیح حدیث کی مخالفت کون مسلمان گوارا کرتا ہے؟ اور چونکہ ہمارا استدلال لفظ بشر سے ہے جو قرآن کریم میں جابجا مذکور ہے اور سایہ ہونے کی صریح اور صحیح احادیث سے ہے اس لئے ہم یہی کہتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا عقیدہ یہی

ہونا چاہیئے کہ آپکا سایہ تھا اور جن حضرات تک صحیح روایات نہیں پہنچیں وہ معذور ہیں مگر جن کو علم ہوچکا وہ کسطرح معذور ہوسکتے ہیں؟

جن روایات سے سایہ ثابت ہے انکا جواب مولف مذکور تنقید متین میں مستدرک کے حوالہ سے پیش کردہ صحیح حدیث جس میں یہ الفاظ بھی ہیں حتّٰی رأیت ظلی و ظلکم فیھا کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں مولوی سرفراز صاحب نے حدیث کا ترجمہ اپنے فاسد عقیدہ کی وجہ سے غلط کیا ہے کہ میں نے اس آگ کی روشنی میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ حالانکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ یہاں تک کہ میں نے آگ میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا (حاشیہ محصلہ) اور حدیث کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حدیث مبارک سبعۃ یظلھم اللہ بظلہ اور یوم لا ظل الا ظلہ کیا اللہ تعالیٰ کا بھی سایہ ہے العیاذ باللہ لہٰذا ظل اپنی حقیقت پر محمول نہیں کیونکہ دوزخ کی آگ دنیاوی آگ کی طرح روشن نہیں ہوتی جیسا کہ آپ نے کمزور مطالعہ سے سمجھا ہے مشکوٰۃ شریف باب صفۃ النار فصل ثانی کی پہلی حدیث میں ہے فھی سوداء مظلمۃ جہنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے لہٰذا حدیث کے ترجمہ میں اپنی طرف سے آگ کی روشنی بڑھانا مولوی سرفراز صاحب کی علمی بے مائیگی کے سوا کچھ نہیں کیونکہ جہنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے وہاں روشنی کا کیا کام؟ یہاں ظل کا لفظ اپنی اصل پر محمول نہیں ایک تو اس لئے کہ آپ نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا دوسرا اس لئے کہ جہنم میں سایہ دکھائی دینا معقول نہیں ہے اور ظل مجازی طور پر شخص کے معنیٰ میں آتا ہے۔ معالم التنزیل میں ہے وقیل ظلالھم ای اشخاصھم پس معنی حدیث یہ ہے کہ میں نے جہنم کو دیکھا اور اس میں اپنے اور تمہارے اشخاص کو دیکھا یعنی آپ کے وصال کے بعد امت فتنوں میں مبتلا ہوگی اور جہنم میں دیکھنے کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ خود کو یا صحابہ کو جہنم کے قریب یا اس کے کنارے دیکھا اور اگر خود جہنم میں دیکھنا بھی وارد ہو وہ تنقیص شان کا موجب نہیں کیونکہ جہنم میں ہونا صرف کفار کے لئے موجب عذاب و اہانت ہے ہر ایک کے لئے نہیں ورنہ خزنۃ جہنم بھی تو جہنم میں موجود ہیں وما منکم الا واردھا وان منکم الا واردھا ہے۔ صفدر) کے تحت مفسرین کہتے ہیں کہ تمام مومنین کا جہنم سے گذر ہوگا مگر ان کے لئے یہ باعث نشاط و سرور ہوگا۔ (محصلہ ص ۱۸۳ تا ص ۱۸۵ توضیح البیان)۔

الجواب ۔ مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ کہا ہے مردود ہے اولاً اس لئے کہ عربی دان بحمد اللہ تعالیٰ بکثرت موجود ہیں کسی لائق عربی دان ثالث سے دریافت کرلیں کہ وعرضت علیّ النار فیما بینی وبینکم

حتیٰ رأیت ظلی وظلکم فیھا کا ترجمہ اور مطلب کیا ہے ؟ انشاء اللہ العزیز کوئی منصف مزاج عربی دان اس عبارت کا مطلب اور ترجمہ اس کے بغیر اور کچھ نہیں بیان کریگا کہ اور مجھ پر دوزخ بھی پیش کی گئی جو میرے اور تمہارے سامنے تھی یہاں تک کہ اس کی آگ کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا، او راگر مؤلف مذکور کا بیان کردہ معنیٰ ہی ہم بے لیں کہ میں نے آگ میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا تو پھر بھی ہمارا مدعیٰ واضح ہے اور اس ترجمہ سے مؤلف مذکور کو کوئی فائدہ نہیں جیسا کہ کسی بھی ذی علم اور صاحب بصیرت سے یہ بات مخفی نہیں ہے۔ وثانیاً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم نہیں گو لطیف ہی سہی اس لئے اس کا سایہ عقلاً بھی نہیں ہو سکتا بخلاف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کہ آپ کا جسم مبارک تھا گو لطیف سہی چنانچہ خانصاحب بریلی لکھتے ہیں کہ۔ وہ بشر ہیں مگر عالم علوی سے لاکھ درجہ اشرف اور جسم انسانی رکھتے ہیں مگر ارواح و ملائکہ سے ہزار جگہ الطف اھ (نفی الفئ صنا) اور جسم۔ بشر۔ آدمی اور انسان کا سایہ ہونا عقل کے عین مطابق ہے اور صحیح حدیث سے ثابت بھی ہے کما مرّ اس لئے بظلہ اور الا ظلہ سے حقیقت مراد نہیں بلکہ مجاز مراد ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ مراد ہے کیونکہ عرش بھی جسم ہے اور اس کا سایہ ہے اور الجامع الصغیر ج۱ ص۲۱ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں سبعۃ یظلہم اللہ تحت ظل عرشہ یوم لا ظل الا ظلہ الحدیث وقال حسن اور السراج المنیر ج۲ ص۳۳۹ میں ہے۔ باسناد حسن۔ اس مرفوع صریح اور حسن حدیث سے واضح ہو گیا کہ ظل اللہ سے (بحذف مضاف) ظل عرش مراد ہے اور ایک اور حدیث میں ویظلل علیہم الغمام الحدیث کے الفاظ آتے ہیں موارد الظمآن ص۶۴۱ یعنی کچھ مؤمن قیامت کے دن بادل کے سایہ کے نیچے ہوں گے وثانیاً بلاشبہ خزنہ جہنم یا ایک تفسیر کے رُو سے مؤمنین کا دوزخ میں سے ہو کر گذرنا حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوزخ میں سیر وسیاحت کے طور پر داخل ہونا کسی تنقیص کا موجب نہیں کیونکہ یہ داخلہ بطور سزا وعذاب کے نہیں بلکہ بطور سیر وسیاحت یا عبور اور انتظامی اُمور کے تحت ہے اور اس میں شرعاً اور عقلاً کوئی خرابی نہیں مگر نہ تو اس توجیہ کی یہاں ضرورت ہے اور نہ گنجائش کیونکہ اسی حدیث میں تصریح موجود ہے کہ آپ دوزخ میں داخل نہیں ہوئے بلکہ دوزخ آپ کے سامنے پیش کی گئی اور آپ نے اس کو اپنے اور اپنے حضرات صحابہ کرامؓ کے سامنے دیکھا اور اس کی روشنی میں اپنا سایہ بھی دیکھا اور حضرات صحابہ کرامؓ کا سایہ بھی دیکھا اور آپ نے ان پر شفقت کرتے ہوئے ان کو پیچھے ہٹنے کا حکم بھی دیا الخ یہ تمام مفہوم اس کو واضح کرتا ہے کہ آپ دوزخ کے اندر داخل

نہیں ہوئے اور ایک اور روایت اس کی مزید تائید کرتی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم کتاب الکسوف کی ایک روایت میں آتا ہے (اور اس موقع پر بھی آپ پر جنت اور دوزخ پیش کی گئی تھی) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

لقد جئی بالنار وذلکم حین رأیتمونی تاخرت مخافۃ ان یصیبنی من لفحها الحدیث (مسلم ج ۱ ص ۲۹۸)

بہ تحقیق دوزخ لائی گئی اور یہ اس وقت جب تم نے مجھے دیکھا کہ میں پیچھے ہٹا اس ڈر کے مارے کہ کہیں آگ کے شعلے مجھے تکلیف نہ دیں۔

الحدیث یفسر بعضہ بعضاً کے قاعدہ کے مطابق اس صحیح حدیث سے بالکل واضح ہو گیا کہ آپ دوزخ میں داخل نہیں ہوئے لہٰذا مؤلف مذکور کا اس توجیہ کے لئے چکر کاٹنا بالکل لاحاصل ہے وثانیاً اگرچہ لفظ ظل مجازی طور پر ذات اور شخص کے معنیٰ کے لئے آتا ہے لیکن مجاز کی وہاں ضرورت پیش آتی ہے جہاں حقیقت ناممکن یا متعذر ہو اور یہاں ایسا نہیں پھر بلا دلیل مجاز مراد لینے کی کیا حاجت ہے؟۔

یہ بھی یاد رہے کہ نحوی طور پر ضمائر ذوات پر دال ہیں یہاں ظلی میں حرف یا ضمیر متکلم ہے جو ذات اور شخص پر دلالت کرتی ہے اسی طرح وظلکم میں لفظ کم ضمیر مخاطب ہے جو ذات پر دال ہے اور اگر یہاں ظل سے مراد بھی ذات اور شخص ہو تو اضافۃ الشئی الی نفسہ لازم آتی ہے جو درست نہیں یہی وجہ ہے کہ معالم التنزیل وغیرہ میں اس تفسیر اور توجیہ کو لفظ قیل سے تعبیر کیا ہے جو عموماً ضعف اور کمزوری پر دلالت کرتا ہے کیونکہ وہاں بھی وظلالہم میں ضمیر ہُم مضاف الیہ موجود ہے تو اس لحاظ سے اضافۃ الشئی الی نفسہ لازم آتی ہے اور یہ ضعیف و کمزور توجیہ ہے ورابعاً مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ مولوی سرفراز صاحب نے اپنے کمزور مطالعہ اور علمی بے مائیگی کے تحت مشکوٰۃ شریف باب صفۃ النار باب ثانی کی پہلی حدیث نہیں دیکھی جس میں آتا ہے فہی سوداء مظلمۃ کہ جہنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے لہٰذا اپنی طرف سے آگ کی روشنی کا لفظ بڑھانا علمی بے مائیگی ہے کیونکہ جہنم کی آگ سیاہ ہے وہاں روشنی کا کیا کام؟ لیکن یہ سب کچھ مؤلف مذکور کی نری جہالت ہے ایک تو اس لئے کہ یہ حدیث ترمذی میں مذکور ہے اس کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وحدیث ابی هریرة هذا موقوف اصح ولا اعلم احداً رفعه غیر یحیی ابن ابی بکیر

کہ صحیح تر بات یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت موقوف ہے مجھے معلوم نہیں کہ یحییٰ ابن ابی بکیر کے علاوہ

عن شریک (ترمذی ج۲ ص۵۳) کسی اور نے اس کو شریکؒ سے مرفوع بیان کیا ہو۔

نیز اس میں جو راوی شریکؒ ہیں وہ باوجود ثقہ ہونے حدیث میں غلطی کر جاتے تھے امام ابراہیم بن سعید الجوہریؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے چار سو حدیث میں غلطی کی ہے۔ اور امام ازدیؒ فرماتے ہیں کہ وہ سیئی الحفظ کثیر الوہم اور مضطرب الحدیث تھے (محصلہ تہذیب التہذیب ج۴ ص۳۳۶ و ص۳۳۷) غرضیکہ یہ روایت نہ تو مرفوع ہے اور نہ اصول حدیث کے لحاظ سے صحیح ہے لہٰذا اس پر جواب کی بنیاد رکھنا درست نہیں ہے اور دوسرے اس لئے کہ جہنم کے مختلف طبقات ہیں وہاں آگ بھی ہے اور زمہریر بھی ہے اور اسی طرح طبقہ اور طبقہ اور آگ اور آگ کا فرق اور تفاوت ہے اور حدیث قالت النار رب اکل بعضی بعضا الحدیث (مسلم ج۱ ص۲۲۴) اس کی واضح دلیل ہے اگر کسی طبقہ کی آگ سوداء مظلمۃ ہو اور کسی طبقہ کی روشن ہو تو اس میں کیا اشکال ہے؟ جب کہ قرآن کریم میں ناراً ذات لہب کا ذکر ہے کہ آگ شعلوں والی۔ خانصاحب نارحامیۃ کا معنی کرتے ہیں آگ شعلے مارتی۔ اور ناراً ذات لہب کا ترجمہ کرتے ہیں لپٹ مارتی آگ اور ابھی صحیح مسلم کی روایت لفح کا لفظ جس کے معنی شعلہ کے ہوتے ہیں بیان ہوچکا ہے اندریں حالات جہنم کی آگ کے شعلوں کا اور اس کی روشنی کا انکار کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ صراح ص۵۴ میں لہب کا معنیٰ زبانہ آتش یعنی آگ کا شعلہ کیا ہے۔

سایہ کی دوسری حدیث ہم نے تنقید متین میں حضرت زینبؓ کی حدیث نقل کی تھی جس میں آپ کے سایہ کی تصریح موجود ہے اصل عبارت وہاں ہی ملاحظہ کرلیں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے مؤلف مذکور لکھتے ہیں۔ اس حدیث میں بھی ظل سے مراد شخص ہے کیونکہ ہم پہلے دلائل سے ثابت کرچکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا اس لئے ہمارے نزدیک اس حدیث میں بھی ظل شخص کے معنیٰ پر محمول ہے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے (ص۱۸۵ و ص۱۸۶)

الجواب - مؤلف مذکور کا یہ جواب بھی سراسر باطل ہے اولاً اس لئے کہ اس میں بھی اضافۃ الشئی الی نفسہ لازم آتی ہے وثانیاً اس لئے کہ مسند احمد اور مجمع الزوائد کی حدیث کے الفاظ اس باطل تاویل بلکہ تحریف کی بیخ کنی کرتے ہیں۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

فلما کان شہر ربیع الاول دخل علیہا فرأت ظلہ فقالت ان ھذا الظل رجل

یعنی جب ربیع الاوّل کا مہینہ آیا تو آپؐ انکے پاس گئے انھوں نے آپؐ کا سایہ دیکھا، تو فرمانے لگیں

؛ ما يدخل على النبي صلى الله عليه وسلم فمن هذا؟ فدخل النبي صلى الله عليه وسلم (مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۶ و مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۲۱)

کہ یہ سایہ تو مرد کا ہے؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو میرے پاس آتے نہیں تو یہ کون ہے اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہو گئے۔

اگر سایہ سے مراد آپ کی ذات اور شخص ہے جیسا کہ مؤلف مذکور کا بے بنیاد دعویٰ ہے تو کیا حضرت زینبؓ نے آپ کی ذات اور شخص کو دیکھ کر بھی نہ پہچانا اور حیرت کا اظہار کرنے لگیں کہ کون ہے؟ سایہ میں تو اشتباہ ہو سکتا ہے لیکن نفس شخصیت میں کیا اشتباہ تھا جس پر ان کو حیرت ہوئی؟ اور حدیث کے آخر کے الفاظ مزید وضاحت کرتے ہیں فدخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم. کہ سایہ پہلے نظر آیا اور آپ بعد کو داخل ہوئے اور مؤلف مذکور کی تحریف کے پیش نظر یہ مطلب ہوگا کہ آپ کا شخص اور وجود پہلے نظر آیا اور داخل ہوا اس کے بعد آپ داخل ہوئے کیا ایسے مہمل اور بے سرو پا معانی سے شریعت اور حدیث کا مذاق نہیں اڑایا جا رہا؟ معاذ اللہ تعالیٰ وثالثاً نصوص قطعیہ۔ احادیث متواترہ اور اجماع سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر تھے اور بشر کا سایہ ایک لازم امر ہے بخلاف آپ کے نور ہونے کے کہ کسی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت دلیل سے آپ کا نور ہونا ثابت نہیں ہے اگر ایک تفسیر کے رُو سے نور سے آپ کا نور ہونا ثابت ہے تو وہ صرف ایک احتمال کے درجہ میں ہے اس کو قطعیت ہرگز حاصل نہیں پھر یہ نور آپ کی صفت ہے نہ کہ ذات کیونکہ ذات آپ کی بہرحال بشر ہے اور آپکا سایہ یقیناً تھا۔

بادل کا سایہ تنقید متین میں شیعہ کی مشہور کتاب الکافی کے حوالہ سے یہ بات نقل کی گئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور اس کی تشریح میں شیعی عالم خلیل قزوینی کی الصافی سے یہ تاویل نقل کی گئی تھی کہ آپ کا سایہ نہ تھا یعنی ہمیشہ بادل آپ کے درمیان اور سورج کی ٹکیا کے درمیان حائل رہتا تھا: اس کے رد میں تنقید متین میں یہ لکھا گیا تھا کہ سایہ نہ ہونے کی نفی سے خلیل قزوینی بھی مطمئن نہیں ہیں اور وہ اس کی تاویل کرنے پر مجبور ہیں کہ سایہ نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ بادل سایہ فگن ہوتا تھا اس کی تردید میں ہم نے یہ لکھا تھا کہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ ہمیشہ آپ کے سر مبارک پر بادل کا سایہ رہتا تھا اور پھر بخاری کے حوالہ سے ہم نے صحیح حدیث نقل کی کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت کر کے قبا پہنچے اور سورج کی گرمی آپ کو ستانے لگی تو حضرت ابوبکرؓ نے اٹھ کر چادر کا سایہ آپ پر کیا اگر بادل کا سایہ ہمیشہ رہتا تو چادر کے سایہ کی کیا ضرورت تھی (الفاظ یہ ہیں اس

صحیح اور صریح روایت سے معلوم ہوا کہ آپؐ کے اور سورج کے درمیان ہمیشہ ابر حائل نہیں ہوتا تھا الخ (محصلہ)
اس کے جواب میں مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ ذریت دیوبند کے معنوی جد امجد شاہ ولی اللہ انفاس العارفین ص۴۰ میں اپنے والد شاہ عبد الرحیم کے حالات میں لکھتے ہیں کہ ان کو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بال مبارک دیئے تین شخصوں نے اس کا انکار کیا کہ آپ کے بال مبارک ہوں۔ چنانچہ جب مناظرہ طوالت کو پہنچا ان بالوں کو دھوپ میں لے گئے اسی وقت بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا حالانکہ سورج خوب گرم تھا ایک نے توبہ کر لی دو بولے یہ اتفاقی امر ہے دوسری مرتبہ پھر دھوپ میں لے گئے پھر بادل آگیا دوسرا بھی تائب ہو گیا تیسرا بولا یہ اتفاقی امر ہے پھر تیسری مرتبہ پھر ابر ظاہر ہوا اور تیسرا منکر بھی تائب ہو گیا (محصلہ) پھر تفسیر عزیزی ص۲۱۸ پ۳۰ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ہمیشہ ابر در وقت تمازت گرما بر ایشاں سایہ می داشت
پھر مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ کیا یہ دونوں بزرگ جن کی عبارتوں سے آپ نے اندھا دھند اپنی کتابوں میں استشہاد کیا ہے بادل کا سایہ مان کر شیعہ ہو گئے ہیں؟ اگر وہ سُنی رہے تو کیا آپ اپنے قول سے رجوع کریں گے کہ بادل کا سایہ کرنا شیعہ کا مسئلہ ہے (محصلہ توضیح البیان ص۱۸۶ و ص۱۸۷)

الجواب مصیبت یہ ہے کہ مؤلف مذکور کو صحیح بات سمجھنے کا سلیقہ ہی حاصل نہیں ہے ہم نے یہ نہیں کہا کہ بادل کا سایہ ماننے سے یا ہمیشہ بادل کا سایہ ماننے سے آدمی شیعہ ہو جاتا ہے ہم نے یہ کہا ہے کہ ہمیشہ بادل کے سایہ ہونے کا ثبوت نہیں بلکہ بخاری شریف کی روایت ہمیشگی کی نفی کرتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کے سایہ نہ ہونے کی روایت جو الکافی میں ہے اس سے شیعہ عالم علامہ قزوینی بھی مطمئن نہیں اور وہ تاویل کرنے پر مجبور ہیں احیاناً بطور معجزہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بادل کے سایہ کے ہم منکر نہیں ہیں بلکہ اس کے قائل ہیں چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے۔

فرفعت رأسی فاذا انا بسحابۃ قد اظلتنی فنظرت فاذا فیہا جبرائیل الحدیث (بخاری ج۱ ص۴۵۸)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے سر اٹھایا تو میں نے بادل دیکھا جس نے مجھ پر سایہ کیا ہوا تھا میں نے دیکھا تو اس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔

مؤلف مذکور کا اخلاقی اور علمی فرض تھا کہ وہ ہماری طرف سے صحیح بخاری کی پیش کردہ حدیث کا صحیح جواب دیتے یا اس کا معقول محمل بیان کرتے مگر وہ ایسا نہ کر سکے جس سے ان کی درماندگی بالکل

عیاں ہے ضرورت تو نہیں مگر ہم چند صحیح احادیث اور پیش کرتے ہیں جن سے یہ بات واضح سے واضح تر ہو جاتی ہے کہ آپ پر ہمیشہ بادل سایہ نہیں کرتا تھا۔

(۱) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ نجد میں شریک تھے دوپہر کے وقت قیلولہ کا وقت آگیا اور میدان میں بکثرت جھاڑیاں تھیں فنزل تحت شجرۃ واستظل بھا الحدیث (بخاری ج۲ ص۵۹۳) آپ ایک درخت کے نیچے اس کے سایہ میں آرام کے لئے اُترے

(۲) ہجرت کی طویل حدیث میں حضرت ابوبکرؓ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ راستہ میں ہمیں ایک چٹان نظر آئی جب ہم اس کے پاس پہنچے۔

ولها شئ من ظل قال ففرشت لرسول	تو اس کا کچھ سایہ تھا میں نے (اس کے سایہ میں)
الله صلی الله علیه وسلم فروة الحدیث	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پوستین بچھائی۔

(بخاری ج۱ ص۵۵۰)

ظاہر امر ہے کہ اگر ہمیشہ بادل آپ پر سایہ کرتا تو چٹان کا سایہ تلاش کرنے کی اور اس کے سایہ میں آرام کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جعرانہ کے مقام میں تھے آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی وعلیه ثوب قد اُظِلَّ به الحدیث (بخاری ج۱ ص۲۰۸ و ج۲ ص۶۱۳) اور آپ پر کپڑے کا سایہ کیا ہوا تھا۔ یہ حدیث بھی اپنے مدلول کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔ غرضیکہ صحیح بخاری کی یہ صریح روایات اس امر کو بالکل آشکارا کرتی ہیں کہ ہمیشہ آپ پر بادل سایہ نہیں کرتا تھا اگر ہمیشہ آپ کے موئے مبارک کے لئے بادل امڈ امڈ کر آتے تھے اور آسکتے ہیں تو جہاں آپ بنفس نفیس خود تشریف فرما تھے وہاں بادل ہمیشہ کیوں نہ آئے اور حضرت ابوبکرؓ اور دیگر حضرات کو چادر اور کپڑا تان کر سورج کی تمازت اور حرارت سے آپ کو محفوظ رکھنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ اور کیوں آئی؟ صحیح احادیث کو ترک کرنا اور غیر معصوم حضرات کی بے سند باتوں اور اقوال وعبارات پر دین کے مسائل کی بنیاد رکھنا دین کی کونسی خدمت ہے؟ بے شک ہم ان حضرات کی عبارات کو پیش کرتے ہیں لیکن صرف وہاں جہاں کسی مسئلہ پر قرآن وحدیث سے روشنی نہ پڑتی ہو یا ان کی عبارات سے قرآن وحدیث کی مزید تفسیر اور تشریح ہوتی ہو ہم نے قصداً وارادۃً ان کی عبارات کو قرآن وحدیث کے مقابلہ میں ہرگز نہیں پیش کیا۔

اور نہ اس کو جائز سمجھتے ہیں ۔

علاوہ ازیں اگر بطور معجزہ خرق عادت کے طور پر آپؐ کے موئے مبارک پر بادل کسی موقع پر آگیا تھا تو اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ یہ سایہ ہمیشہ رہتا تھا جب کہ مطلوب یہی ہے۔

بادل اور فرشتوں کے سایہ کی روایات

مؤلف مذکور کا جواب تو باحوالہ ہو چکا ہے اب ہم قارئین کرام کے سامنے بعض ایسی روایات عرض کرتے ہیں جن سے بادل اور فرشتوں کے سایہ کا ثبوت ملتا ہے اور پھر ان پر کچھ ضروری تنقید بھی عرض کرتے ہیں تاکہ عوام الناس بھی بخوبی اصل حقیقت سے آگاہ ہو سکیں

(۱) مستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۱۶ اور سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۸۱ میں ایک طویل حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کے سفر میں تھے اور اونٹ چرا رہے تھے

وعلیه غمامة تظله الحدیث	تو آپ پر بادل سایہ کئے ہوئے تھا۔

امام حاکمؒ جو تشیع کی طرف مائل تھے (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۳) اس حدیث کو علی شرط الشیخین صحیح کہتے ہیں لیکن نقاد فن حدیث امام اہل السنت والجماعت علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں۔

قلت اظنه موضوعا فبعضه باطل۔	میں کہتا ہوں کہ میں اس کو موضوع خیال کرتا ہوں
(تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۲۱۵)	اور اس کا بعض حصہ تو بالکل باطل ہے۔

اور ابن ہشامؒ یہ روایت محمد بن اسحاق کے حوالہ سے نقل کر رہے ہیں اور محمد بن اسحاق کذاب اور دجال راوی تھا لہٰذا ایسی روایت پر اُن صحیح اور صریح احادیث کے مقابلہ میں کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ الصحیح البخاری میں موجود ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔

علامہ قسطلانیؒ نے اور ان کی تائید میں علامہ زرقانیؒ نے بادل اور فرشتہ کے سایہ کرنے کی روایت اور چادر وغیرہ سے سایہ کرنے کی روایت میں یوں تطبیق دی ہے چنانچہ پہلے علامہ قسطلانیؒ نے وہ روایت نقل کی ہے جس میں حضرت ابو بکرؓ کے ہجرت کے سفر میں آپؐ پر سایہ کرنے کا ہم بخاری کے حوالہ سے ذکر کر چکے ہیں پھر ارشاد فرماتے ہیں۔

وظاهر هذا انه علیه الصلوٰة والسلام	کہ اس روایت سے بالکل عیاں ہے کہ آنحضرت صلی
کانت تصیبه الشمس وما تقدم من	اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سورج لگتا تھا اور جو روایتیں
تظلیل الغمام والملك کان قبل بعثته	پہلے گذر چکی ہیں کہ آپ پر بادل اور فرشتہ سایہ کرتا تھا تو

کما ھو صریح فی موضعہ فلا ینافی ما ھنا (مواھب اللدنیہ مع شرح الزرقانی ج ۱ ص ۲۵۱) — وہ بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے جیسا کہ اپنی جگہ وہ صریح ہے سو وہ اس کے منافی نہیں ہے۔

لیکن اس کاوش کی یہاں بالکل ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ تطبیق کی حاجت وہاں پیش آتی ہے جہاں سند کے لحاظ سے دونوں حدیثیں صحیح ہوں اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ بخاری شریف کی روایات بالکل صحیح ہیں اور دوسری مد کی روایات ہیں ایک کو علامہ ذہبیؒ موضوع کہتے ہیں اور دوسری میں واقدی جیسا کذاب راوی موجود ہے اور تیسری میں محمد بن اسحاق جیسا کذاب اور دجال راوی موجود ہے تو اندریں حالات تطبیق کی قطعاً کوئی حاجت نہیں ہے اور بخاری شریف کی جس روایت سے بادل کا سایہ کرنا ثابت ہے وہ بطور معجزہ صرف ایک ہی مرتبہ ہے نہ کہ ہمیشہ جب کہ نزاع اور اختلاف ہمیشہ کے سایہ میں ہے۔

(۲) جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حلیمہؓ کے پاس تھے تو اُس وقت آپ کی رضاعی بہن نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بادل سایہ کئے تھے جدھر کو آپ جاتے بادل بھی ساتھ چلتے جہاں آپ رکتے بادل بھی رک جاتے (محصلہ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۔) لیکن اس کی سند میں واقدی ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ امام احمدؒ امام ابن المبارکؒ امام ابن نمیرؒ اور امام اسمٰعیلؒ بن زکریاؒ سب نے اس سے روایت ترک کر دی تھی اور امام احمدؒ نے اس کو کذاب بھی کہا (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۶۴)۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کتب الواقدی کلہا کذب (ایضاً ص ۳۶۶) کہ واقدی کی کتابیں جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ امام بندارؒ فرماتے کہ میں نے ان سے بڑا جھوٹا کوئی اور نہیں دیکھا اور امام اسحاقؒ بن راہویہؒ فرماتے ہیں کہ وہ میرے نزدیک جعلی حدیثیں بنایا کرتا ہے۔ (ایضاً ص ۳۶۷) اور امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ کذاب ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جھوٹی حدیثیں بنانے میں مشہور ہیں ان میں ایک واقدی بھی ہے (ایضاً ص ۳۶۶)

(۳) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ کے ساتھ شام کے سفر پر نکلے تو میسرہ نے دیکھا کہ دوپہر کی سخت گرمی میں دو فرشتے آپ پر سایہ کئے ہوئے ہیں جب کہ آپ اپنے اونٹ پر سوار تھے (محصلہ دلائل النبوۃ لابی نعیم اصبہانیؒ ص ۱۳۴) لیکن اس کی سند میں بھی وہی محمد بن عمر الواقدی ہے (دیکھئے دلائل النبوۃ ص ۱۳۱) جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

(۴) مواہب اللدنیہ مع شرح الزرقانی ج ۱ ص ۱۹۹ وخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۹۱ للسیوطیؒ وغیرہ میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اونٹ پر سوار دیکھا اور نیز دیکھا کہ آپ پر دو فرشتے سایہ کئے ہوئے ہیں (محصلہ) امام سیوطیؒ اس کو ابونعیمؒ وغیرہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں اور دلائل النبوۃ ابونعیمؒ کی سند میں الواقدی ہے اور علامہ زرقانیؒ اس واقعہ کے شروع میں فرماتے ہیں کما رواہ الواقدی الخ (شرح المواہب للزرقانی ج ۱ ص ۱۹۷) تو اس لحاظ سے اس سند کا مدار بھی واقدی پر ہے۔

یہ روایت طبقات ابن سعد اور ابن عساکر (وغیرہ) میں بھی ہے لیکن ان تمام کی سند میں واقدی ہے (سیرت النبی ج ۳ ص ۶۵۷ از سید سلیمان ندویؒ) الغرض ہمیشہ بادل یا فرشتوں کے سایہ کی کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔ صحیح روایت صرف وہی ہے جو بخاری شریف کے حوالہ سے پہلے عرض کی جا چکی ہے جس کا وقوع صرف ایک ہی دفعہ ہوا تھا اور وہ بھی آپؐ کے معجزہ کے طور پر اب فیصلہ خود قارئین کرام کریں کہ کیا ان صحیح احادیث پر اعتماد کرنا جن سے صراحت کے ساتھ آپؐ کا سایہ ثابت ہے مذہب اسلام کی روح کے مطابق ہے؟ یا کذاب اور وضاع راوی کی روایت اور اسی طرح کی دیگر بے سروپا روایات کو جبکہ واضح طور پر ان کی اسانید بھی سامنے آجائیں لینا دین کی خدمت اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت ہے؟ اور نیز یہ کہ کیا بخاری شریف کی صحیح روایات جن سے آپؐ پر چٹان درخت اور کپڑے کا سایہ کرنا صراحۃً ثابت ہے قابلِ اعتبار ہیں؟ یا فرشتوں یا بادل کے آپؐ پر ہمیشہ سایہ کرنے کی بے اصل اور واقدی جیسے کذاب اور وضاع کی بے حقیقت روایات قابلِ اخذ ہیں؟ کیا ان کو لینا اس کا مصداق نہیں کہ ؎

حقیقت خرافات میں کھو گئی ۔۔۔ یہ امت روایات میں کھو گئی

اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت سمجھ اور راہ سنت پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین ثم آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝

احقر الناس ابوالزاہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ و صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
۱۶ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ - ۱۱ فروری ۱۹۸۲ء

قرآن کریم کے لفظی تراجم میں دنیا بھر میں

غلط ترجمہ کنزالایمان ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

اما بعد :

الحمد للہ تعالیٰ کہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی لفظی معنوی ۔ لب و لہجہ و رسم الخط وغیرہ کی ہر طرح سے حفاظت کی ہے اور دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قطعاً عاجز اور سراسر قاصر ہے مگر صد افسوس کہ پہلے ہندوستان میں اور اب پاکستان میں ایک غلط ترجمہ اور تفسیر شائع ہوئی تھی۔ جس کے سلسلہ میں راقم اثیم نے انفرادی طور پر قرآن کریم کو تحریف سے بچانے کے لیے دیانۃً یہ کوشش شروع کی تھی اور مسلمانانِ پاکستان کی طرف سے یہ فرض کفایہ ادا کیا کہ بریلوی حضرات کے اعلحضرت مولانا احمد رضا خانصاحب کے ترجمہ میں بنیادی غلطیاں ہیں جو اسلام کی تعلیم اور اسلام کی روح کے سراسر خلاف ہیں خانصاحب نے محض اپنی ذہانت کے بل بوتے پر لفظی ترجمہ میں اپنے مشرکانہ اور مبتدعانہ عقیدے بجبر گھسیٹرے ہیں تاکہ عام اردو خوان جو عربی سے بالکل ناواقف ہیں یہ باور کرلیں کہ بریلوی عقائد تو قرآن کریم کے تحت اللفظ ترجمہ سے ثابت ہیں تو پھر ان کے حق اور صحیح ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے اور آنے والی نسلیں بھی اس غلط ترجمہ کو صحیح سمجھ کر بریلوی مسلک اختیار کریں اور اس کی مختصر سی تفسیر ان کے لائق شاگرد اور فریق مخالف کے مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے لکھی اور اپنے استاد اعلحضرت کے ترجمہ کو اپنی لیاقت کے زور سے صحیح ثابت کیا اور شرک و بدعت کی مروجہ کوئی شق ایسی نہیں جس پر انہوں نے بزعم خویش سیر حاصل بحث نہ کی ہو یا اس کے بزور اثبات میں کوئی ادنیٰ سی کسر بھی چھوڑی ہو راقم اثیم نے بعض بزرگوں کے توجہ دلانے سے باوجود انتہائی عدیم الفرصت ہونے کے چند اغلاط کی مع ضروری تشریح کے تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین میں نشاندھی کی جس کے تھوڑے ہی عرصہ میں دو ایڈیشن نکل گئے اور علماء اور عام اہل حق نے اس کی

بہت قدر کی اس پر لاہور کے ایک مولوی صاحب نے تنقید کی اور توضیح البیان نامی کتاب لکھ ماری اور اپنے دونوں پیشرو بزرگوں کی خالص مشرکانہ اور مبتدعانہ باتوں کے اثبات کے لیے کمر باندھ لی اور معضوب الغضب ہو کر بے شعوری میں کچھ کا کچھ لکھ مارا ہے باوجود عدیم الفرصتی کے اس کا رد بھی راقم اثیم نے بفضلہ تعالیٰ شروع کر دیا اور اتمام البرہان کا پہلا حصہ طبع ہو گیا ہے، دوسرا اور تیسرا اب انشاء اللہ العزیز طبع ہو رہا ہے بقیہ حصے زیر ترتیب ہیں۔ ہم نے تو انفرادی طور پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنا فریضہ ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

رابطہ عالم اسلامی اور متحدہ عرب امارات کا جرأت مندانہ اجتماعی فیصلہ

یہ غلط ترجمہ اور من مانی تفسیر جب عرب ممالک میں بھی پہنچی تو انہوں نے اس سلسلہ میں سخت گرفت کی چنانچہ مدینہ یونیورسٹی کے پرنسپل الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز نے اپنے بیان میں فرمایا۔

هذه الترجمة الاردية لمعاني القرآن الكريم مليئة بالاكاذيب والبدع والشرك مكة المكرمة كان سماحة الشيخ عبد العزيز بن عبد الله بن باز الرئيس العام لادارات البحوث العلمية والافتاء والدعوة والارشاد قد حذر من ترجمة معاني القرآن الكريم باللغة الاردية لاحمد رضا خان وبهامشها تفسير محمد نعيم الدين مراد آبادي لما اشتملت عليه من مخالفات جوهرية مليئة بالاكاذيب لنص القرآن الكريم مثل الانكار ان يكون الانبياء من البشر كما ان الترجمة	قرآن کریم کے معانی کے سلسلہ میں اردو کا یہ ترجمہ جھوٹ بدعات اور شرک سے پُر ہے۔ مکہ مکرمہ۔ محترم جناب شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز نے جو بحوث علمیہ افتاء دعوت (الی الدین) اور ارشاد و راہنمائی کے اداروں کے رئیس اور انچارج ہیں لوگوں کو آگاہ کیا ہے کہ قرآن کریم کے معانی کے سلسلہ میں احمد رضا خان کا اردو ترجمہ جس کے حاشیہ پر محمد نعیم (الدین) مراد آبادی کی تفسیر ہے بنیادی مخالفات اور غلطیوں پر مشتمل ہے جس سے قرآن کریم کی نص کی تکذیب ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کا انکار (وغیرہ) جیسا کہ یہ ترجمہ شرک و بدعات اور آراء باطلہ سے پُر ہے۔ مثلاً حضرات انبیاء کرام

ملیئة بالشرك والبدع والآراء
الباطلة كالاستعانة بالانبیاء والاولیاء
والتوسل بهم وكذلك الدعوة الى اقامة
الموالد للانبیاء والصالحین وتقدیم
الاطعمة الى قبورهم هذا وقدقامت
الامانة العامة لرابطة العالم
الاسلامی باصدار تعمیم لفتت فیه
نظر المسلمین فی العالم الی خطورة هذه
الترجمة وماتشمله من اكاذیب
وخرافات وبدع وطلبت الی المعاهد
والمراكز الاسلامیة والعربیة
وكافة المسئولین ملاحظة مایوجد
فی هذه النسخ واحراقها حفظاً علی
كلام الله عزوجل من التحریف ۔
والترجمة المحرفة قامت بطبعها شركة
تاج المحدود (تاج کمپنی لمٹید) لاهور ۔
(دولة الامارات العربیة المتحدة
وزارة العدل والشئون الاسلامیة
والاوقاف تلفون ۸۲۷۲۰۰
ص ۔ ب ۲۲۷۲ ابوظبی)

واولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے مدد مانگنا اور ان سے توسل (غیر مشروع ۔ مرتب) کرنا اور حضرات انبیاء واولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ایام میلاد منانے کی دعوت دینا اور ان کی قبور تک کھانے لے جانا (وغیرہ) رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹریٹ کی طرف سے تمام جہاں کے مسلمانوں کی بالعموم نظر اس ترجمہ کی ممانعت کی طرف مبذول کرانے کے لیے یہ فریضہ ادا کیا گیا ہے کہ چونکہ یہ ترجمہ جھوٹ خرافات اور بدعات پر مشتمل ہے اور تمام مجالس (مذہبی مدارس اور مساجد وغیرہا) اور مراکز اسلامیہ اور عربیہ اور تمام (اہل اسلام) سے درخواست ہے کہ جہاں بھی اس ترجمہ کے نسخے ملیں اللہ تعالیٰ کے کلام کو تحریف سے بچانے کے لیے ان کو جلا دیا جائے اور یہ محرف ترجمہ تاج کمپنی لاہور سے طبع ہوا ہے۔

(دولت الامارات العربیۃ المتحدۃ وزارۃ
العدل والشئون الاسلامیۃ والاوقاف
ٹیلیفون ۸۲۷۲۰۰ ۔ صندوق بکس ۲۲۷۲
ابوظبی)

اس عبارت میں اس ترجمہ اور تفسیر کے متعلق جو رائے اور خیال ظاہر کیا گیا ہے وہ نفس الامر کے عین مطابق ہے تفصیل کا یہ موقع نہیں وہ آپ تنقید متین اور اتمام البرہان میں ملاحظہ فرمائیں۔

البتہ توسل کے متعلق مختصر سی گذارش ہے کہ توسل کی ایک قسم توسل بصالح الاعمال ہے اس کا امت میں سے کوئی بھی منکر نہیں ہے حتیٰ کہ حافظ ابن تیمیہؒ (المتوفی ۷۲۸ھ) جو عمومی توسل کے منکر ہیں اور ان کی کتاب القاعدۃ الجلیلۃ اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ وہ بھی یہ لکھتے ہیں کہ

اسئلك بنبيك محمد ای اسئالك بایمانی به وبمحبته الخ (القاعدۃ الجلیلۃ ص۴۵)

میں تجھ سے تیرے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کا یہ مطلب ہے کہ چونکہ میرا آپ پر ایمان ہے اور آپ سے محبت ہے لہذا ان کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں۔

اور تقریباً تمام صحیح العقیدہ لوگ توسل سے یہی مراد لیتے ہیں نہ وہ قسم جو شرک میں داخل ہے کیونکہ توسل کی بعض قسمیں خالص شرک ہیں اس کی مزید تحقیق تسکین الصدور میں دیکھیں لیکن بریلوی حضرات کے اعلحضرت مولانا احمد رضا خان صاحب اور ان کے اتباع توسل سے اکثر شرکیہ قسم ہی مراد لیتے ہیں، مثلاً وصف علم غیب ثابت کرکے اور حاضر و ناظر سمجھ کر ان سے مرادیں مانگنا اور یہ خالص شرک ہے اور الشیخ عبدالعزیزؒ کی عبارت میں جس توسل کا ذکر ہے وہ ایسا ہی ہے چنانچہ خانصاحب شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ کا حوالہ دیکر لکھتے ہیں، جو کوئی کسی نبی یا رسول یا ولی کا متوسل ہوگا ضرور ہے کہ وہ نبی و ولی اس کی مشکلوں کے وقت تشریف لائیں گے اور اس کی دستگیری فرمائیں گے (بلفظہٖ فتاویٰ افریقہ ص۱۲۰) ہماری طرف سے اس کا اتنا ہی جواب کافی ہے کہ یہ نظریہ نصوص قطعیہ احادیث صحیحہ صریحہ اور فقہاء امت کے صریح فتووں کے خلاف ہے لہذا غیر معصوم اور غیر مجتہد کا یہ قول قطعاً باطل اور سراسر مردود ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکرٹری کا بیان:۔ رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکرٹری جناب محمد علی الحرکان فرماتے ہیں:۔

شئون القرآن الکریم

حضرت صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جاءنا من ادارة البحوث العلمية والافتاء
والدعوة والارشاد بالرياض المملكة
العربية السعودية ان ترجمة لمعاني
القرآن الكريم باللغة الاردية
ترجمها احمد رضا خان وعلى هامشها
تفسير باللغة الاردية لمحمد نعيم الدين
مراد آبادي طبع شركة تاج المحدودة
(تاج كمبني لمتيد) لاهور (پاكستان)
وعدد صفحاتها ۹۶۴ صفحة بدون
دعاء الخاتمة وفهرس سور القرآن
الكريم فقد وجد ان هذه الترجمة
تشتمل على مخالفات جوهرية مليئة
بالاكاذيب لنص القرآن الكريم مثل
انكار ان يكون الانبياء من البشر
كما ان الترجمة مليئة بالشرك
والبدع والآراء الباطلة كالاستعانة
بالانبياء والاولياء والتوسل بهم
وانهم يعلمون الغيب كذلك الدعوة
الى اقامة الموالد للانبياء والصالحين
وتقديم الاطعمة الى قبورهم الخ

ہمارے پاس مملکت عربیہ سعودیہ الریاض سے
ادارۂ بحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد
کی طرف سے یہ اطلاع آئی ہے کہ اردو زبان میں قرآن
کریم کا ترجمہ جو احمد رضا خان نے کیا ہے جس کے
حاشیہ پر اردو ہی میں محمد نعیم مراد آبادی کی تفسیر ہے
جو تاج کمپنی لاہور (پاکستان) سے طبع ہوا ہے
جس کے آخری دعا اور قرآن کریم کی سورتوں کی
فہرست کے علاوہ ۹۶۴ صفحات ہیں یہ ترجمہ
بنیادی غلطیوں اور قرآن کریم کی نص کی تکذیب
پر مشتمل ہے مثلاً حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ
والسلام کی بشریت کا انکار (وغیرہ) جیسا کہ یہ
ترجمہ شرک و بدعات اور آراء باطلہ سے پر ہے
مثلاً حضرات انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
سے مدد مانگنا اور ان سے توسل (غیر مشروع۔
مرتب) کرنا اور یہ کہ وہ غیب جانتے ہیں۔
اور اسی طرح حضرات انبیاء و صالحین علیہم
الصلوٰۃ والسلام کی میلادیں قائم کرنے کی دعوت
دینا اور ان کی قبور کی طرف کھانے لے جانا
(وغیرہ) الخ مثلاً
یہ صفحات ملاحظہ کریں۔

وقد جاء ذلك في الصفحات ۳ - ۵ - ۱۶ - ۲۳، ۷۰ - ۷۷، ۲۱۵ - ۴۰۹ - ۴۶۰ - ۴۷۳ -
۴۸۸ - ۶۱۲ - ۷۰۳ - ۸۶۸ -

والامانة العامة لرابطة العالم الاسلامی تود لفت نظر المسلمین فی العالم الیٰ خطورة هذه الترجمة وما تشمله من اکاذیب وخرافات وبدع وترجومن کافة المسؤلین ملاحظة ما یوجبه من هذه النسخ واحراقها حفاظا علیٰ کلام اللّٰه عزوجل من التحریف ونرفق لکم بطبعة صورة فوتوغرافیة للصفحات التی ورد بها التحریف المذکور ونسأل اللّٰه ان یوفق الجمیع الیٰ ما یحب ویرضیٰ واللّٰه یحفظکم ویرعاکم۔

(الامین العام محمد علی الحرکان)

اور رابطۂ عالم اسلامی کی سیکرٹریٹ اس بات کو پسند کرتی ہے کہ تمام جہان کے مسلمانوں کی توجہ اس ترجمہ کے ممانعت کی طرف مبذول کرائے کیونکہ یہ جھوٹ، خرافات اور بدعات پر مشتمل ہے اور یہ ادارہ تمام اپیل کئے ہوئے حضرات سے یہ اُمید رکھتا ہے کہ جہاں بھی اس غلط ترجمہ کے نسخے دستیاب ہوں ان کو جلا دیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کا کلام تحریف سے بچایا جا سکے اور ہم آپ کو یہ سہولت فراہم کریں گے کہ جن صفحات میں یہ تحریفات ہوئی ہیں انکی فوٹوسٹیٹ کاپیاں بھیج دیں اور ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ سب کو ان چیزوں کی توفیق دے جن کو وہ پسند کرتا ہے اور جن پر وہ راضی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت و نگرانی کرے۔

(جنرل سیکرٹری محمد علی حرکان)

چنانچہ متحدہ عرب امارت کے تمام علماء خطباء اور ائمہ حضرات کو سرکاری طور پہ اس ترجمہ کی تردید کے خطوط لکھے گئے اور قرآن کریم کو تحریف سے بچانے کے لیے ان تمام نسخوں کو انہوں نے جلانے کا حکم دیا تاکہ قرآن کریم ہر قسم کی تحریف سے پاک رہے اور ان کا یہ ایک جرأت مندانہ فیصلہ اور اسلامی فریضہ ہے۔

ملکی اخبارات:۔ ہمارے ملکی اخبارات نے بھی اپنا دینی فریضہ ادا کیا ہے، چنانچہ روزنامہ جنگ لاہور میں مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۸۲ء کو یہ خبر شائع ہوئی۔

متحدہ عرب امارات کی وزارت نے مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیر پر پابندی عائد

کردی ابوظہبی ۶ مارچ (پ پ) متحدہ عرب امارت کی اسلامی امور اور اوقاف کی وزارت نے اس اطلاع کی تصدیق کر دی ہے کہ اس نے قرآن پاک کے ایک اردو ترجمہ پر پابندی لگادی ہے۔ کیونکہ اس میں متعدد اغلاط تھیں اور بنیادی نوعیت کی غلط باتیں تھیں قرآن پاک کی تفسیر مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے کی ہے اور تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور (پاکستان) نے شائع کیا ہے۔ وزارت کے مطابق یہ کارروائی اس ضمن میں مکہ معظمہ میں قائم رابطہ عالم اسلامی کی سفارش پر کی گئی ہے رابطہ سے موصول ہونے والے میمورنڈم پر جس میں رابطہ کے سیکرٹری جنرل الشیخ محمد علی الحرکان کے دستخط ہیں ۹۶۴ صفحات پر مشتمل تفسیر میں غلطیوں کی فہرست پندرہ صفحات پر مشتمل بھیجی گئی ہے

اور یہ خبر اخبار نوائے وقت راولپنڈی ۸ مارچ ۱۹۸۲ئہ میں بھی اس عنوان سے شائع ہوئی اغلاط والے قرآن پاک کے تمام نسخ جلادیے جائیں۔

ابوظہبی ۶ مارچ (پ پ) متحدہ عرب امارات کی وزارت الضاف اسلامی امور اور اوقاف نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ اس نے قرآن پاک کی ایک اردو تفسیر پہ پابندی عائد کی ہے کیونکہ اس میں بے شمار اغلاط اور بنیادی نوعیت کی غلطیاں تھیں یہ تفسیر محمد نعیم مراد آبادی نے لکھی ہے۔ اور تاج کمپنی لاہور (پاکستان) نے شائع کی ہے وزارت نے کہا ہے کہ اس نے یہ اقدام مکہ مکرمہ میں قائم تنظیم رابطۃ العالم الاسلامی کی طرف سے اس سلسلہ میں کی جانے والی سفارش پر کیا ہے جو رابطہ کے سیکرٹری جنرل محمد علی الحرکان کے دستخطوں سے بھیجی گئی ایک یاداشت تمام اسلامی ممالک اور اداروں کو بھیجی گئی ہے اور مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ اس کتاب کے تمام نسخے جلادیے جائیں یہ بات جریدہ خلیج ٹائمز میں شائع ایک خبر میں بتائی گئی ہے۔

اب پاک و ہند میں بسنے والے حضرات کو ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرنا چاہیئے کہ بریلوی حضرات کے اعلحضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کے ترجمہ اور ان کے شاگرد مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی کی تفسیری بنیادی غلطیوں کی نشاندھی کرنے والا صرف سرفراز گکھڑوی اور اسی طرح چند دیگر احباب ہی نہیں بلکہ عرب ممالک کے جید علماء کرام اور رابطہ عالم اسلامی کے جید عالم بھی ان غلطیوں کی باقاعدہ باحوالہ نشاندھی کرتے ہیں اور صاف صاف کہتے ہیں کہ یہ ترجمہ اور تفسیر

قرآن کریم کی خالص تحریف جھوٹ کا پلندہ اور شرک و بدعات کا ملغوبہ ہے اور حتیٰ کہ اس کو محض اس لیے جلانے کا حکم دیتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب تحریف سے محفوظ رہے اب بھی اگر بریلوی حضرات اپنی ضد کو نہیں چھوڑتے اور جھوٹی انا پر مُصر ہیں تو ان کی مرضی بفضلہٖ تعالیٰ اہلِ حق کی طرف اتمام حجت ہو چکی ہے اب قیامت کے دن ہی یہ حقیقت ان پر بالکل عیاں ہوگی (اور وہاں ندامت کا کوئی فائدہ نہ ہوگا) ؎

بوقتِ صبح شود ہمچو روزِ معلومت ۔۔۔ کہ با کہ باختۂ عشق در شبِ دیجور

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وعلیٰ
آلہ واصحابہ وازواجہ ومتبعیہ الیٰ یوم الدین وسلّم

احقر
ابو الزاہد محمد سرفراز
۱۹ ر ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ
۷ ر اکتوبر ۱۹۸۲ء

اتمام البرہان

فی ردّ

توضیح البیان

حصہ چہارم

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر

مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

فہرست مضامین

عرض حال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم امابعد

قرآن کریم کی حفاظت اور اسکی فہم

تمام آسمانی کتابوں میں جو رتبہ درجہ اور شان قرآن مجید کی ہے وہ اور کسی کتاب کی نہیں ہے۔ جو ہزار ہا انقلابات کے باوجود اب بھی اصلی شکل میں محفوظ و موجود ہے اور انشاء اللہ العزیز تا قیامت محفوظ رہے گا اس لیے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (پ ۱۴، الحجر-۱)

بے شک ہم ہی نے نصیحت کو اتارا اور بیشک ہم ہی البتہ اس کے محافظ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قرآن کریم کے الفاظ۔ رسم الخطی۔ لب ولہجہ۔ ترجمہ۔ تفسیر شانِ نزول اور اس کے ربط وغیرہ کی تمام بنیادی باتوں کی علماء حق نے خوب خوب حفاظت کی ہے عیاں راچہ بیاں تمام اسلامی ممالک میں قرآن کریم کے سمجھنے اس پر عقیدہ رکھنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی کوشش ہوئی۔ ہوتی ہے اور انشاء اللہ العزیز قیامت تک ہوتی رہے گی۔

جن ممالک میں قرآن کریم کو بہتر طریقہ سے سمجھنے کی انتھک سعی کی گئی اور بحمد اللہ تعالیٰ کامیابی بھی حاصل ہوئی ان میں مشترک ہندوستان سرفہرست ہے حتیٰ کہ عربی کا یہ مقولہ بجا معلوم ہوتا ہے کہ

نَزَلَ الْقُرْآنُ فِي الْعَرَبِ وَقُرِئَ فِي مِصْرَ وَكُتِبَ فِي التُّرْكِ وَفُهِمَ فِي الْهِنْدِ

قرآن کریم عرب میں نازل ہوا مصر میں (تجوید کے ساتھ) پڑھا گیا ترکی میں (سنہری حروف سے) لکھا گیا اور ہندوستان میں سمجھا گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے خود بھی اور ان کے نامی گرامی فرزندان کرام اور ان کے تلامذہ اور متوسلین نے اس سلسلہ میں جو کوشش و کاوش کی ہے وہ کسی بھی ذی علم سے مخفی نہیں اور دور حاضر میں علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم نے قرآن کریم کے جو صحیح تراجم اور تفاسیر کی ہیں وہ بھی ایک واضح حقیقت ہے ان حضرات کے تراجم اور تفاسیر سے بے پروا ہو کر قرآن کریم کا اردو زبان میں سمجھنا خاصا مشکل ہے۔ اور دوسرے مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے منصف مزاج حضرات کھلے لفظوں میں اس کا اقرار کرتے ہیں اور یہ بالکل ایک حقیقت ہے کہ متحدہ ہندوستان میں حضرات علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم نے تدریساً، تقریراً، تحریراً اور خطابتہً جس طرح قرآن کریم، حدیث شریف، فقہ حنفی اور دیگر علوم دینیہ کی خدمت کی ہے وہ صرف انہی حضرات کا حصہ ہے تاریخی طور پر اس کا انکار آفتاب نیمروز کا انکار ہے لیکن ؎

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

فریق مخالف کے اعلیحضرت کے ہاں سب سے بڑی عبادت دیوبندیوں کی اہانت ہے

تمام مسلمان بخوبی اس امر کو جانتے ہیں کہ سب سے بڑی عبادت، اصلاح عقائد پھر نماز، روزہ وغیرہ عبادات کا شرعی طریقہ پر بروقت ادا کرنا اور اسی طرح درجہ بدرجہ احکام اسلام کی بجا آوری ہے لیکن بریلوی حضرات کے اعلیحضرت کے ہاں سب سے بڑی عبادات میں سے، دیوبندیوں کی اہانت و مخالفت بھی ہے جس پر اُن کی روحانی ذریت شدت اور حدت کے ساتھ کاربند ہے۔

ان کے اعلیحضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے اپنے شاگرد رشید مولانا ابو یوسف محمد شریف صاحب کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ کو جو سند اور اجازت تحریر کر کے دی اس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

ووصیتی لك التمسك التام بمذهب اهل السنة و مجانبة اهل البدع	اور میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ اہل السنت کے مذہب کو مضبوطی سے پکڑنا اور اہل بدعت و فتنہ سے الگ رہنا اور اپنی عمر کو سنتوں کی حمایت

والفتنة وصرف العمر فی حمایة السنن واعانة اربابها ونکایة الفتن واهانة اصحابها لاسیما الدیابنة فانهم الفراعنة واضرّ علی المسلمین من ابلیس اللعین اعاذنا الله وایاک من شرّهم اجمعین فذلک اعظم القرب وارضی مرضاة للنبی والرب الخ	اور اہل سنت کی اعانت میں صرف کرنا اور فتنوں کی سرکوبی اور اصحاب فتن کی اہانت میں گزارنا خاص طور پر دیوبندیوں کی اہانت کرنا کیونکہ وہ فرعون ہیں اور مسلمانوں کے لیے ابلیس لعین سے بھی زیادہ مضر ہیں (کیونکہ ہماری راہ مارتے ہیں اور ہمارے پیٹ کے دھندے بند کرتے ہیں ۔صفدر) اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ان سب کی شر سے بچائے یہ کاروائی بڑی عبادتوں میں سے ہے اور نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور رب (جل جلالہ) کو زیادہ راضی کرنے والی ہے ۔

اور آخر میں ہے

قاله بفمه وامر برقمه عبدالمصطفیٰ احمد رضا القادری البرکاتی البریلوی الخ	عبدالمصطفیٰ احمد رضا القادری البرکاتی البریلوی نے اپنی زبان سے یہ بات کہی اور اس کے لکھنے کا حکم دیا ۔

(السند والاجازۃ الملحق بکتاب الصلوٰۃ ص۲۷۹ و ص۲۸۰)

نماز حنفی مدلل مؤلفہ فقیہ اعظم حضرت مولانا ابو یوسف محمد شریف صاحب محدث

فرید بک سٹال ۴۰ اردو بازار لاہور)

قارئین کرام خود اندازہ کرلیں کہ جو شخص اپنے شاگردوں کو فراغت کی سند دیتے ہوئے اس میں بھی دیوبندیوں کے خلاف اپنے دل کا اُبال اور بھڑاس نکالنے سے باز نہ آئے تو وہ اور کہاں باز آتا ہوگا مگر مشہور ہے کہ آفتاب پر تھوکا منہ پہ آتا ہے نہ تو اہل دیوبند کا آج تک کچھ بگڑا ہے اور نہ انشاء اللہ العزیز آئندہ بگڑے گا اس لیے کہ صحیح حدیث کی روشنی میں طائفۂ منصورہ کا تا قیامت رہنا ثابت ہے اور بقول مولانا ظفر علی خان مرحوم ع پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

کیونکہ ان کے عقائد و نظریات قرآن کریم۔ حدیث شریف اور فقہ حنفی کے عین مطابق ہیں اور ساری دنیا میں پھیلے ہوئے اور خوب روشن ہیں۔

اسلامی ممالک میں خان صاحب کے ترجمہ اور ان کے شاگرد کی تفسیر پر پابندی

فریق مخالف کے اعلیٰحضرت کے ترجمہ کا نام بقول ان کے کنز الایمان ہے اور ان کے شاگرد رشید جناب مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی کی تفسیر کا نام خزائن العرفان ہے ان میں ان کے اپنے اختراعی عقائد اور خود تراشیدہ بدعات کا وافر ذخیرہ موجود ہے جن جن مسلمان ملکوں کو ان کے غلط ترجمہ اور تفسیر کی اطلاع ہوئی ہے۔ ان تمام میں ان پر پابندی عائد کر دی گئی ہے جن ممالک میں سعودی عرب۔ بحرین۔ متحدہ عرب امارات دکویت۔ دوبئی۔ ابوظہبی، دوہا، شارجہ، مسقط اور سلالہ وغیرہ ہیں) ایران اور آزاد قبائلی علاقے شامل ہیں اور انشاء اللہ العزیز جلد یا بدیر دیگر ممالک کو بھی جب اطلاع ہوگی تو وہاں بھی ان پر ضرور پابندی لگے گی۔ کیونکہ ان میں شرک و بدعت کا بڑا ذخیرہ اور مواد ہے اور کوئی بھی مسلمان شرک و بدعت کو اسلام اور سنت کہنے کو تیار نہیں نہ ہوگا اور نہ ہو سکتا ہے۔ مگر ان کی حکومتی سطح پر بین الاقوامی حالات کے تحت کچھ مجبوریاں ہیں اور نیز اردو زبان سے ناواقفی ہے اور اکثر ممالک کے عوام کی عموماً دین سے غفلت بھی ہے ورنہ اسلام ایک فطری مذہب ہے اس میں شرک و بدعت اور بدرسوم کی سرے سے گنجائش نہیں ہے جیسے فریق مخالف خالص اسلام کا نام دینے پر اُدھار کھائے بیٹھا ہے مگر

رہبروں کا بھیس بدلے راہزن تھے تاک میں　　کارواں لٹنے سے پہلے راز افشا ہو گیا

بحث حاضر و ناظر

خان صاحب بریلوی اور ان کی روحانی ذرّیت کا یہ خالص مشرکانہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم (بلکہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام چنانچہ ان کے مولانا امجد علی صاحب لکھتے ہیں کہ زمین و آسمان کا ہر ذرّہ ہر نبی کے پیش نظر ہے۔ بلفظہٖ بہار شریعت ص۱۴ ج۱) ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور ساری امت کے تمام اقوال و احوال سے باخبر ہیں اور اس گندے اور قطعاً غیر اسلامی عقیدہ کو بزعم خویش وہ قرآن کریم سے ثابت کرنے کے درپے ہیں بلکہ اس کے اثبات کا اُدھار کھائے بیٹھے ہیں چنانچہ وہ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا الآیۃ (پ ۲۲۔ سورۃ الاحزاب رکوع ۶) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر۔ (ص۶۱۴) اور اس کی تشریح میں مولوی نعیم الدین صاحب کہتے ہیں شاہد کا ترجمہ حاضر و ناظر بہت بہترین ترجمہ ہے (کیونکہ اس سے متبدعین کے ناپاک عقیدہ کا اثبات ہوتا ہے۔ صفدر) مفردات راغبؒ میں ہے الشھود والشھادۃ الحضور مع المشاھدۃ اما بالبصر او بالبصیرۃ یعنی شہود اور شہادت کے معنیٰ ہیں حاضر ہونا مع ناظر ہونے کے بصر کے ساتھ ہو یا بصیرت کے ساتھ اور گواہ کو بھی اسی لیے شاہد کہتے ہیں کہ وہ مشاہدہ کے ساتھ جو علم رکھتا ہے اس کو بیان کرتا ہے سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام عالم کی طرف مبعوث ہیں آپ کی رسالت عامہ ہے جیسا کہ سورۂ فرقان کی پہلی آیت میں بیان ہوا تو حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت تک ہونے والی ساری خلق کے شاہد ہیں اور ان کے اعمال و افعال و احوال تصدیق و تکذیب ہدایت و ضلالت سب کا مشاہدہ فرماتے ہیں (ابوالسعود و جمل) اور دوسرے مقام پر خانصاحب اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا الآیۃ (پ ۲۶ سورۃ الفتح رکوع ۱) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں بے شک ہم نے بھیجا تمہیں حاضر و ناظر (ص۸۲۰) اور اس کی تفسیر میں مرادآبادی صاحب لکھتے ہیں۔ اپنی امت کے اعمال و اقوال کا تاکہ روز قیامت ان کی گواہی دو ــ اور

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا الآیۃ (پ۲ بقرہ رکوع ۱۷) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ (ص۳۳) اور مراد آبادی صاحب اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بجرم الٰہی نور نبوت سے ہر شخص کے حال اور اس کی حقیقت ایمان اور اعمال نیک و بد اور اخلاص و نفاق سب پر مطلع ہیں۔ اس پر ہم نے تنقید کرتے ہوئے لکھا تھا کہ خان صاحب نے نگہبان کا لفظ زیادہ کیا تاکہ ان کے مسلک اور اختراعی عقیدۂ حاضر و ناظر پر روشنی پڑے اور ہم نے لکھا کہ یہ عقیدہ نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کے سراسر خلاف ہے چنانچہ ہم نے اس پر چھ حوالے نقل کیے چار قرآن کریم سے اور دو بخاری شریف وغیرہ کی صحیح احادیث سے جن سے صراحت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لوگوں کے ایمان و کفر پر اطلاع پانے اور حاضر و ناظر ہونے کی واضح طور پر تردید ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں مؤلف مذکور نے ان ٹھوس حوالوں سے جان چھڑانے کے لیے جو راہِ فرار اختیار کی ہے۔ اس کا نہایت اختصار کے ساتھ تجزیہ یوں ہے۔

(۱) تفسیر روح البیان میں ہے کہ شہادت کو جب علی سے متعدی کرتے ہیں تو ضرر کے لیے ہوتی ہے اور جب لام سے متعدی کرتے ہیں تو نفع کے لیے ہوتی ہے تو اس امت کی شہادت تو بلاشک پہلی امتوں کے ضرر کے لیے ہوگی وہاں لفظ علی برمحل ہے لیکن آپؐ کی شہادت تو اس امت کے نفع کے لیے ہوگی تو لفظ علی کیوں آیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شہید کا علی کے ساتھ متعدی ہونا اس امر پر مبنی ہے کہ شہید رقیب (نگہبان) اور مطلع کے معنی کو متضمن ہے اور رقیب چونکہ علی کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اس لیے شہید کے ساتھ علی لایا گیا۔ اور اس سے اعلیٰ حضرت کی جلالت اور کمال علمی بھی ثابت ہوئی اور اس کی داد دینی پڑتی ہے کیونکہ اگر اس کو ظاہر پر چھوڑ دیا جائے تو معنیٰ یہ ہوگا۔ کہ یہ رسول تمہارے خلاف گواہ اور یہ معنیٰ بالاجماع مراد نہیں اعلیٰحضرت نے گواہ کے ساتھ نگہبان کا لفظ ذکر کر کے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ علی یہاں پر شہادت کا صلہ نہیں بلکہ شہید جس رقیب کے معنیٰ کو متضمن ہے یہ اس کا صلہ واقع ہے۔

(۲) قاضی بیضاویؒ اس آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔ اور چونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام امت کے لیے (کالرقیب المہیمن) نگہبان کی طرح ہیں اس لیے (شہید) کو علیٰ سے متعدی کیا گیا۔ اور تفسیر مدارک میں ہے ولما کان الشھید کالرقیب جئ بکلمۃ الاستعلاء۔ اور تفسیر ابی السعود میں ہے وکلمۃ الاستعلاء لما فی الشھید من معنی المرقیب۔

اگر نگہبان کا معنیٰ ملحوظ رکھنا سرفراز صاحب کے نزدیک قرآن کریم کی تحریف ہے۔ تو علامہ بیضاویؒ، علامہ نسفیؒ اور ابوالسعود نے جو رقیب اور مہیمن سے تفسیر کی ہے تو کیا یہ مفسرین آپ کے نزدیک محرف نہیں؟ اور صاحب روح البیان نے جو اشکال قائم کیا کیا آپ اس کا لحاظ کئے بغیر اس اشکال کا جواب دے سکتے ہیں۔ دیدہ باید۔

(۳) خانصاحب اور مرادآبادی صاحب کے ترجمہ اور تفسیر سے چونکہ عظمت رسول ظاہر ہوتی ہے اور یہ معنیٰ اعلیٰ حضرت کی اختراع نہیں بلکہ یہ ذریت دیوبند کے معتمد علیہ اور معنوی جدامجد شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی تفسیر سے ماخوذ ہے جن کی اندھا دھند عبارتیں مولوی گکھڑوی صاحب اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں پھر آگے تفسیر عزیزی کی عبارت یعنی و باشد رسول شما بر شما گواہ الی قولہ تا روزِ قیامت ادائے شہادت تواند کرد نقل کی ہے۔ ہم ان کے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

یعنی تمہارے رسول تمہارے اوپر گواہ ہیں کیونکہ وہ نور نبوّت سے ہر دین دار کے دین پر مطلع ہیں کہ وہ میرے دین کے کس درجہ پر پہنچا ہوا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور جس حجاب کی وجہ سے وہ دین میں ترقی نہ کر سکا وہ کون سا ہے پس وہ تمہارے گناہوں اور ایمان کے درجات اور تمہارے اچھے اور برے اعمال اور اخلاص و نفاق کو پہچانتے ہیں اسی لیے امت کے دنیاوی امور میں آپ کی گواہی بحق شرع مقبول اور واجب العمل ہے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو اپنے زمانے کے حاضرین مثلاً صحابہ و ازواج و اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین یا غائبین مثلاً اویس قرنیؒ، مہدی اور مفتون دجال کے فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں یا اپنے زمانے کے حاضر و غائب لوگوں کے عیوب و قبائح بیان فرمائے ہیں ان پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اور اس قبیل سے جو روایات میں آیا ہے کہ ہر نبی کو اپنی امت کے اعمال پر مطلع کیا

جاتا ہے کہ فلاں آج یہ کرتا ہے اور فلاں یہ تاکہ قیامت کے دن ان پر گواہی دے سکیں۔

حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے اس نورانی کلام کو ملاحظہ فرمائیے اور صدر الافاضل کی تفسیر کو دیکھئے جو اسی کی تعبیر ہے سرفراز صاحب کو پہلے مکتبہ دیوبند کی اس تفسیر کے تمام نسخوں کو دریا بُرد کرنا چاہیئے پھر تنقید کریں ورنہ ان کے دجل و فریب کی کوئی وقعت نہیں اور اُن کی تنقید اہل حق کی نگاہوں میں ذلّت اور رسوائی کا آخری نشان بن کر رہ جائے گی۔

(۴) روح البیان سے اسی مقام کی تفسیر میں ایک عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ "اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گواہی کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہر دیندار کے دینی مرتبہ اور اس کے دین کی حقیقت پر مطلع ہیں اور اس حجاب سے بھی واقف ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے کمال دینی سے محجوب ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے گناہوں ایمان کی حقیقت ان کی نیکیوں اور برائیوں اُن کے اخلاص و نفاق اور اس کے علاوہ باقی تمام اُمور پر نور ربانی سے واقف ہیں"۔ روح البیان کی شہادت اُن دلوں پر یقیناً گراں گذرے گی جو تنقیص رسالت کی تسبیح پر اپنے کے درجات کا شمار کرتے ہیں اور جن کی نگاہیں فضائل رسالت کی تیز روشنی میں شپّرہ ناہنجار کی طرح بینائی کھو دیتی ہیں۔

(۵) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل پر جو مشقِ ستم سرفراز صاحب نے کی ہے اور آپ کی وسعتِ علمی پر جو گھڑے سے تیر پھینکے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے ۱۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہؔ کے رہنے والے بعض منافقین کے نفاق کا علم نہ تھا ۲۔ حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا گیا آپؐ کو علم نہ ہو سکا تا آنکہ سورہ نور نازل نہ ہوئی ۳۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک سچّے صحابی حضرت زیدؓ بن ارقم کو جھوٹا اور منافقین کو سچا قرار دیا سورۂ منافقین نازل ہوئی تو پھر حقیقت منکشف ہوئی۔ ۴۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی ایک کاروائی کا علم آپؐ کو نہ ہو سکا جب تک کہ سورۃ تحریم نازل نہ ہوئی ۵۔ حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہو گیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بھی تلاش کیا اور حضرات صحابۂ کرام بھی تلاش کرتے رہے مگر نہ ملا کیا حاضر و ناظر سے بھی کوئی چیز مخفی رہتی ہے؟ ۶۔ ۷ھ میں خیبر کے مقام پر آپ کی

زہر خورانی کا واقعہ پیش آیا جس سے صاف طور پر یہ بات واضح سے واضح تر ہو جاتی ہے کہ آپ کو علم غیب نہ تھا اور نہ آپ حاضر و ناظر و نگہبان تھے۔ (تنقید متین ص۱۴۵ تا ص۱۴۷)

(۶) علم رسالت پر طعن طریقۂ منافقین ہے۔ ان سوالوں کے جوابات سے قبل ہم تفسیر خازن کا حوالہ نقل کرتے ہیں۔ سُدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری اُمت خاکی صورت میں اس طرح پیش کی گئی جس طرح حضرت آدم پر پیش کی گئی تھی اور مجھے بتلا دیا کہ مجھ پر کون ایمان لائے گا۔ اور کون نہیں لائے گا۔ جب یہ بات منافقین تک پہنچی تو انہوں نے استہزاءً کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یوں گمان کرتے ہیں کہ انہیں جو لوگ ابھی پیدا نہیں ہوئے ان کے بارے میں بھی علم ہے کہ ان میں سے کون ان پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا حالانکہ ہم ان کے درمیان رہتے ہیں اور انہیں ہمارے نفاق کا علم نہیں پس جب یہ بات رسول اللہ تک پہنچی تو آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جو میرے علم پر طعنہ زنی کرتے ہیں تم لوگ اب سے قیامت تک کسی بات کے بارے میں مجھ سے نہ پوچھو گے مگر میں تم کو اس کی خبر دوں گا پس عبد اللہ بن حذافہ سہمی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کھڑے ہو کر عرض گذار ہوئے یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرا باپ کون ہے تو حضور نے فرمایا حذافہ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ہم اللہ کی ربوبیت پر راضی ہیں اسلامی دین پر خوش ہیں ہم قرآن کی امامت مانتے ہیں آپ کی نبوت پسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرے آپ ہمیں معاف فرما دیجیے پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکرر فرمایا کیا تم رکنے والے ہو کیا تم رکنے والے ہو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ نازل فرمائی۔ اس حدیث صریح سے ذیل کے امور معلوم ہوئے ۱ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام امت کے ایمان و کفر پر مطلع ہیں ۲ منافق آپ کے اس دعوے پر طعن زن ہوئے کہ اگر آپ سب کے ایمان و کفر پر مطلع ہیں تو ہمارا نفاق کیوں آپ سے مخفی ہے؟ ۳ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکرر دعوے فرمایا کہ اب سے قیامت تک کی جو بات ہو پوچھو ۴ نبی علیہ السلام اپنے علم پر طعنہ زنی سے ناراض ہوئے ۵ حضرت عمرؓ

اور حضرت عبداللہؓ بن حذافہ آپ کی وسعت علمی پر ایمان لائے ہوئے تھے خازن کی تحریر تفصیل اور اس سے تجزیہ کے بعد اب ناظرین پر مخفی نہ رہا ہو گا کہ پس انگندہ منافقین سے خوشہ چینی کر کے مولوی سرفراز صاحب نے اپنے آپ کو کس صف میں لا کھڑا کیا ہے اور کیا اب یہ صراحت . . . .
ضروری ہے کہ علم رسالت پر طعن کرنا کس کا انداز فکر ہے اور علم نبوت کی وسعتوں کو ماننا کس کا طریقہ ہے اور وہ جزوی واقعات جو مولوی سرفراز صاحب نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لاعلمی ثابت کرنے کے لیے پیش کیے ہیں ہمیں کسی طرح مضر نہیں کیونکہ باوجود علم کے کسی امر کی طرف سے توجہ ہٹ جانا ایک حقیقت ثابتہ ہے اور علماء دیوبند کو بھی مسلم ہے (دیکھئے عقائد علماء دیوبند ص۳۱) سرفراز صاحب نے جس قدر واقعات حضور کی بے علمی ثابت کرنے کے لیے پیش کیے ہیں سب نزول قرآن کے دوران تھے اور تدریجاً ان کا علم حضور کو حاصل ہوتا رہا۔ اگر سرفراز صاحب واقعی حضور کی بے علمی ثابت کرنے کے لیے بے قرار ہیں تو ثابت کریں کہ آپ کو فلاں امر کا علم وصال تک حاصل نہیں ہوا۔
و دونہ خرط القتاد۔ انتہائی افسوس ہے کہ متبدعین دیوبند عموماً اور سرفراز صاحب خصوصاً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے علمی ثابت کرنے کے لیے ہمیشہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کا واقعہ بر سر عام بازاروں میں، مساجد کے منبروں پر کتاب کے صفحات پر کہیں اس واقعہ کو بیان کرنے سے نہیں چوکتے کیا اگر ان کی ماں پر اس قسم کی تہمت لگائی جاتی تو کیا وہ اس بات کو پسند کرتے کہ وہ تہمت خواہ غلط ہی ہو اس کو بر سر عام بیان کیا جائے کیا اس طرز سے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور نبی علیہ السلام کو ایذا نہیں پہنچتی اسی طرح مسئلہ حاضر و ناظر کو مولوی سرفراز صاحب کا بار بار استہزاءً ذکر کرنا فضائل نبوت سے لہو و لعب کے مترادف نہیں ہے؟
(محصلہ توضیح البیان از ص۱۸۸ تا ص۱۹۸)

الجواب فریق مخالف کے مسئلہ حاضر و ناظر کے بارے عجیب قسم کے متضاد نظریات ہیں اور وہ بھانت بھانت کی بولیاں بولتا ہے مثلاً ان کے صدر الافاضل ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہونے پر زور دیتے ہیں اور دوسری طرف یہ لکھتے ہیں کہ اور رسولوں کی بعثت کا مقصد رسالت کی تبلیغ اور حجت کا لازم کر دینا ہے

نہ کہ اپنی قوم کے درمیان ہمیشہ موجود رہنا انتہیٰ بلفظہ (خزائن العرفان ص۱) آخری جملہ حاضر و ناظر کی صراحتہً نفی کرتا ہے۔ اور ان کے مولانا امجد علی صاحب مجلس میلاد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

کہ بعض اکابر کو اس مجلس پاک میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا ہے اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضورؐ اس موقع پر ضرور تشریف لاتے ہیں مگر کسی غلام پر اپنا کرم خاص فرمائیں اور تشریف لائیں تو مستبعد بھی نہیں بلفظہٖ (بہار شریعت حصہ سولہ ص۲۴۶)

اور نیز لکھتے ہیں کہ۔ اللہ عزّوجل نے حضور کو اپنی ذات کا مظہر بنایا اور حضور کے نور سے تمام عالم کو منور فرمایا بایں معنیٰ ہر جگہ حضور تشریف فرما ہیں۔

کالشمس فی وسط السماء ونورها یغشی البلاد مشارقا ومغاربا

(بہار شریعت حصہ اوّل ص۲۲) اور ان کے مولانا ارشد القادری صاحب لکھتے ہیں کہ۔ ویسے ہم اس بات کے مدعی بھی نہیں کہ وہ ہر محفل میں تشریف لے جاتے ہیں بلفظہٖ (زلزلہ ص۹۶)

قطع نظر ان کے متضاد نظریات سے ہم اس مقام پر مسئلہ حاضر و ناظر کے مثبت اور منفی پہلو اور کسی پہلو کے دلائل پر بحث نہیں کرنا چاہتے بحمد اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ ہم نے اس مسئلہ کے دونوں پہلوؤں پر اپنی مشہور علمی کتاب تبرید النواظر میں اور اس پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات پر کتاب تفریح الخواطر میں مدلل اور محقق بحث کر دی ہے انشاء اللہ العزیز اس مسئلہ پر اتنی ٹھوس اور باحوالہ یکجا بحث دُنیا کی کسی کتاب میں آپ کو دستیاب نہیں ہوگی یہاں ہم صرف مؤلف مذکور کے دجل و فریب اور کم فہمی کا ذکر کریں گے کہ ہمارے پیش کردہ دلائل کا قطعاً کوئی جواب نہیں دے سکے اور بالکل مفت میں کامیابی کا یہ مورچہ سر کرنا چاہتے ہیں مگر بحول اللہ تعالیٰ وقوتہٖ ہم ان کو ایسا کب اور کیسا چھوڑ سکتے ہیں؟ بے شک ان کے ناخواندہ اور متعصب حواریوں نے ان کی سراب جیسی تحقیق و تدقیق کی خوب تشہیر کی ہے اور ان کو اس پر اپنی جگہ فخر بھی ہے مگر تابکے؟ ؎

چمن میں تھیں ڈالیاں ہزاروں مگر مقدر کا کھیل دیکھو گری اُسی شاخ پر ہے بجلی بنا یا جس پر تھا آشیانہ

ہم نہایت ہی اختصار کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ خانصاحب نے شاہد کا معنیٰ حاضر و ناظر کر کے نہ صرف یہ کہ اپنی جان پر ظلم کیا ہے بلکہ ایسے گندے عقیدے کو ان کے کہے پر ماننے والے تمام

کلمہ گو مشرکوں کے گناہ عظیم کا وبال بھی اپنی گردن پر اٹھایا ہے اور قرآن کریم کی خالص تحریف کی ہے ہم نے تبرید النواظر میں کتبِ فقہ اور فتاویٰ سے بڑے صاف اور واضح حوالے نقل کیے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر تسلیم کرنا خالص کفر ہے ظاہر بات ہے کہ جو معنیٰ علماء اسلام کے محتاط طبقہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کفر ہو تو وہ قرآن کریم کے کسی لفظ کا ترجمہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور حیرت بر حیرت تو اس پر ہے کہ مراد آبادی صاحب اس کفر یہ ترجمہ کو بہت بہترین ترجمہ کہتے ہیں حالانکہ یہ ترجمہ اور تفسیر غَضَبٌ عَلیٰ غَضَبٍ کا مصداق ہے شاہد کے لیے حاضر و ناظر ہونا علمی اور فقہی طور پر شرط نہیں ہے الشہادۃ بالتسامع کا فقہ کی کتابوں میں ایک وسیع عنوان ہے کہ ثقہ اور معتبر آدمی کی خبر پر یقین کر کے شہادت دینا جیسا کہ یہ امت مرحومہ پہلی امتوں پر باوجود ان کے زمانہ میں نہ ہونے اور آنکھوں کے ساتھ ان کے حالات کا مشاہدہ نہ کرنے کے گواہی دیگی اور اس کی گواہی نہ صرف یہ کہ مقبول ہوگی بلکہ اس کی گواہی پر پہلی اُمتوں کی تقدیر کا فیصلہ صادر ہوگا۔ اور ہم نے تبرید النواظر اور تفریح الخواطر میں اس پر باحوالہ مبسوط بحث کی ہے افسوس اس پر ہے کہ فریق ثانی کے صدر الافاضل امام راغبؒ وغیرہ سے نقل کردہ عبارت کو نہیں سمجھے اس میں تصریح ہے کہ مشاہدہ آنکھ سے بھی ہوتا ہے اور بصیرت (دل) سے بھی جس کو دانستن اور جاننا کہتے ہیں، بالبصیرۃ کے لفظ ہوتے ہوئے حاضر و ناظر ثابت کرنا فریق ثانی کی شعبدہ بازی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے الغرض امام راغبؒ وغیرہ سے جو عبارت انہوں نے نقل کی ہے وہ حاضر و ناظر ہونے پر نص نہیں ہے اور یہ اُن کے خلاف جاتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں شہادت سے دُنیا میں شہادت مراد نہیں ہے جیسا کہ مراد آبادی صاحب لکھتے ہیں کہ حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت تک ہونے والی ساری خلق کے شاہد ہیں بلکہ اس سے مُراد بخاری شریف ص ۱۰۹۲/۲ اور ترمذی شریف ص ۱۲۲/۲ کی روایت کے پیش نظر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں امت مرحومہ کی شہادت کا تزکیہ ہے۔ اس صحیح اور صریح حدیث کی موجودگی میں قیامت تک ہونے والی ساری خلق پر شاہد ہونا قابلِ التفات نہیں ہے اور اگر اس شہادت سے دُنیا کی شہادت بھی مراد ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امت مرحومہ لوگوں کے ظاہری حالات اور اقوال کو سُن کر اور دیکھ کر ان کے

نیک اور بد ہونے پر گواہی دیتی رہے گی مگر صرف ان کے حق میں جن کے بارے سُنا اور دیکھا ہو گا۔ جیسا کہ حدیث انتم شہداء اللہ فی الارض (بخاری ج ۱ ص ۱۸۳) سے ثابت ہے کہ آپؐ نے انکی تصدیق فرمائی ہے اور حافظ ابن کثیرؒ امام احمدؒ۔ امام ابن ماجہؒ اور امام ابن مردویہؒ کے حوالہ سے حضرت ابن عمرؓ وغیرہما سے یہ مرفوع روایت نقل کرتے ہیں۔

یوشك ان تعلموا خیارکم وشرارکم قالوا بم یارسول اللہ قال بالثناء الحسن والثناء السیئ انتم شہداء اللہ فی الارض۔ (ابن کثیر ص ۱۹۱ ج ۱)

قریب ہے کہ تم اپنے نیکوں اور بدوں کو پہچان لوگے انہوں نے کہا یارسول اللہ وہ کیسے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اچھی اور بری تعریف سے تم زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو۔

روح البیان۔ بیضاوی۔ مدارک اور ابوالسعود وغیرہ سے مؤلف مذکور نے جو کچھ نقل کیا ہے وہ ان کو سود مند نہیں کیونکہ اس میں لفظ رقیب اور کالرقیب سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ آپ ساری امت پر اور ان کے احوال وافعال اور اقوال پر نگہبان ہیں جیسا کہ مؤلف مذکور اور ان کے بڑوں کا بے بنیاد دعوے ہے بلکہ یہ نگہبانی امت کی اس سچی گواہی پر ہوگی جو قیامت کے دن امت مرحومہ پہلی امتوں کے خلاف دیگی چنانچہ امام نسفیؒ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

تشہد علیٰ امتك یوم القیمٰۃ

آپؐ اپنی امت پر قیامت کے دن گواہی دیں گے

(مدارک ص ۱۵۷ ج ۱)

اس سے واضح ہو گیا کہ علامہ نسفیؒ کے نزدیک یہ شہادت دُنیا کے اُمور پر نہیں تاکہ حاضر و ناظر کا سلسلہ چل نکلے بلکہ یہ شہادت قیامت کے دن ہوگی اور علامہ ابوالسعودؒ بھی فرماتے ہیں کہ

ای علیٰ امتک لقولہ تعالیٰ ویکون الرسول علیکم شہیدًا (ابوالسعود ص ۸ ج ۵)

یعنی آپؐ اپنی امت (کی صفائی) پر گواہی دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور ہوگا رسول تم پر گواہ۔

ان تفاسیر سے اُسی معنیٰ کی تائید ہوتی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے اور علامہ آلوسی رحؒ شاہدًا کا معنیٰ کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ

شاهداً علی امتك وشاهداً علی الانبیاء علیهم السلام انهم قد بلّغوا (روح المعانی ج ۲ ص۹۵)

آپ اپنی امت پر بھی اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بھی اس بات کی شہادت دیں گے کہ انہوں نے تبلیغ کی۔

اور تفسیر بیضاویؒ ہی میں کان الرقیب سے قبل یہ عبارت موجود ہے۔

فیقول الامم من این عرفتم فیقولون علمنا ذلك باخبار الله تعالیٰ فی کتابه الناطق علی لسان نبیّه الصادق فیؤتی بمحمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فیسئل عن حال امته فیشهد بعدالتهم اھ (بیضاوی ص۱۱۳)

سو وہ امتیں کہیں گی کہ تمہیں اس کا علم کہاں سے ہوا؟ یہ امت کہے گی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ناطق کتاب میں اپنے سچے نبی کی زبان سے خبر دی ہے ہمیں اس کے ذریعہ علم ہوا ہے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لایا جائے گا اور آپ سے آپ کی امت کا حال دریافت کیا جائے گا تو آپ اپنی امت کے عادل ہونے کی شہادت دیں گے

اور فاضل سیالکوٹی مولانا عبد الحکیم صاحبؒ عُدِیَ بعلی کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

یعنی شهیدا ضمن معنی الرقیب فعدی تعدیته لان هذه الشهادة شهادة تزکیة والمزکی لابد ان یکون مراقباً علی احوال المزکّٰی فاذا شاهد منه الرشد والصلاح لیشهد بعدالته وتزکیته

(حاشیہ بیضاوی ص۱۱۳)

یعنی لفظ شہید رقیب کے معنی کو متضمن ہے اس لیے لفظ علی سے اس کی تعدیت ہوئی کیونکہ یہ شہادت صفائی اور تزکیہ کی شہادت ہے اور مزکّی کے لیے ضروری ہے کہ جس کا وہ تزکیہ کرتا ہے اس کے احوال پر نگران ہو سو جب وہ اس سے بھلائی اور صلاحیت کا مشاہدہ کر لیتا ہے تو اس کی عدالت اور تزکیہ کی گواہی دیتا ہے۔

اس سے بالکل عیاں ہو گیا کہ آپؐ کی شہادت صفائی کی گواہی ہو گی جو امت مرحومہ کے راست اور صحیح بیان اور شہادت کے بعد ان کی تعدیل اور تزکیہ کے سلسلہ میں صادر ہو گی۔ اس سے

ایسی شہادت مراد لینا جو دُنیا میں ساری امت کے تمام ظاہر و باطن اور اس کے سب اقوال و افعال اور تصدیق و تکذیب اور اخلاص و نفاق کے متعلق ہو سراسر باطل ہے اور یہ نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کے بالکل خلاف ہے قرآن کریم کی آیت کریمہ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ اور حدیث شریف اِنَّكَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ اس پر نص صریح ہیں جن کا کوئی معقول جواب فریق مخالف کی طرف سے آجتک نہیں ہو سکا اور نہ تا قیامت ہو سکتا ہے اور نہ اسکی توقع کی جا سکتی ہے وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدّث دہلویؒ وغیرہ جن بعض حضرات کی عبارات میں نیک و بد اعمال اور اخلاص و نفاق وغیرہ کا ذکر ہے تو اُن سے ایسے نیک و بد اعمال وغیرہ مُراد ہیں جن پر قرائن و شواہد کے ساتھ اجمالی اور ظاہری طور پر آگاہی حاصل ہو اور نور نبوّت اور فراست رسالت سے ان پر اطلاع حاصل ہوئی ہو تفصیلی طور پر تمام اعمال کا علم اور ان پر اطلاع نیز باطنی امور پر آگاہی اس سے ہرگز ہرگز مراد نہیں ہے کیونکہ یہ صفت اور خوبی صرف اُس ذات کا خاصہ ہے جو علیم بذات الصدور اور عالم الغیب والشہادۃ ہے مخلوق میں سے کوئی فرد بھی کائناً من کان اس میں اُس کا شریک نہیں نہ ذاتی طور پر اور نہ عطائی طور پر بحث ازالۃ الریب میں ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ عقائد باطلہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

وانبیاء و مرسلین را لوازم الوہیت از علم غیب و شنیدن فریاد ہر کس در ہر جا الخ	حضرات انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے لوازم اُلوہیت علم غیب اور ہر جگہ سے ہر ایک کی فریاد کو سُننا (وغیرہ ثابت کرنا)

(تفسیر عزیزی صفحہ سورۂ بقرہ)

اور نیز تحریر فرماتے ہیں کہ

اول کیکہ قرآن برو نازل میشد یعنی ذات مطہر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہرگز معانی و لغات اقوام دیگر بلکہ مخارج حروف	سب سے پہلے وہ ذات مطہر یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس پر قرآن کریم نازل ہوا دوسری قوموں کی زبانیں اور لغات بلکہ ہر فرقہ کے مخارج

ولہجۂ کلام ہر فرقہ می دانستند (فتاوٰی عزیزی ص۱۳۲ ج۱) صورت اور لہجۂ گفتگو ہرگز نہیں جانتی تھی

حضرت شاہ صاحبؒ کی ایسی واضح تصریحات کی موجودگی میں تمام اُمت کے ظاہری و باطنی اعمال اور اخلاص و نفاق کا علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرنا قطعاً باطل اور توجیہ القول بما لا یرضٰی بہ قائلہ کا کھلا مصداق ہے۔

ایسی صریح اور واضح عبارات کے بعد مزید ضرورت تو نہیں مگر طلبۂ علم کے افادہ کے لیے حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک حوالہ اور ہم عرض کرتے ہیں چنانچہ وہ سورۂ جن میں قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ الآیۃ (اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ میں نہیں جانتا کہ آیا قریب ہے وہ چیز (عذاب یا اجل یا قیامت وغیرہ) جس کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے الخ) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

وبہر تقدیر عجبے نیست کہ اگر من مقدار اجل ہر کس را ندانم و موافق آں حکم بقرب و بعد ظہور موعودات اُخروی در حق او نکنم یا مقدار بقائے نوع انسانی را ندانم زیرا کہ من عالم غیب نیستم و ادعائے ایں علم نمیکنم، چنانچہ سابق ازیں معبودان شما از جنّیان میکردند بلکہ پروردگار من عالم الغیب است وغیر اورا ایں علم حاصل نیست زیرا کہ غیب نام چیزے است کہ از ادراک حواس ظاہرہ و باطنہ غائب باشد نہ حاضر تا بمشاہدہ و وجدان دریافت شود و اسباب و علامات آں نیز در نظر عقل و فکر آں در نیاید تا بداہت و استدلال دریافتہ شود (الیٰ ان قال) و آنچہ بنسبت ہمہ مخلوقات غائب است غیب مطلق است مثل وقت

اور کسی صورت میں اس میں تعجب نہیں کہ اگر میں ہر کسی کی موت کا وقت نہ جانوں اور اس کے موافق اُخروی وعدوں کے قرب و بُعد کے ظہور کا حکم اس کے حق میں نہ کروں یا بقائے نوعِ انسانی کی مدت نہ جانوں کیونکہ میں عالم غیب نہیں ہوں اور اس کے جاننے کا دعوٰی نہیں کرتا جیسا کہ اس سے قبل تمہارے جنّی معبود اس کا دعوےٰ کرتے تھے بلکہ میرا پروردگار ہی عالم الغیب ہے اور اس کے سوا کسی اور کو یہ علم حاصل نہیں ہے کیونکہ غیب اس چیز کا نام ہے جو ظاہرہ اور باطنہ حواس کے ادراک سے غائب ہو نہ کہ حاضر، تاکہ مشاہدہ اور وجدان سے دریافت ہو سکے اور اس کے اسباب و علامات بھی عقل و فکر کے ادراک میں نہیں آسکتے تاکہ بداہت اور استدلال سے معلوم ہو سکیں۔ پھر آگے فرمایا اور وہ چیز جو بہ نسبت

آمدن قیامت واحکام کونیّہ وشرعیّہ باری تعالیٰ درہر روز و درہر شریعت ومثل حقائق ذات وصفات او تعالیٰ علی سبیل التفصیل وایں قسم راغیب خاص او تعالیٰ نامند۔ (تفسیر عزیزی پارہ تبارک ص۱۷۲ و ص۱۷۳ طبع محمدی لاہور)

تمام مخلوقات کے غائب ہے وہ غیب مطلق ہے مثلاً قیامت کی آمد کا وقت اور ہر روز اور ہر زمانہ میں باری تعالیٰ کے احکام کونیّہ اور شرعیّہ اور اس کی ذات وصفات کے تفصیلی حقائق اور اس قسم کو اللہ تعالیٰ کے غیب خاص کا نام دیتے ہیں۔

قارئین کرام! انصاف سے فرمائیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خود اپنی ایسی مفصل عبارات اور تصریحات کی موجودگی میں اُن کی کسی مُبہم اور مجمل عبارت سے یہ ثابت کرنا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے لیے قیامت تک کے ہونے والے تمام اُمور کا علم ثابت کرتے ہیں کتنا بڑا ظلم ہے اور اس کی اہل انصاف کے ہاں وقعت بھی کیا ہے؟ فریق مخالف مجمل اور مبہم عبارات سے دھوکہ دیکر گاڑی چلانے کی کوشش کرتا ہے اور یوں اپنا اور بیروکاروں کے دل بہلاتا ہے بقول شاعر ؎

تمنّاؤں میں اُلجھایا گیا ہوں ـــــ کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

علاوہ ازیں حضرت شاہ صاحبؒ کی اُسی عبارت میں جس سے مؤلف مذکور اور اُن کے بزرگ علم غیب ثابت کرتے ہیں اس کا تذکرہ بھی ہے کہ یہ اطلاع عرضِ اعمال کے طور پر ہوتی ہے جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقولِ فریقِ مخالف عالم الغیب اور عالم ماکان ومایکون ہیں تو پھر عرضِ اعمال کے ذریعہ اطلاع کا کیا مطلب؟ اور عرض اعمال کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحبؒ روایات کا حوالہ دیتے ہیں۔

وازیں جا است کہ در روایات آمدہ کہ ہر نبی را بر اعمال امتیاں خود مطلع میسازند کہ فلانے امروز چنیں میکند و فلانے چناں تا روز قیامت ادائے شہادت تواند کرد و چوں پیغمبر شما شمارا تعدیل نماید و معتبری شما بیان کند دیگر شمارا از انکار امم چہ باک۔ (تفسیر عزیزی ص۵۱۸ سورۃ بقرہ)

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ احادیث میں آیا ہے کہ ہر نبی کو اپنے اُمّتیوں کے اعمال پر مطلع کیا جاتا ہے کہ فلاں نے آج یہ کیا ہے اور فلاں نے یہ کیا ہے تاکہ قیامت کے دن گواہی کی ادائگی کر سکیں اور جب تمہارے پیغمبر تمہاری تعدیل اور تمہارا معتبر ہونا بیان کریں گے تو پھر تمہیں دوسری اُمتوں کے انکار کا کیا ڈر ہے

چونکہ یہ عبارت مؤلف مذکور کے باطل دعویٰ کے رد کے لیے ضرب کاری تھی اس لیے انہوں نے خیر اسی میں سمجھی کہ اس کو شیر مادر سمجھ کر پی جائیں ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ عرض اعمال کی احادیث کا باحوالہ تذکرہ تسکین الصدور اور سماع الموتیٰ میں کر دیا ہے اس لیے اس بحث کو انہی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں۔ نیز ہم نے ازالۃ الریب میں باحوالہ یہ بحث بھی کر دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اُمّت کے جو اعمال پیش ہوتے ہیں تو صرف اجمالی نہ کہ تفصیلی کیونکہ اگر تفصیلی مراد ہوں تو یہ اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ کی صحیح اور مشہور حدیث کے مضمون کے خلاف ہے اور دیگر قطعی ادلہ اور براہین اس پر مستزاد ہیں اور یہ اجمالی عرض اعمال صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ خاص نہیں ابھی تفسیر عزیزی کے حوالہ سے عرض کیا جا چکا ہے کہ ہر نبی پر اعمال پیش کیے جاتے ہیں تفسیر عزیزی میں خط کشیدہ الفاظ امّت مرحومہ کے قیامت کے دن تزکیہ و تعدیل کے سلسلہ میں ہیں اور یہ تعدیل و تزکیہ اُمّت کی شہادت اور اس کے بیان سننے کے بعد ہوگی یہ تعدیل و تزکیہ اس دنیا میں ساری اُمت کے تمام نیک و بد اعمال اور اُمور ظاہر و باطن اور اخلاص و نفاق سے متعلق نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور اور اُن کے بزرگوں نے کم فہمی سے یہ سمجھا ہے مؤلف مذکور نے اس مفصل عبارت کا ذکر نہیں کیا مگر بفضلہٖ تعالیٰ چور کی کھوج لگانے والے بھی اس دُنیا میں موجود ہیں۔

اور خود حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ہی قیامت کے دن اُمّت کی شہادت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ

چوں امم دیگر در مقام رَدِّ شہادت ایشاں خواہند گفت کہ شما از چہ رُو شہادت میدہید حالانکہ در وقت ما نبودید و حاضر واقعہ نہ شدید ایشاں در جواب خواہند گفت کہ مارا خبر خدا را بوساطت پیغمبر خود رسیدہ و نزد ما در افادۂ یقین بہتر از دیدن و حاضر شدن گردیدہ و در شہادت علم یقینی	جب دوسری اُمتیں اس اُمت کی شہادت کے رد کے مقام پر کہیں گی کہ تم کس طرح گواہی دیتے ہو حالانکہ تم ہمارے وقت میں موجود نہ تھے اور واقعہ میں حاضر نہ تھے یہ اُمّت ان کے جواب میں کہے گی کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے ذریعے خبر دی ہے اور ہمارے ہاں دیکھنے اور حاضر ہونے سے

بہ مشہود علیہ میباید بہر طریق کہ حاصل شود و ایں قصہ را محدثین بسند صحیح روایت کردہ اند در بخاری و دیگر صحاح ستہ مرویست کہ یدعیٰ نوح الی قولہ و امام احمد و نسائی و ابن ماجہ در تتمۂ ایں قصہ ایں لفظ ہم آوردہ اند کہ فیقال ما علمکم فیقولون جاءنا نبینا فاخبرنا ان الرسل قد بلغوا الخ

(تفسیر عزیزی ص۵۱۷ سورۂ بقرہ)

بہتر طریقہ سے یقین کا فائدہ دینے والی چیز (خبر صادق) موجود ہے اور گواہی میں مشہود علیہ کے متعلق علم یقینی درکار ہے جس طرح بھی حاصل ہو۔

اور اس واقعہ کو حضرات محدثین کرامؒ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے بخاری شریف اور دیگر کتب صحاح ستہ میں مروی ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلایا جائے گا (پھر آگے فرمایا کہ) اور حضرت امام احمدؒ حضرت امام نسائیؒ اور حضرت امام ابن ماجہؒ نے اس واقعہ کے تتمہ میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں سو کہا جائے گا کہ تمہیں اس کا کیا علم ہے؟ تو یہ اُمت کہے گی کہ ہمارے پاس ہمارے نبی آئے انہوں نے ہمیں خبر دی کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے تبلیغ کی ہے۔

اس عبارت سے یہ بات بھی بالکل عیاں ہو گئی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک شاہد کے لیے دیکھنا اور موقع پر حاضر ہونا شرط نہیں ہے چنانچہ خط کشیدہ الفاظ اس پر دال ہیں مگر خان صاحب تو شاہد کا معنیٰ ہی حاضر و ناظر کرتے ہیں جو خلاف واقع ہونے کے ساتھ تحریف قرآنی بھی ہے۔ نعوذ باللہ تعالیٰ منہ، باقی جو حالات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے اپنے زمانہ کے حضرات کے بلکہ پہلے زمانوں کے اور آئندہ آنے والے زمانوں کے حتیٰ ظہور مہدی علیہ السلام اور مقتول دجال (راقم اثیم کے پاس تفسیر عزیزی کا جو نسخہ مطبع محمدی لاہور ہے اس میں و مقتول دجال کے الفاظ ہیں مگر مؤلف مذکور نے مفتون دجال نقل کئے ہیں ممکن ہے ان کے نسخہ میں ایسا ہی ہو) وغیرہ کے بتلائے ہیں سب برحق ہیں اور یہ اور اس قسم کے دیگر بے شمار واقعات اخبار الغیب اور انباء الغیب کی مد میں ہیں اور کوئی مسلمان ان کا منکر نہیں ہے لیکن یہ واقعات علم غیب کی مد میں نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ چنانچہ خود حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ

وآنچہ بہ نسبت ہمہ مخلوقات غائب است غیب مطلق است الیٰ قولہ وایں قسم را غیب خاص او تعالیٰ نامند

اس عبارت سے بھی یہ بات بالکل عیاں ہوگئی ہے کہ علم غیب مطلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے جس میں مفصل احکام کونیہ وشرعیہ کے علاوہ قیامت کے آمد کا صحیح وقت بھی شامل ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے بغیر ان کو بشمولیت امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور کوئی نہیں جانتا یہی قرآن کریم کی تعلیم ہے اور یہی صحیح احادیث کا واضح سبق ہے اور یہی کچھ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرما رہے ہیں مگر فریق مخالف کے صدر الافاضل اور ان کے ہمنوا اور ان کے پس انگندہ سے خوشہ چینی کرنے والے مؤلف مذکور وغیرہ ظاہر و باطن تمام اقوال و افعال اور ایمان و کفر اور اخلاص و نفاق وغیرہ کا علم آپ کے لیے ثابت کر رہے ہیں اور آڑیہ لیتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ایسا فرمایا ہے۔ حالانکہ دونوں نظریات میں آسمان و زمین کا فرق ہے جس کو اہل بدعت اپنی کور مغزی اور کج فہمی کی وجہ سے نہیں سمجھتے اور نہ ان سے اس کی توقع ہے ہم نے اس میں قدرے تفصیل اس لیے کی ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ جس بزرگ کی بقول مؤلف مذکور اندھا دھند عبارات سے ہم استدلال کرتے ہیں ان کی کوئی عبارت ہمارے خلاف نہیں اور ان کی جس عبارت کو فریق مخالف اپنے استدلال میں پیش کرتا ہے اس سے ان کا کوئی مطلب ثابت نہیں ہوتا یہ اس کی نری خوش فہمی یا تعصب کی وجہ سے کج فہمی ہے اور یہی ان کا علمی میدان میں متاع عزیز ہے جس کی وہ حفاظت کرتے ہیں۔

روح البیان کے مصنف اسماعیل حقیؒ ان مفسرین کرامؒ کے زمرہ میں ہرگز داخل اور شامل نہیں ہیں جو محققین کہلاتے ہیں اور جن کی نقل قابلِ اعتماد ہوتی ہے بلکہ وہ رطب و یابس جمع کرنے والے بزرگ ہیں چنانچہ اکسیر صفحہ ۸۲ میں ہے واتی باراجیف کثیرۃ لا ینبغی الالتفات الیھا وفتاوی ضعیفۃ لا یعتمد علیھا ولیس فی الحقیقۃ فی التفسیر لکتاب العزیز لبشیٔ۔ واجترأ علی کتاب اللہ بادخال مالیس منہ فی تفسیرہ الخ یعنی انہوں نے بہت سی جھوٹی باتیں بھی نقل کی ہیں جن کی طرف التفات

مناسب نہیں اور کمزور فتوی نقل کیے ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اور حقیقت میں یہ قرآن کریم کی تفسیر نہیں۔ اور بڑی جرأت سے انہوں نے کتاب اللہ کی تفسیر میں ایسی چیزیں داخل کی ہیں جو تفسیر نہیں۔ لہذا نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ اور اجماع امت کے مقابلہ میں اُن کی بات کیسے اور کیونکر حجت ہو سکتی ہے؟ علاوہ ازیں ان کی عبارت میں جس اطلاع کا ذکر ہے وہ وہی ہے جو انباء الغیب، عرض اعمال اور قرائن و شواہد اور نورِ نبوت اور نورِ فراست کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے نہ کہ وہ امور جو غیب مطلق ہونے کی وجہ سے خاصۂ خداوندی ہیں کیونکہ وہ تو علیم بذات الصدور ہی کے ساتھ مختص ہیں ہمارے پاس روح البیان ہے نہیں اور نہ اس سے کوئی خاص دلچسپی ہے اور انشاء اللہ العزیز ان کی تفسیر سے بھی یہی کچھ ثابت ہوگا جو ہم کہہ رہے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب ثابتہ کا کوئی مسلمان منکر نہیں اور نہ ان کو کوئی منشق ستم بناتا ہے اور نہ بنا سکتا ہے؟ لیکن وہ شخص بھی پرلے درجہ کا بے ایمان ہے جو محض مسلکی تعصب کی وجہ سے نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کا رد کرتا ہے اور اس جیسا بے حیا بھی دنیا میں کوئی نہیں ہے ہم نے قرآن کریم اور حدیث صحیح سے جو واقعات نقل کیے ہیں جن کی اجمالاً نمبر شماری مؤلف مذکور نے بھی کی ہے اس کا کوئی جواب مؤلف مذکور نے نہیں دیا اور نہ دے سکتے ہیں اور نہ قیامت تک پوری جماعت کی امداد حاصل کر کے بھی دے سکتے ہیں۔ مؤلف مذکور کو واضح طور پر معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ واقعات پکار پکار کر اور للکار للکار کر آپ سے جواب طلب کر رہے ہیں کیا ہے آپ میں یا آپ کی جماعت میں دم خم جو ان واقعات کے صحیح جوابات دے سکے؟ یہ ہے درحقیقت دیدہ باید کا مقام فہل من مبارز۔ باقی مؤلف مذکور نے تفسیر خازن کے حوالہ سے سدی سے جو روایت نقل کی ہے اور اس پر بزعم خویش نکات نکال کر نمبر شماری کرتے ہوئے حاشیہ آرائی کی ہے سب کی سب طفل تسلی ہے اور بس سدی کذاب اور وضاع ہے جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ پھر اس کی سند کا بھی کوئی ثبوت نہیں تفسیر مظہری ص $\frac{185}{4}$، میں ہے کہ امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ میں اس روایت پر مطلع نہیں ہو سکا۔ (لم اقف علی ہذہ الروایۃ)

اور ایسے کذاب اور جعل ساز کی بے سند روایت سے استدلال کرنا مؤلف مذکور اور ان کی جماعت ہی کا طغرائے امتیاز ہے یقین جانیے کہ ایسی موضوع اور جعلی اور بے سند روایات سے کوئی بھی مُوحد مخلص اور متبع سنت مسلمان منافق نہیں قرار پاتا خواہ مخواہ مؤلف مذکور نے یہ بے اصل روایت نقل کر کے دِل کی بھڑاس نکالی ہے الغرض (۱) تمام امت کے ایمان و کفر پر اطلاع تو درکنار نص قرآنی کے تحت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل مدینہ کے بعض منافقین کے کفر اور نفاق پر بھی مطلع نہ تھے لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۔ (۲) منافق اپنی منافقت کی وجہ سے یہ غلط سمجھے ہوئے تھے کہ نبی کے لیے علم غیب ضروری ہے تو پھر ہمارا نفاق ان پر کیوں نہیں کُھلا؟ انہوں نے طعن اس لیے کیا کہ بزعم اُن کے اس سے آپ کا علم غیب ثابت نہیں ہو رہا ۔ (اس کی مزید بحث ازالۃ الریب ص ۱۰۹ و ۱۱۰ میں ملاحظہ کیجئے)

علامہ قسطلانیؒ کا یہ حوالہ بھی ہم نے اس میں درج کیا ہے کہ

بان بعض من لم یرسخ فی الایمان کان یظنّ ذٰلک حتّٰی یریٰ ان صحۃ النبوۃ تستلزم اطلاع النبی علیٰ جمیع المغیبات اھ	بعض وہ لوگ جو راسخ الایمان نہ تھے ۔ ایسا خیال کرتے تھے ۔ یہاں تک ان کا خیال تھا کہ نبوت کی صحت اس کو مستلزم ہے کہ نبی تمام غیوب پر مطلع ہو۔

(ارشاد الساری ص ۲۹۶ ج ۱۰)

مؤلف مذکور مع اپنے اکابر کے یہ باطل نظریہ رکھتے ہیں کہ نبی کے لیے تمام غیوب کا انکار منافقوں کا خیال ہے اور یہاں بات یہ نکل آئی کہ منافق اور ضعیف الایمان لوگ نبی کے لیے تمام غیوب ثابت کرتے ہیں ۔ (۳) سدی جیسے کذاب اور وضاع کی بے سند روایت سے مؤلف مذکور کے نزدیک یہ ثابت ہے کہ قیامت تک جو بات چاہو پوچھو مگر اس کے برعکس قرآن کریم صحیح اور متواتر احادیث اور اجماع امت اس بات پر متفق ہے کہ قیامت کے قائم ہونے کا صحیح وقت بجز پروردگار کے کسی اور کو معلوم نہیں ہے ۔ انصاف سے کہیں کہ آپ حضرات کے نزدیک اس میں صحیح بات کون سی ہے ؟ ہم تو بحمد اللہ تعالیٰ

قرآن کریم، صحیح احادیث اور اجماع اُمت کو ہرگز ہرگز نہیں چھوڑتے آپ لوگ سدی کی دم تھامے رکھیں اور یہی آپ کو مبارک ہو۔ (۴) آپؐ کی ناراضگی محض اس لیے تھی کہ دور از کار اور لایعنی سوالات کیوں ہو رہے ہیں چنانچہ بخاری ص ۱۰۸۳ ج ۲ اور مسلم ص ۲۶۴ ج ۲ کی روایت میں ہے کہ آپ سے ایسی اشیاء کے بارے سوال کیا گیا جن کو آپ پسند نہیں فرماتے تھے اور جب لوگوں کے سوالات بڑھ گئے تو آپ نے غصہ میں آکر فرمایا مجھ سے پوچھو الحدیث۔ اور بخاری ص ۱۹ ج ۱ کی روایت میں ہے وسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن اشیاء کرھھا فلما اکثر علیہ غضب الحدیث کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جب ایسی اشیاء کے بارے بکثرت سوالات ہوئے جن کو آپ پسند نہیں کرتے تھے تو آپؐ ناراض ہو گئے۔ (۵) حضرت عمرؓ اور حضرت حذیفہؓ بے شک آپ کی اس وسعت علمی کے قائل تھے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمائی تھی لیکن حضرت عمرؓ کا رضیت باللہ ربا الخ پڑھنا اس لیے تھا کہ منافق لایعنی اور دور از کار سوالات کر کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذہن مبارک کو پریشان کرتے اور آپ کا قیمتی وقت ضائع کرتے تھے اور حضرت حذیفہؓ نے من ابی کا سوال اس لیے کیا تھا کہ عوام میں ان کی ولدیت کے بارے میں غلط تاثرات تھے۔ مسلم (ص ۲۶۳ ج ۲) کی روایت میں ہے کان یلاحی فیدعی لغیر ابیہ الحدیث کہ جب ان کے ساتھ جھگڑا ہوتا تو اُن کو باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا جاتا۔ اور آپ کا یہ بتانا وحی کے مطابق تھا۔ قال العلماء ھذا القول منہ صلی اللہ علیہ وسلم محمول علی انہ اوحی الیہ الخ (نووی شرح مسلم ص ۲۶۳ ج ۲ وغیرہ)

۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ محمد سرفراز تو قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ پر ایمان لانے کی برکت سے مخلص مسلمانوں کی صف میں کھڑا ہے البتہ مؤلف مذکور نبی کے لیے علم غیب کی صفت ثابت کر کے منافقین کے زمرہ میں شامل ہو گئے جن کے بارے میں ارشاد خداوندی یہ ہے۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ نعوذ باللہ من عذاب النار اب یہ انصاف خود مؤلف مذکور کے ہاتھ میں ہے کہ وہ کیا فیصلہ صادر کرتے

ہیں کہ نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کا رد کرنا مسلمانوں کا کام ہے یا کافروں، مشرکوں اور منافقوں کا؟ یہ فیصلہ ان کو خود کرنا ہوگا ورنہ قارئین کرام کی عوامی عدالت میں فیصلہ ہو جائے گا۔ ؎

تم ہی نہ سن سکے اگر قصۂ غم سنے گا کون؟ کس کی زبان کھلے گی پھر ہم اگر نہ سنا سکے

مؤلف مذکور کا معصومانہ انداز

مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ یہ جزوی واقعات آپ کی لاعلمی کے ہیں کسی طرح مضر نہیں کیونکہ کسی امر کی طرف سے توجہ ہٹ جانا ایک حقیقت ثابتہ ہے اور علماء دیوبند کے ہاں بھی یہ مسلّم ہے (محصلہ) سو گذارش یہ ہے کہ یہ تو کئی واقعات ہیں مگر ایک واقعہ بھی آپ کی کلی کو گرانے اور ڈھانے کے لیے کافی ہے کیونکہ منطقی طور پر موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ ہے الغرض ایک واقعہ بھی آپ کے باطل دعوٰی کے رد کے لیے کافی ہے چہ جائیکہ واقعات، ان واقعات نے تو آپ کے باطل اور بے بنیاد دعوٰی پر بالکل پانی پھیر دیا ہے۔ اور آپ کے پلّے کچھ بھی نہیں رہنے دیا صرف آپ نے خازن کے حوالہ سے سدی کذاب کے گھر میں پناہ لی ہے جو آپ کی علمی رسوائی کے لیے بالکل کافی ہے اور یہ داغ ہمیشہ آپ کی پیشانی پر چمکتا رہے گا۔ سدی دو ہیں ایک کبیر دوسرا صغیر کبیر کا نام اسماعیل ہے فن حدیث میں ان کے بارے میں حضرات محدثینؒ کی رائے یہ ہے امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ ان کی روایت میں ضعف ہوتا ہے ابو زرعہؒ فرماتے ہیں کہ وہ کمزور ہے ابو حاتمؒ اور طبریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے احتجاج درست نہیں ہے امام جوزجانیؒ فرماتے ہیں کہ وہ کذاب اور تبرائی تھا (تہذیب التہذیب ص ۳۱۴ ج ۱) اور صغیر کا نام محمد بن مروان ہے امام جریرؒ بن عبدالحمیدؒ اور ابن نمیرؒ فرماتے ہیں کہ وہ کذاب ہے اور صالحؒ بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا بقیہ محدثینؒ بھی اس پر سخت جرح کرتے ہیں (تہذیب ص ۴۳۶ و ۴۳۷ ج ۹) انصاف سے فرمائیں کہ ایسے کذّاب راوی کی روایت سے دینی کوئی مسئلہ ثابت ہوتا یا ہو سکتا ہے؟

توجہ ہٹنے کا شوشہ

بے شک کسی وقت آدمی کی توجہ کسی امر کی طرف نہیں ہوتی اور اس سے ذہول ہوتا ہے۔ مگر ان واقعات میں ایسا نہیں ہے کیونکہ یہاں مثلاً حضرت زیدؓ بن ارقم نے منافقین کی کذب بیانیوں کا مقدمہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰے

علیہ وسلم کے سامنے دائر کیا تھا اور آپ نے منافقین کو بلا کر اُن کے بیانات سُننے اور یہ سب کچھ کر چکنے کے بعد حضرت زیدؓ بن ارقم کے جھوٹا ہونے اور منافقین کے سچا ہونے کا فیصلہ صادر فرمایا جس کی اصلاح سورۂ منافقین کے ذریعہ کی گئی اور آپؐ نے اپنے سابق فیصلہ سے رجوع فرمایا کیا یہ ساری کارروائی ہوتے ہوئے بھی آپ کی توجہ نہ تھی؟ مؤلف مذکور نے یہ کیا لایعنی بات کہدی ہے ایسی بڑ تو ملنگ بھی نہیں مارا کرتے۔ پھر حضرت عائشہؓ کا ہار ضائع ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنفس نفیس خود بھی اس کو تلاش کرتے ہیں اور حضرات صحابہ کرامؓ بھی تلاش کرتے ہیں (چنانچہ بخاری شریف ص۴۸ کی روایت میں ہے۔ فاقام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی التماسہ واقام الناس معہ' الحدیث آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اس ہار کی تلاش کے لیے رُکے رہے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ رُکے رہے) کیا یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی آپ کی توجہ نہ تھی؟ اور واقعہ افک میں تو ایک ماہ تک آپ پریشان رہے اور حضرت عائشہؓ سے آپ نے یہ بھی فرمادیا کہ اگر تو گناہ سے آلودہ ہو چکی ہے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ اور توبہ کر (وان کنت المَمتِ بذنب فاستغفری اللّٰہ وتوبی الیہ الحدیث بخاری ص۵۹۶ ج۲) کیا حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہو کر بھی آپ پر ایک ماہ اصل حقیقت عیاں نہ ہو سکی کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ اور یہ غلط تشہیر کیا ہے؟ پھر اگر آپ کو علم غیب کُلّی تھا اور آپ حاضر و ناظر تھے تو حضرت عائشہؓ کی پاکدامنی کے سلسلہ میں وحی نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر آپ کو قطعی طور پر پہلے ہی سے اصل واقعہ معلوم ہوتا تو نہ آپ کو پریشانی ہوتی اور نہ اس تحصیل حاصل کی نوبت آتی غرضیکہ مؤلف مذکور ان صحیح اور قطعی واقعات کا کوئی جواب نہیں دے سکے صرف عوام کو بدراہ کرنے کے لیے شُدّی کی جھولی میں پناہ تلاش کرتے ہیں جو بالکل بے سود ہے بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے سب دلائل قارئین کرام کے سامنے ہیں اور فریق مخالف کی کوئی دلیل ان کا ساتھ نہیں دیتی۔ ان کو یہ ضرور پڑھنا چاہیئے۔ ؎

جب میں چلوں تو سایہ بھی اپنا نہ ساتھ دے   جب تم چلو زمین چلے آسمان چلے

انتہائی نکمی بات مؤلف مذکور نے خان صاحب کے پاؤں پکڑتے ہوئے اپنے دلائل کے ترکش سے آخری تیر بھی چلا دیا کہ یہ سب واقعات نزول قرآن کے دوران تھے اور بتدریجاً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم حاصل ہوتا رہا۔ سرفراز یہ ثابت کرے کہ فلاں امر کا علم آپ کو وصال تک حاصل نہیں تھا تو تب بات بنتی ہے (ملخصاً) بحمد اللہ تعالیٰ سرفراز جو کچھ کہتا ہے اس کو سمجھتا ہے اور سمجھ کر ہی کہا ہے سو گذارش ہے کہ سورۃ منافقین آخری سورتوں میں سے ہے اس کے بعد کون سی سورت یا آیت یا خبر متواتر وارد ہوئی ہے جس سے اس واقعہ کی تردید یا تکذیب ہو؟ کیا اس سورت کا مضمون آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال تک برقرار نہیں رہا؟ آپ اس کا ناسخ بیان کریں کہ وہ کون سا ہے؟ مگر ہو قطعی سُدّی وغیرہ کا شُشکہ نہ ہو۔ علاوہ ازیں بخاری ص۶۷۱ ج۲ میں روایت ہے کہ آخری سورت سورۃ براءۃ ہے۔ (وآخر سورۃ نزلت براءۃ (بخاری ص۶۷۱ ج۲) وقال عثمان رضؓ وکانت براءۃ من اخر القرآن الحدیث مستدرک ص۳۳۰ ج۲ قال الحاکمؒ والذھبیؒ صحیح) اور اس سورۃ توبہ سے ہم نے یہ نقل کیا ہے کہ وَمِنْ اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُھُمْ نَحْنُ نَعْلَمُھُمْ اس کے بعد وہ کون سی سورت یا آیت کریمہ یا خبر متواتر نازل ہوئی ہے جس سے ان منافقین کا علم آپ کے لیے ثابت ہے؟ ذرا ہمت کر کے اس کا تذکرہ تو کیجئے؟ ذرا علمی طور پر لب کشائی تو کیجئے؛ ذرا اپنے علمی تھیلے سے وہ قطعی دلیل تو نکالیے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ قطعی واقعات ہیں اور آپ کے وصال تک عدم علم ثابت کر رہے ہیں اور ان کے بعد ان کے خلاف قطعاً کوئی ارشاد نازل نہیں ہوا؛ ہمت ہے تو ان کو میدان میں لائیے مگر ؎

دیکھے ہیں بہت ہم نے ہنگامے محبت کے   آغاز بھی رسوائی انجام بھی رسوائی

حضرت عائشہ رضؓ پر بہتان کا واقعہ اور اس پر منجانب اللہ تعالیٰ صفائی کے دلائل جن میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علم غیب اور حاضر و ناظر ہونے کی صراحۃً نفی

اور تردید ہوتی ہے بڑے ٹھوس محکم اور قطعی ہیں جن کا یقیناً جواب نہیں ہو سکتا اس سے لاجواب ہو کر مؤلف مذکور نے یوں رونا شروع کر دیا ہے کہ اس واقعہ کو دیگر مبتدعین دیوبند عموماً اور سرفراز خصوصاً برسر عام بازاروں میں منبروں پہ اور کتابوں کے صفحات پر بیان اور درج کرنے سے نہیں چوکتے جس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ کو ایذار پہنچتی ہے اگر خود ان کی ماں پہ ایسا اتہام لگایا جاتا تو اس کی تشہیر کو کبھی یہ لوگ پسند نہ کرتے (محصلہ) سو عرض یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ پہ بہتان اور افک کا واقعہ اور اس کی صفائی قرآن کریم میں مذکور ہے اور دُنیا میں کوئی کتاب قرآن کریم سے زیادہ نہیں پڑھی جاتی اگر اس واقعہ کے بیان اور اظہار میں ادنیٰ سی توہین کا پہلو بھی ہوتا یا اس میں آپؐ کی اور حضرت ام المؤمنین کی ایذار کا شبہ بھی ہوتا تو وہی سچا پروردگار جس نے قرآن کریم کے ذریعہ رَاعِنَا کہنے سے منع کر دیا ہے اور وہی خالق کائنات جس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے بولنا اس نص قطعی یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ الآیۃ سے منع کر دیا ہے۔ اور وہی رب الارباب جس نے آپ کی ازواج مطہراتؓ سے آپ کی وفات کے بعد ہمیشہ سے نکاح کرنے کی ممانعت کا حکم نازل کر دیا ہے اور وہی عالم الغیب والشہادۃ جو قرآن کریم میں آپؐ کی تعظیم کا یوں سبق دیتا ہے وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ کبھی اس واقعہ افک کو قرآن کریم میں نہ نازل فرماتا اور کبھی اس کو باقی نہ چھوڑتا اور ظاہر امر ہے کہ قرآن کریم بازاروں میں مسجدوں میں گھروں میں حتیٰ کہ ہر جگہ پڑھا جاتا ہے پھر کتب حدیث اور تاریخ میں یہ واقعہ مذکور ہے اور آج تک اس کو مسلمان پڑھتے پڑھاتے اور نقل کرتے چلے آ رہے ہیں اگر اس میں ایذار کا معمولی سا شبہ بھی ہوتا تو نہ تو وہ اس کو نقل کرتے اور نہ کتابوں میں رہنے دیتے اور نہ پڑھتے یہ امر اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اس واقعہ میں ایذار و توہین کا ادنیٰ سا احتمال بھی نہیں ہے اگر ہماری ماؤں پہ ایسا الزام لگتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعی طور پہ ان کی صفائی نازل ہوتی تو ہم ایسے واقعہ کی ہر چند زیادہ سے زیادہ تشہیر کرتے کہ بد باطنوں نے تو ہماری ماؤں پر یہ الزام لگایا ہے مگر خداوند عزیز نے ان کی یوں

صفائی پیش کرتا ہے مؤلف مذکور کی جواب سے قاصر ہو کر یہ بدحواسی کا روشن مظاہرہ ہے کہ ان کو الزام اور اتہام کا حصہ تو نظر آتا ہے مگر تزکیہ اور صفائی کا حصہ نظر نہیں آرہا اصل بات یہ ہے کہ چونکہ یہ واقعہ قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور اس سے آنحضرت صلی تعالٰے علیہ وسلم کے علم غیب کلی اور حاضر و ناظر ہونے کا ناقابل تردید طریقہ سے رد ہوتا ہے جس کا جواب فریق ثانی اور خصوصاً اسکے وکیل کے پاس کچھ بھی نہیں اسلیے وہ تو یلا مچاتے ہیں کہ اس سے ایذاء ہوتی ہے اور یہ ہوتا ہے اور وہ ہوتا ہے اصل ایذاء صرف ان کو ہوتی ہے جو لاجواب ہیں اور بس ؎

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی ۔ دیوانہ مرگیا آخر کو ویرانے پہ کیا گذری

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر نہ ہونا ایک اسلامی عقیدہ ہے اور نبوت و رسالت کے لوازمات میں سے ہے اس کو استہزاء پر یا فضائل نبوت کے ساتھ لعب و لہو پر محمول کرنا پرلے درجہ کی شیطنت ہے اگر اس میں استہزاء کا ادنیٰ ترین احتمال بھی ہوتا یا اس سے معاذ اللہ تعالٰے فضائل رسالت کی توہین کا کوئی ادنیٰ سا پہلو بھی نکلتا یا یہ مسئلہ مناقب رسالت کے ساتھ لعب و لہو پر منتج ہوتا تو حضرات فقہاء کرامؒ کا محتاط طبقہ کبھی بھی اس عقیدہ کو نہ اپناتا اور نہ دلائل کے ساتھ اس کو ثابت کرتا اور اس کے خلاف کو کبھی بھی کفر نہ قرار دیتا جب کہ بقول حضرات فقہاء کرامؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے حاضر و ناظر اور علم غیب کی صفت ماننا کفر ہے تو لامحالہ نہ ماننا عین ایمان و اسلام ہے اس کو استہزاء سے تعبیر کرنا اور فضائل رسالت کے انکار پر محمول کرنا انتہائی دجل و تلبیس ہے اور دلائل سے قاصر ہو کر صرف اپنے ناخواندہ حواریوں کے اطمینان کے لیے ایک قسم کا چورن اور خوردہ مہیا کرنا ہے الغرض آنحضرت صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر و ناظر و مشکل کشا ماننا اور آپ کے لیے علم غیب وغیرہ خدائی صفات ثابت کرنا خالص کفر اور شرک ہے ؎

خدا مشکل میں خود مشکل کشا ہے اپنے بندوں کا ۔ کسی بندے کو میں مشکل کشا کہدوں یہ مشکل ہے

حاضر و ناظر کا ثبوت یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ ۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جسم اقدس کے ساتھ روضۂ منورہ میں تشریف فرما رہے ہیں ۔ اور تمام کائنات آپ کے سامنے حاضر ہے جسے آپ ملاحظہ فرما

رہے ہیں جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جا سکتے ہیں اگر آن واحد میں امکنہ متعددہ پر تشریف لے جانا چاہیں تو یہ بھی ممکن ہے یہی حاضر و ناظر کا صحیح مفہوم ہے نہ یہ کہ آپ اپنے مجبور (ظاہر) جسم کے ساتھ ہر جگہ بالفعل موجود ہوتے ہیں جیسا کہ مبتدعین دیوبند نے اہل سنّت پر افترا باندھا اور پھر اُسے بنیاد بنا کر لغو اور لایعنی اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا جہاں تک آپ کے ملاحظہ فرمانے کا تعلق ہے ہم نے نگہبان کی تائید میں جو عبارات پیش کی ہیں ان میں اس کے ثبوت کا کافی مواد موجود ہے دلتفصیل موضع اخر اجمالی طور پر یوں سمجھنا چاہیئے کہ حاضر و ناظر کے اثبات کے لیے آپ کی حیات اور لوازمات حیات کے بالفعل متحقق ہونے کا اور آن واحد میں امکنہ متعددہ پر موجود ہونے کے امکان کا اثبات ضروری ہے۔

حیات

حیات کے بارے میں کچھ گفتگو ہم اس کتاب کے پہلے باب میں کر چکے ہیں مزید تفصیل کے لیے مبتدعین دیوبند کے سرخیل مولوی قاسم نانوتوی لطائف قاسمیہ صہ۳ پر لکھتے ہیں عقیدہ دل سے آگاہ کیے دیتا ہوں اس ضمن میں کسی دلیل یا مثال کی طرف بھی اشارہ ہو جائے تو ہو جائے۔ انبیاء کرام کو انہیں اجسام دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔ لطائف قاسمیہ صہ۴ پر لکھتے ہیں، تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاص کر حضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے مگر اس صورت میں یہ اجتماع موت و حیات ایسا ہوگا جیسا وقت کشتی جالشین کشتی کا حرکت و سکون جیسے یہاں سکون اصلی ہے اور حرکت عرضی ایسی ہی وہاں بھی حیات اصلی اور موت عرضی ہوگی۔

نانوتوی صاحب کے اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے ساتھ موت کا اتصاف مجازاً ہوا ہے اور حقیقۃً حضور کے ساتھ موت کا قیام نہیں ہوا جیسے جالس فی السفینۃ کے ساتھ حرکت کا قیام مجازاً ہوتا ہے اور حقیقۃً وہ متحرک نہیں ہوتا خلاصۃ المرام یہ کہ اس تقریر سے آپ پر حقیقۃً موت کے طاری ہونے کا انکار ہوا۔

لطائف قاسمیہ صہ۵ پر لکھتے ہیں۔ فرض کیجیئے چراغ کو کسی ظرف گلی میں رکھ کر سرپوش رکھ دیجیئے یہاں تمام شعاعیں باہر سے سمٹ کر اس ظرف میں آجاتی ہیں بلکہ خود شعلۂ چراغ میں

سما جاتی ہیں جس سے وہ اشتداد مشارالیہ نمایاں ہو جاتا ہے ایسے ہی یہاں بھی خیال فرمائیے۔
اس صورت میں موت انبیاء کرام اور موت عوام میں ایسا فرق ہو گا جیسا کہ چراغ ظرف گلی میں مستور ہو جانے اور گل ہو جانے میں فرق ہے۔ اس عبارت کا مطلب واضح ہے یعنی عوام کی موت تو اس طرح ہے کہ موت سے اس کا چراغ حیات بجھ جاتا ہے اور انبیاء کی موت اس طرح ہے کہ ان کا چراغ حیاتِ قبر میں مستور ہو جاتا ہے یعنی اس کی روشنی پہلے سے بڑھ جاتی ہے خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء کی حیات کا چراغ ہمیشہ روشن رہتا ہے اور کبھی نہیں بجھتا۔

لطیفہ: مولوی سرفراز صاحب تنقید متین ص۲۹ پر لکھتے ہیں۔ یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء اور اولیاء اور شہداء سے کیا کرتے ہیں کہ نہ تو وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں اور نہ قریب۔ اس عبارت میں سرفراز صاحب نے حیات انبیاء کی نفی کی ہے اور لطائف قاسمیہ میں قاسم صاحب نے موت کی نفی کی ہے غور فرمائیے بتدعین دیوبند کے اصول و فروع میں کس قدر تناقض ہے آباء دیوبند نے حیات کو ماننے میں اس قدر مبالغہ کیا ہے کہ حقیقت موت کا سرے سے انکار کیا ہے اور انك میت۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ اور فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ کی تکذیب کر دی اور ابناء دیوبند نے موت میں اس قدر غلو کیا ہے کہ حیات کا قطعاً انکار کر دیا ہے اور نبی اللہ حی یرزق کی تکذیب کر دی باپ بیٹوں میں کون جھوٹا ہے اس کا فیصلہ وہ خود کر لیں ہماری تحقیق یہ ہے کہ دونوں ہی جھوٹے ہیں کیونکہ نبی علیہ السلام کے لیے ایک آن موت ثابت ہے اور یہی انك میت اور کل نفس ذائقة الموت کا مقتضیٰ ہے اور اس کے بعد آپ کو اللہ تعالیٰ نے حقیقی حیات عطا فرمائی جو احادیث صحیحہ کا مقتضیٰ ہے ضروری تفصیل بحث استعانت میں کی جا چکی ہے بہر حال بانی دیوبند کے کلام سے دنیاوی حیات ثابت ہو گی اور یہی ہمارا مدعیٰ ہے۔

(انتہی بلفظہٖ توضیح البیان ص۱۹۸ تا ص۲۰۰)

الجواب: ہم نے یہ عبارت پوری اس لیے نقل کی ہے تاکہ قارئین کرام کے سامنے اس کے تمام اجزاء آجائیں ہم نے بھی استعانت کی بحث میں اسی کتاب میں کچھ ضروری

بحث کی ہے مگر چونکہ مؤلف مذکور کتاب کا حجم بڑھانے نیز علماء دیوبند کی بزعم خویش علمی خامیاں اور تضاد بیانیاں اُجاگر کرنے کے لیے فضول بھرتی کر رہے ہیں ناچار ہمیں بھی ان کی علمی سرکوبی کرنے کے لیے بعض اُمور کی تفصیل اور اعادہ کرنا پڑتا ہے ورنہ ہم علمی طور پر اس کو پسند نہیں کرتے اب ہم بحمد اللہ تعالیٰ مؤلف مذکور کی عبارت کا تجزیہ کرتے ہوئے اس پر بحث کرتے ہیں غور فرمائیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روضۂ منورہ میں تشریف فرما ہیں اور تمام کائنات آپ کے سامنے حاضر ہے آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں پھر آگے لکھتے ہیں جہاں تک آپ کے ملاحظہ فرمانے کا تعلق ہے ہم نے نگہبان کی تائید میں جو عبارات پیش کی ہیں ان میں اس کے ثبوت کا کافی مواد موجود ہے للتفصیل موضع آخر سو جواباً گزارش ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی اور حاضر و ناظر ہونے کی نفی پر قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ اور حضرات فقہاء کرام کے صریح فتوے موجود ہیں ازالۃ الریب اور تبرید النواظر میں باحوالہ وہ درج ہیں مؤلف مذکور نے روضۂ منورہ میں تمام کائنات کے حاضر ہونے کا جو سراسر بے بنیاد دعویٰ کیا ہے اس کی کون سی قطعی دلیل پیش کی ہے اور اس بے بنیاد دعویٰ پر ان کے پاس کون سی قطعی دلیل موجود ہے ضرورت اور حاجت کے وقت آپ اس کو بیان کرنے سے کیوں قاصر ہیں؟ اور جان چھڑانے کے لیے وللتفصیل موضع آخر کہہ کر کیوں راہ فرار اختیار کر رہے ہیں؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ جو صحیح۔ صریح اور قطعی دلیل ہے اس کو آپ اپنے علمی تھیلے سے کیوں باہر نہیں نکالتے تاکہ عوام بھی اس سے بخوبی استفادہ کر سکیں اور آپ کی روشن مزاجی کی داد دیں۔ ؎

اس جہاں میں تو اپنا سایہ بھی روشنی ہو تو ساتھ چلتا ہے

رہا نگہبان کے لفظ کی تائید میں پیش کردہ عبارات تو یقین کیجئے کہ ان میں سے کسی عبارت سے آپ کا یہ باطل دعویٰ ثابت نہیں ہوتا ان سے جو کچھ ثابت ہے وہ اخبار غیب اور عرض اعمال کی روایات کے پیش نظر صرف اجمالی طور پر بعض حالات کا علم ہے نہ کہ ہر ہر واقعہ کا کیونکہ یہ نظریہ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ وغیرہ صحیح اور صریح احادیث کے

بالکل خلاف ہے کما مرّ قطعی دلائل اور صحیح احادیث کی روشنی میں علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم نے جو کچھ کہا ہے وہ عین ایمان اور خالص اسلام ہے اس میں ایک رتی بھر شک نہیں ہے جس پر حضرات فقہاء رح کے فتوٰی شاہد عدل ہیں۔

(۲) مؤلف مذکور یہ لکھتے ہیں کہ آپ جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں اگر آن واحد میں امکنۂ متعددہ میں تشریف لے جانا چاہیں تو ممکن ہے اور حاضر و ناظر کا یہی صحیح مفہوم ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ مؤلف مذکور نے خود تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا جسم اقدس روضۂ منورہ ہی میں تشریف فرما ہوتا ہے یعنی آپ جسمانی طور پر کہیں بھی حاضر و ناظر نہیں ہیں ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔ نہ یہ کہ آپ اپنے مجہور (ظاہر) جسم کے ساتھ ہر جگہ بالفعل موجود ہوتے ہیں الخ۔ ہمارا بھی اس پر صاد ہے اب دو صورتیں باقی رہ جاتی ہیں اوّل یہ کہ آپ کی روح مبارک ہر جگہ حاضر و ناظر ہو تو اس کے متعلق گذارش ہے کہ مؤلف مذکور نے روح مبارک کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کے بارے میں کون سی قطعی دلیل پیش کی ہے جس پر اعتماد کیا جاسکے اور حضرات فقہاء کرام تو یہ فرماتے ہیں کہ

من قال ارواح المشائخ حاضرة تعلم يكفر (بزازیہ۔ البحر الرائق)	جو شخص یہ کہے کہ بزرگوں کی روحیں حاضر ہیں اور وہ جانتی ہیں تو ایسا شخص کافر ہے۔

کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشائخ بلکہ شیخ المشائخ میں داخل نہیں ہیں، تو اس حوالہ کے پیش نظر تو آپ کی روح مبارک کو حاضر ماننا کفر ہے پھر بھلا کفر مسلمان کا عقیدہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ اور دوم یہ کہ آپ کی مثالی شکل حاضر ہو اور ایک جگہ پر نہیں بلکہ متعدد جگہوں میں ہو اور اس کے ہم بھی منکر نہیں ہیں ہم یہاں صرف چند عبارات عرض کرتے ہیں غور فرمائیں۔

۱۔ شیخ ابو طاہر قزوینی رح امام محمد بن محمد غزالی رح سے نقل کرتے ہیں کہ

وكان الغزالي رحمه الله يقول من رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم لم ير حقيقة شخصه	اور امام غزالی رح نے فرمایا کہ جس شخص کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اس نے مدینہ منورہ میں روضۂ اقدس کے

المودع فی روضۃ المدینۃ
وانما رأی مثالہ لا شخصہ الخ
(الیواقیت والجواہر ص ۱۳۲ ج ۱)

اندر رکھے ہوئے آپ کے بدن مبارک کو نہیں
دیکھا بلکہ اس نے اس کی مثال کو دیکھا نہ کہ ذات
اور شخص کو۔

اس عبارت میں حضرت امام غزالیؒ نے تصریح فرمادی کہ آپ کی زیارت کرنے والا (خواب میں ہو یا بیداری میں) آپ کی ذات اور جسم مبارک کو نہیں دیکھتا بلکہ مثالی صورت کو دیکھتا ہے

۲۔ بخاری شریف کے مشہور شارح علامہ ابن منیرؒ فرماتے ہیں کہ

یجعل اللہ لروحہ مثالاً فیری
فی الیقظۃ کما یری فی النوم
(بحوالہ فتح الملہم ص ۲۳ ج ۱)

اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
روح کے لیے مثال پیدا کر دیتا ہے جو بیداری میں
نظر آتی ہے جیسا کہ خواب میں نظر آتی ہے۔

اس عبارت سے واضح ہوا کہ مثالی شکل بیداری میں بھی نظر آسکتی ہے جس طرح کہ وہ نیند اور خواب میں نظر آتی ہے۔

۳۔ امام ابن عابدین شامی حنفیؒ کے شاگرد مشہور محدث شیخ محمدؒ بن سید درویش (المتوفی ۱۲۷۶ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

فاذا اکرم اللہ عبداً برؤیۃ
رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
یمثل لہ نورہ الشریف بصورۃ
جسمہ الکریم وربما ظنہ الرائی
انہ الجسم الشریف لغلبۃ
الحال الخ (اسنی المطالب ص ۲۹۹)

کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو آنحضرت صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف فرمانا
چاہتا ہے تو آپ کے نور مبارک کو آپ کے
جسم اطہر کی صورت میں مثالی شکل بنا دیتا ہے اور
دیکھنے والا اب اوقات غلبۂ حال کی وجہ سے
اُسے آپ کا جسم مبارک ہی سمجھ لیتا ہے۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول میں بالکل واضح ہے مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

۴۔ حضرت تھانویؒ جسم مثالی کی بحث کرتے ہوئے واقعۂ معراج میں تحریر فرماتے ہیں اس کی حقیقت یہ ہے کہ قبر میں تو اصلی جسد سے تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات پر ان کی

روح کا تمثل ہوا ہے یعنی عنصری جسد سے جس کو صوفیا جسم مثالی کہتے ہیں روح کا تعلق ہو گیا اور اس جسد میں تعدد بھی اور ایک وقت میں روح کا سب کے ساتھ تعلق بھی ممکن ہے لیکن ان کے اختیار سے نہیں بلکہ محض بقدرت و مشیت حق الخ (نشر الطیب ص۵ و ص۱۵ طبع جید برقی پریس دہلی)

حضرت تھانویؒ ہمارے اکابرین سے ہیں ان کی اس واضح عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ نہ صرف یہ کہ صورت مثالیہ کا ثبوت ہے بلکہ اس میں تعدد بھی ممکن ہے

۵۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وفات کے

و دیدن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد از موت بمثال است چنانچہ در نوم مرئی می شود در یقظہ نیز می نماید و آن شخص شریف کہ در مدینہ در قبر آسودہ و حی است ہماں متمثل می گردد در یک آن متصور بصور متعدد عوام را درمنام می نمایند و خواص را در یقظہ۔ (مدارج النبوۃ ج۲ . (انوار ساطعہ ص۱۸۴ و براہین قاطعہ ص۲۴۲)

بعد دیکھنا مثال ہی کے ساتھ ہے جس طرح یہ مثالی صورت نیند میں دیکھی جا سکتی ہے اسی طرح بیداری میں بھی دیکھی جا سکتی ہے اور جو ذات مقدسہ مدینہ طیبہ میں قبر مبارک کے اندر آرام فرما اور زندہ ہے وہی ذات مثالی صورت میں ایک آن میں متعدد صورتوں میں متمثل ہو کر عوام کو خواب میں اور خواص کو بیداری میں دکھائی دی جا سکتی ہے۔

امام شعرانیؒ اپنے شیخ محمد الشاذلی المغربیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جن بعض حضرات نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھا جا سکتا ہے تو اس بیداری سے دل کی بیداری مراد ہے نہ کہ حواس جسمانیہ کی بیداری اور یہ دل کی بیداری اس طور پر ہے کہ جب آدمی کمال استعداد اور تقرب کی کوشش اور مبالغہ کرتا ہے تو وہ حق تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے تو اس شخص کی نیند دل کی بیداری کی کثرت کی وجہ سے ایسی ہو جاتی ہے جیسے دوسروں کی (ظاہری) حالت بیداری آگے فرماتے ہیں کہ۔

وحینئذٍ فما راٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الا بروحہ المشکلۃ

اور اس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رؤیت نہیں ہوتی مگر اس روح سے جو مثالی

بشکل الاشباح من غیر اشتغال ذاتہ الشریفۃ ومجیئہا من البرزخ الی مکان ہذا الرائی لکرامتہا وتنزیہہا من کلفۃ المجئ والروح ہذا ہوالحق الصراح

(الیواقیت والجواہر ج۲ ص۹۳ طبع مصر)

شکل اختیار کرتی ہے نہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ برزخ سے اس دیکھنے والے کی جگہ آنے میں مصروف ہوتی ہے کیونکہ آپؐ کی شان اس سے بڑی اور منزہ ہے کہ آنے جانے کی تکلیف اس کو ہو یہی وہ واضح حق ہے۔

اس عبارت میں بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رؤیت روح مثالی سے بیان کی گئی ہے کہ آپؐ کو دیکھنے والا آپ کی روح کی مثالی شکل کو دیکھتا ہے۔

حضرت شیخ شاذلی صاحبؒ کی یہ عبارت بھی اپنے مدلول میں بالکل واضح ہے۔ ہم نے یہ متعدد حوالے محض اس لیے پیش کیے ہیں تاکہ کسی کو از معترض کو یہ شبہ نہ ہو کہ ہم یا ہمارے اکابر صورت مثالیہ اور اس کے تعدد کے قائل نہیں ہیں اور حضرات صوفیاء کرامؒ کے ان بصیرت افروز اقوال سے کسی کو مغالطہ نہ دے سکے۔

صُورِ مثالیہ اور ان کے متعدد ہونے سے مسئلہ علم غیب اور حاضر و ناظر کا قطعاً کوئی تعلق نہیں

صورت مثالیہ اور اس کے متعدد ہونے کے ساتھ علم غیب اور مسئلہ حاضر و ناظر کا دور کا واسطہ بھی نہیں ہے اس کو آپ ایسا ہی سمجھیے کہ جیسا خواب میں کوئی شخص کسی سے ملاقات کرتا اور گفتگو کرتا بلکہ پیار و محبت کرتا اور لڑتا جھگڑتا ہے یہ اس مرئی کی صورت مثالیہ ہوتی ہے اصل ذات اور شخص سے مرد ہو یا عورت جب یہ سوال کیا جائے کہ میری تمہارے ساتھ رات کو ملاقات اور گفتگو ہوئی تھی اور یہ یہ کارروائی ہوئی تھی اور فلاں جگہ ہوئی تھی تو وہ فٹ یہ جواب دے گا کہ مجھے کوئی علم نہیں یہ خواب ہے یا مثلاً ٹی۔ وی پہ (بحمد اللہ تعالیٰ راقم اثیم نے آج تک سینما بھی نہیں دیکھا اور ٹی۔ وی بھی نہیں دیکھی لیکن تواتر سے سنتا ہے کہ ان میں یہی کچھ ہوتا ہے) کسی شخص کی نمائش ہوتی ہے اس کی صورت مثالیہ متعدد مقامات پر نظر آتی ہے لیکن اصل شخص کو علم تک نہیں کہ میری صورت

کہاں کہاں دکھائی گئی؟ اور وہاں کے حالات اور ماحول کیا تھا؟ دیکھنے والے کتنے تھے اور کھڑے تھے یا بیٹھے ان کی وضع قطع کیا تھی اور اس وقت ان کے تاثرات کیا تھے اور وہ دیکھ کر کیا کہتے یا کرتے تھے بس یہی حال ہے صورت مثالیہ اور اصل شخص اور ذات کا کہ صورت مثالیہ ایک ہو یا متعدد بیداری میں یا نیند میں اصل ذات کو کوئی علم نہیں ہوتا کہ میری صورت مثالیہ کہاں کہاں گئی اور کیا کیا کر آئی؟ الغرض صورت مثالیہ (یا صُور مثالیہ) کا علم غیب اور حاضر و ناظر سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے اگر ہماری بات پہ آپ کو یقین نہیں آتا تو ہم آپ کو ماننے پر مجبور نہیں کرتے اور نہ کہہ سکتے ہیں صرف اتمام حُجت کے لیے ہم اس فن کے امام حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) کا حوالہ عرض کرتے ہے۔

واولیائے کہ صاحب علم و کشف اند جائز است کہ بعضے از خوارق خود اطلاع پیدا نہ کنند بلکہ صُور مثالیہ ایشاں را در امکنۂ متعددہ ظاہر سازند و در مسافات بعیدہ کارہائے عجیبہ و غریبہ آں صُور بظہور آرند کہ صاحبِ آں صُور را از آنہا اصلاً اطلاع نیست۔ (مکتوبات دفتر اول حصہ سوم مکتوب ۲۱۶ ص ۱۲۱)

اور وہ حضرات اولیاء کرامؒ جو صاحب علم و کشف ہیں جائز ہے کہ ان کو اپنے بعض خوارق (و کرامات) پر اطلاع نہ ہو بلکہ ان کی مثالی صورتیں متعدد جگہوں میں ظاہر ہو کر اور مسافت بعیدہ طے کر کے عجیب و غریب کام سرانجام دے دیں حتیٰ کہ جن کی یہ مثالی صورتیں ہیں ان کو ان کاموں کی سرے سے اطلاع ہی نہ ہو۔

قارئین کرام! آپ بخوبی سمجھ چکے ہیں کہ صور مثالیہ کا اثبات کرنے کے بعد بھی فریق مخالف کا مسئلہ علم غیب اور حاضر و ناظر حل نہیں ہوا وہ صرف عوام الناس کو اُلّو بنا کر اپنے پیٹ کا دھندہ چلا رہا ہے اور مومد یوں گویا ہے ؎

نہ کر محتاج مجھ کو یا الٰہی اس زمانے میں
کمی کس چیز کی ہے رب بھلا تیرے خزانے میں

(۳) مؤلف مذکور بزعم خویش حاضر و ناظر کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں نیز یہ کہ آپ اپنے محبوب جسم کے ساتھ ہر جگہ بالفعل موجود ہوتے ہیں جیسا کہ متبدعین دیوبند نے اہل سنت پر افترار باندھا اور پھر اسے بنیاد بنا کر لغو اور لایعنی اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا الخ مؤلف مذکور کی دجل و تلبیس کے ساتھ ساتھ معصومیت کا اندازہ بھی لگایئے کہ وہ

کیا کہتے ہیں دجل تو یوں کیا کہ ظاہری اور عنصری جسم کی جگہ انہوں نے مجبور جسم کا جملہ استعمال کیا تاکہ عوام کے پلّے کچھ نہ پڑے اور اس طرح ان کا علمی بھرم اور مسلکی دھرم قائم رہے اور معصومیت یوں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ متبدعین دیوبند نے ہم پر یہ افترا باندھا ہے کہ ہم جسم کے ساتھ ہر جگہ حاضر وناظر کے قائل ہیں اس معصومیت کا بھی کچھ کہنا ہے؟ افسوس ہے کہ مؤلف مذکور کو اپنے بزرگوں کے عقیدے کا بھی علم نہیں ہے۔ کہ وہ کیا کہتے ہیں اور یہ کیا کہتے ہیں کسی نے کیا خوب کہا ہے من چہ میگویم وطبل من چہ مے سراید سو گذارش یہ ہے کہ جسم کے ساتھ ہر جگہ حاضر وناظر ہونے کا عقیدہ آپ کے بزرگوں کا ہے علماء دیوبند کا آپ پر افتراء نہیں ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ وہ بڑے محتاط ہیں افترا کسی پر نہیں باندھتے ہم آپ کی تسلی کے لیے یہاں صرف دو حوالے عرض کرتے ہیں غور کرنا آپ کا اپنا کام ہے۔

۱۔ آپ کے اعلیٰحضرت کے ملفوظات حصہ اوّل ص۱۲۷ و ص۱۲۸ طبع آفسٹ پریس کراچی میں ہے۔ عرض حضور اولیاء ایک وقت میں چند جگہ حاضر ہونے کی قوت رکھتے ہیں؟

ارشاد: اگر وہ چاہیں تو ایک وقت میں دس ہزار شہروں میں دس ہزار جگہ دعوت قبول کر سکتے ہیں۔

عرض مؤلف حضور اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ عالم مثال سے اجسام مثالیہ اولیاء کے تابع ہو جاتے ہیں اس لیے ایک وقت میں متعدد جگہ ایک ہی صاحب نظر آتے ہیں اگر یہ ہے تو اس پر شبہ ہوتا ہے کہ مثل تو شئے کا غیر ہوتا ہے امثال کا وجود شئے کا وجود نہیں۔

ارشاد: امثال اگر ہوں گے تو جسم کے اُن کی رُوح پاک ان تمام اجسام سے متعلق ہو کر تصرف فرمائے گی تو از روئے روح وحقیقت وہی ایک ذات ہر جگہ موجود ہے یہ بھی فہم ظاہر میں ورنہ سبع سنابل شریف میں حضرت سیدی فتح محمد قدس سرہ الشریف کا وقت واحد میں دس مجلسوں میں تشریف لے جانا تحریر فرمایا اور یہ کہ اس پر کسی نے عرض کی حضرت نے وقت واحد میں دس جگہ تشریف لے جانے کا وعدہ فرما لیا ہے یہ کیونکر ہو سکے گا؟ شیخ نے

فرمایا۔ کرشن کنہیا کافر تھا اور ایک وقت میں کئی سو جگہ موجود ہوگیا (حیرت ہے کہ کافر تو کئی سو جگہ میں موجود اور حاضر ہوگیا اور شیخ مسلمان ہو کر بھی دس جگہ ہی حاضر ہو سکے ممکن ہے ان کو دعوت ہی دس جگہ سے آئی ہو ورنہ وہ تو دس ہزار شہروں میں دس ہزار دعوتیں بھی قبول کر سکتے تھے۔ کما مر) مگر یہ بات فہم سے بالاتر ہے کہ جو صفت کافر کی ہے وہ مسلمان کی خوبی اور کمال کیسے بن گئی؟ خود خان صاحب ہی تحریر کرتے ہیں کہ۔ پس یہ سمجھ لیجئے کہ وہ صفت جو غیر انسان کے لیے ہو سکتی ہے انسان کے لیے کمال نہیں اور وہ جو غیر مسلم کے لیے ہو سکتی ہے مسلم کے لیے کمال نہیں بلفظہٖ ملفوظات حصہ چہارم صا۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ خانصاحب اور ان کی روحانی ذریت کا باوا آدم ہی نرالا ہے کہ گنگا گئے تو گنگا رام جمنا گئے تو جمنا داس۔ صفدر) فتح محمد اگر چند جگہ ایک وقت میں ہو کیا تعجب ہے؟ یہ ذکر کر کے فرمایا یہ گمان کرتے ہو کہ شیخ ایک جگہ موجود تھے باقی جگہ مثالیں حاشا بلکہ شیخ بذات خود ہر جگہ موجود تھے اسرار باطن فہم ظاہر سے وراء ہیں خوض و فکر بے جا ہے انتھیٰ بلفظہٖ۔ مؤلف مذکور کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے۔ کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کے بارے میں اُن کے اعلیٰ حضرت کیا ارشاد فرما گئے ہیں؟ گویا یہ کوئی دیوبندی بول رہا ہے یا خانصاحب بریلوی گرہا ہیں؟ کیا جسم کے ساتھ بذات خود ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہونے کا دعویٰ خانصاحب اور ان کے شیخ کرتے ہیں یا کسی دیوبندی نے ان پر یہ افترا کیا ہے؟ للّٰہ کچھ تو فرمایئے کہ بات اور ماجرا کیا ہے؟ ؎

غیروں سے کہا تم نے غیروں سے سُنا تم نے کچھ ہم سے کہا ہوتا کچھ ہم سے سُنا ہوتا

خانصاحب تو لفظ حاشا سے صور مثالیہ اور اجسام مثالیہ کی نفی کرتے ہوئے بذات خود جسم کے ساتھ ہر جگہ موجود اور حاضر و ناظر ہونا اپنے شیخ سے نقل کرتے ہیں اور اس کی تردید نہیں کرتے بلکہ بطور دلیل و احتجاج اس کو پیش کرتے ہیں جس سے ان کا اپنا عقیدہ اور نظریہ بھی بالکل عیاں ہو جاتا ہے۔

۲ آپ کی جماعت کے مناظر اعظم جناب صوفی اللہ دتہ صاحب لاہوری حاضر و ناظر کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ چونکہ مشاہدہ کے دو طریقے ہیں مشاہدہ بالبصر اور مشاہدہ

بالبصیرت پہلے کی یہ صورت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جسم اطہر کے ساتھ خود ہر جگہ موجود ہوں اور مشاہدہ بالبصر فرمائیں دوسری کی صورت یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مقام مبارک سے ہی چشم بصیرت سے معائنہ فرماویں دونوں صورتیں عقلاً اور نقلاً جائز اور ممکن ہیں۔

صورت اول یعنی نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسم پاک سے ہر جگہ حاضر ہونا عقلاً اور نقلاً جائز ہے الخ (تنویر الخواطر ص۱۰۹ و ص۱۱۰) اس کے بعد انہوں نے بزعم خویش اس پر عقلی اور نقلی دلائل بھی پیش کیے ہیں جن کی بحمد اللہ تعالیٰ راقم اثیم نے تفریح الخواطر میں خوب خبر لی ہے جس کو انشاء اللہ تعالیٰ صوفی صاحب مرتے دم تک نہیں بھولیں گے۔ مؤلف مذکور ہی انصاف و دیانت سے یہ بتائیں کہ کیا جسم کے ساتھ اور بذات خود ہر جگہ موجود ہونے اور حاضر و ناظر ہونے کا نظریہ خود ان کے بڑوں نے بیان کیا ہے یا دیوبندیوں نے ان پر افتراء باندھا ہے؟ دونوں پہلو قارئین کرام کے سامنے ہیں ؎

قابل دید تھیں اس وقت ادائیں ان کی آئینہ دیکھ کے جب مدِ مقابل دیکھا

(۴) مؤلف مذکور نے اپنے اس باطل عقیدہ کی بنیاد کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر ہر چیز پر آگاہی ہے اور آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور تمام کائنات آپ کے مشاہدہ میں ہے اس بات پر رکھی ہے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں حیات ہیں اور اس پر انہوں نے بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی چند عبارات بھی نقل کی ہیں ہم اس مقام پر اس کو اس لیے طول نہیں دینا چاہتے کہ بحمد اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ ہم نے حیات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر مبسوط علمی کتاب تسکین الصدور لکھی ہے اور کچھ بحث ہم نے اپنی دوسری کتاب سماع الموتیٰ میں بھی کی ہے اور حضرت نانوتویؒ اور دیگر اکابر کی واضح عبارتیں ہم نے ان میں نقل کی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راقم اثیم اور اس کے جملہ اکابر حضرات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اپنی اپنی قبور میں حیات کے قائل ہیں اور وہ حیات یوں ہے کہ انہیں اجسام دنیوی سے ان کے ارواح طیبات کا تعلق ہے یہ بحث مفروغ عنہ ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں لیکن حیات کے مسئلہ سے علم غیب اور حاضر و ناظر کے مسئلہ کا کیا تعلق ہے؟ اور ان

میں شرعاً وعقلاً کونسا تلازم ہے؟ آپ کی وفات حسرت آیات سے قبل آپ کی اس دُنیا میں زندگی کا کون منکر ہے؟ مگر جب آپ زندہ تھے تو کیا آپ کو علم غیب حاصل تھا؟ اور کیا آپ ہر جگہ موجود اور حاضر وناظر تھے؟ آپ پہلے منافقوں کی غلط بیانی کا واقعہ افک کا واقعہ۔ ہار ضائع ہو جانے کا واقعہ اور زہر خورانی وغیرہ کے دیگر واقعات پڑھ چکے ہیں جب آپ اس جہاں میں زندہ بھی تھے۔ تو پھر بھی آپ کو علم غیب نہ تھا اور نہ حاضر وناظر تھے تو وفات کے بعد قبر اور برزخ کی حیات میں یہ صفت آپ کو کس دلیل قطعی سے حاصل ہو گئی۔ اس کو بیان تو کیجیے تاکہ ہمارے معلومات میں بھی اضافہ ہو؟ اس کے برعکس بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے پاس دلیل نہیں ادلہ ہیں برہان نہیں براہین ہیں۔ تبرید النواظر اور ازالۃ الریب وغیرہ میں ان کو ملاحظہ کیجیے ہم صرف ایک حوالہ یہاں عرض کیے دیتے ہیں، امام قاضیخاں الحنفیؒ (المتوفی ۵۹۲ھ) لکھتے ہیں۔

رجل تزوج امرأۃ بغیر شہود فقال الرجل للمرأۃ خدائے را و پیغامبر را گواہ کردیم قالوا یکون کفراً لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب وھو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت (فتاوی قاضیخاں ص۸۸۳ طبع نولکشور)	کسی شخص نے ایک عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا اور اس شخص نے عورت سے کہا کہ ہم خدا تعالیٰ اور پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بناتے ہیں حضرات فقہاء کرامؒ فرماتے ہیں کہ یہ کفر ہے اس لیے کہ اس شخص نے یہ عقیدہ بنا لیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں حالانکہ آپؐ جب (اس دنیا میں) زندوں میں تھے تو غیب نہیں جانتے تھے تو وفات کے بعد کیسے غیب جانتے ہیں

دیکھیے کس طرح انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس زندگی میں علم غیب نہ تھا تو وفات کے بعد (قبر اور برزخ کی زندگی میں) علم غیب کہاں سے؟ کس طرح؟ اور کس دلیل سے حاصل ہو گیا؟ الغرض حیات کے ساتھ علم غیب اور حاضر و ناظر کا قطعاً کوئی تلازم نہیں ہے نہ عقلاً اور نہ نقلاً آپ اس دنیا میں بھی زندہ تھے مگر علم غیب اور حاضر وناظر کی صفت آپ کو حاصل نہ تھی اور قبر اور برزخ میں بھی زندہ ہیں لیکن وہاں بھی یہ

صفات آپ کو حاصل نہیں ہیں عرض اعمال کے تحت بعض اعمال کی خبر اور اطلاع محل نزاع نہیں ہے ہم نے تسکین الصدور، سماع الموتیٰ اور ازالۃ الریب میں باحوالہ بقدر ضرورت اس کی بحث کر دی ہے اس کو وہاں ہی ملاحظہ کرلیں اور اس کے پیش نظر کتاب میں بھی پہلے اجمالی بحث ہو چکی ہے۔

(۵) مؤلف مذکور نے اپنی جہالت کی وجہ سے حضرت نانوتویؒ کی عبارت میں کشتی اور کشتی سوار کی مثال سے یہ سمجھا ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ حضرت نانوتویؒ آپؐ کی وفات کے منکر ہیں چنانچہ مؤلف مذکور نے لکھا ہے کہ آبا۔ دیوبند نے حیات کو ماننے میں اس قدر مبالغہ کیا کہ حقیقت موت کا سرے سے انکار کیا اور انک میت۔ کل نفس ذائقۃ الموت اور فان محمدًا قدمات کی تکذیب کر دی (ص۲) اور نیز لکھا کہ نبی علیہ السلام کے ساتھ موت کا اتصاف مجازًا ہوا اور حقیقۃً حضور کے ساتھ موت کا قیام نہیں ہوا جیسے جالس فی السفینۃ کے ساتھ حرکت کا قیام مجازاً ہوتا ہے الخ (ص۱۹۹) مگر یہ مؤلف مذکور کی نری جہالت ہے۔ اولاً تو اس لیے کہ خود مؤلف مذکور حضرت نانوتویؒ کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کرتے ہیں۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاصکر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضرور ہے الخ (لطائف قاسمیہ ص۴) توضیح البیان ص۱۹۹) حضرت نانوتویؒ کی اس عبارت سے بالکل عیاں ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کا صرف اقرار ہی نہیں کرتے بلکہ اس کو اعتقاد سے تعبیر کرتے ہیں اور ساتھ ہی ضروری کہتے ہیں ان کی ایسی صریح عبارت کے ہوتے ہوئے یہ باطل دعویٰ کرنا کہ وہ آپ کی حقیقۃ موت کا سرے سے انکار کرتے ہیں کتنا اور کیسا صریح کذب اور بہتان ہے جس کے بارے سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ وثانیاً مؤلف مذکور خود جہل مرکب کا شکار ہیں وہ جہالت کی وجہ سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ کشتی سوار کا حرکت کرنا مجازاً ہوتا ہے اور کشتی کا حرکت کرنا حقیقۃً حالانکہ یہاں حقیقت اور مجاز کا تقابل نہیں ہے اور نہ کشتی سوار کی حرکت مجاز کے چوبیس ۲۴ علاقوں میں سے کوئی ایک ہے یہاں دونوں کی طرف ایک ہی حرکت منسوب ہے کشتی کی طرف اولاً اور سوار کی طرف ثانیاً

والوصف وھوالحرکۃ الواحدۃ تنسب الی السفینۃ اولاً والی الجالس ثانیاً (حاشیہ ملاحسن ص۲۳) — اور صفت یعنی ایک ہی حرکت کشتی کی طرف اولاً اور کشتی سوار کی طرف ثانیاً منسوب ہے۔

اور یہ نسبت دونوں کی طرف حقیقت ہے ہاں اولاً اور ثانیاً کا فرق حسب اصطلاح ضرور ہے الغرض حضرت نانوتویؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے منکر نہیں بلکہ مقر ہیں اور وہ اِنَّکَ مَیِّت وغیرھا کسی آیت کے منکر نہیں البتہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور عوام کی موت میں یہ فرق ضرور کرتے ہیں کہ اوروں کے ابدان سے روح کا کلیتہً انقطاع ہو جاتا ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح مثلاً سمٹ کر دل پر مجتمع ہو جاتی ہیں اور آثار حیات کے بظاہر محسوس نہیں ہوتے جیسے چراغ کو مٹی کے برتن سے ڈھانپ دیا جائے تو اس کی روشنی نظر نہیں آتی موت کے اس معنیٰ میں جو اپنے انداز محبت میں حضرت نانوتویؒ نے کیا ہے علمی طور پر مناقشہ کا حق ہر ذی علم کو حاصل ہے اور یہ علمی میدان ہے مگر اُن کو موت کا منکر قرار دینا صراحۃً ظلم عظیم ہے کما لایخفی ؎

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں — یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا

(۶) مؤلف مذکور نے لطیفہ کا عنوان قائم کر کے تنقید متین ص۲۵ سے راقم کی ایک عبارت نقل کی ہے جو یہ ہے ۔ یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء اور اولیاء و شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں کہ تو نہ وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں اور نہ قریب الخ اور اس پر تفریع یہ جھاتے ہیں کہ اس عبارت میں سرفراز صاحب نے حیات انبیاء کی نفی کی ہے اور لطائف قاسمیہ میں قاسم صاحب نے موت کی نفی کی ہے ان دونوں میں کون سچا باپ یا بیٹا ہم دونوں کو جھوٹا کہتے ہیں (محصلہ)

الجواب : ہم اس موقع پر صرف یہ کہہ سکتے ہیں لعنۃ اللہ علی الکاذبین اور مؤلف مذکور کو بھی اخلاقی طور سے اس پر آمین کہنی چاہیئے سوال یہ ہے کہ سرفراز نے کب اور کہاں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات کی نفی کی ہے؟ وہ تو بحمد اللہ تعالیٰ اس دور میں اہل حق حضرات

کے مُثبتین حیات کا وکیل ہے اور تسکین الصدور اس کا زندہ اور تابندہ ثبوت ہے۔ مگر صد افسوس ہے کہ مؤلف مذکور کو اردو عبارت سمجھنے کا سلیقہ بھی نہیں ہے کیونکہ ہماری عبارت میں یہ جملہ ہے کہ نہ تو وہ اِس جہاں میں زندہ ہوتے ہیں اور نہ قریب الخ اور اس میں کیا شک ہے حضرات انبیاء کرام و شہداء اور اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زندگی اس جہان میں تو ہرگز نہیں ہے ان کی زندگی قبر اور برزخ اور اُس جہان میں ہے کیا مؤلف مذکور اِس اور اُس کا فرق بھی نہیں سمجھتے؟ مگر خیر سے محقق اور مدقق کہلا کر داد تحسین تو خوب حاصل کرتے ہیں۔ غرضیکہ نہ تو راقم اثیم حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات کا منکر ہے اور نہ حضرت نانوتویؒ اُن کی موت کے منکر ہیں باپ اور بیٹے کا اصول اور فروع میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ کرے کہ مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کو صحیح بات سمجھ آجائے۔ اور حق سے پہلو تہی نہ کریں۔

بچا کر ہم سے دامن وہ گئے غیروں کی محفل میں زمانے کی نگاہوں سے کہاں دامن بچائیں گے

لوازم حیات یہ سرخی جما کر مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ نبی علیہ السلام دنیوی حیات کے ساتھ زندہ ہیں اور دنیوی حیات میں آپ کی وسعت نظر کا یہ عالم ہے کہ تمام عالم کو مثل کفِ دست ملاحظہ فرماتے ہیں دیکھئے صاوی ص۱۰۴/ج۳ پر ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ تمام دنیا میرے سامنے پیش کی گئی پس میں اس کو مثل کفِ دست دیکھتا ہوں۔ ممکن ہے متبدعین کو یہ شبہ لاحق ہو کہ یہ فضیلت تو دُنیا میں ثابت تھی نہ کہ بعد الموت پس اس کا جواب اولاً یہ ہے فانا انظر جملہ اسمیہ ہے اور خبر فعل مضارع ہے اور وہ جملہ اسمیہ جس کی خبر فعل مضارع ہو دوام تجددی کا افادہ کرتا ہے۔ ثانیاً قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ الآیۃ پس اس قرآنی ضابطہ سے معلوم ہوا کہ شکر کرنا زیادتی نعمت کا سبب ہے اور نبی علیہ السلام سید الشاکرین ہیں لہذا اللہ تعالیٰ کی نعمت آپ پر یوماً فیوماً بلکہ آناً فآناً زائد ہو گی جب دُنیا میں آپ کو وسعت نظر حاصل تھی تو وصال کے بعد اس میں اضافہ ہی ہو گا نہ کہ کمی۔ ثالثاً فرض کیجئے اگر دنیا میں آپ کو وسعتِ نظر حاصل تھی اور آخرت میں یہ نعمت مسلوب ہو گئی تو لازم آئے گا کہ آپ کی آخرت دنیا سے بہتر نہ ہو

حالانکہ ارشاد خداوندی یہ ہے وللآخرۃ خیر لک من الاولی رابعاً جب آپ نے مان لیا کہ قبر میں حیات ہوتی ہے تو دنیاوی حیات کے لوازم بھی ماننے ہوں گے اور وسعت نظر چونکہ دنیا میں ثابت ہے لہذا قبر میں بھی ہوگی۔ خامساً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عام افراد امت کے بارے میں فرمایا ہے کہ۔ میت کو علم ہوتا ہے کہ اسے کون کفن پہناتا ہے اور کون اس پر جنازہ پڑھتا ہے کون اس کا جنازہ اٹھاتا ہے۔ اور کون اُسے دفن کرتا ہے (مرقات ج ا ص۱۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کا ادراک بصری بڑھ جاتا ہے کیونکہ حیات دنیاوی میں اگر اسے چارپائی پر لٹا کر اُوپر چادر ڈال کر لے جاتے تو وہ نہ جان سکتا کہ اسے کون کون اٹھانے والے ہیں کون اس پر نماز پڑھ رہے ہیں اور کون اس کو دفنا رہے ہیں پس ثابت ہوا کہ وفات کے بعد اس کا ادراک بصری بڑھ جاتا ہے جب عام میت کا یہ حال ہے تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا حال ہوگا جن کی نگاہ وسعت کا حیات دنیوی میں یہ عالم تھا کہ اوپر نظر اُٹھاتے تو سات آسمانوں کے پار جنت کا ملاحظہ فرماتے اور اگر نیچے نظر فرماتے تو سات زمینوں کے نیچے جہنم کا معائنہ فرماتے اور جو دنیاوی حیات میں اندھیرے اجالے میں یکساں دیکھتے تھے وصال کے بعد جب ان کا ادراک بصری ترقی کر گیا تو پھر ان کی نگاہ کی وسعت کا کون اندازہ کر سکتا ہے؛ سادساً لطائف قاسمیہ ص۶ میں ہے یہ بھی تسلیم کرنا ضروری ہے کہ وقت موت حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور بھی شدید ہو جاتی ہے کیونکہ جب حیات اصلی ہے تو اس صورت میں کبھی قبر میں رہنا کبھی آسمان پر نظر آنا ایسا ہوگا۔ جیسے حیات سابقہ میں کبھی زمین پر رہنا کبھی بوجہ معراج آسمان پر چلے جانا اور ص۵ پر لکھتے ہیں۔ بالجملہ حیات حال انبیاء کا مثل حیات سابق ہونا اور پھر اس سے اَشَدّ اور اعلیٰ ہونا یوں ظاہر ہے کہ بوجہ احاطہ ضد معلوم جس کو موت کہیے تمام فیض حیات جو مثل شعاع شمس و قمر اطراف بدن اور اس سے باہر تک بذریعہ افعال جاتا تھا سمٹ کر داخل بدن کی طرف چلا آیا۔ نانوتوی صاحب کا یہ کلام ان کی تمام ذرّیت پر حجت قاطعہ ہے (محصلہ بسیر ص۲۰۰ تا ص۲۰۲)

الجواب :۔ اس سے قبل کہ ہم ترتیب وار جوابات عرض کریں قارئین کرام سے ملتجی ہیں کہ

گئے حجاب کے دن آؤ سامنے بیٹھو نقاب رُخ سے اُٹھاؤ بہار آئی ہے

مؤلف مذکور نے جو ہوائی قلعہ تعمیر کیا ہے اور تنکوں کا جو پل بنایا ہے وہ ہرگز ہرگز اُن کو سودمند نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو نصوص قطعیہ۔ احادیث صحیحہ اور حضرات فقہاء کرامؒ کے صریح اور ٹھوس فتوؤں کی رُو سے اِس دُنیا کی زندگی میں بھی وہ وسعت نظر حاصل نہ تھی جس کا باطل اودعا مؤلف مذکور اور اس کی شرک و بدعت پسند جماعت کرتی ہے تو بعد از وفات کہاں سے ہوگئی رہی وہ روایت جو مؤلف مذکور نے صاوی شریف کے حوالے سے نقل کی ہے تو اس کی پوری تشریح تو ہم نے بحمداللہ تعالیٰ تفریح الخواطر ص۲۳۷ تا ص۲۴۰ میں کر دی ہے یہاں ہم صرف اجمالاً اتنا عرض کرتے ہیں کہ یہ روایت حضرت ابن عمر رضہ سے مروی ہے حلیۃ الاولیاء ص۱۰۱ ج۹ میں اس کی پوری سند موجود ہے اور مجمع الزوائد ص۲۸۷ ج۸ اور مواہب اللدنیہ مع شرحہ للزرقانیؒ ص۲۰۲ ج۷ میں بھی مذکور ہے اس کی سند کا ایک راوی نعیم بن حماد ہے جس کی توثیق و تضعیف کے بارے میں محدثین کرامؒ کا خاصا اختلاف ہے توثیق کرنے والے بھی بعض محدثینؒ ہیں مگر امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں وہ محض ہیچ ہے امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیس۲۰ حدیثیں ایسی بھی روایت کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں (ممکن ہے یہ حدیث بھی ان میں شامل ہو۔ صفدر) امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے اور اُن کے غیر نے کہا کہ وہ (بزعم خویش) سنّت کی تقویت میں جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا (عین ممکن ہے کہ نام نہاد سنیوں کی تقویت کے لیے یہ حدیث بھی اس کی ساخت ہو۔ صفدر) اُس نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی توہین میں جعلی روایات کا پلندہ تیار کیا ہے۔ امام ابوالفتح ازدیؒ فرماتے ہیں کہ اس نے سنّت کی تقویت اور امام ابوحنیفہؒ کے عیوب میں من گھڑت اور جھوٹی روایات بیان کی ہیں۔

(محصلہ تہذیب التہذیب ص۴۶۱ ج۱۰ وص۴۶۲)

دوسرا راوی اس سند کا بقیۃ بن الولید ہے اس کی شخصیت بھی خاصی متنازعہ فیہا ہے امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں کہ سنت کے بارے میں اس کی حدیث مت سنو ثواب وغیرہ

کے بارے میں سُن لو امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ جب وہ حدثنا اور اخبرنا سے روایت کرے تو ٹھیک ہے لیکن جب وہ عن سے روایت بیان کرے تو اس کی روایت قابلِ قبول نہیں ہے (اور یہ روایت بھی عن سے ہے) امام ابوحاتمؒ فرماتے ہیں کہ اس کی روایت لکھی تو جا سکتی ہے مگر قابلِ احتجاج نہیں ہے۔ امام ابن خزیمہؒ فرماتے ہیں کہ میں اس سے احتجاج نہیں کرتا، امام ابومسہر غسانیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی احادیث صاف نہیں ہوتیں ان سے پرہیز کرو۔ امام بیہقیؒ اپنی کتاب خلافیات میں فرماتے ہیں کہ محدثینؒ کا اس بات پر اجماع ہے کہ بقیہ حجت نہیں ہے امام عبدالحقؒ اپنی کتاب الاحکام میں لکھتے ہیں کہ بقیہ سے احتجاج درست نہیں ہے۔ امام ابن قطانؒ فرماتے ہیں کہ بقیہ ضعیف راویوں سے تدلیس کرتا تھا اور اس کو جائز بھی سمجھتا تھا اگر یہ بات درست ہو تو یہ اس کی عدالت کو فاسد کر دیگی (محصلہ تہذیب ص ۴۷۴ ج ۱ تا ص ۴۷۸ ج ۱)

امام شعبہؒ فرماتے ہیں کہ تدلیس زنا سے بھی بدتر جرم ہے (نووی شرح مسلم ص ۱۶۲ ج ۱) نیز فرمایا کہ تدلیس حرام ہے اور مدلس ساقط العدالت ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۵ ج ۱) اور تیسرا راوی اس کڑی کا سعید بن سنان الرھاوی ہے۔ علامہ نورالدین ہیثمیؒ (المتوفی ۸۰۷ھ) استاد حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ علی ضعف کثیر فی سعید بن سنان الرھاوی (مجمع الزوائد ص ۲۸۷ ج ۸) یعنی سعید بن سنان میں بہت زیادہ ضعف ہے۔ یہ ہے وہ روایت جس کے بل بوتے پر فریق مخالف دنیا کی زندگی میں وسعت نظر ثابت کرتا ہے اگر اس روایت کے تمام راوی ثقہ اور ثبت بھی ہوتے اور سند متصل اور حدیث صحیح بھی ہوتی تب بھی یہ خبر واحد ہوتی جس کا نصوص قطعیہ قرآنیہ کے مقابلہ میں پیش کرنا بقول مؤلف مذکور کے اعلحضرت کے ہرزہ باقی ہوتا چہ جائیکہ سند کا حال یہ ہے جو قارئین کرام نے ملاحظہ کر لیا ہے اب ان کی قائم کردہ شقوں کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) نہ تو دُنیا میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اُس معنیٰ میں وسعت نظری دلائل و براہین کے رُو سے ثابت ہے جس کے اثبات کے فریق مخالف درپے ہے اور نہ بعد از وفات (معجزہ کے طور پر احیاناً کسی دور کی چیز کا مشاہدہ جیسے معراج کے سلسلہ میں بیت المقدس کی تجلّی اور نجاشیؓ کی میّت کا مشاہدہ وغیرہ محل نزاع سے خارج ہے۔ تبرید النواظر ص

اس پر بحث موجود ہے) اور پیش کردہ حدیث ضعیف اور عقیدہ میں ناقابلِ اعتبار ہے پھر اس میں انا انظر کے جملہ اسمیہ ہونے سے اور اس کی خبر کے فعل مضارع ہونے سے مؤلف مذکور کو کیا فائدہ؟ علاوہ ازیں لغوی طور پر یہ بات بھی مسلم نہیں کہ جب بھی جملہ اسمیہ کی خبر فعل مضارع ہو تو وہ ہمیشہ دوام تجددی کا فائدہ دیتا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب (غزوۂ موتہ میں) حضرت زیدؓ بن حارثہؓ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ اور حضرت جعفرؓ شہید ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم غمگین ہو کر بیٹھ گئے۔ وانا انظر من صائر الباب الخ (بخاری ص۱۷۳ ج۱) اور میں دروازے کے سوراخ سے دیکھ رہی تھی۔ کیا اس کا یہ مطلب ہو گا کہ حضرت عائشہؓ ہمیشہ دوامی طور پر دیکھتی رہتی ہیں یا صرف ایک ہی دفعہ دیکھا تھا یہاں بھی جملہ اسمیہ کی خبر فعل مضارع ہے وانا انظر

(۲) بے شک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرنا زیادتِ نعمت کا سبب ہے جس پر نص قطعی دال ہے مگر وسعتِ نظری کی وہ نعمت جو علم غیب کُلی اور حاضر و ناظر کی صورت میں ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل نہیں، ازالۃ الریب اور تبرید النواظر میں اس پر دلائل کا انبار موجود ہے۔ لہٰذا اس کے اضافہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہیں مثلاً آپ کی عمومِ رسالت اور ختمِ نبوت کا فیض تو وہ بحمداللہ تعالیٰ قیامت تک بڑھتا ہی رہے گا اور یوماً فیوماً بڑھتا ہے لا شک فیہ۔

(۳) اُس معنیٰ میں جس کے اثبات کے درپے مؤلف مذکور اور اس کی جماعت ہے وسعتِ نظری نہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا میں حاصل تھی نہ آخرت میں لہٰذا اس کے مسلوب ہونے کا احتمال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ مسلوب وہ چیز ہوتی ہے جو حاصل ہو اور آخرت ظاہراً اور باطناً ہر لحاظ سے آپ کے لیے بہتر ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی مخلوق میں کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس میں کیسے تامل ہے؟ یا ہو سکتا ہے۔

(۴) قبر مبارک میں حیات ثابت ہے اور اُسی جسم مبارک کے تعلق کے ساتھ جو دُنیا میں آپ کا جسم مبارک تھا لیکن دنیوی سب لوازم اس کے لیے لازم نہیں نہ شرعاً نہ عقلاً کیونکہ زندہ کو قبر میں دفن کرنا اور اس کے زندہ ہوتے ہوئے اس کا خلیفہ اور نائب بنانا وغیرہ بے شمار اُمور ہیں جو حسیّ

اور تکلیفی زندگی کی نفی کرتے ہیں جن کا کوئی عقلمند انکار نہیں کر سکتا اور گذر چکا ہے کہ متنازع فیہ معنیٰ میں وسعت نظری نہ تو دنیوی زندگی میں ثابت اور مسلّم ہے اور نہ قبر میں

(۵) میت کا اپنے غسل دینے والے اور کفن پہنانے والے اور اٹھانے والے اور جنازہ پڑھانے والے اور دفن کرنے والے کو پہچاننا جیسا کہ روایات سے ثابت ہے اور اسی طرح میت کا بزبان قال (عمدۃ القاری جـ۸ صـ۱۱۲، و فتح الباری جـ۳ صـ۴۲۸) یہ کہنا کہ مجھے جلدی لے جاؤ یا مجھے کہاں لے جارہے ہو؟ یہ سب برحق ہے اور یہ محل نزاع نہیں ہے اور اس مضمون کی روایتیں امام سیوطیؒ نے شرح الصدور (صـ۳۹، ۴۰) میں نقل کی ہیں ایک روایت عمروؒ بن دینارؒ سے یہ بھی نقل کی ہے۔

مامن میت یموت الّا وروحه	یعنی جب بھی کوئی مرتا ہے تو اس کی روح فرشتے
فی ید ملك ینظر الی جسده	کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور وہ اپنے جسم کو دیکھتی ہے
کیف یغسل وکیف یکفن وکیف	کہ اسے کیسے غسل اور کفن دیا جاتا ہے۔ اور اسے
یمشی به (صـ۳۹)	کیسے لے جایا جاتا ہے؟

اور ایک روایت میں جو بکرؒ بن عبداللہ المزنیؒ سے ہے یوں آتا ہے۔

وروحه فی ید ملك الموت	اور اس کی روح ملک الموت کے ہاتھ میں
فهم یغسلونه ویکفنونه وهو	ہوتی ہے اور اہل خانہ جب اس کو غسل دیتے
یری مایصنع به اهله الخ	اور کفن پہناتے ہیں تو وہ ان کی کارروائی کو دیکھتی
(صـ۴۰)	ہے۔

ان روایات سے ثابت ہوا کہ میت کے لیے جو ادراک بصری ثابت ہے وہ روح کے دیکھنے سے ہے اور وہ بھی محدود ہے کہ کون غسل دے رہا ہے اور کون کفن پہنا رہا ہے اور کون اٹھا رہا ہے وغیرہ وغیرہ اس سے وہ وسعت بصری ثابت کرنا جس کے درپے مؤلف مذکور ہیں کہ ساری دنیا پیش نظر ہو قطعاً باطل ہے ان کے الفاظ یہ ہیں کہ میت کا ادراک بصری بڑھ جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ادراک بصری بڑھتا تو تب کہ میت سب دنیا کے حالات کو دیکھتی یا کم از کم چند اور مردوں کے لیے ہی حالات جانتی اور دیکھتی مگر میت تو صرف یہ دیکھتی اور جانتی ہے

کہ اُس کے اپنے جسم کے ساتھ کیا کاروائی ہو رہی ہے الیٰ جسدہٖ اور ما یصنع بہٖ اھلہٗ کے الفاظ اس کا واضح قرینہ اور دلیل ہے اس سے وہ وسعت نظری کہاں سے اور کیسے ثابت ہوئی جس کو مؤلف مذکور ثابت کرنا چاہتے ہیں جب مقیس علیہ ہی محدود ہے تو اس پر غیر محدود اشیاء کے قیاس کرنے کا کیا معنیٰ؟ جو مؤلف مذکور کے الفاظ میں یہ ہے۔ جب عام میت کا یہ حال ہے تو خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا عالم ہوگا؟ مؤلف مذکور نے اپنے ناخواندہ حواریوں کو تسلی دینے کے لیے یہ لکھ مارا ہے کہ حیات دنیاوی میں اگر اسے چارپائی پر لٹا کر اوپر چادر ڈال کر لے جاتے تو وہ نہ جان سکتا کہ اسے اٹھانے والے کون ہیں؟ الخ سوال یہ ہے کہ آپ کو صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ سے کیا محبت ہے کہ آپ نے چارپائی پر اندھے اور بہرے کو لٹا رکھا ہے آپ سُننے والے اور بینا کو کیوں نہیں اٹھاتے۔ جو آنکھوں سے دیکھے بھی جیسے میت کی روح دیکھتی ہے اور کانوں سے سُنے بھی غرضیکہ تلبیس کی چادر کو ہٹا دیجئے۔ پھر دیکھیئے کہ کیا ہوتا ہے؟

اسی طرح مؤلف مذکور کا یہ دعویٰ کہ جب اوپر نظر اُٹھاتے تو سات آسمانوں کے پار جنّت کا ملاحظہ فرماتے اور نیچے نظر فرماتے تو سات زمینوں کے نیچے جہنم کا معائنہ فرماتے اور اندھیرے واجالے میں یکساں دیکھتے الخ یہ سب باطل اور مردود دعوے ہیں اور قرآن وسنت بلکہ اسلام کی روح کے سر اسر خلاف ہیں اس پر کون سی قطعی دلیل ہے کہ ہمہ وقت جنت و دوزخ آپ کے پیش نظر رہتے تھے؟ وہ قطعی دلیل تو بیان کیجئے باقی اجمالی شکل میں بطور معجزہ احیاناً ان کا مثالی مشاہدہ ہر مسلمان کو مسلّم ہے اس کا کوئی منکر نہیں اور احیاناً ان پر اطلاع حاصل ہو جانا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ صلوٰۃ کسوف میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت اور دوزخ وغیرہ کا مشاہدہ کرایا تھا بخاری ج۱ ص۱۸ میں ہے ما من شیئ لم اکن اُریتُہٗ اِلّا رائیتہٗ فی مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار الحدیث اور بخاری ج۱ ص۱۶۱ کی روایت میں ہے لقد رأیت فی مقامی ھذا کل شیئ وُعِدتُّمْ الحدیث۔ اندھیرے اور اجالے میں یکساں دیکھنا کس یقینی دلیل سے ثابت ہے وہ دلیل بھی ذرہ علمی تھیلے سے نکالیے مگر جعلی حدیث نہ ہو ہم اپنی دلیل کی طرف اشارہ کیے دیتے ہیں مسلم ج۲ ص۱۹۹ میں روایت ہے کہ کُتے

کا بچہ آپ کی چارپائی کے نیچے گھس گیا اور آپ اس کو نہ دیکھ سکے آپ نے فرمایا

یاعائشہ ؓ متیٰ دخل ھذا | کہ اے عائشہ رضؓ یہ کتا یہاں کب اور کس وقت
الکلب ھٰھنا فقالت واللہ مادریت | داخل ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا بخدا میں نہیں
الحدیث | جانتی۔

اور مسلم کے اسی صفحہ پر یہ روایت ہے فظلّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یومہ ذالک علیٰ ذٰلک الحدیث جس سے بالکل عیاں ہے کہ یہ دن کا واقعہ تھا یعنی اس کی وجہ سے آپ دن بھر متفکر رہے۔

مدینہ طیبہ میں ایک مرتبہ رات کے وقت دشمن کے حملے کا خطرہ پیدا ہوا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابو طلحہؓ کے گھوڑے پر سوار ہو کر تن تنہا دور تک نکل گئے اور حالات کا بچشم خود جائزہ لے کر واپس ہوئے کہ راستے میں حضرات صحابہ کرامؓ ملے آپ نے فرمایا تم نہ گھبراؤ ہم دیکھ آئے ہیں کہ کوئی خطرہ نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو بخاری ص ۳۹۱ ج ۲ و ص ۴۱۷ ج ۱) اس سے معلوم ہوا کہ رات کے وقت قدرے دور کے حالات کا بھی آپ جائزہ لینے کے لیے خود گئے اگر دور کی اشیاء آپ کو رات کے وقت نظر آتیں تو جانے کی کیا ضرورت تھی؟ گھر بیٹھے ہی ملاحظہ کر لیتے! اور قریب کے متعلق صرف ایک ہی واقعہ عرض کیا جاتا ہے حضرت ابو سعید الخدریؓ (المتوفی ۷۴ھ) کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے اور جوتی پہنے ہوئے تھے جوتی کے نیچے غلاظت لگی ہوئی تھی حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے انہوں نے خبر دی تو غلاظت کا پتہ چلا (محصلہ ابوداؤد ص ۹۵ ج ۱ موارد الظمآن ص ۱۰۷ مشکوٰۃ ص ۷۳ ج ۱ ومستدرک ص ۲۶۰ ج ۱ قال الحاکمؒ والذہبیؒ علی شرط مسلم) پاؤں کے نیچے جوتی میں غلاظت بھی بغیر وحی کے معلوم نہ ہو سکی تو ہر چیز کا ہمہ وقت دیکھنا کیسا؟

(۶) لطائف قاسمیہ کی عبارت سے آپ کا کون سا مطلب پورا ہوا یا ہوتا؟ یا ہو سکتا ہے؟ کیونکہ اس سے تو یہی کچھ ثابت ہے کہ چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات اصلی ہے تو وفات کے وقت وہ اور شدید ہو جاتی ہے لیکن اس حیات سے اللہ تعالیٰ کا دیدار جنت کی خوشیوں سے تمتع اور برزخ میں خوب انتفاع وغیرہ ہوتا ہے اس سے دنیوی امور کا

علم یا دنیوی امور کے لیے وسعتِ نظری کا کیا تعلق ؟ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اپنی قبور میں تشریف رکھنا جسدِ عنصری کے ساتھ ہے اور آسمانوں پر بوجہ معراج جانا صورِ مثالیہ کے ساتھ تھا۔ اس میں کیا اشکال ہے ؟ اور اس سے آپ کو کیا حاصل ہوتا ہے ؟ حضرت نانوتویؒ کا ارشاد بجا ہے کہ حیات انبیاء اس کی ضد موت سے معلوم ہوتی ہے کہ جو شعاعیں فیضِ حیات کی بصورت افعال باہر جاتی تھیں اب سمٹ کر اندر رہ گئیں جیسے سورج اور قمر کی شعاعیں جتنی محدود ہونگی اتنی ہی تیز ہوں گی یہی حال موت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہے الغرض حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اعلیٰ وارفع حیات مسلّم ہے لیکن اس سے نہ تو علم غیب ثابت ہوتا ہے اور نہ حاضر و ناظر کے مسئلہ سے اس کا کچھ تعلق ہے حضرت نانوتویؒ کا کلام دیوبندیوں کے لیے حجت قاطعہ ہے نہ کہ ان پر کیونکہ دیوبندی حیات کے قائل ہیں نہ کہ منکر یہ مؤلف مذکور کا زعم فاسد ہے کہ وہ خواہ مخواہ رعب جمانے کے لیے اکابر دیوبند کو اصاغر کے خلاف یا بالعکس سمجھ کر اس پر بلاوجہ حاشیہ آرائی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بصیرت عطا کرے۔ دینی بصیرت حاصل ہو جائے تو پھر بفضلہ تعالیٰ بقول حالی وصالِ محبوب سے تمام پریشانیاں اور کلفتیں دور ہو جاتی ہیں ؎

ملتے ہی ان کے بھول گئیں کلفتیں تمام گویا ہمارے سر پہ کبھی آسمان نہ تھا

آن واحد میں امکنہٗ متعددہ پر حاضر ہونے کا امکان

یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ ہم نے مبتدعین دیوبند کے کلام سے ثابت کر دیا ہے کہ آپ دنیاوی حیات کے ساتھ قبر انور میں زندہ ہیں اور فیضانِ حیات دنیوی حیات سے زیادہ تر ہے پس ثابت ہو گیا کہ آپ قبر انور میں تشریف فرما ہیں اور تمام عالم کو ملاحظہ فرما رہے ہیں جہاں چاہیں جب چاہیں تشریف لے جا سکتے ہیں اور آن واحد میں اگر امکنہٗ متعددہ میں تشریف لے جانا چاہیں تو وہ بھی ممکن ہے رہا یہ سوال کہ امکنہٗ متعددہ پر اگر بعینہٖ حضور موجود ہیں تو یہ تکثر جزئی ہے اور اگر وہاں آپ کی مثال موجود ہے تو مثل شے غیر شے ہے پس امکنہٗ متعددہ پر آپ کا غیر موجود رہا نہ کہ خود آپ اس سوال کا ایک جواب تو بطور نقض

اجمالی ہم بحث استعانت میں تھانوی صاحب کی گپ پہ اعتراضات کے ضمن میں دے چکے ہیں
ثانیاً نقض تفصیلی کے طور پر جواب یہ ہے کہ اجساد مثالیہ متعددہ متعلقہ بروح واحد امکنۂ متعددہ
میں موجود ہو سکتے ہیں اور یہ تکثر جزئی نہیں ہے کیونکہ اجساد میں نوع من التغائر موجود ہے اور یہ
اجسام حضور کے غیر بھی نہیں ہیں کیونکہ تمام اجساد کے ساتھ حضور کی روح متعلق ہوگی اور تعین کا
مدار عینیت روح پر ہے نہ کہ عینیت جسم پر کما لا یخفیٰ دیکھیے جذب القلوب ص۱۵۳ پر
شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ علاؤالدین قونوی کہتے ہیں کہ یہ کہنا بعید نہیں
کہ انبیاء کی ارواح مقدسہ ابدان سے مفارقت کے بعد ملائکہ کے ابدان کی مثل ہو جاتی ہیں بلکہ ان سے
بھی افضل ہوتی ہیں اور جس طرح ملائکہ مختلف صورتوں میں متمثل ہو جاتے ہیں اسی طرح جائز ہے کہ
ارواح مقدسہ بھی متمثل ہو جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض خاص بندوں کو یہ مقام
دنیا میں حاصل ہو جائے اور روح واحد بدن معہود کے سوا ابدانِ متعددہ میں تصرف کرے جس طرح
بعض محققین ابدال کی وجہ تسمیہ میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں جب کسی جگہ جانا مقصود ہو تو وہ
پہلی جگہ اپنے بدلے میں اپنی مثال چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور سادات صوفیہ کے نزدیک عالم اجساد
وارواح کے درمیان ایک عالم مثال بھی ثابت ہے جو عالم اجساد سے لطیف اور عالم ارواح سے
کثیف ہوتا ہے اور ارواح کا صور مختلفہ میں متمثل ہونا اسی عالم پر مبنی ہے اور جبرائیل علیہ السلام
کا دحیہ کلبیؓ کی صورت میں مریمؓ کے پاس بشراً سویاً کی شکل میں متمثل ہو کر جانا اسی عالم سے ہے
اور اسی بناء پر جائز ہے کہ موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر مستقر ہوں اور اسی وقت قبر میں بھی مثال
چھوڑ کر آئے ہوں اور حضور نے ان کو دونوں جگہ دیکھا ہو اور اس عالم کے اثبات سے بہت
سے مسائل حل ہو سکتے ہیں، مثلاً جنت کا بایں وسعت دیوار کی پہنائی میں دکھائی دینا۔ اس کے
بعد مرقات ص۲۱ج۳ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب اولیاء اللہ کے لیے زمین لپیٹ دی جائے
اور ان کے لیے ابدان مکتسبہ متعددہ حاصل ہو جائیں تو ان کے لیے اپنے آپ کو ایک آن واحد
میں متعدد جگہوں پہ پا لینا کوئی بعید نہیں ہے اور اس جہان میں یہ امر غالباً اولیاء اللہ کے لیے
عادت پر مبنی ہے۔ اور حاجی امداد اللہ صاحب جو دیوبندیوں کے تمام اکابر واصاغر کے

مسلم مقتدا رہیں فیصلہ ہفت مسئلہ ص۲۰ پہ لکھتے ہیں رہا یہ شبہ کہ آپ کو کیسے علم ہوا یا کئی جگہ کیسے ایک وقت میں تشریف فرما ہوئے یہ ضعیف شبہ ہے آپ کے علم و روحانیت کی وسعت جو دلائل نقلیہ و کشفیہ سے ثابت ہے اس کے آگے یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی قدرت تو محل کلام نہیں۔ اس کے بعد مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ اس بحث کے اخیر میں بطور تتمہ کے ہم ایک حدیث شریف پیش کرتے ہیں جس سے یہ امر واضح ہو جائے گا کہ شخص واحد آن واحد میں امکنۂ متعددہ پر موجود ہو سکتا ہے۔ دیکھیے مشکوٰۃ شریف ص۱۵۲ پہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مغموم شخص کو جس کا بیٹا فوت ہو چکا تھا فرمایا۔ کیا تو اس کو پسند نہیں کرتا کہ تو جنت کے دروازوں میں سے کسی دروازے سے داخل ہو مگر تیرا بیٹا اس دروازے پر تیرا انتظار کر رہا ہو کسی نے پوچھا حضور یہ اسی کا خاصہ ہے یا سب کے لیے آپ نے فرمایا سب کے لیے۔ اس حدیث شریف میں باب نکرہ ہے اور حیّز نفی میں ہے اور نکرہ تحت نفی مفید عموم ہوتا ہے معلوم ہوا کہ جنت کے ہر دروازے کی یہ صفت ہوگی کہ اس دروازے پر وہ بیٹا موجود ہوگا پس ثابت ہوا کہ آن واحد میں امکنۂ متعددہ پر موجود نہ صرف ممکن ہے بلکہ امر واقع ہے (باختصار یسیر از ص۲۰۲ تا ص۲۰۵)

الجواب :- مؤلف مذکور نے یہ جتنا کچھ بھی کہا ہے ان کو مفید نہیں اولاً اس لیے کہ صور مثالیہ کے تعدد اور ان کے مختلف مقامات پر موجود ہونے کے ہم بھی قائل ہیں اور پہلے اس پر باحوالہ بحث گذر چکی ہے لیکن اس سے مؤلف مذکور کا مطلوب اور محبوب نتیجہ علم غیب اور حاضر و ناظر ہرگز حاصل نہیں ہوتا کما مرّ۔ وثانیاً ہم باحوالہ پہلے یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ فریق مخالف کے بزرگوں کے نزدیک، بذاتِ خود جسم کے ساتھ بھی ہر جگہ موجود ہونا عقلاً و نقلاً ممکن ہے اور تکثر جزئی والا اشکال ان پر بدستور عائد ہوتا ہے باقی نقض اجمالی کا جواب ہم بھی پہلے دے چکے ہیں وہاں ہی اس کا مطالعہ کر لیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

وثالثاً :- مؤلف مذکور جو یہ کہتے ہیں کہ اجساد میں نوع من التغایر موجود ہے۔ اس سے اُن کی کیا مراد ہے؟ کیا امثال متعددہ کا آپس میں ایک دوسرے نوع من التغایر ہے یا ان امثال کا جسد عنصری

اور روح سے تغایر ہے اگر اول شق مراد ہے تو تکثر جزئی متحقق ہے کیونکہ یہ امثال روح کی صورت مثالیہ کے افراد ہیں جو الگ الگ ہیں پھر مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ اور یہ تکثر جزئی نہیں۔ کیونکہ اجساد میں نوع من تغایر موجود ہے کیونکہ صحیح ہوا؟ اور ان کے ثانی جملہ اور یہ اجسام الیٰ قولہ روح متعلق ہوگی سے پھر تکثر جزئی کا محذور لازم آئے گا کما لا یخفی۔ علاوہ ازیں مؤلف مذکور کا یہ جملہ کہ تعین کا مدار عینیت روح پر ہے نہ کہ عینیت جسم پر کما لا یخفی تفصیل طلب ہے وہ یوں کہ اگر صورت مثالیہ روح کی ہو تو تعین کا مدار روح ہوگی اور اگر صورت مثالیہ جسم کی ہو تو تعین کا مدار جسم ہوگا جسم کو بالکل خارج کر دینا غلط ہے جب کہ معراج کی حدیثوں میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعدد مقامات پر آپ سے ملاقات کے سلسلہ میں شرح حدیث میں یہ جواب بھی منقول ہے بان ارواحہم تشکلت بصور اجسادھم (فتح الباری ص ۱۶۲ ج ۷ وعمدۃ القاری ص ۸۲ ج ۸ وغیرہ) روایتاً حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ کا حوالہ برحق ہے۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ صُوَر مثالیہ کا تعدد اور امکنۂ مختلفہ میں ان کا موجود ہونا بالکل بجا، صحیح اور مسلّم ہے مگر اس سے فریق مخالف کو کیا فائدہ کما مَرّ؟ اس عبارت میں بھی صُوَر مثالیہ کا ثبوت ہے اور حضرت شیخ صاحبؒ کی ایک اور عبارت اسکی اور وضاحت کرتی ہے وہ حدیث مَنْ رَاٰنِیْ فی المنام فقد رأی الحق کی شرح میں لکھتے ہیں کہ۔

پس مرئی نہ روح است و نہ آں شخص بدن مودع در مدینہ چہ حضور یک شخص در مکان مخصوص در یک زمان بصفات متعددہ مختلفہ صورت نہ بندد الا بطریق تمثل پس مرئی در منامات مثالات روح مقدسہ اوست کہ حق است و بطلان را دراں مدخل نہ الخ (اشعۃ اللمعات ص ۲۸۳ ج)

سو مرئی روح بھی نہیں ہے اور وہ بدن مبارک بھی نہیں ہے جو مدینہ طیبہ میں امانت ہے کیونکہ ایک ہی شخص کا ایک زمانہ میں مکان مخصوص میں متعدد صفات کے ساتھ مختلف صورتوں میں حاضر ہونا متصور نہیں ہو سکتا مگر مثالی صورتوں میں پس خوابوں میں جو کچھ دیکھا جاتا ہے وہ آپ کی پاکیزہ روح کی مثالیں ہیں جو بالکل حق ہے اور بطلان کا اس میں کچھ بھی دخل نہیں ہے

اس عبارت میں بھی صُور مثالیہ کا ذکر ہے اَلبتہ اس عبارت میں خانصاحب اور ان کے اتباع کا خوب رد ہے خان صاحب اور ان کے اتباع جسم کے ساتھ بذاتِ خود بھی متعدد مقامات پر حاضر ہونے کے قائل ہیں اور اس کو عقلاً و نقلاً جائز قرار دیتے ہیں لیکن حضرت شیخ صاحبؒ یہ فرماتے ہیں کہ شخص واحد کا ایک زمانہ میں مکان مخصوص میں متعدد صفات اور مختلف صورتوں میں حاضر ہونا بھی تصوّر سے بلبر ہے۔ (صوّرت نہ بندو۔) دیکھئے کیا ارشاد ہوتا ہے؟ دخامسًا حضرت ملا علی القاریؒ کا ارشاد بھی صور مثالیہ کے بارے میں درست ہے وہ بھی ہماری تائید میں ہے نہ کہ تردید میں کیونکہ اجساد مکتسبہ سے صور مثالیہ ہی مراد ہیں وسادساً : حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی جو عبارت مؤلف مذکور نے نقل کی ہے وہ ان کو مفید بھی نہیں اور نامکمل اور ادھوری بھی ہے مؤلف مذکور نے حضرت حاجی صاحبؒ کی عبارت تو محل کلام نہیں تک ہی نقل کی ہے آگے ان کی عبارت کو وہ بالکل ہڑپ کر گئے ہیں کیونکہ اصل حقیقت اس سے آشکارا ہو جاتی ہے محل کلام نہیں کے آگے عبارت یہ ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی جگہ تشریف رکھیں اور درمیانی حجاب اٹھ جاویں بہر حال ہر طرح یہ امر ممکن ہے اور اس سے آپ کی نسبت اعتقاد علم الغیب لازم نہیں آتا جو کہ خصائص ذات حق سے ہے کیونکہ علم غیب وہ ہے جو مقتضا ذات کا ہے اور جو باعلام خداوندی سے ہے وہ ذاتی نہیں بالسبب ہے وہ مخلوق کے حق میں ممکن بلکہ واقع ہے اور امر ممکن کا اعتقاد شرک و کفر کیونکر ہو سکتا ہے البتہ ہر ممکن کے لیے وقوع ضروری نہیں ایسا اعتقاد کرنا محتاج دلیل ہے اگر کسی کو دلیل مل جاوے مثلاً کشف ہو جاوے یا کوئی صاحب کشف خبر کر دے تو اعتقاد جائز ہے ورنہ بے دلیل ایک غلط خیال ہے غلطی سے رجوع کرنا اس کو ضروری ہے مگر شرک و کفر کسی طرح نہیں ہو سکتا الخ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص) اس عبارت میں حضرت حاجی صاحبؒ نے تصریح فرما دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت علم الغیب کا اعتقاد درست نہیں اور نیز یہ فرماتے ہیں کہ جو واقعہ اللہ تعالیٰ کسی کو بتا دے تو غیب نہیں رہتا مگر اس کے ثبوت کے لیے دلیل درکار ہے بے دلیل اس کا تسلیم کرنا گو فی نفسہ امر ممکن ہی ہو ایک غلط خیال ہے اور اس سے رجوع کرنا چاہیئے ایسی تصریح کے ہوتے ہوئے نہ معلوم ان کی اُدھوری اور نامکمل عبارت سے علم غیب اور حاضر و ناظر کا مسئلہ کشید

کرنا کیسے درست ہے ؟ اور اصل مقصود وہی مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کا حضرت حاجی صاحبؒ وغیرہ کی عبارات سے یہی ہے اور اسی پر وہ ضرب کاری لگاتے ہیں حضرت حاجی صاحبؒ اسی کتاب میں یہ عنوان قائم کرتے ہیں چوتھا مسئلہ ندائے غیر اللہ کا پھر آگے لکھتے ہیں۔

اس میں تحقیق یہ ہے کہ ندا سے مقاصد واغراض مختلف ہوتے ہیں کبھی محض اظہار شوق کبھی تحسر کبھی منادی کو سُنانا کبھی اس کو پیام پہنچانا سو مخلوق غائب کو پکارنا اگر محض واسطے تذکرہ اور شوق وصال اور حسرت فراق کے ہے جیسے عاشق اپنے محبوب کا نام لیا کرتے ہیں اور اپنے دل کو تسلی دیا کرتے ہیں اس میں تو کوئی گناہ نہیں الی قولہ ایسی ندا صحابہ رضی اللہ عنہم سے بکثرت روایات میں منقول ہے کما لا یخفیٰ علی المتبحر المتبع النظر اور اگر مخاطب کا اسماع وسنانا مقصود ہے تو اگر تصفیۂ باطن سے منادی کا مشاہدہ کر رہا ہے تو بھی جائز ہے اور اگر مشاہدہ نہیں کرتا لیکن سمجھتا ہے کہ فلاں ذریعہ سے اس کو خبر پہنچ جاوے گی اور وہ ذریعہ ثابت بالدلیل ہو تب بھی جائز ہے۔ مثلاً ملائکہ کا درود شریف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچانا احادیث سے ثابت ہے اس اعتقاد سے کوئی شخص الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہے کچھ مضائقہ نہیں اور اگر نہ مشہود ہو نہ پیغام پہنچانا مقصود ہو نہ پیغام پہچانے کا کوئی ذریعہ دلیل سے موجود ہو وہ ندا ممنوع ہے مثلاً کسی ولی کو دور سے ندا کرنا اس طرح کہ اس کو سُنانا منظور ہے اور وہ روبرو نہیں نہ ابھی تک اس شخص کو یہ امر ثابت ہوا کہ ان کو کسی ذریعہ سے خبر پہنچے گی یا ذریعہ متعین کیا مگر اس پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں یہ اعتقاد افترا علی اللہ اور دعویٰ علم غیب ہے بلکہ مشابہ شرک کے ہے مگر بے دھڑک اس کو شرک وکفر کہدینا جرأت ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ اگر اس بزرگ کو خبر پہنچادے ممکن ہے اور ممکن کا اعتقاد شرک نہیں مگر چونکہ امکان کو وقوع لازم نہیں اس لیے ایسی ندائے لایعنی کی اجازت نہیں ہے اھ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص۱۲)

حضرت حاجی صاحبؒ جو بحمد اللہ تعالیٰ دیوبندیوں کے اکابر واصاغر کے مقتدا رہیں کی ایسی اور اتنی صریح اور صاف عبارات کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص ان کی کسی بھی عبارت سے غیر اللہ کے ہر جگہ حاضر وناظر ہونے یا ان کے لیے علم غیب کے حصول کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا

دعویٰ سراسر باطل اور قطعاً مردود ہے وسابعًا جو حدیث انہوں نے شخص واحد کے امکنہ متعددہ میں موجود ہونے کی پیش کی ہے اس میں ان کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں ہے کیونکہ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ شخص واحد آن واحد میں امکنہ متعددہ پر موجود ہو سکتا ہے جس سے متبادر یہی ہوتا ہے کہ نفس جسد کا تعدد ہے حالانکہ حضرت ملا علی ن القاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ۔

فیہ اشارۃ الی خرق العادۃ من تعدد الاجساد المکتسبۃ ۱ھ	اس میں خرق عادت کی طرف اشارہ ہے کہ اجساد مکتسبہ متعدد ہوتے ہیں۔

(مرقات ص ۱۶۸ ج ۴)

اور ظاہر ہے کہ اجساد مکتسبہ تو وہی اجساد مثالیہ ہی ہیں نہ کہ شخص واحد کا بعینہ بذات خود متعدد جگہ پر موجود ہونا جو مؤلف مذکور کا مدعیٰ ہے اور اجساد مثالیہ کے تعدد پر حوالے پہلے گزر چکے ہیں علاوہ ازیں حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے جوڑا جوڑا اشیاء اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیں اس کو جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا کہ اے اللہ تعالیٰ کے بندے یہ تیرے لیے بہتر ہے جو شخص اہل صلوٰۃ سے ہوگا اسے باب الصّلوٰۃ سے بلایا جائے گا اور جو اہل جہاد سے ہوگا اس کو باب الجہاد سے بلایا جائے گا اور جو اہلِ صیام سے ہوگا اسے باب الرّیان سے بلایا جائے گا اور جو اہل الصدقہ سے ہوگا اسے باب الصدقہ سے بلایا جائے گا اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: یا حضرت! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔

ما علی من دعی من تلک الابواب من ضرورۃ فھل یدعیٰ احد من تلک الابواب کلھا قال نعم وارجو ان تکون منھم (بخاری ص ۲۵۵ ج ۱)	ان تمام دروازوں سے کسی کے داخل ہونے کی ضرورت تو نہیں لیکن کیا کوئی شخص ہوگا جس کو ان تمام دروازوں سے بلایا جائے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں اور مجھے امید ہے کہ تو بھی ان میں سے ہوگا۔

اس کی شرح میں شراح حدیث لکھتے ہیں کہ:

ای انہٗ یدعیٰ من کلھا اکراماً وتخییراً لہٗ من الدخول فی ایھا شاء	اس کو تمام دروازوں سے اکراماً بلایا جائے گا۔ اور اس کو اختیار دیا جائے گا کہ جس دروازہ سے

لاستحالة الدخول من الكل معاً ۔ (حاشیہ بخاری ص۲۵۵ ج۱) چاہے داخل ہو جائے کیونکہ بوقت دخول تمام دروازوں سے داخل ہونا محال ہے ۔

اس حدیث اور اس کی تشریح کی روشنی میں سابق حدیث کا مطلب بھی لیا جاسکتا ہے کہ احتراماً اکراماً جنت کے ہر دروازہ پر اس کی انتظار ہوتی ہو اور جس دروازہ سے اس کا جی چاہے داخل ہو کیونکہ سب دروازوں سے یک وقت داخل ہونا امر محال ہے ۔ علاوہ ازیں اس عالم میں حاضر و ناظر ثابت کرنے کے لیے اُس عالم کے امور پر ایسے قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے ورنہ مثلاً مردوں کے لیے یہاں بھی سونا اور ریشم جائز ہونا چاہیئے اور پیشاب و پاخانہ بھی کرنا چاہیئے

الحاصل مؤلف مذکور نے حاضر و ناظر کے مسئلہ کے اثبات کے لیے جو خیالی اور وہمی طویل و عریض چکر کاٹے ہیں ان سے بھی ان کو کچھ حاصل نہ ہوا ۔ اور نہ خواب میں رویت سے ان کا باطل اور بے بنیاد دعویٰ ثابت ہوا ۔

رہا خواب میں اُن سے شب بھر وصال میرے بخت جاگے میں سویا کیا

وثامناً حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ انواعِ شرک کی تفصیل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں (مؤلف مذکور اس کو بغور پڑھیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے کیا فرمایا ہے)

چہارم پیر پرستان گویند چوں مرد بزرگے کہ بسبب کمال ریاضت و مجاہدہ مستجاب الدعوات ومقبول الشفاعت عند اللہ شدہ بود ازیں جہاں میگذرد روح او را قوتے عظیم و وسعتے بس فخیم بہم میرسد ہر کہ صورت او را برزخ سازد یا در مکان نشست و برخاست او یا بر گور او سجود و تذلل تام نماید روح او را بسبب وسعت و اطلاق بداں مطلع شود و در دنیا و آخرت در حق او شفاعت نماید ۔ (تفسیر عزیزی سورۃ بقرہ ص۱۲۷)

چوتھی قسم میں پیر پرست ہیں جو کہتے ہیں کہ جب کوئی بزرگ کمال ریاضت اور مجاہدہ کی وجہ سے عند اللہ تعالےٰ مستجاب الدعوات اور مقبول الشفاعت ہو جاتا ہے تو جب وہ اِس جہان سے گذر جاتا ہے تو اس کی روح کو بڑی قوت اور بہت ہی وسعت حاصل ہو جاتی ہے تو جو شخص اُس کی صورت کا تصور کرے یا اس کے بیٹھنے اور اُٹھنے کی جگہ یا اس کی قبر پہ سجدہ اور مکمل عاجزی ظاہر کرے تو اس کی روح کمال وسعت اور آزادی کی وجہ سے اس پہ مطلع ہو جاتی ہے اور دنیا و آخرت میں اس کے حق میں شفاعت کرتی ہے ۔

نذر و نیاز | یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی تفسیر میں اپنے صدر الافاضل کی وہ عبارت پیش کی ہے جو ہم نے تنقید متین میں نقل کی ہے اور پھر اس پر تنقید کی ہے۔ ان کی پیش کردہ تفسیر اور اس پر باحوالہ ٹھوس علمی تنقید اسی میں ملاحظہ فرمائیں ہماری علمی اور ٹھوس تنقید سے لاجواب ہو کر مؤلف مذکور نے جو قلابازیاں کھائی ہیں اور جس طرح ان کے ہوش و حواس کافور ہوئے ہیں اور جس طرح انہوں نے ہارے ہوئے جواریئے کی طرح جلی کٹی سنائی ہیں وہ بھی ایک ڈرامہ ہے چنانچہ مؤلف مذکور لکھتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کا یہ محققانہ کلام چند وجوہ سے مولوی سرفراز صاحب کی سمجھ میں نہ آسکا اس لیے انہوں نے خامۂ قرطاس کو گلی ڈنڈا بنانے کی کوشش کی ہے خود فریب کھایا ہے یا لوگوں کا دین و ایمان لوٹنے کے لیے دجل کی دوکان سجائی ہے۔ تعجب یہ ہے کہ مولوی سرفراز صاحب نے مولوی رشید احمد گنگوہی کا ایک بے سند فتوٰی بھی سند بنا کر پیش کیا ہے اور عزیب کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ خصم پر بطور حجت مسلّم بزرگوں کے اقوال پیش کیا کرتے ہیں مولوی رشید احمد گنگوہی کو آپ گنگوہ کے عالی مریدوں پر پیش کیجیے گا۔ یا ان بچّی ردّی کے حافظوں پر جن کے سروں پہ دیوبند نے فضیلت و افتخار کی دستار باندھی ہے احتجاج و استشہاد کے میدان میں اس مجموعہ کی کیا قدر ہو گی جس میں نام کے لیے بھی کوئی دلیل موجود نہیں (بلفظہ ص۲۰۶ و ص۲۰۷)

الجواب:۔ مؤلف مذکور نے اپنے ناخواندہ حواریوں کو اس دجل آمیز عبارت میں جو طفل تسلی اور سہارا دیا ہے وہ کسی بھی اہل فہم پر مخفی نہیں ان کے صدر الافاضل کے محققانہ کلام میں جو وجوہ ہیں ان کو بحمد اللہ تعالٰی سرفراز خوب سمجھا ہے اور باحوالہ ان کا رد کیا ہے تنقید متین ہی میں ان وجوہ اور ان کی ٹھوس علمی تردید ملاحظہ کر لیجیے ان کی مزید تشریح جو بزعم خویش مؤلف مذکور نے کی ہے اور کچھ شبہات قائم کر کے ان کے جوابات دیے ہیں وہ بحمد اللہ تعالٰی ترتیب وار باجواب آرہے ہیں۔ ہم نے اہلال کے معنی کی تشریح کرتے ہوئے مشہور لغوی علامہ ابو الفتح المطرزی الحنفیؒ۔ امام راغب اصفہانیؒ۔ علامہ ابو الفضل قرشیؒ امام ابن جریر طبریؒ۔ علامہ نسفی الحنفیؒ۔ علامہ بیضاویؒ اور شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے حوالے نقل کیے ہیں اور ان کے

آخر میں حضرت گنگوہیؒ کا فتاویٰ رشیدیہ سے ایک فتویٰ نقل کیا ہے تأسف بالائے تأسف ہے کہ مؤلف مذکور کو پہلے بزرگوں کا ایک حوالہ بھی نظر نہیں آیا اور ان سب کو گیارھویں شریف کا دودھ اور لذیذ حلوہ سمجھ کر ہڑپ کر گئے ہیں اور ڈکار تک نہیں لی ان کو اگر نظر آیا ہے تو بالکل آخر کا حوالہ حضرت گنگوہیؒ کا نظر آیا ہے اور وہ بھی محض اس لیے کہ ان کا اسم گرامی لیکر دل ماؤف کی خوب بھڑاس نکال سکیں جیسا کہ مؤلف مذکور کی عبارت سے بالکل عیاں ہے سوال یہ ہے کہ حضرت گنگوہیؒ تو آپ کے نزدیک مسلّم نہیں لیکن باقی بزرگ تو فریقین کے ہاں مسلّم بزرگ ہیں آپ نے ان کی بات کو کب تسلیم کیا اور کہاں حجت مانا ہے ؟ آپ کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ آپ ان بزرگوں کی عبارات کو جو ہم نے نقل کی ہیں باحوالہ پیش کرتے اور پھر ترتیب وار جواب دیتے تاکہ اہلِ علم پر آپ کی تحقیق و تدقیق عیاں ہوتی مگر آپ ان کے جوابات سے قطعاً عاجز اور سراسر قاصر تھے اور ہیں اس لیے ان اکابر میں سے کسی کا آپ نے نام تک نہیں لیا۔ اور نہ ان کی عبارات نقل کی ہیں اور نہ جواب دیا ہے آپ نے ان بزرگوں کے ٹھوس حوالوں سے جان چھڑانے کے لیے جو حربہ اختیار کیا ہے وہ ابھی انشاء اللہ العزیز شبہ اوّل میں آرہا ہے بحمد اللہ تعالیٰ حضرت گنگوہیؒ کا کلام آپ کے لیے نہ سہی ان کے عالی مریدوں کے لیے ضرور حجت ہے لیکن باقی بزرگوں کو آپ کیوں نظر انداز کر گئے ہیں ؟ اس کی کیا وجہ ہے ؟ ان حضرات کے مجموعہ کی تو آپ نے قدر کی ہوتی ؟ مگر آپ کو تو حضرت گنگوہیؒ پہ برسنا تھا اور بس۔

مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کتب فتاویٰ میں بھی صرف فتوے اور احکام درج ہوتے ان کے عقلی اور نقلی دلائل کا ذکر نہیں کیا جاتا اور کبھی دلائل عقلیہ و نقلیہ کا بھی اجمالاً یا تفصیلاً ساتھ تذکرہ کر دیا جاتا ہے ایسا لگتا ہے کہ مؤلف مذکور نے اپنے اعلیٰحضرت کی کتابیں بھی مثلاً فتاویٰ رضویہ ملفوظات ، احکام شریعت ، عرفان شریعت اور فتاویٰ افریقہ وغیرہ نہیں دیکھیں ورنہ وہ ہرگز یہ لکھنے کی جسارت نہ کرتے کہ ایک بے سند فتویٰ کو بھی سند بنا کر پیش کیا ہے باقی حضرت گنگوہیؒ کے فتویٰ کے نقل کرنے سے ہمارے دو مقصد ہیں۔ اوّل یہ کہ جو کچھ دیگر مسلّم اکابر نے فرمایا وہی ہو بہو حضرت گنگوہیؒ نے ان کی پیروی میں فرمایا ہے اور صحیح معنیٰ میں وہ مسلّم

اکابر کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں نہ وہ لوگ کہ عوام الناس کو دھوکا دینے کے لیے مسلّم بزرگوں کی دھائی دیتے ہیں مگر ان کی ایک بات بھی نہیں مانتے دوم۔ ایک دیوبندی عالم نے جو نہ محقق ہیں نہ مدرس کسی مدرسہ سے کچھ پڑھنے کے بعد مسجد کی امامت کا فریضہ ہی انجام دیتے ہیں یہ کہا کہ اگر جانور کو غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب کے لیے نامزد کیا جائے اور ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا جائے تو بقول ان کے وہ حلال ہوگا۔ راقم اثیم کو یہ خیال ہوا کہ شاید ایسے اور دیوبندی کہلانے والے حضرات بھی اس شبہ میں مبتلا ہوں راقم اثیم نے حضرت گنگوہیؒ کا فتویٰ نقل کر دیا تاکہ وہ حضرات غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ باقی مؤلف مذکور مطمئن رہیں ان کو منوانے کے لیے ہم نے یہ حوالہ نقل نہیں کیا جبکہ وہ مسلّم بزرگوں کی بات بھی نہیں مانتے تو حضرت گنگوہیؒ کی بات کیا تسلیم کریں گے؟ مؤلف مذکور کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ دارالعلوم دیوبند میں نہ تو سندیں بکتی ہیں اور نہ پکی روٹی کے حافظوں کے سروں پر دستار فضیلت باندھی جاتی ہے۔ وہاں دیانتدار اکابر کا وہ محتاط طبقہ ہے جس کی نظیر بحمد اللہ تعالیٰ اس وقت دنیا میں نہیں ملتی مؤلف مذکور نے اس مرکز علم و دین کو اپنے مسلک کے بعض سند فروش مدارس پر قیاس کر لیا ہے جن کے بعض سند یافتہ اپنی سند کو بھی نہیں پڑھ سکتے اور لوگ اس کے علم پر اعتبار کرتے ہیں سے

بڑے وثوق سے دنیا فریب دیتی ہے — بڑے خلوص سے ہم اعتبار کرتے ہیں

مؤلف مذکور لکھتے ہیں۔ سرفراز صاحب کا پہلا شبہ۔ سرفراز صاحب نے صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے کلام میں پہلی تحریف اس طرح کی ہے کہ اہلال کے معنی عربی زبان میں ذبح کے نہیں بلکہ نامزد کرنے اور شہرت دینے کے ہیں (تنقید ص۱۴۸) پھر مولوی سرفراز نے اس پر خوب زور دیا اور ارباب لغت اور تفاسیر کے حوالے نقل کرتے چلے گئے جیسے صدر الافاضل نے اُہلّ کا معنیٰ ذبح کیا ہو اور اس کے خلاف مولوی سرفراز صاحب گھڑ سے پورا سکواڈرن فضلائے قرطاس میں لے آئے ہوں۔ صدر الافاضل نے اُہلّ کا کیا معنیٰ کیا ہے ملاحظہ ہو وہ فرماتے ہیں۔ وہ جانور جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔ اب مولوی سرفراز صاحب سے پوچھئے کہ جب صدر الافاضل نے اُہلّ کا معنیٰ ذبح نہیں کیا تو پھر آپ کو اس بے مقصد کلام سے دفتر کے دفتر سیاہ

کرنے کی کیا ضرورت تھی اور اگر یوں ہی گلے میں طوقِ لعنت آویزاں کر کے کذابین کی صف میں شامل ہونے کا شوق ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں چشم ما روشن دل ما شاد خود مولوی سرفراز صاحب کو بھی احساس تھا کہ جھوٹ کی یہ کشتی زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گی اس لیے ص۱۵۲ میں لکھتے ہیں۔

غرضیکہ وَمَا اُھِلَّ کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت خواہ مخواہ کی ضد کا البتہ کوئی علاج نہیں انتہیٰ کلامہ۔ دروغ گو را حافظہ نہ باشد پہلے آپ نے کہا تھا کہ اُھِلَّ کو ذبح کے معنیٰ میں لینا غلط ہے اور اس سے قارئین کرام کو یہ تأثر دینا چاہتے تھے کہ صدر الافاضل نے اُھِلَّ کا معنیٰ ذبح کیا ہے اب کہتے ہیں کہ اُھِلَّ کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنا غیر ضروری ہے جس سے یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ صدر الافاضل نے اُھِلَّ کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کیا ہے یہ کس شراب فتنہ گر کا اثر ہے کہ آپ کا قلم بار بار بہک جاتا ہے انتہیٰ بلفظہٖ (ص۲۷، ۲۸)

الجواب: ہم نے یہ عبارت بھی اس لیے پوری نقل کی ہے کہ قارئین کرام کے سامنے بھی فریق مخالف کے وکیل کی شرافت اور تہذیب عیاں ہو جائے کہ وہ علمی جواب سے قاصر ہو کر کیسی کیسی جل کٹی سنانے کی عادی ہیں۔ اب ہم ان کی اس فتنہ انگیز عبارت کا تجزیہ کرتے ہیں۔ اور جوابات عرض کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) بحمد اللہ تعالیٰ راقم اثیم نے آپ کے صدر الافاضل کے کلام میں کوئی تحریف نہیں کی اور نہ تحریف کی عادت ہے اور نہ اساتذہ کرام نے یہ سبق دیا ہے بات یہ ہے کہ آپ خود اپنے صدر الافاضل کے کلام اور مصلحت کوشیوں اور دور اندیشیوں سے ناواقف ہیں اس لیے کہ آپ کم علم اور کم عمر ہیں وہ معمر بھی تھے اور موقع اور محل بھی جانتے تھے لیجئے اپنے صدر الافاضل کا کلام ملاحظہ کر لیجئے وہ چودھویں پارے سورۃ النحل میں وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یعنی اس کو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ انتہیٰ بلفظہٖ (ص۳۸۶ طبع تاج کمپنی لاہور)

انصاف سے فرمائیے کہ کیا یہاں آپ کے صدر الافاضل نے اُھِلَّ کے معنی ذبح کے نہیں کیے؟ یہ سرفراز کی تحریف ہے یا آپ کے صدر الافاضل کی تفسیر ہے۔ لِلّٰہ کچھ تو فرمائیے! کیا سرفراز کا ارباب لغت اور تفاسیر کے حوالے نقل کرنا اور بقول شما کہ اڈرن کو حرکت میں لانا بے موقع اور بے محل ہے؟ آپ کا یہ علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ آپ ان ارباب لغت اور تفاسیر کے نام

بتاکر ان کی عبارتیں باحوالہ نقل کرتے تاکہ قارئین کرام بھی سمجھ سکتے کہ ان اکابر نے کیا فرمایا ہے؟ اور مؤلف مذکور کس امر کے درپے ہیں؟ مگر آپ کو تردجل وتلبیس سے وقت پاس کرنا ہے اور بلاوجہ دادِ تحسین حاصل کرنا ہے۔

(۲) آپ نے صدر الافاضل کی جو یہ عبارت نقل کی ہے کہ۔ وہ جانور جس کے ذبح کے وقت غیرِ خدا کا نام لیا گیا ہو۔ یہ بھی آپ کو ہرگز مفید نہیں ہے کیونکہ آپ کے صدر الافاضل پارۂ دوم سورۃ البقرہ میں وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ مسئلہ جس جانور پر وقت ذبح غیرِ خدا کا نام لیا جائے تنہا یا خدا کے نام کے ساتھ عطف سے ملا کر وہ حرام ہے اور پھر آگے لکھتے ہیں مسئلہ اگر ذبح فقط اللہ کے نام پر کیا اور اس سے قبل یا بعد غیر کا نام لیا مثلاً یہ کہا کہ عقیقہ کا بکرا ولیمہ کا دُنبہ یا جس کی طرف سے وہ ذبیحہ ہے اسی کا نام لیا یا جن اولیاء کے لیے ایصالِ ثواب منظور ہے ان کا نام لیا تو یہ جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں (تفسیر احمدی) (ص۳۹ طبع لاہور)

انصاف سے فرمائیں کہ کیا آپ کے صدر الافاضل نے یہاں اُهِلَّ کے معنیٰ ذبح کے نہیں کیے؟ اب فرمائیے کہ ہمارے دفتر کے دفتر سیاہ کرنے بامقصد ہیں یا بے مقصد؟ اور فرمائیے کہ طوقِ لعنت کا سزاوار اور کذاب کہلانے کا مستحق کون ہے؟ فیصلہ عوام خود کر سکتے ہیں؟ فریقِ مخالف تجاہل عارفانہ سے کام لے گا بقول ظفر ؎

بدنام ہے جہاں میں ظفر جن کے واسطے ۔۔۔ وہ جانتے نہیں کہ ظفر کس کا نام ہے

(۳) راقم اثیم کی عبارت جو غرضیکہ الخ سے آپ نے نقل کی ہے وہ بفضل اللہ تعالیٰ کوہِ ہمالیہ کی طرح اپنی جگہ پر قائم ہے اور اس کا ہماری کسی سابق عبارت سے قطعاً کوئی تعارض اور تضاد نہیں اور نہ ہم پر بحمد اللہ تعالیٰ فتنہ گر کی شراب کا اثر ہے اور نہ بحمد اللہ تعالیٰ ہمارا رواں اور سیّال قلم کہیں بہکا ہے۔ یہ آپ کی بھینگی نگاہ کا اثر ہے کہ آپ کو کچھ کا کچھ دکھائی دیتا ہے غرضیکہ غلطی آپ کے صدر الافاضل ہی کی ہے کہ انہوں نے اہلال کے معنیٰ ذبح کے بھی کیے ہیں اور اُهِلَّ کو وقت ذبح کے ساتھ مقید بھی کیا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ۔ وہابی جو ذبح کی قید نہیں لگاتے وہ آیت کے معنیٰ میں غلطی

کرتے ہیں الیٰ قولہٖ کیونکہ مَا اُھِلَّ کو اگر وقت ذبح کے ساتھ مقید نہ کریں تو اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ کا استثناء اس کو لاحق ہوگا الخ (ص۱۵۵، ص۱۵۶) اس سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ مؤلف مذکور کے صدر الافاضل کے نزدیک اُھِلَّ کے معنیٰ میں ذبح کی قید ملحوظ ہے اور بقول ان کے جو یہ قید نہیں لگاتے وہ غلطی کرتے ہیں اگر استثناء اس کو لاحق بھی ہو تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ ذَکَّیْتُمْ میں شرعی تذکیہ مراد ہے اور شرعی تذکیہ اسی وقت ہوگا کہ جب غیر اللہ کے نام پر نامزد کرنے والا اپنے باطل نظریہ سے توبہ اور رجوع کرے اور پھر جانور کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرے تو اس پر کیا کلام ہے؟ مؤلف مذکور اور ان کے صدر الافاضل کی تفسیر تو قارئین کرام نے سن لی اب حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ کی تفسیر بھی ملاحظہ کرلیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

پس دریں عبارت اہلال را بمعنی ذبح گرفتن باز لغیر اللہ را بجائے باسم غیر اللہ ساختن قریب بتحریف کلام الٰہی میرسد	سو اس عبارت میں اہلال کو ذبح کے معنیٰ میں لینا پھر لغیر اللہ کو باسم غیر اللہ کے رکھنا اللہ تعالےٰ کے کلام میں تحریف کے قریب پہنچتا ہے

(فتاویٰ عزیزی ص۵۷ ج۱)

یعنی جو ترجمہ اور مطلب مؤلف مذکور اور ان کے صدر الافاضل بیان کرتے ہیں وہ بقول شاہ عبد العزیز صاحبؒ کلام الٰہی کی تحریف کے قریب ہے مگر وہ دوسروں پر محرّف ہونے کا بے بنیاد الزام لگاتے ہیں ۔

الغرض حضرت شاہ صاحبؒ اور ہمارے کسی کلام میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ مؤلف مذکور کو مناسب ہے کہ کہیں چند دن کسی صاحب علم استاد کے ہاں رہ کر عبارت فہمی کا سلیقہ حاصل کریں اور یوں ہی زندگی جہالت میں نہ گذار دیں مؤلف مذکور نے تعارض کا نام تو کہیں پڑھ اور سن لیا ہے مگر اس کی حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں اور دوسروں کو دروغ گو بنا کر جاہلانہ تعلی سے کام لے رہے ہیں اور خوف خدا سے بے فکر ہیں ؎

بڑا مزہ ہو جو محشر میں ہم کریں شکوہ ۔۔۔ وہ منتوں سے کہے چپ رہو خدا کے لیے

ذبیحہ حرام ہونے کی صورتیں | یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں، صدر الافاضل

فرماتے ہیں اس آیت میں صرف اسی کو حرام فرمایا گیا ہے جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو انتہی کلامہ۔

مذکورہ بالا عبارت اس مفہوم میں صریح ہے کہ ذبیحہ کے حرام ہونے کی اور بھی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں لیکن اس آیت میں صرف اسی کو حرام کیا گیا ہے جس پر وقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو ہم اس کے علاوہ ذبیحہ حرام ہونے کی چند صورتیں ذکر کرتے ہیں (۱) مثلاً مجوسی اور اہلِ ہنود کا ذبیحہ حرام ہے۔ (۲) احناف کے نزدیک مسلمان بھی اگر عمداً بسم اللہ کو ترک کر دے تو وہ ذبیحہ بھی حرام ہوگا۔ (۳) مرتد اگر اللہ کا نام لے کر بھی ذبح کرے تو ذبیحہ حرام ہوگا۔ اور اسی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی مسلمان جانور کو غیر اللہ کی طرف تقرب علی وجہ العبادۃ کے طور پر منسوب کر دے تو اب اگر وہ بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح کرے تو یہ ذبیحہ حرام ہوگا کیونکہ بحیثیت عبادت غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے قصد سے وہ مرتد ہوگیا اور مرتد کا ذبیحہ حرام ہوتا ہے اور اسی جانور کو کوئی اور اور مسلمان بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو وہ بلا ریب حلال و طیب ہے اس کو حرام کہنا قرآن کی نصوص قطعیہ سے ناواقفیت اور جہالت پر مبنی ہے شاہ عبدالعزیز نے اپنی کتابوں میں جس ذبیحہ کو حرام قرار دیا ہے وہ اسی صورت پر محمول ہے کہ ذابح نے جانور کو بحیثیت عبادت تقرب حاصل کرنے کے لیے کسی بزرگ کی خاطر نامزد کر دیا ہو اب وہ خود اگر اس کو بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح کرے تو یہ ذبیحہ حرام ہوگا کیونکہ یہ مرتد کا ذبیحہ ہے اور اگر تقرب بحیثیت عبادت حاصل کرنے کا قصد نہ ہو تو یہ ذبیحہ حلال اور طیب ہے کیونکہ مطلقاً تقرب درجہ شرک نہیں ہے۔ بلفظہ (ص ۲۰۸ و ص ۲۰۹)

الجواب :- آپ نے مؤلف مذکور کی پوری عبارت ملاحظہ کر لی ہے اب جواب سنیئے۔

(۱) مؤلف مذکور کے صدر الافاضل اس آیت کریمہ کے مفہوم سے اُس جانور کے حرام ہونے کو نکال رہے ہیں جس کو غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب کے لیے نامزد کیا گیا ہو مگر ذبح کے وقت اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ اُس کی حُرمت اس کا اولین مصداق ہے جس کو ہم نے بحمد اللہ تعالیٰ تنقید متین میں متعدد حوالوں سے مبرہن کیا ہے جن میں وہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے حوالے کے بغیر سب کو پی گئے ہیں اور کسی عبارت کا ذکر تک نہیں کیا اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی عبارت

کا جو جواب دیا اس کا ذکر بھی انشاء اللہ العزیز عنقریب آ رہا ہے ۔ (۲) مؤلف مذکور نے فضول بھرتی کے طور پر مجوسی وغیرہ کے ذبیحہ کے حرام ہونے کی رام کہانی چھیڑ دی ہے کیونکہ ذبیحہ کے حرام ہونیکی جتنی صورتیں مؤلف مذکور نے بیان کی ہیں ان کے علاوہ بھی بعض صورتیں حرام ہونے کی ہیں اگرچہ ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام بھی لیا گیا ہے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں ۔

فلو ان رجلاً مسلماً خنق شاۃ وذکر اسم اللہ علیہا لا تحل مع انہ ذکر اسم اللہ علیہا وکذا لو ذبح شاۃ علی النصب من الانصاب او علی قبر من القبور وقصد بہ التقرب الی صاحب القبر او صاحب النصب وذکر اسم اللہ علیہا لا تحل بھذا النص الصریح ومدار کل ذالک علی قصد التقرب الی غیر اللہ او تغییر الطریق المشہور فی الذبح من استعمال الآلۃ المحددۃ ونحو ذلک الخ (فتاوٰی عزیزی ص۱۲۲ ج۱)	کہ اگر کسی مسلمان نے بکری کا گلہ گھونٹا اور اللہ تعالیٰ کا نام اس پر ذکر کیا تو وہ حلال نہیں حالانکہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے اور اسی طرح اگر کسی نے بتوں میں سے کسی بت پر یا قبروں میں سے کسی قبر پر بکری ذبح کی اور صاحب قبر اور جس کے نام پر بت ہے اُس کا تقرب چاہا اور اللہ تعالیٰ کا نام لیا تو اسی نص صریح کی وجہ سے وہ حلال نہیں اور مدار ان سب میں غیر اللہ کے تقرب کا قصد یا ذبح کے مشہور طریقہ کے تغیر پر ہے کہ ذبح کے وقت تیز آلہ استعمال نہیں کیا گیا ۔

مگر یہاں ذبیحہ کے حرام ہونے کی تمام صورتوں کا بیان کرنا مقصود نہیں مقصود صرف یہ ہے کہ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا مصداق کیا ہے ؟ آیا صرف وقت ذبح غیر اللہ کا (تنہا یا عطف سے) نام لینا مراد ہے ؟ یا وہ جانور بھی اس کی زد اور مد میں ہے جس کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے مگر غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب اس میں ملحوظ ہو جمہور اور محققین اس صورت کو اس کا اولین مصداق قرار دیتے ہیں ۔ جیسا کہ تفسیر ابن جریر ۔ تفسیر عزیزی ۔ تفسیر اکلیل ۔ درمختار ۔ فتاوٰی بزازیہ ۔ مجموعۂ فتاوٰی عبدالحیؒ وغیرہ کے حوالے ہم نے تنقید متین میں دیئے ہیں جن کا ذکر

یہ مؤلف مذکور نے نہیں کیا بغیر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے حالانکہ ان کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ پہلے تمام عبارات کو باحوالہ نقل کرتے پھر ان کا جواب دیتے مگر یہ ان کے بس کا روگ نہیں صرف دفع الوقتی کرتے ہوئے مؤلفین کے زمرہ میں ٹانگ اڑا لی ہے۔

(۳) مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ تقرب علیٰ وجہ العبادۃ کے طور پر غیر اللہ کی طرف نسبت ہو تو چونکہ وہ مرتد کا ذبیحہ ہو جائے گا اس لیے وہ حرام ہے (محصلہ) یعنی اگر تقرب علیٰ وجہ العبادت نہ ہو بلکہ محض علیٰ وجہ التعظیم ہو تو جانور حرام نہیں ہے اس میں مؤلف مذکور اپنی کم علمی کی وجہ سے ایک واضح غلطی کا شکار ہیں اس پر حصہ دوم ص۵ میں بحث ہو چکی ہے مگر ہم یہاں بھی قدرے تفصیل سے کلام کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں دو مسئلے ہیں ایک تقرب اور تعظیم لغیر اللہ کا دوسرا غیر اللہ کی عبادت کا مؤلف مذکور ان دونوں کو گڈمڈ کر رہے ہیں حالانکہ یہ دو الگ الگ مسئلے ہیں اور ان کے فقہی احکام بھی جدا جدا ہیں اور حیرت ہے کہ یہ عبارت مؤلف مذکور نے (ص۲۱۱ و ۲۱۲) میں خود نقل کی ہے لیکن مطلب سمجھے نہیں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ امام نوویؒ شرح مسلم ج۲ ص۱۶۰ کے حوالہ سے لکھتے ہیں (اور یہ مکمل عبارت ہم نے تنقید متین ص۱۶۷ اور ۱۶۸ میں نقل کی ہے)

واما الذبح لغیر اللّٰہ فالمراد به ان یذبح باسم غیر اللّٰہ کمن ذبح للصنم او للصلیب اولموسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام اوالکعبۃ ونحو ذلك فکل ھذا حرام ولا تحل ھذہ الذبیحۃ سواء کان الذابح مسلماً اونصرانیا اویھودیا نصّ علیہ الشافعیؒ واتفق علیہ اصحابنا فان قصد مع ذٰلك تعظیم المذبوح

بہرحال غیر اللہ کے لیے ذبح سے مراد یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے جیسا کہ بت یا صلیب یا حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام یا کعبہ وغیرہ کے نام پر پس یہ سب حرام ہیں اور مذبوح جانور حلال نہیں عام اس سے کہ ذابح مسلمان ہو یا نصرانی یا یہودی حضرت امام شافعیؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور اس پر ہمارے اصحاب (شوافعؒ) متفق ہیں اور اگر اس کے ساتھ مذبوح لغیر اللہ کی تعظیم اور عبادت کا بھی قصد کیا ہو تو یہ کفر ہو گا۔ اگر ذبح

لغیر اللّٰہ والعبادۃ لہ کان ذٰلک کفرًا فان کان الذابح مسلمًا قبل ذٰلک صار بالذبح مرتدا الخ (فتاویٰ عزیزی ص۳۳ ج۱)

کرنے والا اس سے پہلے مسلمان تھا تو اس ذبح کی وجہ سے مرتد ہو جائے گا۔

اس عبارت میں تصریح ہے کہ غیر اللہ کے لیے خواہ وہ بت ہو یا صلیب یا حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام یا کعبہ ذبیحہ حرام ہے عام اس سے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا نصرانی یا یہودی جیسا کہ امام شافعیؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور اسی پر شوافع حضرات کا اتفاق ہے اس صورت میں ذبیحہ کو حرام قرار دیا گیا ہے اور ذابح اگر مسلمان ہے تو اس کی تکفیر نہیں کی گئی گو اس کا گنہگار ہونا اپنی جگہ پر ہے فان قصد مع ذٰلک سے آگے دوسری صورت بیان کی گئی ہے کہ لغیر اللہ ذبح کرنے والے نے اگر مذبوح لغیر اللہ کی تعظیم اور عبادت کا قصد بھی کیا ہو تو یہ فعل کفر ہو گا اور ذابح جو پہلے مسلمان تھا اب مرتد ہو جائے گا۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ ہی اکرام ضیف اور تعظیم غیر اللہ کا فرق واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

والفارق انہ ان قدمہا لیأکل منہا کان الذبح للّٰہ والمنفعۃ للضیف او للولیمۃ او للربح وان لم یقدمہا لیأکل بل یدفعہا لغیرہ کان لتعظیم غیر اللّٰہ فیحرم وھل یکفر قولان بزازیہ وشرح وھبانیہ قلت وفی صید المنیۃ انہ لا یکرہ ولا یکفر لانا لا نسئ الظن بالمسلم انہ یتقرب الی الآدمی بھذا النحر ونحوہ فی شرح الوھبانیۃ عن

ان میں فرق کرنے والی چیز یہ ہے کہ اگر بکری کو کھانے کے لیے پیش کیا گیا تو ذبح للہ ہو گی اور نفع مہمان کا یا ولیمہ یا نفع کی مد کا ہو گا اور اگر بکری کھانے کے لیے نہ پیش کی گئی بلکہ غیر کی خدمت میں پیش کی گئی تو یہ تعظیم لغیر اللہ کے لیے ہے جو حرام ہے اور کیا ایسا کرنے والا کافر ہو گا؟ اس میں دو قول ہیں جیسا کہ بزازیہ اور شرح وہبانیہ میں ہے اور منیہ کے باب الصید میں ہے کہ نہ تو یہ مکروہ ہے اور نہ فاعل کافر ہے کیونکہ ہم مسلمان کے خلاف یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے آدمی کا تقرب چاہتا ہو گا اور

الذخیرۃ ونظمہ فقال ؎
وفاعلہ جمہورہم قال کافر
وفضل واسماعیل لیس یکفر ۔
ھکذا فی مطالب المؤمنین
والاشباہ والنظائر وفی الحدیث
لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ رواہ
احمد وایضاً ملعون من ذبح لغیر اللہ
رواہ ابوداؤد وفی غرائب ابوعبیدۃ
وبستان الفقہ وکنز العباد
انہ لا یجوز ذبح البقر والغنم
عند القبور لقولہ علیہ السلام
لا عقر فی الاسلام یعنی عند
القبور ھکذا فی سنن ابی داؤد و
ھکذا لا یجوز علی البناء الجدید
وعند شراء الدار لان النبی
صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن
ذبائح الجن بناء علی انھم یکرمون
فابطل النبی صلی اللہ علیہ
وسلم ونہی عنہ اھ
(فتاویٰ عزیزی صہ ۲۲/۱)

اسی طرح شرح وہبانیہ میں ذخیرہ سے نقل کیا ہے اور اس کو نظم بھی کیا ہے سو کہا ہے کہ جمہورِ فقہاء کرامؒ فرماتے ہیں کہ ایسا کرنے والا کافر ہے اور امام فضلؒ اور اسماعیلؒ فرماتے ہیں کہ کافر نہیں ہے۔ اسی طرح مطالب المؤمنین اور الاشباہ والنظائر میں ہے اور مسند احمد کی حدیث میں آتا ہے کہ غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔ اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے والا ملعون ہے اور غرائب ابی عبیدؒ بستان الفقہ اور کنز العباد میں ہے کہ گائے اور بھیڑ بکری کا قبور کے پاس ذبح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے لا عقر فی الاسلام یعنی قبر کے پاس ذبح کرنا جائز نہیں اسی طرح سنن ابی داؤد میں ہے اور اسی طرح نئی عمارت اور مکان خریدنے کے موقع پر بھی ذبح جائز نہیں ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنّوں کے لیے ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے کہ اس طرح لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے سو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کارروائی کو باطل قرار دیا اور اس سے منع فرمایا۔

اس عبارت میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اکرام ضیف میں مہمان کو گوشت کھلانا

مقصود ہوتا ہے اور تعظیم غیر اللہ میں اس کو گوشت دینا مقصود نہیں ہوتا گوشت کے مزے تو کوئی دوسرا ہی اڑاتا ہے اس کی صرف تعظیم ہی مقصود ہوتی ہے اس کے حرام ہونے میں تو حضرات فقہاء کرامؒ کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہاں ایسا کرنے والے کی تکفیر یا عدم تکفیر میں اختلاف ہے۔ جمہور فقہاء کرامؒ اس کی تکفیر کرتے ہیں اور امام فضلیؒ اور اسماعیلؒ اس کی تکفیر نہیں کرتے اب سوال یہ ہے کہ کیا مؤلف مذکور اور اس کی جماعت کے نزدیک غیر اللہ کی عبادت کرنے والے کی تکفیر میں بھی کوئی تردد یا اختلافِ فقہاء کرامؒ ہوتا ہے؟ یا ہو سکتا ہے؟ اور نیز کوئی مسلمان جنات کی عبادت کا تصور بھی نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہے لیکن اس عبارت میں تصریح ہے کہ نئی عمارت بناتے وقت یا مکان خریدتے وقت جنات کے ضرر سے بچنے کے لیے اور ان کی خوشنودی اور تعظیم کے لیے جانور ذبح کرنا بھی ممنوع ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنات کی خاطر ایسے ذبیحہ سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس طرح ان کی تعظیم ہوتی ہے اور اسی طرح قبور کے پاس ذبح کرنے سے بھی منع فرمایا جس میں مقصد بظاہر صرف تعظیم ہے نہ کہ عبادت غرضیکہ تعظیم غیر اللہ اور عبادت غیر اللہ کو گڈمڈ کرنا علمی طور پر درست نہیں اور دونوں صورتوں میں جانور حرام ہوگا ہاں عبادت کی صورت میں یہ فعل بالاتفاق کفر ہوگا اور تعظیم کی صورت میں جمہور فقہاء کرامؒ کے نزدیک کفر ہوگا اور بعض کفر کے فتوے سے گریز بھی کرتے ہیں ہم نے تنقید مـ۱۶۱ میں درمختار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کسی بڑے آدمی کی آمد پر جو جانور ذبح کیا جاتا ہے گو اس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا جائے وہ حرام ہے کیونکہ اس میں اس کی تعظیم مقصود ہے حالانکہ کسی بھی مسلمان کے ذہن اور خیال میں کسی بڑے آدمی یا بادشاہ کی عبادت نہیں ہوتی صرف اس کی تعظیم ہی مطلوب و مقصود ہوتی ہے مؤلف مذکور نے صـ۲۱۱ میں جو یہ کہا ہے کہ۔ علامہ شامیؒ نے تصریح کی ہے کہ مکفر تقرب علیٰ وجہ العبادۃ ہے چنانچہ درمختار نے مطلقاً تقرب کا ذکر کیا تو شامیؒ نے اس کو علیٰ وجہ العبادت سے مقید کیا دیکھیے شامی میں ہے ای علی وجہ العبادۃ لانہ المکفر (ردالمختار جـ۵ صـ۲۰۲) یعنی تقرب علیٰ وجہ العبادۃ کیونکہ یہی کفر ہے علامہ شامیؒ کی تصریح کے بعد بھی اگر سرفراز صاحب مطلق تقرب کے وجہ کفر و شرک

ہونے پر اصرار کریں تو لیجیے ہم خود شاہ صاحبؒ کی عبارت سے ثابت کیے دیتے ہیں کہ کفر کا مدار عبادت کے اعتقاد پر ہے الخ پھر آگے وہی عبارت نقل کی جو ہم فتاوٰی عزیزی کے حوالہ سے ابھی اوپر نقل کر چکے ہیں اور بفضل اللہ تعالیٰ ہم علامہ شامیؒ کا پورا حوالہ اسی کتاب میں پہلے عرض کر چکے ہیں وہاں ہی ملاحظہ کر لیا جائے۔

مؤلف مذکور اپنی کم علمی یا کجروی کی وجہ سے تقرب کی دو قسمیں بنا رہے ہیں ایک تقرب علیٰ وجہ العبادت اور ایک مطلق تقرب اول کو وہ حرام قرار دیتے ہیں اور دوم کو حلال اور طیب اور بزعم خویش حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی عبارتوں کو اول قسم پر حمل کر رہے ہیں جیسا کہ خط کشیدہ عبارت سے عیاں ہے مگر یہ مؤلف مذکور کی نادانی ہے حضرت شاہ صاحبؒ مطلقاً تقرب لغیر اللہ کو ہی شرک قرار دیتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ غیر اللہ کے تقرب کے لیے جانور کو نامزد کرنا ہی اس کی حرمت کے لیے کافی ہے۔ اِلَّا یہ کہ کوئی شخص غیر اللہ کی نامزدگی ہی سے تائب ہو جائے تو پھر معاملہ جدا ہے حضرت شاہ صاحبؒ اہلال کے معنیٰ میں ذبح کے مفہوم کو لیتے ہی نہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

وَاُہِلَّ را بر ذبح حمل کردن خلاف لغت و عرف است ہرگز اہلال در لغت عرب و عرف آں دیار و آں وقت بمعنی ذبح نیامدہ در ہیچ شعر و ہیچ عبارت بلکہ اہلال در لغت عرب بمعنی بلند کردن آواز و شہرت دادن است چنانچہ اہلال ہلال استہلال طفل نو تولد و اہلال بمعنی تلبیہ حج وغیر ذلک مستعمل است واگر کسے بگوید اہللت للہ ہرگز معنی ذبحت للہ فہمیدہ نخواہد شد و نیز اگر اہل را بر ذبح حمل

اُہِلَّ کو ذبح کے معنیٰ میں لینا لغت اور عرف کے خلاف ہے اہلال کا معنیٰ لغت عرب میں اور اُس وقت کے عرف اور اس وقت کے محاورہ میں ذبح کے نہیں آیا اور نہ کسی شعر اور کسی عبارت سے یہ ثابت ہے بلکہ اہلال کے معنیٰ لغت عرب میں آواز بلند کرنے اور شہرت دینے کے ہیں چنانچہ اہلال ہلال اور استہلال نومولود بچے کی آواز اور اہلال تلبیہ حج وغیرہ میں مستعمل ہے اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اَہلَلتُ لِلّٰہ تو اس سے ہرگز ذبحت للہ کے معنیٰ نہیں سمجھے جائیں گے اور نیز اگر اُہِلَّ کو

کردہ شود پس ذبح لغیر اللہ مراد خواہد شد ذبح باسم غیر اللہ از کجا فہمیدہ شود تا مدعائے ایں مردم حاصل شود پس دریں عبارت اہلال را بمعنی ذبح گرفتن باز لغیر اللہ را بجائے باسم غیر اللہ ساختن قریب بتحریف کلام الٰہی میرسد اھ (فتاوٰی عزیزی ص۵۹ ج۱ و تفسیر عزیزی ص۶۱۱ سورۂ بقرہ)

ذبح پر حمل کیا جائے پس ذبح لغیر اللہ مراد ہو گی ذبح باسم غیر اللہ کا معنی کہاں سے سمجھا جاتا ہے تاکہ اس آدمی کا مطلب حاصل ہو پس اس عبارت میں اہلال کو ذبح کے معنیٰ میں لینا پھر لغیر اللہ کو باسم غیر اللہ کے لیے لینا کلام الٰہی کی تحریف کو پہنچتا ہے۔

اس عبارت میں تصریح موجود ہے کہ اُہِلَّ کے معنی ہی نامزد کرنے اور شہرت دینے کے ہیں نہ کہ ذبح کرنے کے اور حضرت شاہ صاحبؒ ہی تحریر فرماتے ہیں کہ

قولہٗ تعالیٰ وما اھل بہ لغیر اللہ یعنی و دیگر آن جانور کہ آواز برآوردہ شد و شہرت دادہ شد در حق آن جانور کہ لغیر اللہ یعنی برائے غیر خدا است خواہ آن غیر بُت باشد یا روحے خبیث کہ بطریق بھوگ بنام او میدہند و خواہ جنے مسلط بر خانہ یا سرا کہ بدون دادن جانور از ایذائے سکنۂ آنجا دست بردار نشود یا توپ را روانہ کردن ندہد خواہ پیرے یا پیغمبرے را بایں وضع جانورے زندہ مقرر کردہ دہند ایں ہمہ حرام است و در حدیث صحیح وارد شدہ کہ ملعون من ذبح لغیر اللہ یعنی ہر کہ بذبح جانور تقرب بغیر خدا نماید ملعون است خواہ وقت ذبح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰہ یعنی اور وہ جانور بھی حرام ہے جس پر آواز بلند کی گئی ہو اور شہرت دی گئی ہو غیر خدا کے لیے عام اس سے کہ وہ غیر بُت ہو یا خبیث روح کہ بھینٹ کے طریقہ سے اس کے نام پر دیتے ہیں یا جن کے نام پر جو مکان یا سرائے پر مسلط ہو کر بغیر جانور دینے کے وہاں کے باشندے اس کی ایذا سے نہیں بچ سکتے یا توپ کے چلنے کے لیے دیتے ہیں اگرچہ پیر یا پیغمبر کے نام پر اس طریقہ سے زندہ جانور نامزد کر کے دیں یہ سب حرام ہے۔ اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا وہ ملعون ہے یعنی جس نے غیر اللہ کے تقرب کے لیے جانور ذبح کیا تو وہ ملعون ہے ذبح

نام خدا بگیرد یا نہ زیرا کہ چون شہرت داد کہ
این جانور برائے فلان است ذکر نام خدا
وقت ذبح فائدہ نکرد چہ آن جانور منسوب
بآن غیر گشت و خبثے در وے پیدا شد کہ زیادہ
از خبث مردار است زیرا کہ مردار بے ذکر
نام خدا جان دادہ است و جان این جانور
را از ان غیر خدا قرار دادہ کشتہ اند و آن عین
شرک است و ہرگاہ این خبث در وے
سرایت کرد بذکر نام خدا حلال نمی شود مانند
سگ و خوک کہ اگر بنام خدا ذبح شوند حلال
نمی گردند و کنہ این مسئلہ آنست کہ جان را برائے
غیر جان آفرین نثار کردن درست نیست
و ماکولات و مشروبات و دیگر اموال را نیز اگرچہ
از راہ تقرب لغیر اللہ دارن حرام و شرک
است الخ (فتاوی عزیزی ج۱ ص۵۶ و تفسیر عزیزی ص۱۱)

کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے یا نہ لے کیونکہ
جب یہ شہرت دی گئی کہ یہ جانور فلاں کے
لیے ہے تو ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام
لینے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ وہ جانور غیر کی
طرف منسوب ہو گیا اور اسمیں ایسی خباثت پیدا ہو گئی
جو مردار کی خباثت سے زیادہ ہے کیونکہ مردار نے
تو اللہ تعالیٰ کے نام کے بغیر جان دے دی۔ اور
اس جانور کو غیر خدا کے نام پر نامزد کر کے ذبح کیا
ہے جو عین شرک ہے اور جب شرک کی اس خباثت نے اسمیں
میں سرایت کی تو اللہ تعالیٰ کے نام سے وہ حلال
نہ ہوگا جس طرح کتا اور خنزیر کہ اگر ان کو بسم اللہ
پڑھ کر ذبح کریں تو حلال نہیں ہوتے اور حقیقت
اس مسئلہ کی یہ ہے کہ جان کو جان آفرین کے سوا
کسی اور کے لیے قربان کرنا درست نہیں ہے۔ اور
ماکولات و مشروبات اور دوسرے اموال کو بھی اگرچہ
غیر اللہ کے تقرب کے لیے دینا حرام اور شرک ہے الخ

اس مفصل عبارت میں بھی حضرت شاہ صاحبؒ نے جانور کے حرام ہونے کی علت غیر اللہ کے نام پر جانور کو شہرت دینا اور نامزد کرنا قرار دیا ہے جس میں مطلقاً غیر اللہ کے تقرب کو ملحوظ رکھا ہے نہ کہ علیٰ وجہ العبادت کو اور فرماتے ہیں کہ غیر اللہ کے نام پر نامزد کرنے اور شہرت دینے کے بعد ذبح کے وقت وہ جانور اللہ کا نام لینے سے بھی حلال نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ،

پس ذبح کردن بنام خدا ہمراہ شہرت دادن
باآواز بلند کردن بآنکہ فلانے گاؤ برائے فلانے بز

اس شہرت اور نامزدگی کے بعد کہ فلاں گائے
فلاں کے نام پر اور بکری فلاں کے نام پر مشہور

بلائے فلانے بکشد ہیچ فائدہ نمی کند و گوشت
آن جانور حلال نمی گردد. الخ
(فتاوی عزیزی ج۱ ص۵۶ و تفسیر عزیزی ص۶۱۱)

اور نامزد ہے ذبح کرتے وقت اللہ تعالے
کا نام لینے کا قطعاً کوئی فائدہ نہیں ہے اور گوشت
اس جانور کا حلال نہ ہوگا ۔

مؤلف مذکور حضرت شاہ صاحبؒ کی ان مفصل عبارات کو غور سے بار بار پڑھیں یا کسی قابل استاد سے سمجھنے کی سعی کریں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے جانور کی حرمت کی علت کس چیز کو قرار دیا ہے؟ مطلق تقرب و تعظیم بغیر اللہ کو یا تقرب علی وجہ العبادۃ کو؟ اور حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت میں اس کی تصریح بھی موجود ہے کہ موذی جنات سے جان چھڑانے کے لیے جانور ذبح کرنا بھی وما اُھِلَّ کی تفسیر میں شامل ہے حالانکہ موذی جنات کی عبادت کوئی بھی نہیں کرتا مقصد تو صرف اُن کی شر سے بچنا ہے کما لا یخفی اور نیز حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ

ذبح کردن جانور بنام غیر خدا خواہ پیغمبر باشد
خواہ ولی خواہ شہید خواہ غیر انسان حرام
است واگر بہ قصد تقرب بنام اینہا
ذبح کردہ باشد ذبیحہ آن جانور ہم حرام و مردار
میشود و ذبح کنندہ مرتد میشود توبہ ازیں
فعل منع لازم است اھ (فتاوی عزیزی ج۱ ص۴۹)

غیر خدا کے نام پر جانور ذبح کرنا خواہ وہ غیر پیغمبر
ہو یا ولی یا شہید یا خواہ غیر انسان ہی ہو حرام ہے
اور اگر ان کے ناموں کے تقرب کے قصد سے
جانور ذبح کیا گیا ہو تو وہ مذبوح جانور حرام اور مردار
ہوگا اور ذبح کرنے والا مرتد ہو جائے گا اور اس
ممنوع فعل سے اس کو توبہ کرنی لازم ہے ۔

اس سے ثابت اور معلوم ہوا کہ جانور کی حرمت کی علت تو تقرب لغیر اللہ ہے "کائناً من کان" اور مرتد ہونا اس کا نتیجہ اور حکم ہے جیسا کہ خط کشیدہ الفاظ سے بالکل عیاں ہے ۔ حضرت شاہ صاحبؒ خود تصریح فرماتے ہیں کہ جب تک وہ شخص اپنی اس بُری نیت سے توبہ نکرے وہ جانور حلال نہیں ہو سکتا ۔ چنانچہ ان کا ارشاد یہ ہے :

آرے ذکر نام خدا بر آں جانور وقتے فائدہ
میدہد کہ قصد تقرب بغیر خدا را از دل دور کردہ
وخلاف آن شہرت و آوازہ دیگر دہد کہ ما ازیں

ہاں اللہ تعالے کے نام کا ذکر اس وقت فائدہ
دیتا ہے کہ غیر خدا کے تقرب کے قصد اور ارادہ کو
دل سے نکال دے اور اس کے خلاف شہرت

کار برگشتیم ۔ (فتاوی عزیزی ص۵۸ ج۱ و تفسیر عزیزی ص۱۱)

اور آواز اس کی بلند کیے کہ میں اس (ممنوع) کاروائی سے باز آگیا ہوں ۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی ایسی صاف اور واضح عبارات کی موجودگی میں انکی سابق عبارات کو مؤلف مذکور کی طرح اپنے ذہن کے اختراعی معانی پر محمول کرنا کسی دیانت دار اور خدا خوف عالم کا کام نہیں ہے ۔ الغرض حضرت شاہ صاحبؒ مطلقاً غیر اللہ کے تقرب کو حرمت کی وجہ قرار دیتے ہیں اور اسی کو عین شرک کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرنے سے بھی وہ اس جانور کی حلت کے قائل نہیں ہاں کھلے بندوں توبہ کرے تو جدا بات ہے ۔

ارخاء عنان

یہاں تک بحث اس بات پر مبنی تھی کہ حضرت شاہ صاحبؒ مطلق تقرب کو حرمت کی علت قرار دیتے ہیں اس کی دو قسمیں نہیں کرتے جیسا کہ مؤلف مذکور نے دو قسمیں بنا کر اپنے اور اپنی جماعت کے پیٹ کے لیے گوشت خوری کا چور دروازہ وا رکھا ہے تاکہ داشتہ آید بکار ۔ اب ہم یہ بات عرض کرتے ہیں کہ چلیئے ہم یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ جانور کی حرمت کی علت تقرب علیٰ وجہ العبادۃ قرار دیتے ہیں تو پھر بھی انشاء اللہ العزیز فتح ہماری ہی ہوگی نہ کہ مؤلف مذکور کی ہم خود حضرت شاہ صاحبؒ سے عبادت کا معنیٰ اور جس مقصد کے لیے عبادت کی جاتی ہے ۔ عرض کرتے ہیں۔

وجہ اختصاص عبادت بآں ذات پاک آنست کہ حقیقت عبادت نہایت تذلل است برائے نہایت تعظیم غیر خود چوں باختیار صادر شود پس تذلل تسخیری و تسخر و تعظیم کم تر از نہایت آن عبادت نمی شود و ہمچنیں چوں تذلل باضطرار باشد نیز در عبادت محسوب نیست و حقیقت عبادت بالبداہۃ لیاقت آں ندارد کہ برائے کسے کردہ شود

عبادت کے اللہ تعالیٰ کی ذات سے مختص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے اختیار سے اپنا انتہائی تذلل اور غیر کی انتہائی تعظیم کی جائے پس غیر اختیاری تذلل اور تسخر کا تذلل اور کم تعظیم والا تذلل اس عبادت کی حد میں شامل نہیں ہے اور اسی طرح مجبورانہ تذلل بھی عبادت میں شمار نہیں ہے اور بداہۃً عبادت کی حقیقت اس کی لیاقت نہیں رکھتی کہ کسی کے

رالّا برائے کسے کہ از وئے نہایت انعام باین
کس رسیدہ باشد و آں ذات نیست مگر
ذات او تعالیٰ ۔ (تفسیر عزیزی سورۂ بقرہ ص۳)

لیے کی جائے ہاں مگر صرف اُس کے لیے جس
سے انتہائی انعام اِس شخص کو پہنچا ہے اور وہ
اللہ تعالیٰ کی ذات کے بغیر اور کوئی نہیں ہے

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے عبادت کا معنیٰ بیان کیا ہے کہ اپنے اختیار کے ساتھ کسی غیر کی انتہائی تعظیم کرنا اور اپنے آپ کو اس کے مقابلہ میں انتہائی کمزور سمجھنا۔ اور جس مقصد کے لیے عبادت کی جاتی ہے اس کا ذکر حضرت شاہ صاحبؒ یوں کرتے ہیں کہ۔

و نیز آنچہ ماسوای او تعالیٰ است مسکین و فقیر
یعنی محتاج بجناب اوست و ہر محتاج بحاجت
نفس خود گرفتار است پس اورا فائدہ بغیر
رسانیدن بے امداد غنی مطلق نمی تواند شد و غنی
مطلق کہ رفع حاجات ہر مخلوق است ہماں
ذات مقدس است پس استحقاق عبادت
منحصر در ذات اوست و لہٰذا فرمودہ اند و
قضیٰ ربک الّا تعبدوا الّا ایاہ
(تفسیر عزیزی سورۂ بقرہ ص۳)

اور نیز اللہ تعالیٰ کے سوا سب مسکین اور فقیر ہیں جو
اللہ تعالیٰ ہی کے محتاج ہیں اور ہر محتاج اپنے نفس
کی حاجت میں گرفتار ہے پس اس کو غنی مطلق
کی امداد پہنچائے بغیر کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا اور
غنی مطلق جو تمام مخلوق کی حاجات کو پورا کرتا ہے
صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے پس استحقاق
عبادت اسی ہی کی ذات میں منحصر ہے اور اسی لیے
اُس نے فرمایا ہے کہ اور تمہارے رب نے حکم دیا ہے
کہ تم اس کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرو۔

اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ ساری مخلوق کا مشکل کشا اور فریاد رس چونکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور سب کائنات کا حاجت روا صرف وہی ہے اس لیے اس کے بغیر کوئی اور عبادت کا مستحق ہی نہیں ہے۔ اب سمجھئے کہ جو شخص غیر اللہ کا تقرب علیٰ وجہ العبادۃ حاصل کرتا ہے تو گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو انتہائی تعظیم والا سمجھ کر اور اس کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بے حد کمزور قرار دیکر اس سے حاجت طلب کرتا ہے اور یہی بات روح شریعت کے لحاظ سے عین شرک اور خالص شرک ہے اور جب بھی کوئی شخص غیر اللہ کے نام پر جانور وغیرہ کو نامزد کر کے اس کا تقرب علیٰ وجہ العبادۃ چاہے گا تو گویا اس سے جلب منفعت اور دفع مضرت کی

اُمید وابستہ کی اور جانور کو اس طریقہ سے اور اس طور سے اس کی طرف منسوب کرنے ہی سے اُس میں خُبث آگیا اور جب تک وہ اس بد ارادہ سے باز نہیں آئے گا تو اس جانور کا خبث دور نہیں ہو گا بسم اللہ کہکر ذبح کرنے سے بھی وہ حلال نہیں ہو گا جیسا کہ کُتّا اور خنزیر حلال نہیں ہوتا اس لحاظ سے بھی بالمآل تقرب علی وجہ العبادۃ ایک ہی قسم اور فرد میں منحصر رہیگا یہ نہیں کہ اس کی دو قسمیں ہو جائیں ایک علی الوجہ عبادت ہو کر حرام اور کفر ہو جائے اور دوسری قسم جائز رہے جیسا کہ مؤلف مذکور کا باطل دعوےٰ ہے۔ باقی رہا ایصال ثواب اور اکرام ضیف وغیرہ کی صورتیں تو وہ تقرب کی مد میں ہرگز داخل نہیں ہیں وہ بالکل الگ ہیں تقرب بغیر اللہ کو اللہ تعالیٰ نے شرک قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۔ (پ ۲۳ ۔ الزمر ۔ رکوع ۱)

اور وہ لوگ جنہوں نے پکڑ رکھے ہیں اس کے سوا حمایتی (کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت اور پوجا نہیں کرتے مگر صرف اس لیے کہ وہ ہمیں اللہ تعالےٰ کے قریب پہنچا دیں درجہ میں

اور مِنْ دُوْنِهٖ میں صرف بت ہی شامل نہیں جیسا بعض اہل بدعت نے یہ سمجھ رکھا ہے اس میں پیر و پیغمبر اور جنات بھی داخل ہیں جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت میں گذر چکا ہے کہ غیر اللہ میں بت ۔ جن ۔ پیر ۔ اور پیغمبر وغیرہ بھی شامل ہیں غرضیکہ تقرب لغیر اللہ سے مراد ایسا تقرب ہے جس سے مافوق الاسباب طریقہ پر اُمید و بیم وابستہ ہو نہ کہ لغوی تقرب جیسا کہ مؤلف مذکور نے ص۲۱۱ میں ذوی القربیٰ اور اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى نقل کر کے رشتہ داروں کی قرابت کو سامنے لاکر مغالطہ کھایا اور عوام الناس کو دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کی ہے ۔ موحد کبھی بھی غیر اللہ کے سامنے نہیں جھکتے اور نہ اُن سے مافوق الاسباب طریقہ سے استعانت چاہتے ہیں سے

موحد وہ جو غیر اللہ کے آگے نہیں جھکتے
وہ پیشانی پہ داغِ شرک لگوایا نہیں کرتے

شاہ عبد العزیز صاحبؒ اور نیاز کے جانور

یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے جو کچھ کہا ہے اس کا ملخص یہ ہے کہ متبدعین دیوبند اس

غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ان کے خودساختہ مسلک کی تائید میں وافر مواد جمع کر دیا ہے چنانچہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کی غرض سے جو جانور نامزد کیے جاتے ہیں۔ ان کی حرمت پر یہ لوگ ہمیشہ شاہ صاحبؒ کی عبارتوں سے استشہاد کرتے ہیں علماء اہل السنت ان کی غلط فہمی کو بار بار رفع کر چکے ہیں لیکن یہ ضدی طائفہ ہمیشہ ان عبارتوں کو لے کر سامنے آجاتا ہے جیسے یہ عبارتیں لاجواب رہی ہوں انصاف و دیانت کا تقاضا یہ تھا کہ سرفراز صاحب ان پٹے ہوئے مہروں کو آگے بڑھانے سے پہلے پچھلا حساب بیباق کر دیتے اور اہل السنت کے علماء نے ان عبارات کے جوابات دیئے ہیں ان کو پیش کر کے ان پر تبصرہ کرتے بہرحال اب چونکہ انہوں نے یہ مسئلہ چھیڑ ہی دیا ہے اس لیے اب ہم بھی ذرا اس پر کھل کر گفتگو کریں گے۔

(مخلصہ تیسیر صـ۲۰۹)

الجواب: علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم نے جو مسلک اختیار کیا ہے وہ قرآن کریم صحیح احادیث حضرات فقہاء کرام اور مفسرین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کا بیان کردہ اور صحیح اسلامی مسلک ہے اس کو اختراعی قرار دینا صرف اور صرف اہل بدعت ہی کا کام ہے اور انشاء اللہ العزیز یوم تسود وجوہ کے موقع پر اس کی حقیقت بالکل آشکارا ہو جائے گی اور بحمد اللہ تعالیٰ دیگر علماء حق کی طرح حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بھی اس حق مسلک کی تائید میں ایک خاص اور انوکھے طریقے سے تفسیر عزیزی اور فتاویٰ عزیزی وغیرہ میں کافی اور وافر علمی مواد جمع کیا ہے جو بحمد اللہ تعالیٰ تاہنوز لاجواب ہے بزعم خود اہل بدعت نے ان عبارات کے جو جوابات دیئے ہیں وہ سورج کے سامنے وقت دوپہر ٹمٹماتا چراغ جلانے کے مترادف ہے اور کوئی عقلمند ان لایعنی اور بیہودہ جوابات سے ہرگز ہرگز مطمئن نہیں ہو سکتا خود مؤلف مذکور نے جو بزعم خویش اور بزاد تحسین غیر اس وقت اہل بدعت کے طائفہ کے وکیل اعظم بنے ہوئے ہیں یقیناً اس تصنیف کے وقت اپنے اکابر کے وہ ہوائی اور لایعنی جوابات ضرور دیکھے ہوں گے جن اکابر کا وہ حوالہ دے رہے ہیں مگر انہوں نے بھی اپنی علمی پٹاری سے وہ نہیں نکالے تا کہ ان کا تانا بانا نظر آجاتا اور ان جوابات کی روشنی میں انہوں نے جو کچھ کہا ہے اس کا حشر بھی قارئین کرام سے مخفی نہیں ہے کہ کیا ہوا ہے

الغرض ہمارے ذمہ قطعاً کسی کا قرض نہیں ہے لہذا سابق حساب بیباق کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہمیں کیا مصیبت پڑی ہے کہ ہم ان کے بالکل بے وقعت اور بے وزن اور بے جان دلائل کو نقل کرتے اور پھر ان میں جان ڈالتے اور پھر ان کے رد کرنے پر قیمتی وقت صرف کرتے اور مفت میں ان پر تبصرہ کرتے کیونکہ ان کی کوئی بھی بے جان دلیل ان کے بے بنیاد دعوٰی کو ثابت نہیں کرتی سہ

نہ گُل اپنا نہ خار اپنا نہ ظالم باغباں اپنا — بنایا آہ کس گلشن میں ہم نے آشیاں اپنا

غلط بیانی مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ سرفراز صاحب نے تفسیر عزیزی سے جو عبارات پیش کی ہیں اُن کا کچھ حصہ تو اُھِلَّ کے معنی سے متعلق ہے کہ اس کا معنیٰ ذبح نہیں بلکہ آواز دینا اور شہرت دینا ہے اور یہ کلام خارج از بحث ہے کیونکہ صدر الافاضل نے اھل کا معنیٰ ذبح نہیں کیا۔ ہم ان کی نقل کردہ عبارت کا وہ حصہ پیش کرتے ہیں جو موضوع سے متعلق ہے۔ شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ خواہ پیر پیغمبر کے نام زندہ جانور مقرر کر دیں کہ یہ سب حرام ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص جانور کو واسطے تقرب غیر اللہ کے ذبح کرے وہ شخص ملعون ہے (تفسیر عزیزی اردو ص $\frac{۳۸}{۲ج}$)

اور شاہ صاحبؒ ہی تحریر فرماتے ہیں کہ اس واسطے جب شہرت کر دی کہ یہ جانور فلاں کے واسطے ہے تو وقت ذبح کے خدا کا نام مفید نہ ہوگا الیٰ قولہ حقیقت اس مسئلہ کی یہ ہے کہ جان واسطے غیر جان پیدا کرنے والوں کے نام نیاز کرنا درست نہیں ہے اور کھانے پینے کی اور چیزیں اور مال بھی تقرب لغیر اللہ کے واسطے دینا حرام اور شرک ہے۔

(تفسیر عزیزی ص $\frac{۳۸}{۲ج}$)

شاہ صاحبؒ نے اس ذبیحہ کے حرام ہونے کی دو مستقل وجہیں بیان کی ہیں۔

(۱) تقرب غیر خدا (۲) جان کو جان پیدا کرنے والے کے غیر کی طرف منسوب کرنا۔ پہلے ہم تقرب پر گفتگو کرتے ہیں۔ گذارش ہے کہ شاہ صاحبؒ نے ذبیحہ کے حرمت کی علت اس تقرب کو قرار دیا ہے جو تقرب شرک ہو۔ چنانچہ فرمایا اور یہ عین شرک ہے اور

مطلق تقرب الی الغیر شرک نہیں ورنہ ذوی القربیٰ جن سے قرابت کا تعلق ہوتا ہے اللہ تعالےٰ کے شریک قرار پائیں اور یہ بداھتہً باطل ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ذوی القربیٰ اور اِلّا المودۃ فی القربیٰ میں اللہ تعالیٰ کے شرکا سے احسان اور مودت کی تعلیم دی گئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مطلق تقرب الی الغیر شرک نہیں بلکہ تقرب من حیث العبادۃ شرک ہے۔

اس کے بعد مؤلف مذکور نے علامہ شامیؒ کی عبارت ذکر کی ہے جس کا تذکرہ ہو چکا ہے پھر فتاویٰ عزیزی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہم شاہ صاحبؒ کی عبارت سے ثابت کیے دیتے ہیں کہ کفر کا مدار عبادت کے اعتقاد پر ہے پھر واما الذبح لغیر اللہ سے لے کر فان قصد مع ذٰلك تعظیم المذبوح لغیر اللہ والعبادۃ له كان ذٰلك كفرًا فان كان الذابح مسلمًا قبل ذٰلك صار بالذبح مرتدًا (فتاویٰ عزیزی ص۲۲/۱) تک عبارت نقل کر کے لکھا ہے۔ دیکھئے اس عبارت میں شاہ صاحبؒ نے تصریح کر دی کہ اگر کوئی مسلمان غیر اللہ کے نام سے ذبح کر دے تو یہ شرک نہیں شرک تب ہو گا جب تعظیم کے ساتھ عبادت غیر اللہ کا قصد بھی کرے پس ثابت ہو گیا کہ کفر و شرک کا مدار قصد عبادت غیر اللہ ہے کیونکہ اس قصد سے وہ مرتد ہو گیا اور مرتد وقت ذبح خدا کا نام لے یا نہ لے وہ کتے اور خنزیر کی طرح حرام ہے مگر خوب یاد رکھئے کہ ذبیحہ کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مرتد کا ذبیحہ ہے چنانچہ اسی جانور کو کوئی مسلمان شرائط کے ساتھ ذبح کرے تو یہ خالص حلال و طیب ہے اور اس میں رتی برابر شک نہیں ہے۔ (محصلہ ص۲۱۰ تا ص۲۱۲)

الجواب: مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ بھی لکھا ہے ان کو مفید نہیں اس لیے کہ (۱) اُھِلَّ کا معنیٰ خود ان کے صدر الافاضل نے ذبح کے لیے ہیں جیسا کہ پہلے باحوالہ گزر چکا ہے لہٰذا اس کو خارج از بحث قرار دے کر جان چھڑانا اپنی جہالت کا اظہار ہے (۲) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے نزدیک غیر اللہ کے نام پر تقرب کے طور پر جانور کو نامزد کرنا ہی اس کی حرمت کی اصل وجہ ہے کما مر (۳) کیونکہ جان واسطے غیر جان پیدا کرنے والے کے دینا جائز نہیں ہے اور یہی تقرب لغیر اللہ ان کے نزدیک حرام اور شرک ہے (۴) حضرت شاہ صاحبؒ نے حرام

ہونے کی جو دو وجہیں بیان کی ہیں یعنی تقرب غیر خدا اور جان پیدا کرنے والے کے غیر طرف منسوب کرنا اس پر بقدر ضرورت باحوالہ بحث پہلے عرض کی جا چکی ہے اعادہ کی حاجت نہیں۔
(۵) مؤلف مذکور نے تقرب کی جو دو قسمیں بنا کر ایک کو شرک اور دوسری کو جائز قرار دیا ہے یہ اُن کی نری جہالت ہے کیونکہ یہاں لغوی اور عرفی تقرب کی بات نہیں ہو رہی جس کے لیے انہوں نے خواہ مخواہ ذوی القربیٰ اور الّا المودۃ فی القربیٰ کا حوالہ دیا ہے یہاں فقہی طور پر تقرب علیٰ وجہ التعظیم اور علیٰ وجہ العبادۃ کا ذکر ہو رہا ہے خلط مبحث اہل علم کی شان کے خلاف ہے مگر جس کو صرف دجل و تلبیس سے اپنی گاڑی چلانا مقصود ہو تو اس کا معاملہ ہی الگ ہے۔
مؤلف مذکور کی قارئین کرام پر یہ بڑی مہربانی اور احسان ہے کہ انہوں نے قرب کے مادہ سے قارب (چھوٹی کشتی) قربان (جماع) اور قراب (تلوار کا نیام) اور قربہ (مشک) وغیرہ ذکر نہیں کر دیے ورنہ معاملہ طول پکڑ جاتا، کیونکہ قرب کے مادہ سے یہ الفاظ بھی تو مشتق ہیں۔
(ملاحظہ ہو صراح ص۴۸ وغیرہ)
قارئین کرام نے بخوبی اندازہ لگا لیا ہوگا کہ مؤلف مذکور جب گرم اور مرکزی بات کے جواب دینے سے لاجواب ہو جاتے ہیں اور چپ رہنا بھی گوارا نہیں کرتے کیونکہ ملاں آں باشد کہ چپ نہ شود تو بالکل غیر متعلق باتیں درمیان میں لا کر ان کی اوٹ میں پناہ لیتے ہیں مگر بفضلہٖ تعالیٰ املتی پھر بھی نہیں ہے۔ اور علمی تعلّی اس پر مستزاد ہے جس کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں ہے
خودی کو ترک کر بندہ خودی برتر خدا کو ہے ــــ خودی ابلیس نے کی تھی بتا اُسکو ملا کیا ہے؟
(۶) علامہ شامیؒ کی مفصل عبارت اور اس کا مطلب پہلے عرض کیا جا چکا ہے (۷) فتاویٰ عزیزی کے حوالے سے نقل کردہ عبارت واما الذبح للہ کا جواب اور تشریح بھی پہلے گذر چکی ہے اور اس عبارت میں تعظیم المذبوح لغیر اللہ کا ذکر جدا ہے اور واؤ عطف کے ساتھ جو مغایرت کے لیے ہے والعبادۃ لہٗ کا ذکر جدا ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ دونوں صورتوں کو کفر قرار دیتے۔ تقرب کے طور پر تعظیم لغیر اللہ کو بھی اور عبادت کو بھی۔ مگر حیرت ہے کہ مؤلف مذکور نے اور عبادت کا بھی قصد کیا پر تو خط کشیدہ کر کے قارئین کرام کے لیے اُسے اُجاگر کیا ہے۔ مگر

تعظیم لغیر اللہ کو بالکل پی گئے ہیں حالانکہ حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت میں دونوں کا صراحۃً ذکر ہے نہ معلوم یہ کون سی دیانت ہے ؟ ان کے لیے مناسب ہے کہ واؤ عطف کا مطلب بھی کسی فنی استاد سے سمجھ لیں تاکہ ٹھوکر نہ کھایا کریں اور علمی میدان میں رسوائی نہ ہو ؎

گُو بہ کُو قریہ بہ قریہ داغ رسوائی ملا راہ میں جو بھی ملا تیرا شاکی ہی ملا ۔

(۷) مان لیا کہ حضرت شاہ صاحبؒ تعظیم لغیر اللہ اور عبادت لغیر اللہ دونوں کے مرتکب کو کافر اور مشرک قرار دیتے ہیں اور اس کے ذبیحہ کو مرتد کا ذبیحہ قرار دیتے ہیں لیکن اس قصد کے بغیر محض غیر اللہ کے لیے نامزد کئے ہوئے جانور کو بھی تو حرام کہتے ہیں فکل ھذا حرام گو ذابح کافر نہ سہی گنہگار ہی سہی لیکن اس کا ذبیحہ بھی تو بہر کیف حرام ہے اور مؤلف مذکور خیر سے اس کو حلال و طیب قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں رتی بھر شک نہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ

(۸) حضرت شاہ صاحبؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ جب تک اپنی بدنیت سے وہ شخص توبہ نہ کرے وہ جانور حرام ہے جیسا کہ پہلے خود ان کے حوالہ سے گذر چکا ہے مگر مؤلف مذکور کہتے ہیں کہ اسی جانور کو کوئی اور مسلمان شرائط کے ساتھ ذبح کر دے تو یہ خالص حلال و طیب ہے الخ

الغرض حضرت شاہ صاحبؒ کا رُخ کعبہ کی طرف ہے اور مؤلف مذکور کا یہاں سے مشرق کی طرف لیکن وہ پھر بھی اپنے آپ کو حضرت شاہؒ کا پیرو اور ان کو اپنا مصدق گردانتے ہیں ہم اس منطق کو نہیں سمجھ سکے ۔ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مؤلف مذکور نے اپنی مطلب براری کے لیے فان قصد مع ذلک تعظیم المذبوح لہٗ والعبادۃ لہ، کان ذٰلک کفراً کا معنیٰ بھی غلط کیا ہے وہ اس کا معنیٰ یوں کرتے ہیں۔ پس اگر ذابح نے باوجود غیر اللہ کے نام لینے کے اس کی تعظیم کی اور عبادت کا بھی قصد کیا تو یہ کفر ہے انتہیٰ بلفظہٖ انہوں نے قصد کو صرف عبادت کے ساتھ مختص کر دیا ہے حالانکہ تعظیم غیر اللہ بھی قصد کے نیچے داخل صحیح معنیٰ یہ ہے سو اگر اس نے قصد کیا اس کے ساتھ مذبوح لغیر اللہ کی تعظیم اور اس کی عبادت کا تو یہ کفر ہوگا چونکہ مؤلف مذکور غلطی سے صرف عبادت لغیر اللہ کو کفر قرار دیتے ہیں اس لیے لفظ قصد اسی کے ساتھ جوڑتے ہیں اور پھر آگے لکھتے ہیں پس ثابت ہو گیا کہ کفر و شرک کا

مراد قصد عبادت غیر اللہ پر ہے (بلفظہ)

(۹) مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کی تفسیر میں تقرب سے مراد مع قصد العبادۃ ہے الخ سوال یہ ہے کہ حرف واؤ میں اصل عطف ہے اور اس کو مع کے معنیٰ میں لینے کی یہاں کون سی دلیل ہے؟ حضرت شاہ صاحبؒ تو صرف غیر اللہ کے لیے تقرب کے طور جانور کے نامزد کرنے کو بھی شرک کہتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

چہ آن جانور منسوب بآن غیر گشت وخبثے دران پیدا گشت کہ زیادہ از خبث مردار است زیرا کہ مردار بے ذکر نام خدا جان دادہ است وجان این جانور ازان غیر قرار دادہ گشتہ اند وآن عین شرک است اھ (تفسیر عزیزی ص۶۱۱ سورۂ بقرہ، فتاویٰ عزیزی ج۱ ص۵۶)

کیونکہ وہ جانور اس غیر کی طرف منسوب ہو گیا ہے اور اس میں خباثت پیدا ہو گئی ہے جو مردار کی خباثت سے زیادہ ہے کیونکہ مردار نے تو اللہ تعالیٰ کے نام کے بغیر جان دی ہے اور انہوں نے اس جانور کو غیر خدا کے نام پر نامزد کر کے ذبح کیا ہے اور یہ عین شرک ہے۔

اس عبارت میں تقرب کی نیت سے غیر اللہ کی طرف نسبت کو ہی عین شرک قرار دیتے ہیں اور عبادت کی کوئی قید نہیں لگاتے اگر قصدِ عبادت کی قید شرک کے فتویٰ کے لیے ضروری ہوتی تو یقیناً وہ اس کو کبھی نظر انداز نہ کرتے بلکہ یوں فرماتے وجان این جانور را ازان غیر قرار دادہ گشتہ اند مع قصد العبادۃ اس سے ثابت ہوا کہ قصد العبادۃ اس کی قید نہیں ہے بلکہ حرف واؤ یہاں عطف کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے کہ تقرب کے طور پر تعظیم لغیر اللہ بھی کفر ہے اور غیر اللہ کی عبادت بھی کفر ہے حکم ایک ہے لیکن چیزیں دو ہیں جیسے جاء زید وعمرو میں زید اور عمرو دو الگ الگ شخص ہیں لیکن آنے میں دونوں شریک ہیں کیا ضرورت ہے اور اس کی کیا دلیل ہے کہ عمرو کو زید کا دم چھلہ بنا دیا جائے سو یہاں بھی ایسا ہی سمجھیے کہ چیزیں دو ہیں ایک تعظیم لغیر اللہ جو تقرب کے طور پر ہو اور دوسری عبادت لغیر اللہ اور حکم دونوں کا ایک ہے جو کفر ہے الغرض حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارات بالکل واضح ہیں ان میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں ہے ہاں اُن سے برائے نام محبت کا دعویٰ کرتے ہوئے ان کی صریح عبارتوں ہی سے کوئی نظر پھیر لے تو ہمارے پاس اس کا کیا علاج ہے؟

پھیر لیتے ہیں نظروں سے بھلا دیتے ہیں　　کیا یونہی لوگ محبت کا صلہ دیتے ہیں

سوائب وغیرہا مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ۔ دیکھیے مشرکین مکہ سوائب وغیرہ جانوروں کو بتوں کے لیے نامزد کر دیتے اور یہ نامزدگی مع قصد العبادت تھی لیکن اس کے باوجود جب مسلمانوں نے ان جانوروں کو ذبح کر دیا تو ان کا کھانا حلال وطیب ہو گیا اور کفار جو ان جانوروں کو کھانے سے گریز کرتے تھے ان کی مذمت پہ قرآن نازل ہوا چنانچہ مالکم ان لا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ کی تفسیر ابوسعود میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات پر انکار فرمایا ہے کہ ان میں کوئی ایسی بات پائی جائے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانوروں مثلاً بحائر و سوائب وغیرہ کو نہ کھائیں۔ نیز یاایھا الذین آمنو کلوا من طیبات ما رزقناکم کے تحت ملا جیون حنفی لکھتے ہیں بعض مفسرین نے کہا کہ طیبات سے مراد بحیرہ۔ سائبہ وغیرہ ہیں یعنی بحیرہ وغیرہ کھاؤ۔ ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جن جانوروں کو کفار بتوں کا تقرب علیٰ وجہ العبادت حاصل کرنے کے لیے نامزد اور ان کے نام پر مشہور کر دیا کرتے تھے وہ جانور بھی کتے اور خنزیر کی طرح حرام نہیں ہیں بلکہ شرائط ذبح کے ساتھ انہیں ذبح کر دیا جائے تو حلال ہیں اور اللہ تعالےٰ نے ان جانوروں کو حلال نہ سمجھنے پہ کفار کی مذمت کی ہے پس لامحالہ تفسیر عزیزی میں جس جانور کو کتے اور خنزیر سے تشبیہ دی گئی ہے یہ وہ جانور ہے جس کو مرتد نے ذبح کر دیا ہو اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر بطور تقرب مع قصد العبادۃ کسی شخص نے مشہور کر دیا اور اس کو کوئی اور شخص جو مسلمان ہو وہ شرائط ذبح کے ساتھ ذبح کر دے تو بلا ریب یہ حلال وطیب ہے اور اس کو حرام سمجھنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ زمانۂ جاہلیت کے کفار سوائب وغیرہ کو حرام سمجھتے تھے غیر اللہ کے نام پر مع قصد العبادۃ مشہور کرنا خبث ہے اور یہ خبث عقیدہ کا خبث ہے پس جس شخص کا یہ عقیدہ ہوگا اس کے اعتقاد میں خبث سرایت کر گیا جانور میں اس خبث کے سرایت کرنے اور اس کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے اس لیے ہمارے نزدیک شاہ صاحب کی عبارت کا صحیح محمل یہی ہے کہ اس خبثِ عقیدہ والے شخص نے جب اس جانور کو ذبح کیا خواہ اللہ کا نام

سے کر ہی ذبح کیا ہو تو یہ جانور کتے اور خنزیر کی طرح حرام ہو گیا کیونکہ یہ مرتد کا ذبیحہ ہے۔
(انتہیٰ بلفظہ ص ۲۱۳ و ص ۲۱۴)

الجواب، مؤلف مذکور نے بحیرہ اور سائبہ وغیرہا کی غیر متعلق بحث یہاں چھیڑ کر اس کی تفسیر اور تشریح میں غلطی کی جو ان کے بعض بڑوں نے کی ہے ہم نہایت ہی اختصار کے ساتھ چند باتیں عرض کرتے ہیں۔

(۱) مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کو رب تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے لقولہ تعالیٰ وانما حرّم علیکم الآیۃ مخلوق میں سے اس کو کسی نے حرام نہیں قرار دیا کیونکہ وہ مالک ہے جس چیز کو چاہے حرام قرار دے جس کو چاہے حلال کر دے اور بحیرہ وغیرہ کو رب تعالیٰ نے حرام نہیں قرار دیا بلکہ مشرکوں نے اپنے زعم فاسد سے ایسا کیا لقولہ تعالیٰ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ الآیۃ لہٰذا جس چیز کو اللہ تعالیٰ حرام قرار نہ دے اس کو مخلوق حرام قرار دینے کی مجاز نہیں ہے گویا ان دونوں مسئلوں کو پیش نظر رکھنے سے ثابت اور معلوم ہوا کہ حلال کرنا بھی رب تعالیٰ کا کام ہے اور حرام کرنا بھی صرف اسی کا کام ہے اس میں کسی دوسرے کا قطعاً کوئی دخل نہیں اور یہ دونوں مسئلے منصوص ہیں ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور وغیرہ نے کیا ہے سراسر مردود ہے اس لیے کہ منصوص مسائل میں قیاس کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہے پس ان میں تعمیل حکم اسی میں ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا اُسے حرام سمجھا جائے اور جس کو حلال قرار دیا اس کو حلال گردانا جائے نیز یہ کہ ان میں قیاسی شوشے چھوڑے جائیں۔

(۲) حافظ ابن کثیرؒ بحائر اور سوائب وغیرہا کی بحث کے آخر میں وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ الآیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

ای ما شرع اللہ ھذہ الاشیاء	یعنی اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو مشروع اور
ولا ھی عندہ قربۃ ولکن	جائز قرار نہیں دیا اور نہ بحیرہ اور سائبہ وغیرہا بنانا
المشرکون افتروا ذٰلک وجعلوہ	اس کے نزدیک تقرب اور عبادت ہے لیکن

شرعاً لهم وقربة يتقربون
بها اليه وليس ذلك بحاصل
لهم بل هو وبال عليهم
(تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۱۰۸)

مشرکوں نے اس کا افترا باندھا اور اپنے لیے
ان کو جائز اور عبادت بنا دیا جس کے ذریعہ وہ
اللہ تعالیٰ کا تقرب چاہتے ہیں اور یہ ان کو
حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ یہ ان کے لیے وبال (جان) ہوگا

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کو حرام نہیں کیا بلکہ یہ مشرکوں کی تحریم خود ساختہ کی اپنی کارروائی ہے بجائے اس کے کہ ہم اس سلسلہ میں دیگر تفاسیر سے چند حوالے نقل کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف مذکور کے صدر الافاضل کے حوالہ پر ہی اکتفاء کریں۔ جن کی طرف سے وکالت کے لیے وہ وقف ہیں اور ان کی ہر کج اور غلط بات کو تکلے کی طرح سیدھی اور درست ثابت کرنے کے درپے ہیں اور ان کی کتاب توضیح البیان کے شہ پارے بھی قارئین کے سامنے ہیں ہمیں مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں ہے۔ ان کے صدر الافاضل بحیرہ اور سائبہ وغیرہا جانوروں کے بارے میں لکھتے ہیں ص۲۴۷ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حرام نہیں کیا اس کی طرف اس کی نسبت غلط ہے ص۲۴۸ جو اپنے سرداروں کے کہنے سے ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اتنا شعور نہیں رکھتے کہ جو چیز اللہ اور اس کے رسول نے حرام نہ کی اس کو کوئی حرام نہیں کر سکتا۔ (ص۱۸۱ و ص۱۸۲) اس عبارت میں ان کے صدر الافاضل نے تصریح کر دی ہے کہ ان جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حرام نہ کریں اس کو کوئی حرام نہیں کر سکتا مؤلف مذکور کا منصوص احکام کے بارے میں قیاس و اجتہاد سراسر باطل ہے اور ان کو سودمند نہیں اور اس کو کوئی بھی ماننے کے لیے تیار بھی نہیں ہے ؎

کون بنتا ہے بے کس کا سہارا لے دوست　　پیڑ سوکھے ہوئے پتوں کو گرا دیتا ہے

(۳) علامہ ابو السعودؒ اور حضرت ملا جیون حنفیؒ کی تفسیر اور حوالے ہماری تائید میں ہیں کہ جن جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں قرار دیا وہ کسی غیر کے حرام کرنے سے ہرگز حرام نہیں ہوتے ان کو کھائیے۔ یہ حوالے ہمارے خلاف نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور نے اپنی کوتاہ فہمی سے

یہ سمجھا ہے۔

(۴) مؤلف مذکور کا یہ کہنا۔ کہ جن جانوروں کو کفار بتوں کا تقرب علی وجہ العبادۃ حاصل کرنے کے لیے نامزد اور ان کے نام پہ مشہور کر دیا کرتے تھے وہ جانور بھی گنتے اور خنزیر کی طرح حرام نہیں بلکہ شرائط ذبح کے ساتھ انہیں ذبح کر دیا جائے تو حلال ہیں الخ بالکل بے سود ہے اس لیے کہ یہاں غیر اللہ کے نام پر تقرب اور تعظیم کے طور پہ نامزد کیے ہوئے جانور کی حرمت کو گنتے اور خنزیر کی حرمت کے ساتھ جو تشبیہ دی ہے وہ صرف خباثت کی وجہ سے حرام ہونے میں دی ہے کہ جیسے وہ حرام ہیں ایسا ہی یہ جانور بھی حرام ہے باقی یہ فرق اپنی جگہ پر قائم ہے کہ گنتے اور خنزیر کی حرمت لعینہا ہے اور غیر اللہ کے نام پر تقرب اور تعظیم کے طور پہ نامزد کیے ہوئے جانور کی حرمت لغیرہا ہے فی نفسہٖ وہ جانور شرعاً بالکل حلال ہے حرمت تو تقرب لغیر اللہ کی وجہ سے آئی ہے جب بھی کوئی شخص تقرب اور تعظیم لغیر اللہ کی نیت سے تائب ہو جائے اور شرائط ذبح کے ساتھ (یہاں شرائط ذبح میں سے ایک شرط توبہ بھی ہے) ذبح کرے تو جائز ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی یہ عبارت پہلے بھی نقل کی جا چکی ہے دوبارہ یہاں بھی ملاحظہ فرمالیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

آرے ذکر نام خدا براں جانور وقتے فائدہ میدہد کہ تقرب بغیر خدا را از دل دور کردہ و خلاف آں شہرت و آواز شہر و آواز دیگر دہند کہ ما ازیں کار بر گشتیم الخ (تفسیر عزیزی ص ۶۱)	ہاں اللہ تعالیٰ کا نام لینا اس جانور پہ اس وقت مفید ہوگا جب وہ لوگ غیر خدا کے تقرب کو دل سے دور کریں اور اس جانور پہ پہلی شہرت اور آواز کے خلاف اس آواز کی شہرت دیں کہ ہم اس سابق کاروائی سے باز آگئے۔

اگر ایسا نہ کریں تو تقرب اور تعظیم کے طور پہ غیر اللہ کے لیے نامزد کیے ہوئے جانور پہ ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنا یا نہ پڑھنا دونوں برابر ہیں کہ وہ جانور حرام ہی ہے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔

یعنی ہر کہ بذبح جانور تقرب بغیر خدا نماید	یعنی جو شخص غیر خدا کے تقرب کے لیے جانور ذبح کرے

ملعون است خواہ در وقت ذبح نام خدا بگیرد یا نی زیراکہ چوں شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلانی است ذکر نام خدا وقت ذبح فائدہ نہ کرد چہ آں جانور منسوب بآں غیر گشت و خبثے دراں پیدا گشت کہ زیادہ از خبث مردار است زیراکہ مردار بے ذکر نام خدا جان دادہ است و جان ایں جانور را ازاں غیر خدا قرار دادہ گشتہ اند و آں عین شرک است و ہرگاہ خبث درو سرایت کرد دیگر بذکر نام خدا حلال نمی شود مانند سگ و خوک کہ اگر بنام خدا مذبوح شوند حلال نمی گردند اھ

(تفسیر عزیزی ص۶۱۱، سورۂ بقرہ و فتاوٰی عزیزی ص۵۶)

تو وہ ملعون ہے ذبح کے وقت اللہ تعالے کا نام لے یا نہ لے اس لیے کہ جب اس نے شہرت دی کہ یہ جانور فلاں کے لیے ہے تو ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا اس پر مفید نہ ہوگا کیونکہ وہ جانور اس غیر کی طرف منسوب ہوگیا ہے اور اس میں مردار کی خباثت سے زیادہ خباثت پیدا ہوگئی ہے اس لیے کہ مردار نے تو اللہ تعالیٰ کے نام کے بغیر جان دی ہے اور اس جانور کی جان غیر خدا کے لیے مقرر کر کے انہوں نے ذبح کیا ہے اور یہ عین شرک ہے اور جب خباثت اس میں سرایت کر گئی تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرنے سے حلال نہ ہوگا جیسا کہ کتا اور خنزیر کہ اگر ان کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا جائے تو وہ حلال نہیں ہوتے۔

الغرض اگر غیر اللہ کے لیے بطور تقرب و تعظیم کے نامزد کیے ہوئے جانور کو بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح کیا جائے تو وہ حرام ہی رہے گا جیسا کہ کتا اور خنزیر پر نام خدا لینے سے ہرگز حلال نہیں ہوتے جب تک کہ غیر اللہ کے تقرب اور تعظیم کے مشرکانہ نظریہ سے واشگاف الفاظ میں رجوع اور توبہ نہ کرے ذبح علی وجہ العبادت اور تقرب کی مفصل بحث پہلے عرض کی جاچکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے غرضیکہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، اور اس کے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں ایسی کاروائی کرنے والے کو ملعون قرار دیا تو اس کو حلال قرار دینے کا کارنامہ اہل شرک و اہل بدعت کا ہی شیوہ ہوسکتا ہے کوئی مسلمان اس کی ہرگز جرأت نہیں کرسکتا بحیرہ اور سائبہ وغیرہا

کو جب اللہ تعالیٰ نے حرام قرار نہیں دیا اور نہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ان کی حرمت بیان کی ہے تو ان پر مَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کے قطعی حرام کو قیاس کرنے کا مؤلف مذکور کو کس نے حق دیا ہے؟ اور یہ حق ان کو کہاں سے حاصل ہو گیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی حرام کردہ اور حلال کردہ دو چیزوں کا ملغوبہ تیار کریں اور حلال و حرام کی چٹنی بنائیں؟ قارئین کرام بخوبی سمجھ چکے ہوں گے کہ مؤلف مذکور نے غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب کے طور پر نامزد کردہ جانور کی حلت کے لیے ایڑی چوٹی کا جتنا زور صرف کیا ہے اور بحیرہ اور سائبہ وغیرھا پر قیاس کرنے کی جتنی جسارت کا مظاہرہ کیا ہے وہ سب باطل اور مردود ہے اور سراب سے بڑھ کر اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

(۵) مؤلف مذکور نے جو یہ لکھا ہے۔ کہ پس لامحالہ تفسیر عزیزی میں جس جانور کو کُتّے اور خنزیر سے تشبیہ دی گئی ہے وہ وہ جانور ہے جس کو مُرتد ذبح کرے (محصلہ) نری طفل تسلی ہے اس لیے کہ شاہ عبدالعزیزؒ نے خود تفسیر عزیزی میں (حوالہ ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے) غیر اللہ کے لیے تقرّب اور تعظیم کے طور پر نامزد کیے ہوئے جانور کی کُتّے اور خنزیر سے جو تشبیہ دی ہے تو وجہ تشبیہ بھی خود انہوں نے بیان کر دی ہے کہ جانور کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنے کی وجہ سے اس میں کُتّے اور خنزیر کی طرح خباثت پیدا ہو گئی ہے اور یہ عین شرک ہے تو تشبیہ کی وجہ خباثت ہے اور حکم اس کا شرک وارتداد ہے ارتداد کو وجہ تشبیہ ہرگز نہیں بتایا وجہ تشبیہ حُرمت و خباثت ہے ہاں ایسی کاروائی کرنے والے کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ پہلے موّحد تھا تو اب مشرک ہے اگر پہلے مسلمان تھا تو اب مُرتد ہے خدا تعالیٰ کرے کہ مؤلف مذکور کو بات سمجھ آجائے

لطیفہ: مؤلف مذکور کے بیان سے یہ لازم آتا ہے کہ اگر خالص اور مخلص مسلمان کُتّے اور خنزیر کو بنام خدا ذبح کرے تو وہ حلال ہو جائیں گے کیونکہ ان کے نزدیک غیر اللہ کے نام پر شہرت دیا گیا جانور محض اس لیے حرام ہے کہ ذابح مُرتد ہے اور مُرتد کا ذبیحہ حرام ہے تو اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلے گا کہ کُتّے اور خنزیر کو اگر مرتد ذبح کرے تو حرام ہاں مخلص

مسلمان ذبح کرے تو حلال لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت میں تصریح موجود ہے کہ تقرب لغیر اللہ ہی سے جانور میں مردار سے بڑھکر گندگی اور خنزیر کی طرح خبث اور پلیدی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ بوقت ذبح نام خدا لینے سے رفع نہیں ہوتی

(۶) تفسیر عزیزی اور فتاویٰ عزیزی وغیرہ میں جہاں حضرت شاہ صاحبؒ کی اپنی عبارات ہیں ان میں کسی میں مع العبادۃ کی قید موجود نہیں ہے ان کی اپنی واضح عبارت یہ ہے۔

ومدار کل ذٰلک علیٰ قصد التقرب الیٰ غیر اللہ او تغییر الطریق المشہور فی الذبح من استعمال الآلۃ المحددۃ ونحو ذلک ۔(فتاویٰ عزیزی ص۲۲ ج۱)

اور حرام ہونے کا سب مدار غیر اللہ کے لیے قصد تقرب پر ہے، یا (شریعت کے) ذبح کے مشہور طریقے کو بدلنے پر ہے کہ تیز آلہ وغیرہ نہیں استعمال کیا گیا اور اس کے مانند اور وجوہ

اور جہاں عبادت کا ذکر فرماتے ہیں تو وہ یہ ہے۔

وھٰکذا فی کتب الشافعیۃ کما قال النوویؒ فی شرح صحیح مسلم الیٰ قولہٖ فان قصد مع ذٰلک تعظیم المذبوح لغیر اللہ والعبادۃ لہٗ کان ذٰلک کفرًا الخ (فتاویٰ عزیزی ص۲۲ ج۱)

اور اسی طرح کتب شوافعؒ میں ہے جیسا کہ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں فرمایا (پھر آگے فرمایا) سو اگر وہ اس کے ساتھ مذبوح لغیر اللہ کی تعظیم اور اسکی عبادت کا قصد کرے تو یہ کفر ہوگا۔

حضرات شوافعؒ سے اس منقولہ عبارت میں بھی والعبادۃ لہٗ واوِ عطف کے ساتھ مذکور ہے والعبادۃ سابق کی قید نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور نے غلط سمجھا ہے اور یہ کفر کی وجہ ہے نہ کہ جانور کی حرمت کی وہ تو حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارات میں صرف تقرب لغیر اللہ ہی ہے۔ صرف اپنی ہی فہم وسوچ پر نازاں نہ ہوں دوسروں کے دلائل بھی ٹھنڈے دل سے ملاحظہ کریں۔ ؎

کس سوچ میں ہیں آئینہ کو آپ دیکھ کر میری طرف بھی دیکھیے سرکار کیا ہوا

(۷) مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ اور اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں (بحیرہ سائبہ وغیرھا) کو حلال نہ سمجھنے پر کفار کی مذمت کی ہے الخ یعنی بزعم مؤلف مذکور اولیا کرام کے نام پر نامزد کیے ہوئے جانوروں کو حلال نہ سمجھنے والے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور دیگر اہل حق بھی قابل مذمت ہیں کہ گوشت کی اس گرانی کے زمانہ میں ان کی راہ مارتے ہیں مگر اس نکتہ پر مؤلف مذکور نے قطعاً غور نہ کیا کہ کفار تو اس لیے قابلِ مذمت ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام قرار دے کر تحریمات خود ساختہ کی وجہ سے قابلِ مذمت ہیں اور مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں تقرب لغیر اللہ کے لیے نامزد کیے ہوئے جانور کو حرام سمجھنے والے اللہ تعالیٰ کے صریح اور محکم حکم کی تعمیل کرتے ہیں اس لیے وہ مستحق اجر اور قابل تعریف ہیں نہ کہ قابلِ مذمت جیسا کہ مؤلف مذکور نے اپنی نادانی سے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ایسے جانور کو حلال نہ سمجھنے والے قابل مذمت ہیں ؎

سازِ خاموش ہے فریاد سے معمور ہیں ہم نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم

دوسری وجہ یہ عنوان قائم کرکے مؤلف مذکور لکھتے ہیں۔ دوسری وجہ جو شاہ صاحبؒ نے بیان فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام پر مشہور کیا ہوا وہ جانور کتے اور خنزیر کی طرح حرام ہو جاتا ہے جس کے ذبح کرنے سے مقصد غیر اللہ کو گوشت پہنچانا مقصود نہ ہو بلکہ غیر اللہ کو جانور کی جان اور روح پیش کرنی ہو اور یہ عمل کفر جاہلیت کے مشابہ ہے کیونکہ کفار بھی بطور عبادت بتوں کو جانور کی روح بھینٹ چڑھاتے ہیں پس یہ عمل کفار کے تشبیہ کی وجہ سے عین کفر و شرک ہے سرفراز صاحب نے فتاویٰ عزیزی ص ۵۹ ج ۱ سے شاہ صاحبؒ کی وہ عبارت تو نقل کر دی جس میں انہوں نے کہا ہے جو جانور غیر اللہ کے نام پر برائے تقرب مشہور کر دیا جائے وہ حرام ہو جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی متصلاً انہوں نے جو حرمت کی وجہ بیان کی اس کو دیوالی کی پوریاں سمجھ کر صاف ہضم کر گئے کیونکہ اس عبارت کو بھی ذکر کر دیتے تو قصر دیوبند زمین پر آ گرتا اور اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ جانوروں کو حرام کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ لیجئے اب ہم آپ کے سامنے شاہ صاحبؒ کی وہ عبارت پیش

کرتے ہیں جو معترض گکھڑ کی نذر ہوگئی۔ اور اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ جان اور روح کو غیر اللہ کے حضور میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے کھانے پینے کی چیزوں اور دوسرے اموال کو بھی اگر تقرب بغیر اللہ (مع قصد العبادۃ) دینا حرام اور شرک ہے لیکن ان چیزوں کے دینے کا ثواب غیر اللہ کو پہنچایا جا سکتا ہے کیونکہ ہر شخص اپنا ثواب دوسرے کو دے سکتا ہے اور جانور کی جان اور روح کا آدمی مالک نہیں ہوتا حتٰی کہ وہ جان کسی کو پیش کر دے نیز مال دینے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس سے نفع حاصل کریں اور اموات جب مال سے نفع نہیں حاصل کر سکتے تو اس مال کا ثواب پہنچانے کا طریقہ شریعت نے مقرر کیا تاکہ وہ اس سے نفع حاصل کریں اور جانور کی جان اور روح دینے سے کسی کو جب زندگی میں بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو مرنے کے بعد اگر کسی کو جانور کی جان دی جائے تو اس سے کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ البتہ اموات کی طرف سے قربانی کرنا صحیح حدیث سے ثابت ہے لیکن اس کا مطلب یہی ہے کہ جان اور روح اللہ تعالٰی کے لیے دی جائے اور اس عمل کا ثواب اموات کو ایصال کیا جائے نہ یہ کہ جان اموات کے لیے پیش کی جائے (فتاوٰی عزیزی ص ۵۶ ج ۱) شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس طویل عبادت سے ظاہر ہوگیا کہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کی غرض سے جو جانور نامزد اور مشہور کیے جاتے ہیں وہ حلال اور طیب ہیں اور کتے اور خنزیر کی طرح وہ جانور حرام ہیں جن کی جان اور روح کو غیر اللہ کو پیش کی گئی ہو اور مانحن فیہ سے قطعاً خارج ہے لیکن سرفراز صاحب کی خیانت پر داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے مغالطہ آفرینی کرنے کے لیے حکیمی دادا کے کفن پر بھی قینچی چلا دی (ملفظ ص ۲۱۴ تا ۲۱۶)

الجواب : حضرت شاہ صاحبؒ نے حرمت کی جو دوسری وجہ بیان فرمائی ہے۔ علی الرأس والعین اور ہم نے تنقید متین ص ۱۵۴ میں تفسیر عزیزی ص ۳۸ ج ۲ مترجم اردو کے حوالہ سے حقیقت اس مسئلہ کی یہ ہے کہ جان واسطے غیر جان پیدا کرنے والوں کے نام نیاز کرنا درست نہیں ہے الخ باقاعدہ اس کا ذکر کیا ہے اگر تعصب کی وجہ سے مؤلف مذکور نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور ہمارا نقل کردہ یہ حوالہ انہیں نظر نہیں آتا تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟

نیز ہم نے تنقید متین ص۱۰۶ میں صاف لکھا ہے کہ ایصال ثواب کا مسئلہ صحیح اور حق ہے الخ اور ص۱۰۷ میں لکھا ہے۔ الغرض مَا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ اور نذر الگ چیز ہے اور اس کا حکم جدا ہے اور ایصال ثواب ایک مستقل شئے ہے اور اس کا حکم علٰحدہ ہے الخ ہماری اس تصریح کے بعد غور فرمائیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی طویل عبارت سے ہم پر کیا زد پڑتی ہے؟ اور اس میں کون سا جملہ ہمارے خلاف ہے؟ مؤلف مذکور کی علمی بددیانتی ملاحظہ ہو کہ جو عبارت اول سے آخر تک ہماری تائید میں ہے اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں سرفراز صاحب اس کو دیوالی کی پوریاں سمجھ کر صاف ہضم کر گئے۔ اور عبارت مقراض گکھڑ کی نذر ہو گئی۔ اور انہوں نے مغالطہ آفرینی کرنے کے لیے اپنے ملکی داد کے کفن پر بھی قینچی چلا دی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ مؤلف مذکور کا یہ علمی فریضہ تھا کہ ہماری کتاب میں ہمارے دعوای کو نقل کرتے اور پھر اس طویل عبارت سے بغیر ایچ پیچ کے وہ جملہ بتاتے جس سے ہمارے دعوے پر زد پڑتی لیکن وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکے اور نہ کر سکتے ہیں صرف سوقیانہ زبان بول کر زیر کرنے اور دل کی بھڑاس نکالنے اور اپنے ناخواندہ حواریوں سے دادِ تحسین حاصل کرنے کے خوگر ہیں مؤلف مذکور نے جو یہ کہا ہے کہ اس طویل عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کی غرض سے جو جانور نامزد اور مشہور کیے جاتے ہیں وہ حلال اور طیب ہیں الخ یہ ان کا خالص دجل اور فریب ہے کیونکہ حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت میں ایصال ثواب کی مد میں جانور کو نامزد اور مشہور کرنے کا کوئی لفظ نہیں ہے حضرت شاہ صاحبؒ کے الفاظ اس سلسلہ میں یہ ہیں کہ

اما ثواب آن چیزہا را کہ عائد بدہندہ میشود ازاں بغیر ساختن جائز است زیراکہ ایشان را میرسد کہ ثواب عمل خود را بغیر بخشند چنانکہ میرسد کہ مال خود را بغیر خود بدہد اھ (فتاوی عزیزی ص۵۶ ج۱ و تفسیر عزیزی ص۶۱۱ بقرہ)

بہر حال ان چیزوں کا ثواب جو خود کرنے والے کو ملتا ہے دوسروں کے لیے ایصال بھی جائز ہے کیونکہ ان کو حق حاصل ہے کہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو بخش دیں جیسا کہ ان کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنا مال کسی کو دے دیں۔

غرضیکہ ایصال ثواب کی مد میں نہ تو حضرت شاہ صاحبؒ جانور کی تخصیص کرتے ہیں

اور نہ نامزدگی اور شہرت کا ذکر کرتے ہیں، بلکہ عمومی لفظ چیزہا فرماتے ہیں اور نامزد کرنے اور شہرت دینے کی قید وہ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ میں لگاتے ہیں یعنی و مگر آن جانور کہ آوازہ بر آوردہ شد و شہرت دادہ شد در حق آن جانور الخ (تفسیر عزیزی صلا پ ۲ و فتاویٰ عزیزی ص ۵۵ ج ۱) جس کا مطلب ان کی عبارات کے پیش نظر یہ ہے کہ ایصال ثواب کی صورت اور مسئلہ سرے سے الگ اور جدا ہے اور جس جانور کے بارے میں وہ نامزد کرنے اور شہرت دینے کی قید لگاتے ہیں وہ الگ ہے اس کو تو وہ تقرب لغیر اللہ کی مد میں کتے اور خنزیر کی طرح حرام قرار دیتے ہیں۔ لیکن مؤلف مذکور اپنے دجل کے وجہ سے ایصال ثواب اور غیر اللہ کے نام پر نامزد کردہ جانور کو گڈمڈ کر کے حلال وطیب قرار دیتے ہیں اور اس کو حضرت شاہ صاحبؒ کے ذمہ لگاتے ہیں جو بالکل باطل ہے۔ ؎

تجھ کو کیا درد کرکے عیبوں سے — کیوں عبث روسیاہ ہوتا ہے

نذر اور ایصال ثواب جدا جدا ہیں

مؤلف مذکور لکھتے ہیں، مولوی سرفراز صاحب تنقید متین ص ۱۷۹ پر لکھتے ہیں۔ الغرض مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ اور نذر الگ چیز ہے اور اس کا حکم جدا ہے اور ایصال ثواب ایک مستقل شئے ہے اور اس کا حکم علیحدہ ہے ان کو ایک کرنا اور ایک سمجھنا کم علمی اور کوتاہ فہمی کا عبرتناک مظاہرہ ہے۔ اہل سنت یہ نہیں کہتے کہ نذر اور ایصال ثواب ایک چیز ہیں البتہ یہ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لیے نذر ماننا ایصال ثواب کو متلزم ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی بھی یہی تحقیق ہے کم علم اور کوتاہ فہم تو وہ شخص ہے جس کو اتحاد اور استلزام کے فرق کی بھی تمیز نہیں ہے اور جو اپنے معنوی آباء کی تحقیقات پر بھی نظر نہیں رکھتا دیکھئے شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ اولیاء اللہ کی جو نذر عوام میں مشہور اور معمول ہے اکثر فقہاء اس کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکے اور انہوں نے کہا کہ اگر یہ نذر بالاستقلال اس ولی کے لیے ہو تو باطل ہے اور اگر نذر اللہ کے لیے ہو اور ولی کا ذکر برائے مصرف کے ہو تو جائز ہے لیکن اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ طعام اور مال خرچ کرنے کے لیے ثواب کا ہدیہ امر مسنون ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ

حدیث ام سعدؓ سے ظاہر ہے اور اس نذر میں بھی یہی ایصالِ ثواب متلزم ہوتا ہے پس اس نذر کا حاصل یہ ہے کہ اس میں مخصوص قدر کے ایصالِ ثواب کی نسبت کسی روح کی طرف کی جاتی ہے اور ولی کا ذکر محل منذور کے تعین کے لیے ہوتا ہے اور ان کے نزدیک اس نذر کا مصرف اس ولی کے متوسلین اقارب خدام وغیرہ ہوتے ہیں اور بلاشبہ نذر ماننے والوں کا یہی مقصود ہوتا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ نذر صحیح ہے اور اس کو پورا کرنا واجب ہے کیونکہ یہ شریعت میں قربت مقصودہ ہے ہاں اگر نادر کو (ناذران کو۔ صفدر) حلال مشکلات بالاستقلال اعتقاد کرے یا شفیع غالب اعتقاد کرتا ہو تو یہ عقیدہ مفضی الی الشرک ہے لیکن یہ عقیدہ اور چیز ہے اور نذر اور چیز (فتاویٰ عزیزی ج۱ ص۱۲۲) اس کلام سے ظاہر ہوگیا کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے نزدیک اولیاء اللہ کے لیے نذر ماننا جائز ہے کیونکہ صدقہ و خیرات عبادت مقصودہ ہیں اور نذر اسی عبادت مقصودہ کی ہوتی ہے جس کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچایا جاتا ہے اور یہ شرع سے ثابت ہے اور نذر للاولیاء کا یہ مطلب ہے کہ ثواب نذر اولیاء اللہ کے لیے ہے علیٰ طریق حذف المضاف کما ہو شائع اور بحمداللہ یہ امر آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا کہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کے لیے جو جانور نامزد کیے جاتے ہیں وہ حلال اور طیب ہیں البتہ اگر ناذر اولیاء کو مستقل اور متصرف بالذات سمجھتا ہو تو بسبب اعتقاد شرک کے وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہوگا اور کتے اور خنزیر کی طرح حرام قرار پائے گا (بلفظہٖ ص۲۱۶ تا ص۲۱۸ توضیح البیان)

الجواب: مؤلف مذکور نے یہ بات تو بامر مجبوری تسلیم کر ہی لی ہے کہ نذر اور ایصالِ ثواب الگ الگ چیزیں ہیں لیکن پھر اپنی کم فہمی کی وجہ سے ان کو گڈمڈ کر کے یوں کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لیے نذر ماننا ایصالِ ثواب کو متلزم ہے اور شاہ صاحبؒ کی یہی تحقیق ہے اور کم علم اور کوتاہ فہم وہ شخص ہے جو اتحاد اور استلزام کے فرق کی تمیز نہیں جانتا اور اپنے معنوی آباء کی تحقیقات پر نظر نہیں رکھتا الخ

گذارش یہ ہے کہ اصل خرابی ہی مؤلف مذکور کے اس جملہ میں ہے کہ اولیاء اللہ کے لیے نذر ماننا ایصالِ ثواب کو متلزم ہے اور شاہ صاحبؒ کی یہی تحقیق ہے حضرت شاہ صاحبؒ

نے کیا فرمایا اور مؤلف مذکور نے کیا سمجھا؟ تفصیل طلب یہی بات ہے سو اس کے متعلق ذیل کے امور پر غور فرمائیں اور انصاف سے فرمائیں کہ اپنے معنوی آباء کی تحقیقات پر کس کی نظر نہیں اور حضرت شاہ صاحبؒ استلزم سے کیا مراد لے رہے ہیں اور مؤلف مذکور نے کم علمی اور کوتاہ فہمی سے اس سے کیا سمجھا ہے؟

(۱) مؤلف مذکور نے حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت "و نذر اولیاء الخ" تو نقل کر دی ہے مگر اس سے قبل دو سطریں جو مؤلف مذکور اور ان کی جماعت پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتی ہیں گیارھویں کا حلوہ سمجھ کر ہضم کر لی ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

منہ در باب استعانت با رواح طیبہ دریں است افراط بسیار بوقوع آمدہ آنچہ جہال و عوام اینہا میکنند و ایشاں را در ہر عمل مستقل دانستہ اند بلاشبہ شرک جلی است و نذر اولیاء الخ (فتاوی عزیزی ص ۱۲۱/۱)

ان غلط نظریات میں سے ارواح طیبہ سے استعانت کے باب میں اس امت میں جو بہت افراط واقع ہوا ہے یہ ہے جس کو اس کے جاہل اور عوام کرتے ہیں اور ان ارواح کو ہر معاملہ میں مستقل جانتے ہیں بلاشک یہ کھلا شرک ہے اور نذر اولیاء کرامؒ الخ

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے عوام اور جہال کا یہ شکوہ کیا ہے کہ وہ ہر عمل میں ارواح طیبہ کی امداد کو مستقل سمجھتے ہیں اور یہ کھلا شرک ہے اور ہم بھی حضرات فقہاء کرامؒ کی پیروی میں ان ہی جہال اور عوام کا رونا رو رہے ہیں ملاحظہ کیجئے کہ یہ کتنی ضروری اور اہم عبارت تھی جسے مؤلف مذکور نے نظر انداز کر دیا ہے اور غیر سے طعنے دوسروں کو دیتے ہیں کہ وہ اپنے حکمی آباء کی تحقیقات کو نظر انداز کرتے ہیں۔

(۲) اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ جس نذر کا تذکرہ فرماتے ہیں وہ صرف ایصال ثواب کے معنیٰ میں ہے جس میں مقصود ایصالِ ثواب ہے نہ کہ اپنے کسی کام کا حصول چنانچہ اسی عبارت میں ان کے الفاظ یہ ہیں۔

لیکن حقیقت این نذر آنست کہ اہداء ثواب الطعام و الانفاق و بذل مال بروح میت کہ امر یست مسنون و از روئے احادیث

لیکن اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ کھانا کھلانے خرچ کرنے اور مال دینے کا ثواب جو میت کی روح کو ہدیہ کیا جاتا ہے اس نذر کو مستلزم ہے

صیحہ ثابت است مثل ما ورد فی الصحیحین من حال ام سعدؓ وغیرھا دریں نذر مستلزم میشود پس حاصل ایں نذر آنست کہ آں نسبت مثلاً اہدار ثواب ھذا القدر الیٰ روح فلان وذکر ولی برائے تعیین عمل منذور است نہ برائے مصرف الخ

اور یہ مسنون امر ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ام سعدؓ وغیرھا کے بارے میں آیا ہے۔ پس حاصل اس نذر کا یہ ہے کہ یہ نسبت کہ مثلاً اتنی چیز کا فلاں کی روح کو ثواب پہنچانا ہے اور ولی کا ذکر عمل منذور کی تعیین کے لیے ہے نہ کہ مصرف کے لیے

(فتاویٰ عزیزی ص۱۲۱ ج ۱ و ص۱۲۲)

اس عبارت میں جس نذر کا ذکر ہے وہ صرف ایصال ثواب اور اہدار الثواب ہے اور اس پر وہ بطور دلیل حضرت ام سعدؓ کی حدیث بخاری ومسلم کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں۔ جس کا معہود فقہی نذر سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ اور ولی کا ذکر صرف اس لیے کرتے ہیں کہ اس چیز کا ثواب اُن کے لیے ہے اور اپنے کسی کام کا اس میں ذکر نہیں اور نہ حاجت کا تذکرہ ہے تو جس شخص نے اس ایصال ثواب کا التزام کر لیا۔ اس کو پورا کرنا چاہیئے اور بلاشبہ ایصال ثواب ایک نیک کام ہے۔

(۳) اور اسی عبارت میں وہ تصریح فرماتے ہیں کہ اگر ولی کو مستقل طور پر مشکل کشا یا شفیع غالب اعتقاد کر لیا تو یہ بات منجر الی الشرک ہوگی اور اس عبارت کے اول میں انہوں نے خود تصریح فرما دی ہے کہ جہال اور عوام ان کو مستقل طور پر ہی ایسا یقین کرتے ہیں اور نیز وہ تصریح فرماتے ہیں کہ شرک کرنے والوں کے اذہان میں غیر اللہ کے بارے میں استقلال ہی جاگزین ہے۔ چنانچہ وہ استعانت کی بحث میں لکھتے ہیں کہ غیر خدا سے استعانت کی ایک قسم وہ ہے جس میں کسی مشرک اور مؤحد کے ذہن میں استقلال کا وہم بھی نہیں آتا مثلاً بھوک اور پیاس اور بیماری میں طعام اور پانی اور ادویہ سے استعانت کرنا وغیرہ پھر آگے تحریر فرماتے ہیں۔

ویا بچیزے است کہ توہم استقلال آں چیز در مدارک مشرکین جا گرفتہ مثل استعانت

اور یا ایسی چیز سے استعانت ہے جس کے استقلال کا وہم مشرکین کی قوت مدرکہ میں جگہ پکڑے ہوئے

بارواح وروحانیات فلکیہ وعنصریہ یا بارواح سائرہ مثل بہوانی وشیخ سدو وفدین خان و امثال ذٰلک واین نوع استعانت عین شرک است ومنافی ملت حنیفی است ۔ بلفظہٖ (تفسیر عزیزی ص۳۷ سورۂ بقرہ)	ہے جیسا کہ ارواح اور فلکیہ وعنصریہ اجسام کی روحانیت سے استعانت یا چلنے پھرنے والی ارواح سے استعانت مثلاً بہوانی، شیخ سدو فدین خان وغیرہ اور اس قسم کی استعانت میں شرک اور ملت حنیفیہ کے منافی ہے۔

اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ ارواح سے استعانت کرنے والے ان سے بالاستقلال استعانت ہی کا خیال کرتے ہیں الغرض بالاستقلال کا یہ معنی نہیں کہ وہ نفع اور ضرر دینے میں اللہ تعالےٰ کی طرح مستقل اور بالذات قدرت رکھتے ہیں کیونکہ جب وہ مخلوق ہیں تو ان کے لیے یہ معنیٰ کیسے متصور ہوسکتا ہے؟ بالاستقلال کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیارات تفویض کر دیئے ہیں اور وہ افعال اختیاریہ کی طرح ان میں مستقل ہیں اس کی بحث راقم اثیم کی کتاب دل کا سرور وغیرہ میں ملاحظہ کریں۔

(۴) باقی جو نذر باطل اور ممنوع ہے اس کی تفصیل حضرت شاہ صاحبؒ نے بڑی تفصیل سے بیان فرمائی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ یعنی اور وہ نذر بالاجماع باطل ہے جس طرح عوام نذر مانتے ہیں کہ ان میں سے جب کسی کی کوئی حاجت ہوتی ہے تو وہ شخص بعض صالحین کی قبر کے پاس جاتا ہے اور اس کا پردہ اٹھا کر اپنے سر پر رکھتا ہے یہ کہتا ہوا کہ اے میرے سید فلاں اگر تم میری حاجت پوری کر دو مثلاً یہ کہتا ہے کہ فلاں شخص کہ کہیں دوسری جگہ ہے وہ آجائے یا یہ کہتا ہے کہ فلاں مریض کو صحت ہو جائے تو تمہارے لیے میری طرف سے اس قدر سونا یا طعام یعنی کھانا یا کپڑا یا شمع یا روغن زیتون یا کوئی دوسری چیز کہتا ہے کہ فلاں چیز دی جاوے گی تو یہ نذر جائز نہیں البتہ اس صورت میں نذر جائز ہوگی کہ وہ کہے کہ اللہ میں نے تیرے لیے نذر مانی کہ اگر میرے مریض کو تو صحت بخشے یا اسی طرح کوئی دوسری اپنی حاجت کہے کہ اگر تو میری فلاں حاجت پوری کر دے تو میں اُن فقراء کو کھلاؤں گا جو فلاں سید کے دروازے پر رہتے ہیں یا اس کی مسجد کے لیے چٹائی خریدوں گا اور اس مسجد میں روشنی کرنے کے لیے

روغن زیتون خرید دوں گا۔ یا اس قدر درہم ان لوگوں کو دوں گا جو اس کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں اور اسی طرح کی اور جو نذر ہو کہ اس میں فقراء کا نفع ہو اور نذر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے ہو اور شیخ کا ذکر صرف اس غرض سے ہو کہ یہ متعین ہو جائے کہ نذر کی چیز ان لوگوں کے مصرف میں آوے گی کہ وہ لوگ نذر کے مال کے مستحق ہیں۔ مثلاً یہ کہے کہ فلاں بزرگ کے رباط یا اُن کی مسجد یا جامع مسجد میں جو لوگ رہتے ہیں ان کے مصرف میں اس نذر کا مال صرف کیا جاوے گا۔ اور اس صورت میں نذر اس وجہ سے جائز ہے کہ نذر کے مال کے مستحق فقراء ہیں اور اُن ہی کے حق میں صرف کرنے کے لیے نذر میں نیّت کی گئی ہے اور ایسا مال صرف فقراء کے حق میں صرف کرنا جائز ہے اور جو غنی اور ذی علم ہو تو صرف اُس کے علم کے لحاظ سے خاص اس کے حق میں صرف کرنا جائز نہیں اور ایسا ہی جو غنی ہو اور عالی نسب ہو تو صرف اُس کے نسبت کی شرافت کے لحاظ سے اس کے حق میں بھی صرف کرنا جائز نہیں اور ایسا ہی جو غنی ہو اور کسی بزرگ کے حضور رہا کرتا ہو تو اُس کے حق میں بھی نذر کا مال صرف کرنا جائز نہیں البتہ یہ لوگ اگر فقیر ہوں تو اُن کے حق میں نذر کا مال صرف کرنا جائز ہے اور جب یہ معلوم ہوا تو جاننا چاہیے کہ وہ درہم بالاجماع حرام ہے کہ اولیاء کے روضہ میں بھیجتے ہیں۔ اس غرض سے کہ اُن سے تقرب حاصل ہوئے اور یہ مقصود نہیں ہوتا ہے کہ وہاں جو زندہ فقراء رہتے ہیں اُن کے مصرف میں یہ درہم آوے اور اس ذریعہ سے اللہ تعالےٰ کی رضامندی حاصل ہووے اور اکثر لوگ اس معصیت میں مبتلا ہیں۔ اصل عبارت یہ ہے واذا عرفت ھذا فما یوجد من الدراھم ونحوھا وینقل الی ضرائح الاولیاء تقربا الیھم فحرام بالاجماع ما لم یقصد تصرفھا فی الفقراء الاحیاء قولاً واحداً وقد ابتلی الناس بذلک الخ فتاوی عزیزی ص ۱۰۹ ج ۲

یعنی اس میں صرف ایک ہی قول ہے کسی کا اختلاف نہیں ہے) ایسا ہی النہر الفائق اور البحر الرائق اور عالمگیری میں ہے اور جو غنی ہو محتاج نہ ہو اس کے لیے نذر کا مال جائز نہیں اور ایسا ہی اس کے لیے بھی جائز نہیں جو غنی ہو اور ذی منصب ہو خلاصہ یہ ہے کہ غنی کے لیے نذر

کا مال جائز نہیں اس واسطے کہ اس پہ اجماع ہے کہ نذر مخلوق کے لیے حرام ہے اور ایسی نذر ہی منعقد نہیں ہوتی اور اس کا ایفاء واجب نہیں بلکہ ایسی نذر بلاشبہ حرام ہے اور کسی بزرگ کے خادم کے لیے جائز نہیں کہ ایسی نذر کی چیز لیوے یا کھاوے یا اپنے کسی دوسرے مصرف میں سے آوے البتہ اس صورت میں جائز ہے کہ وہ خادم فقیر ہو یا اس کے عیال ہوویں اور وہ فقیر ہوں اور کسب سے عاجز ہوں اور مضطر ہوں تو ان کے لیے جائز ہے کہ عام صدقے کے طور پہ وہ نذر کا مال بھی لیویں اور جب نذر ماننے والے کی یہ نیت نہ ہو کہ اللہ تعالی کا تقرب حاصل ہووے اور نذر کا مال فقراء کے حق میں صرف کیا جاوے گا بلکہ خاص مستقل طور پہ کسی بزرگ کی نیّت کی تو ایسی نذر کا مال لینا فقراء کے حق میں بھی مکروہ ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ درہم اور شمع اور روغن زیتون وغیرہ جو چیز اولیاء اللہ کے روضہ پہ بھیجی جاتی ہے اس غرض سے کہ ان کا تقرب حاصل ہووے تو وہ سب حرام ہے اور اس پہ اہل اسلام کا اجماع ہے البتہ اس صورت میں جائز ہے کہ یہ نیّت ہووے کہ اُس روضہ پہ جو زندہ فقراء رہتے ہیں ان کے حق میں یہ چیز صرف کی جاوے گی اور خاص قبر کی نذر کی نیّت نہ ہووے یہ البحر الرائق کی عبارت مذکورہ کا مضمون ہے اور وہ نذر کہ اموات کے لیے مانی جاتی ہے اور جو کچھ درہم اور شمع اور روغن زیتون اور اس طرح کی اور جو چیز اولیاء کرام کے روضہ پہ بھیجی جاتی ہے اس غرض سے کہ اُن حضرات کا تقرب حاصل ہووے یہ سب بالاجماع باطل ہے اور حرام ہے البتہ اُس صورت میں جائز ہے کہ نیت ہو کہ اللہ تعالےٰ کا تقرب حاصل ہووے اور یہ مال فقراء کے حق میں صرف کیا جاوے اور اکثر لوگ اس معصیت میں مبتلا ہیں خصوصاً اس زمانہ میں یہ امر نہایت مروج ہے اور علامہ قاسمؒ نے یہ مسئلہ (شرح دُررُ البحار میں) نہایت شرح و بسط کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اسی وجہ سے امام محمد علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ اگر عوام میرے پاس ہوتے تو میں ان کو اس امر سے منع کر دیتا اس واسطے کہ وہ لوگ جائز طور پہ نذر نہیں مانتے بلکہ خلاف شرع امور کو اُس میں خلط کر دیتے ہیں یہ در مختار کے باب الصوم کے اخیر کی عبارت مذکورہ کا مضمون ہے۔ انتہیٰ بلفظہٖ دفاع ذی عزیزی صـ ۲۲۳/ج۲ تا صـ ۲۲۶) مترجم اردو و فارسی صـ ۱۰۹/ج۲) مؤلف مذکور انصاف اور دیانت کے ساتھ اس

عبارت کو ٹھنڈے دل کے ساتھ بار بار پڑھیں اور یہ بتائیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے مخلوق کے لیے اور اولیاء اللہ کے لیے یا ان کی قبور کے لیے نذر کو جائز حلال اور طیب کہا ہے یا بالاجماع باطل اور حرام قرار دیا ہے ؟ اور کیا اس پر انہوں نے ٹھوس فقہی حوالے نقل کیے ہیں یا محض ہوائی بات فرمائی ہے ؟ اور کیا اس میں انہوں نے محض اولیاء اللہ کے تقرب کو ہی حرمت کی علت قرار دیا ہے یا ساتھ مع العبادۃ کی قید بھی لگائی ہے ؟ الغرض جس نذر کو وہ اولیاء اللہ کے لیے مانتے ہیں وہ صرف لغوی نذر ہے جس کو نذرانہ کہہ سکتے ہیں اور وہ درحقیقت محض ایصال ثواب اور اہداء ثواب ہے اس میں ولی کا ذکر تو صرف اس لیے ہے کہ ان کی خانقاہ اور مسجد یا اس کی جامع مسجد کے فقراء کی تعیین ہو جائے ۔ نذر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے تقرب کے لیے ہے اور بس مؤلف مذکور نے حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت سے عوام کو محض دھوکہ دیا ہے اور اُن کی مراد کو وہ نہیں سمجھے اور حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ مفصل عبارت ان کی تردید کے لیے بالکل کافی اور وافی ہے اب یہ فیصلہ قارئین کرام پر ہے کہ حکمی آباء کی تحقیقات سے کون بے خبر ہے ؟ حضرت شاہ صاحبؒ نے اولیاء اللہ کے ایصال ثواب کے لیے مَآ اُهِلَّ کا لفظ نہیں بولا ۔ یہ مؤلف مذکور کا دجل ہے کہ وہ عوام کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کے لیے جو جانور نامزد کیے جاتے ہیں وہ حلال اور طیّب ہیں اور وہ بھی مَآ اُهِلَّ کا مصداق ہیں حاشا وکلا حضرت شاہ صاحبؒ ایسا ہرگز نہیں فرماتے بلکہ وہ نذر کو بالکل الگ ذکر کرتے ہیں اور وَمَآ اُهِلَّ کا مصداق یا فرد اس کو ہرگز قرار نہیں دیتے اسی طرح مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ البتہ اگر ناذر اولیاء کرامؒ کو مستقل اور متصرف بالذات سمجھتا ہو تو بسبب اعتقاد شرک کے وہ مرتد ہو جائے گا اور ...... اس کا ذبیحہ مرتد کا ہو جائے گا غلط فہمی کا نتیجہ ہے اس لیے کہ انہوں نے مستقل اور غیر مستقل کا معنیٰ ہی نہیں سمجھا کما مرّ نیز تقرب لغیر اللہ کے لیے جانور نامزد کرنے ہی سے آدمی حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک مشرک ہو جاتا ہے اس میں عبادت وغیرہ کی کوئی قید نہیں لگاتے اور فتاویٰ عزیزی کی اس طویل عبارت میں اس کو باحوالہ وہ واضح کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لیے جو نذر مانی جاتی ہے وہ بالاجماع باطل اور حرام ہے ان کی اتنی واضح تصریح کے ہوتے ہوئے

مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نذر اولیاء اللہ کو جائز اور حلال وطیب قرار دیتے ہیں ان پر خالص افتراء ہے اللہ تعالیٰ ہر ایک کو بچائے آمین۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ تقرب الی الغیر سے اگر لغوی معنی امراد ہے کہ مثلاً کسی کے سامنے کھانے کے لیے پیش کیا جائے تو یہ بھی محل نزاع نہیں ہے نزاعی بات تقرب لغیر اللہ لاجل التعظیم ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ ہی لکھتے ہیں کہ

فمتیٰ کان اراقة الدم للتقرب الی غیر اللہ تعالےٰ حرمت الذبیحة ومتیٰ کان اراقة الدم لِلّٰہ تعالیٰ والتقرب الی الغیر بالاکل والانتفاع حلت الذبیحة اھ (فتاویٰ عزیزی ص۴۷ ج ۱)	جب خون بہانا غیر اللہ کے تقرب کے لیے ہو تو ذبیحہ حرام ہوگا اور جب خون بہانا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو اور غیر کے سامنے اس کو کھانے اور انتفاع کے لیے پیش کیا جائے تو ذبیحہ حلال ہوگا۔

نذر میں ایصالِ ثواب کا پیوند

ایصالِ ثواب کا مسئلہ خصوصاً مالی صورت میں اہلِ اسلام اور اُمّت مرحومہ کے مسلّم حضرات فقہاء کرامؒ کے نزدیک ایک اجماعی حقیقت ہے۔ جس کے ثبوت پر واضح دلائل موجود ہیں بقدر ضرورت بحث راہ سنّت میں موجود ہے وہاں ہی دیکھ لیں لیکن ایصالِ ثواب میں اپنی کسی غرض مطلب اور کام کا کوئی تعلق نہیں ہوتا صرف مُردے کو ثواب ہی پہنچانا مقصود ہوتا ہے کہ اگر گنہگار ہے تو اللہ تعالیٰ اس نیک کام کی برکت سے اُس کی مغفرت فرمائے اور اگر نیک ہے تو اس کے مزید درجات بلند کرے اور نذر میں اپنی کسی نہ کسی غرض اور مطلب کا تعلق ہوتا ہے نا در زبان سے کہے یا دِل میں پنہاں رکھے اور اسی غرض اور مطلب کے حصول کے لیے وہ نذر مانتا ہے۔ علامہ ابوالفضل شہاب الدین السید محمود آلوسی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ

اشارة الی ذم الغالین فی اولیاء اللہ تعالیٰ حیث یستغیثون بھم فی الشدة غافلین عن اللہ تعالیٰ	اس میں حضرات اولیاء کرامؒ کے بارے میں غلو کرنے والوں کی مذمت کی طرف اشارہ ہے جن سے وہ اللہ تعالیٰ سے غافل ہو کر سختی میں

ویُنذرون لهم النذور
والعقلاء منهم یقولون انهم
وسائلنا الی الله تعالیٰ وانما
ننذر لِلّٰه عزوجل ونجعل
ثوابه للولی ولایخفیٰ انهم فی
دعواهم الاولیٰ اشبه الناس
بعبدة الاصنام القائلین إنّما
نعبدهم لیقربونا الی اللّٰه زلفیٰ
ودعواهم الثانیة لابأس بها لولم
یطلبوا منهم بذالك شفاء
مریضهم اوردّ غائبهم اونحو
ذالك والظاهر من حالهم الطلب
ویرشد الی ذالك انه لو قیل
انذروا لِلّٰه تعالیٰ واجعلوا ثوابه
لوالدیکم فانهم احوج من
اولئك لم یفعلوا ورأیت کثیرًا
منهم یسجد علی اعتاب
حجر قبور الاولیاء ومنهم
من یثبت التصرف لهم جمیعًا
فی قبورهم لکنهم متفاوتون
فیه حسب تفاوت مراتبهم
والعلماء منهم یحصرون التصرف

مدد مانگتے ہیں اور ان کے لیے نذریں مانتے ہیں
اور اُن میں چالاک لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرات
اولیاء کرامؒ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے وسائل
ہیں اور ہم نذر تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مانتے
ہیں ہاں اس کا ثواب ولی کے لیے کرتے ہیں اور
اس میں کوئی خفا نہیں کہ وہ لوگ اپنے پہلے دعوٰی
میں (کہ ہم نذر تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مانتے
ہیں) بت پرستوں کے ساتھ زیادہ مشابہ
ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی اس لیے پوجا
کرتے ہیں کہ وہ ہمیں درجہ میں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتے ہیں
اور ان کے دوسرے دعوٰی (ایصالِ ثواب) میں
کوئی حرج نہیں اگر وہ اُن سے اس ذریعہ سے
اپنے بیمار کی شفاء اور اپنے کسی غائب کے لوٹانے
اور اس کے مانند اور کوئی شے طلب نہ کریں اور
ان کے حال سے ظاہر طلب ہی ہے اور جو چیز
اس کی طرف راہنمائی کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر
ان سے یہ کہا جائے کہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے
نذر مانو اور اس کا ثواب اپنے والدین کے لیے
کرو کیونکہ وہ زیادہ محتاج ہیں تو وہ ایسا نہیں
کرتے اور میں نے اُن میں سے بہت لوگ
دیکھے کہ وہ حضرات اولیاء کرامؒ کے گنبدوں کی
دہلیزوں پر سجدہ کرتے ہیں اور ان میں سے بعض

فی القبور فی اربعۃ او خمسۃ واذا طولبوا بالدلیل قالوا ثبت ذالك بالكشف قاتلهم اللہ تعالیٰ ما اجهلهم واكثر افترائهم ومنهم من یزعم انهم یخرجون من القبور ویتشكلون باشكال مختلفۃ وعلمائهم یقولون انما تظهر ارواحهم متشكلۃ وتطوف حیث شاءت وربما تشكلت بصورۃ اسد او غزال او نحو ذالك وكل ذالك باطل لا اصل له فی الكتاب والسنۃ وكلام سلف الامۃ الخ

(روح المعانی ص ۲۱۲ و ۲۱۳ ج ۱۷)

اُن سب کے لیے قبور میں تصرف ثابت کرتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے مراتب کے لحاظ سے تصرف میں متفاوت ہیں۔ اور ان میں سمجھ والے تصرف فی القبور چار یا پانچ میں بند کرتے ہیں اور جب ان سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے تو کہتے ہیں کہ یہ کشف سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ ان کو غارت کرے کس چیز نے ان کو جہالت اور کثرت افتراء پر آمادہ کیا ہے اور ان میں سے بعض یہ خیال کرتے ہیں کہ اولیاء کرامؒ قبروں سے نکلتے ہیں اور مختلف شکلیں اختیار کرتے ہیں اور ان میں سمجھ والے یہ کہتے ہیں کہ اُن کی ارواح متشکل ہوتی ہیں اور جہاں چاہیں پھرتی ہیں اور کبھی شیر یا ہرنی وغیرہ کی شکل اختیار کرتی ہیں اور یہ سب خیالات باطل ہیں کتاب اللہ اور سنّت اور سلف امت کے کلام میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

تنقیحات یہ عنوان قائم کرکے مؤلف مذکور لکھتے ہیں۔ فتاویٰ عزیزی سے جو ہم نے شاہ صاحبؒ کی عبارات پیش کی ہیں ان کی روشنی میں اولیاء کے نام پر مشہور جانوروں کی جو حرمت شاہ صاحبؒ سے منقول ہے اس کی تین وجہیں ہیں۔
(۱) ناذر اولیاء اللہ کی تعظیم مع قصد العبادت سے جانور کو ذبح کرے (۲) جانور کی جان اور روح اولیاء کی بھینٹ کرنے کے لیے جانور کو ذبح کرے (۳) ناذر اولیاء کے مستقل بالذات ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو پھر ذبح کرے۔ اور ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ کو ایصالِ ثواب کے لیے منذور جانوروں کے ساتھ ناذرین کا قصد ان تینوں میں سے کسی ایک طرح بھی

نہیں ہوتا بلکہ محض ایصال ثواب کے لیے جانوروں کو اولیاء اللہ کے لیے نامزد اور مشہور کیا جاتا ہے اور اس کے حلال اور طیب ہونے کی خود شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مراکثیرۃ تصریح کر دی ہے۔ بلفظہ (ص ۲۱۸، ۲۱۹)

الجواب :- ہم نے بھی حضرت شاہ صاحبؒ ہی کے فتاویٰ عزیزی اور تفسیر عزیزی سے جو عبارات نقل کی ہیں اُن کی روشنی میں یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ غیر اللہ کے لیے نامزد کیے ہوئے اور شہرت دیے گیے جانور قطعاً حرام ہیں اور مؤلف مذکور کی بیان کردہ تینوں وجہیں باطل ہیں اوّلاً تو اس لیے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی اپنی عبارت میں مع العبادت کی کوئی قید موجود نہیں ہے یہ لفظ بعض شوافع حضرات کی عبارت میں واقع ہے اور اس کا مطلب بھی ہم پہلے واضح کر چکے ہیں اور دوئم اس لیے کہ غیر اللہ کے لیے جانور کو نامزد کرنا اور شہرت دینا ہی ما اُھِلَّ بہ لغیر اللہ کا مصداق اور بھینٹ چڑھانے کے مترادف ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ اس کی تصریح بھی فرماتے ہیں (کما مر) کہ عوام اُسی طرح کرتے ہیں جو ناجائز ہے اور اس معصیت میں وہ مبتلا ہیں اور سوئم اس لیے کہ مستقل بالذات کا معنیٰ سمجھنے کے لیے مؤلف مذکور خود جہل مرکب کا شکار ہیں وہ جہالت کی وجہ سے جس کو مستقل سمجھے بیٹھے ہیں اکثر عوام اسی کا ہی ارتکاب کرتے ہیں۔ غرضیکہ مؤلف مذکور ناذرین سے جن تین امور کی نفی کرتے ہیں وہ بالکل باطل ہے جیسا کہ ذکر ہوا اور نذر اولیاء اللہ کی مد میں جن جانوروں کو وہ نامزد اور مشہور کرتے ہیں ان کو حضرت شاہ صاحبؒ بالاجماع باطل اور حرام قرار دیتے ہیں نہ یہ کہ وہ ان کو حلال اور طیب کہتے ہیں جیسا کہ مؤلف مذکور دھوکہ دہی کے درپے ہیں اور خود حضرت شاہ صاحبؒ کی روشن عبارات اس پر دال ہیں جیسا کہ ہم متعدد عبارتیں ان کی عرض کر چکے ہیں۔ وفیھا کفایۃ لمن لہ' ہدایۃ

تم زمانے کی راہ سے آئے ورنہ سیدھا تھا راستہ دل کا

نوٹ :- یہ سرخی جما کر مؤلف مذکور لکھتے ہیں سرفراز صاحب نے تنقید متین ص ۱۶۵ ، ۱۶۹ پہ نذر کی بحث میں بحر الرائق، شامی۔ عالمگیری سے فقہاء کا کلام پیش کیا ہے اور بزعم خویش

نذر کو باطل کرنے کی کوشش کی ہے اس کے جواب میں گذارش یہ ہے کہ یہ عبارتیں محل نزاع سے خارج ہیں آپ نے کجروی اور مغالطہ آفرینی کے لیے انہیں اس مقام پر نقل کیا ہے کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان کر چکے ہیں اولیاء کیلیے نذر کا مطلب یہ ہے کہ اس نذر کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچایا جائے اور بحر الرائق ، شامی اور عالمگیری میں حرمت کی جن وجوہات کا ذکر ہے ان میں سے یہاں کوئی نہیں پائی جاتی اب ہم آپ کی پیش کردہ وجوہات کو ذکر کرتے ہیں ،
(۱) مخلوق کی نذر جائز نہیں ، الجواب ، نذر مخلوق کی نہیں اللہ کی ہوتی ہے (۲) منذور لہ میت ہے اور میت کی ملکیت ثابت نہیں ۔ جواب ، طعام یا جانور کا مالک میت کو نہیں بنایا جاتا بلکہ ان چیزوں کو صدقہ کیا جاتا ہے اور مالک اس کو بنایا جاتا ہے جس پہ صدقہ کیا گیا ہو اور وہ مردہ نہیں زندہ ہے اموات کو اس صدقہ کا ثواب پہنچایا جاتا ہے (۳) یہ گمان کرنا کہ میت تمام امور میں اللہ کی مرضی کے بغیر تصرف کرتا ہے پس اس کا یہ اعتقاد کفر ہے جواب ۔ جس کا یہ اعتقاد ہو وہ بے شک کافر ہے اور اس میں کسی کا نزاع نہیں سرفراز صاحب نے کجروی سے ایک متفق علیہ مسئلہ کو نزاعی بنانے کی سعی مذموم کی ہے اوپر جو تین وجہیں نقل کی ہیں ان کو شامی اور بحر الرائق نے ذکر کیا ہے عالمگیری میں حرمت کی وجہ نذر لغیر اللہ بیان کی ہے اس کا جواب آ چکا ہے کہ اس نذر متعارف سے مقصود یہ ہے کہ نذر اللہ کی ہے اور اس کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچایا جاتا ہے باقی عالمگیری نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ نذر اس وقت جائز ہوگی جب کہ نذر اللہ کی ہو اور شیخ کا ذکر صرف بیان مصرف کے لیے ہو ۔ اولاً تو یہ ہمیں مضر نہیں کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ نذر اللہ ہی کی ہوتی ہے ۔ ثانیاً یہ کہ بہترین بات وہ ہے جو شاہ عبد العزیز صاحب نے فتاویٰ عزیزی میں بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حقیقت میں اس نذر کا مقصد اولیاء اللہ کو نذر کا ثواب پہنچانا ہے اور وہ شرعاً ثابت ہے ۔ بلفظہ ملخصاً توضیح البیان ص۲۱۹ و ۲۲۰

الجواب :۔ مؤلف مذکور نے فقہ حنفی کی مشہور متداول اور مستند کتابوں کے صریح حوالوں سے جس طرح جان بچانے کی بالکل ناکام کاوش کی ہے وہ قابل دید ہے اور اس طرح ان سے ان کی جان نہیں چھوٹتی ۔ اولاً اس لیے کہ لغوی معنیٰ میں جس کو نذرانہ کہہ سکتے ہیں اور یہ ایصال ثواب

پر بولا جاتا ہے اور اسی معنی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اسے اطلاق بھی کیا ہے نزاع نہیں ہے بلکہ نزاع اس نذر میں ہے جو حضرات اولیاء کرامؒ کے تقرب کے لیے کی جاتی ہے۔

تنقید متین ص۱۶۹ میں ہم نے عالمگیری کے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔

فما یؤخذ من الدراهم ونحوها وینقل الی ضرائح الاولیاء تقربا الیهم فحرام بالاجماع اھ	کہ جو چیز دراہم وغیرہا کی شکل میں لی جاتی ہے اور حضرات اولیاء کرامؒ کی قبروں کی طرف لے جائی جاتی ہے۔ ان کے تقرب کے لیے سو وہ بالاجماع حرام ہے۔

اور ہم نے عالمگیری وغیرہ کی اس عبارت کی روشنی میں آگے تنقید ص۱۷۰ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس عبارت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضرات اولیاء کرامؒ کے تقرب کے ارادہ سے جو نذر مانی جاتی ہے وہ بالاجماع حرام ہے اور اکثر عوام اس میں مبتلا ہیں الخ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے فتاوی عزیزی کی مفصل عبارت بھی پہلے عرض کی جا چکی ہے ایسی تصریحات کے ہوتے ہوئے بھی نذر فقہی و متعارف اور لغوی نذر بمعنی نذرانہ و ایصال ثواب میں فرق نہ کرنا انتہائی جہالت ہے جس کا مؤلف مذکور شکار ہیں۔ وثانیاً لغوی نذر میں اپنے کسی کام کا مثلاً بیماری سے شفاء اور کسی غائب کے واپس آجانے وغیرہ کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا اس میں صرف ایصال ثواب اور رفع درجات کا قصد ہوتا ہے بخلاف نذر متعارف اور نذر فقہی کے کہ اس میں اپنے کسی کام کا بھی ذکر ہوتا ہے چنانچہ عالمگیری کے حوالے سے ہم نے تنقید ص۱۶۸ میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔

یا سیدی فلان ان قضیت حاجتی فلک من الذهب مثلاً کذا باطل اجماعا اھ	اے میرے سردار اگر میری حاجت پوری ہوگئی تو تجھے مثلاً اتنا سونا دیا جائے گا یہ نذر بالاجماع باطل ہے

اور پہلے باحوالہ یہ بات گذر چکی ہے کہ غلط کار ناذر نام لے یا نہ لے نذر میں مطلب اور غرض اس کے دل میں پنہاں ہوتی ہے۔ وثالثاً مؤلف مذکور نے جو یہ لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کے لیے نذر کا مطلب یہ ہے کہ اس نذر کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچایا جائے الخ نرا دجل اور

تلبیس ہے کیونکہ حضرات فقہاء کرامؒ نے خود تصریح کی ہے کہ نذر اولیاء اللہ کے تقرب کے لیے بھی ہوتی ہے اور وہ بالاجماع حرام ہے اور اکثر عوام جہالت کی وجہ سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مُردہ اُمور میں تصرف کرتا ہے اور ایسا اعتقاد کفر ہے اور ایصال ثواب اور اہداء ثواب کے سلسلہ میں جو نذرانہ ہوتا ہے اس میں نہ تو تقرب مقصود ہوتا ہے اور نہ کسی کے کام کرنے میں ان کا تصرف اور دخل ہوتا ہے بلکہ ان کے ساتھ ایک گونہ ہمدردی ہوتی ہے کہ اللہ تعالےٰ اس صدقہ کا ثواب ان کو دے اور ان کی شان اور درجہ بلند کرے۔

کثیفہ:۔ مؤلف مذکور نے ان المیت متصرف فی الامور دون اللہ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ میت تمام اُمور میں اللہ کی مرضی کے بغیر تصرف کرتا ہے الخ اور یہ ان کے مشرکانہ عقیدہ کا شاخسانہ ہے۔ اولاً اس لیے کہ تمام اُمور سے کیا مراد ہے؟ استغراق حقیقی یا عُرفی؟ اگر حقیقی مراد ہے تو یہ باطل ہے۔ کیونکہ کسی بھی مشرک کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ جہان کے تمام کاموں میں اللہ تعالےٰ کے بغیر کوئی تصرف کر سکتا ہے یا کرتا ہے ہاں اگر صرف اپنے تمام کاموں کا خیال ہو یعنی استغراق عُرفی ہو نہ کہ حقیقی تو پھر معاملہ جُدا ہے۔ ابوجہل وغیرہ بھی کسی مشرک کا یہ عقیدہ نہ تھا اور نہ ہے کہ کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کچھ کر سکتا ہے اکثر مشرکین کا یہی عقیدہ تھا اور ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے بزرگوں کو عطائی طور پر کچھ اختیارات دے دیے ہیں اور ان کے تحت وہ کام کرتے ہیں۔ فریق مخالف کے اعلحضرت ہی فرماتے ہیں۔

؎ احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو ۔۔۔ کُن اور سب کُن مکن حاصل ہے یا غوث

(حدائق بخشش حصہ دوم ص۸)

یہ یاد رہے کہ اُردو میں لفظ میّت مؤنث ہے نہ کہ مذکر مگر مؤلف مذکور نے میّت ۔۔۔ کرتا ہے تحریر کر کے اس کو مذکر بنا ڈالا ہے خدا کرے کہ انہیں مذکر و مؤنث میں تمیز کرنے کی اہلیت نصیب ہو ؎

دعا یہ ہے رہِ منزل سے آشنا نکلیں ۔۔۔ یہ رہنما جو ابھی کارواں میں گئے ہیں

مؤلف مذکور نے جو یہ لکھا ہے کہ بحرالرائق اور شامی اور عالمگیری میں حرمت کی جن وجوہات کا

ذکر کیا ہے ان میں سے یہاں کوئی نہیں پائی جاتی۔ بالکل غلط ہے کیونکہ ان سب کتابوں میں تصریح موجود ہے کہ اکثر عوام بزرگوں کی قبروں پر جو درہم اور شمع وغیرہ لے جاتے ہیں تو وہ تقرب کے لیے کرتے ہیں (تقرباً الیہم) اور ایسی متعارف اور فقہی نذر عبادت ہے اور مخلوق کے لیے عبادت درست نہیں ہے مؤلف مذکور کم فہمی کی وجہ سے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ عوام چلا چلا کر یہ کہیں کہ ہم عبادت کر رہے ہیں تو تب عبادت ہو حالانکہ ایسا کوئی بھی نہیں جو یہ کہتا ہو بات دراصل یہ ہے کہ عوام تو صرف تقرب کا ارادہ کرنے میں حضرات فقہاء کرامؒ روان پر یہ فتویٰ لگاتے ہیں کہ یہ تقرب نذر اور عبادت ہے اور مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے اور نیز عوام یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جس بزرگ کے لیے ہم نذر مانتے ہیں ان کا ہمیں تقرب حاصل ہو جائے گا اور وہ ہم سے راضی ہو جائیں گے اور ہمارا کام خدا تعالےٰ کے دیئے ہوئے جزوی اختیارات کے تحت کر دیں گے۔ یا مافوق الاسباب سفارش کر کے کروا دیں گے لہذا عوام ان کو متصرف بھی مانتے ہیں الغرض سرفراز اس کو نزاعی مسئلہ نہیں بنا رہا بلکہ حضرات فقہاء کرامؒ عوام کالانعام کا یہ عقیدہ بتا کر ان کی تکفیر کرتے ہیں باقی جو وجہ عالمگیری میں حرمت کی بیان کی ہے کہ وہ نذر لغیر اللہ ہے اس کا جو جواب مؤلف مذکور نے دیا ہے اس کا ہم بھی بفضلہ تعالیٰ خوب رد کر چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے وہاں ہی دیکھ لیں اور یہ بات صرف عالمگیری ہی میں نہیں کہ شیخ کا ذکر صرف بیان مصرف کے لیے ہے بلکہ یہ بات البحر الرائق اور النہر الفائق وغیرہ میں بھی موجود و مذکور ہے آگے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ بہترین بات وہ ہے جو شاہ عبد العزیزؒ نے فتاویٰ عزیزی میں بیان کی ہے ہمارا بھی اس پر صاد ہے کہ بہترین بات وہی ہے۔ جو شاہ عبد العزیزؒ صاحب نے فتاویٰ عزیزی اور تفسیر عزیزی میں بیان فرمائی ہے اور ہم ص۱۰۹ ج۱ سے ان کی مفصل عبارت پہلے عرض کر چکے ہیں اور ان کی مجمل عبارت کو ساحل مراد نہ سمجھیں ؎

ساحل کو دیکھ دیکھ یوں مطمئن نہ ہو اکثر سفینے ڈوبتے ہیں ساحل کے پاس ہی

وقت ذبح کی قید یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ۔ مولوی سرفراز صاحب نے اس پر کافی زور دیا ہے کہ اُھِلَّ کو ذبح پر محمول کرنے یا وقت

ذبح کے ساتھ مقید کرنے کی گنجائش نہیں اب ہم مولوی سرفراز صاحب کی توجہ کیلئے کتب تفاسیر سے چند حوالے تفویض رقم کرتے ہیں ۔ روح المعانی پ۲ ص۴۲ پر وما اھل لغیر اللہ بہ کے تحت ہے ۔ یعنی ذبح کے وقت غیر اللہ کے لیے آواز بلند کرنا اور اہلال سے مراد یہاں اس کا ذکر کرنا ہے جس کے لیے جانور ذبح کیا جائے مثلاً لات ، عزیٰ وغیرہ ۔ علامہ ابو سعود فرماتے ہیں ۔ غیر اللہ کے نام کو بوقت ذبح بلند کیا جائے ۔ تفسیر بیضاوی میں ہے غیر اللہ کے نام کو بوقت ذبح بلند کیا جائے ۔ تفسیر بیضاوی میں ہے غیر اللہ کے نام کو بوقت ذبح بلند کیا جائے جلالین میں ہے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے ۔ جمل میں ہے اور وہ جانور جس کے ذبح میں غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو ۔ تفسیرات احمدیہ میں ہے ۔ جس کو غیر اللہ کے نام پہ ذبح کیا گیا ۔ روح البیان میں ہے جس پر ذبح کے وقت آواز بتوں کے لیے بلند کی گئی ۔ مدارک میں ہے جو بتوں کے لیے ذبح کیا گیا ۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ اشعۃ اللمعات ص۴۷۹ ج۳ میں وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کے تحت فرماتے ہیں یعنی جو اللہ کے نام پر ذبح نہ کیا گیا ہو ۔

احکام القرآن ص۱۴۵ ج۱ پر وَمَا اُهِلَّ بِهٖ کے تحت ہے اور مسلمانوں کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ما سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے ۔ مولوی سرفراز صاحب کیلئے عبرت کا مقام ہے جنہوں نے یہ محصور رکھا ہے کہ ذبح کی قید بعض مفسرین نے لگائی ہے وہ آنکھیں کھول کر احکام القرآن کا یہ حوالہ پڑھیں اور سوچیں کہ ابوبکر رازی تو فرما رہے ہیں کہ مسلمانوں میں اس قید کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے پھر مولوی سرفراز صاحب نے اس قید سے اختلاف کر کے اپنے آپ کو کس گروہ میں شامل کر لیا ہے کہ وہ خود سوچیں مذکورہ بالا حوالوں سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ صدر الافاضل کا وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنا جمہور مفسرین کی اتباع میں ہے اور جو تبرا صدر الافاضل کی تفسیر پر مولوی سرفراز صاحب نے کیا ہے اس کا مونہہ حقیقت میں ان تمام مفسرین کی طرف راجع ہے ۔ (بلفظہ ص۲۲۰ تا ص۲۲۲ توضیح البیان)

الجواب :۔ بجائے اس کے کہ حضرات مفسرین کرامؒ کے ان حوالوں کا جواب ہم اپنی طرف سے

دیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ہی سے نقل کر دیں اور نقل بھی فتاوٰی عزیزی سے کر دیں تاکہ بقول مؤلف مذکور یہ بات صحیح ہو جائے کہ بہترین بات وہ ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ صاحبؒ نے فتاوٰی عزیزی میں بیان کی ہے۔ (اور ظاہر بات ہے کہ اپنی پسند کے جواب سے بہتر جواب اور کیا ہو سکتا ہے)
حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ۔

واما ما وقع في البيضاوي وغيره من التفاسير انهم قالوا وما أُهِلَّ به لغير الله اي ما رفع الصوت به عند ذبحه للصنم فمبني على ما جرى عادة المشركين في ذلك الزمان ولذا لم يفرقوا في التفاسير القديمة بين ما ذكر اسم غير الله عليه وبين ما قصد بذبحه التقرب الى غير الله لان مشركي ذلك الزمان كانوا مخلصين في الكفر وكانوا اذا قصدوا التقرب بذبح بهيمة الى غير الله ذكروا عليها عند الذبح اسم ذلك الغير بخلاف مشركي المسلمين فانهم يخلطون بين الكفر والاسلام

جو کچھ بیضاوی وغیرہ تفاسیر میں آیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ الله کا مطلب یہ ہے کہ بت کے لیے ذبح کرتے وقت جو آواز بلند کی جائے سو یہ اس بات پر مبنی ہے کہ اس زمانہ میں مشرکوں کی عادت یونہی جاری تھی (کہ وقت ذبح اپنے معبودوں کا نام بلند کرتے تھے) اور اسی وجہ سے پرانی تفسیروں میں اس چیز کے بارے میں جس پر غیر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اور اس چیز کے بارے میں جس کے ذبح سے غیر اللہ کے تقرّب کا قصد کیا گیا ہو کوئی فرق نہیں کیا گیا کیونکہ اس زمانہ کے مشرک کفر میں مخلص تھے وہ جب کسی جانور کی ذبح سے غیر اللہ کے تقرّب کا قصد کرتے تھے تو ذبح کے وقت اس پر غیر کا ذکر کرتے تھے بخلاف مسلم نما مشرکوں کے کہ وہ کفر اور اسلام کو خلط ملط کرتے ہیں سو وہ ذبح سے قصد تو تقرّب لغیر اللہ کا کرتے ہیں لیکن ذبح کے

يقصدون التقرب بالذبح الى غير الله ويذكرون اسم الله عليها وقت الذبح فالاول كفر صريح والثانى كفر صورته صورة الاسلام وكانوا يعتقدون ان لا طريق للذبح الّا هذا سواء كان لله اولغير الله وقد يجرى هذه العادة فى زماننا الخ فانهم يشتهرون ان فلانًا يذبح بقرة لاجل السيد احمد كبير مثلًا ذكروا اسم الله عليها عند امرار السكين اولا الخ (فتاوی عزیزی ص۲۳ ج۱)	وقت نام اللہ تعالیٰ کا لیتے ہیں پہلی صورت تو صریح کفر ہے اور دوسری صورت سے تو کفر مگر صورت اس کی اسلام سی ہے اور وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ذبح کا صرف یہی طریقہ ہے برابر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہو یا غیر اللہ کے لیے اور بلاشبہ یہی صورت ہمارے زمانہ میں بھی جاری ہے۔ کیونکہ وہ تشہیر تو یہی کرتے ہیں کہ فلاں شلاً سیّد احمد کبیر رح کے لیے گائے ذبح کرتا ہے۔ اور اس کے گلے پر چھری پھیرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیں یا نہ لیں۔

مؤلف مذکور حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت کو ٹھنڈے دل سے بار بار پڑھیں اور آنکھیں کھول کر پڑھیں اور سوچیں کہ فتاوی عزیزی کے اس بہترین جواب نے مؤلف مذکور کو کس گروہ میں شامل کر لیا ہے۔ وہ خود سوچیں سوچنا ان کا کام ہے ؎

گلستاں کے لیے رونے سے کچھ بنتا نہیں فانی — نظر میں حسن پیدا کر سنور جائیگا ویرانہ

غرضیکہ ان حضرات مفسرین کرامؒ کا کوئی حوالہ ہمارے خلاف نہیں ہے ہم نے تنقید متین میں یہ تصریح کی ہے کہ۔ ہاں بعض مفسرین کرامؒ نے عام رواج کے پیش نظر ذبح کے وقت غیر اللہ کے ذکر کی مشہور صورت ذکر کر دی ہے انتہٰی۔ قارئین کرام ہی انصاف سے فرمائیں کہ ہماری اس تصریح کے ہوتے ہوئے یہ مذکورہ حوالے ہمیں کیا نقصان دیتے

ہیں ؛ جو کچھ ان حضرات نے فرمایا وہ حق اور صحیح ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ بوقت ذبح غیر اللہ کے نام لینے سے جانور حرام ہو جاتا ہے لیکن یہ حرمت اسی میں منحصر نہیں اور نہ اسی کے ساتھ مقید ہے. بلکہ یہ غیر اللہ کے لیے نامزد جانوروں میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن ان حضرات کے سامنے وہ صورت نہیں جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ وغیرہ حضرات کے سامنے ہے.
کیونکہ پہلے مشرک اپنے شرک میں مخلص ہوتے ہیں جو ان کے اندر ہوتا تھا سو وہی باہر ہوتا تھا بقول حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ مگر اب کے کلمہ گو مشرک بڑے چالاک اور ہوشیار ہیں،
لیبل تو اسلام کا لگاتے ہیں مگر ان کا اندرون شرک جیسی پلید اور نجس چیز سے بھرا رہتا ہے ۔
وہ تقرب اولیاء اللہ کے نام پر جانور نامزد کرتے ہیں مثلاً یہ جانور شیخ احمد کبیرؒ کے لیے ہے مگر ذبح کرتے وقت وہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں اور یہ صورت اگرچہ ظاہر کے لحاظ سے اسلام ہے مگر حقیقت میں یہ بھی کفر ہے زندہ باد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ آپ نے ہوشیار قسم کے کلمہ گو مشرکوں کی رگِ جان کاٹ کر رکھ دی ہے جن کے وکیل اعظم اس وقت مؤلف مذکور بنے ہوئے ہیں ۔ مؤلف مذکور سے گزارش ہے کہ وہ توجہ سے اس بالا مضمون کو پڑھیں جو یوں گویا ہے ؎

مجھ کو بھی پڑھ کتاب ہوں مضمون خاص ہوں ۔ مانا تیرے نصاب میں شامل نہیں ہوں میں

البتہ ایک بات ضرور قابل توجہ ہے اور وہ احکام القرآن کی عبارت ہے جس کو مؤلف مذکور نے خوب زور دے کر اُجاگر کرنے کی لاحاصل سعی کی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ما سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارا جائے بلاشک اس صورت میں کسی مسلمان کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور ہم تصریح کر چکے ہیں کہ ہم بھی اس کے قائل ہیں یہ صورت نزاع سے بالکل خارج ہے اس لیے اس پر مؤلف مذکور کا بلا وجہ زور صرف کرنا عوام کو دھوکہ دینے اور ان کو اُلّو بنانے کے مترادف ہے ہمارا موقف یہ ہے کہ ما اھل بہ میں یہ صورت بھی داخل ہے. لیکن حرمت اسی صورت میں منحصر نہیں بلکہ یہ صورت بھی اس کی ایک فرد ہے چونکہ جاہلیت کے دور میں اس کا زیادہ رواج

تھا اس لیے یہ تفسیر کر دی گئی اور پھر خیر القرون اور ان کے قریب کے زمانوں کے لوگ بڑے پختہ اور صحیح عقیدہ کے مسلمان ہوتے تھے ۔ اور بقول حضرت عبد العزیز صاحبؒ پہلے مشرک چونکہ اپنے شرک میں مخلص ہوتے تھے وہ یہی صورت مُراد لیتے تھے اور اب کے کلمہ گو مشرک مکار اور دغا باز ہیں ان کے اندر کچھ ہوتا ہے اور باہر کچھ ہوتا ہے جیسا کہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے بیان فرمایا ہے لہٰذا وہ جانور کو تقرب بغیر اللہ کے لیے نامزد کر سکتے ہیں جس کی وجہ سے جانور میں کُتے اور خنزیر کی طرح خبث اور پلیدی آجاتی ہے لیکن منافقانہ انداز میں وہ اس جانور کو ذبح اللہ تعالیٰ کے نام پر کرتے ہیں یہ صورت بھی مَا اُھِلَّ بِہٖ کی مد میں شامل ہے اور یہ صورت متقدمین کی نگاہ میں نہ تھی کیونکہ اُس وقت مخلص قسم کے مشرک ہوتے تھے منافق اور مکار قسم کے مشرک نہ تھے مگر یہ صورت نکتہ رس اور متأخرین حضرات مفسرین کرامؒ کے سامنے موجود تھی جیسا کہ تنقید متین میں ہم نے تفسیر کبیر۔ تفسیر نیشاپوری۔ تفسیر عزیزی۔ فتاوٰی بزازیہ۔ فتاوٰی عزیزی اور مجموعۂ فتاوٰی وغیرہ کے حوالے دیے ہیں اور اسی کتاب میں اس سے قبل فتاوٰی عزیزی کا حوالہ درج ہو چکا ہے غرضیکہ مؤلف مذکور کی پیش کردہ کوئی تفسیر ہمارے خلاف نہیں اور وہ ہمارے پیش کردہ سب حوالوں کی زد میں پھنسے ہوئے ہیں جو رہ رہ کر بار بار انہیں دعوتِ فکر دیتے ہیں ؎

شبِ ہجراں کی سختی ہو تو ہو لیکن یہ کیا کم ہے ۔۔۔ کہ لب پر رات بھر رہ رہ کے تیرا نام آئے گا

مؤلف مذکور کا اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ ہماری طرف سے پیش کردہ تمام تفاسیر کے حوالے دیتے پھر بن پڑتا تو ان کے جوابات دیتے مگر انہوں نے ان تفسیروں کے حوالوں کا ذکر تک نہیں کیا قارئین کرام خود بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ ایسا کرنے میں کیا راز ہے؟ آخر ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

سرفراز کا دوسرا شبہ یہ سُرخی جما کر مؤلف مذکور نے لکھا ہے کہ صدر الافاضل کے کلام میں سرفراز صاحب نے دوسری تحریف ان الفاظ سے کی ہے کہ اگر وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ سے صرف بت مراد ہوں جیسا کہ دیگر اہلِ بدعت عموماً ۔

اور مولوی نعیم الدین صاحب خصوصاً اس پر مصر ہیں (تنقید متین ص۱۵۰) دروغ گوئی اور خیانت کی یہ بدترین مثال ہے جو مولوی سرفراز صاحب نے صفحۂ تنقید پر سیاہ کی ہے جس عبارت میں صدر الافاضل نے بتوں کا تذکرہ کیا ہے ہم اسے بھی نذر رقم کرتے ہیں ملاحظہ فرمایئے صدر الافاضل نے فرمایا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے انتہیٰ اس عبارت کے علاوہ پوری بحث میں کہیں بتوں کا تذکرہ نہیں ہے اگر مولوی سرفراز صاحب میں ہمت ہے تو وہ ہمیں عبارت میں وہ الفاظ دکھائیں کہ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ سے مراد صرف بت ہیں اگر سرفراز صاحب کے دل میں صداقت اور ایمان کا کوئی ذرہ بھی موجود ہوتا تو کبھی یہ افترار نہ کرتے کہ صدر الافاضل نے غیر اللہ کا بتوں میں حصر کر دیا ہے نحو اور معانی سے اگر آپ کو کوئی مس ہے تو کوئی کلمہ حصر یا کوئی طریقۂ حصر پیش کیجیے جس سے صدر الافاضل کے کلام میں انحصار ثابت ہو ورنہ ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ جس طرح سے آپ ایمان سے محروم ہیں اسی طرح غضب الٰہی نے آپ کی لوح دل سے علم کے ایک ایک ذرہ کو محو کر دیا ہے آپ نے صدق و دیانت سے بالاتر ہو کر اور اپنی روایتی دروغ گوئی اور تحریف سے کام لے کر جس طرح یہ عبارت وضع کی ہے اس پر ہم آپ کے بہر حال مشکور ہیں کہ آپ نے تحریف کو صفحۂ کاغذ پر لاکر دنیا کے اہل نظر کو دعوت دی ہے کہ وہ سوچیں کہ جس مذہب کے سرکردہ نمائندہ کی امانت و دیانت اور عصمت قلم کا یہ عالم ہے اس آبرو باختہ مسلک کی تعلیمات کا کیا حال ہوگا؟ مولوی سرفراز صاحب نے تنقید میں قدم قدم پر تحریف و خیانت کا جال بچھا کر اس حقیقت کو واضح سے واضح تر کر دیا ہے کہ جس ملت کی وہ نمائندگی کر رہے ہیں اس کی اساس ہی افترار اور تلبیس پر رکھی گئی ہے اور مولوی سرفراز صاحب کا یہ کہنا کہ مفسرین نے جو صنم وغیرہ کی قید لگائی ہے وہ اتفاقی ہے تو صاحب۔ صدر الافاضل نے کب کہا ہے کہ یہ قید احترازی ہے یا آپ کے لیے بھی کسی قادیان کی وحی کا دروازہ کھلا ہوا ہے جو آپ پر انوکھی تحقیقیں منکشف کرتا رہتا ہے۔ انتہیٰ۔

(توضیح البیان ص۲۲۲، ص۲۲۳)

الجواب :- قارئین کرام نے مؤلف مذکور کا ہذیان اور جن الفاظ اور جس انداز سے انہوں نے

اپنے مادۂ دل کی بھڑاس نکالی ہے وہ دیکھ ہی لیا ہے اب جواب بھی ملاحظہ کیجئے، ان ہی کے صدر الافاضل یہ لکھتے ہیں۔ چوتھے وہ جانور جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو جیسا کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے الیٰ قولہ یا وہ جانور جن سے اولیاء کی ارواح کو ثواب پہنچانا منظور ہو اُن کو غیر وقت ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے مگر ذبح اُن کا فقط اللہ کے نام پر ہو اس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے وہ حلال و طیب ہیں۔ اس آیت میں صرف اسی کو حرام فرمایا گیا ہے جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو الخ (ص۱۵۵) یہ تفسیر انہوں نے وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کی ہے اس سے ہر ادنیٰ سمجھ والا آدمی بھی یہی سمجھیگا کہ صدر الافاضل کے نزدیک وَمَا أُهِلَّ بِهٖ کا مصداق بُت ہی ہیں اور اولیاء اللہ کے ناموں پر نامزد کیے ہوئے جانور اس سے خارج ہیں اور حصر کے الفاظ سے وہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں صرف اسی کو حرام فرمایا گیا ہے اگر مؤلف مذکور نے کسی قابل استاد سے پڑھا ہوتا تو وہ ضرور ان کو یہ بتاتے کہ نحو اور معانی کے لحاظ سے اُردو زبان میں لفظ صرف حصر کے لیے ہوتا ہے مگر افسوس ہے کہ وہ دانت بلا وجہ ہم پر پیستے ہیں کہ ان کو نحو اور معانی سے مس نہیں ہے الحمد للہ تعالیٰ کہ ہم ایمان کی دولت سے بھی مالا مال ہیں اور لائق دیوبندی استادوں سے پڑھنے کی وجہ سے دولت علم سے بھی بہرہ ور ہیں صدر الافاضل کا اولیاء کے لیے جانور کو نامزد کرنے کے ساتھ ایصال ثواب کا پیوند لگانا محض عوام کو دھوکہ دینا ہے کما لا یخفیٰ علاوہ ازیں آپ ہی کے صدر الافاضل ص۱۲۱ النحل۔ ۱۵ میں وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ (جس کا ترجمہ خانصاحب نے یہ کیا ہے۔ اور وہ جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام پکارا گیا) کی تفسیر میں لکھتے ہیں ص۲۶۵ یعنی اس کو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو انتہیٰ ظاہر امر ہے کہ وہ خانصاحب کے ترجمہ میں لفظ غیر خدا تشریح صرف یعنی سے بتوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور صدر الافاضل ہی مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا الآیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی بتوں کو انتہیٰ اور وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ الآیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں بت انتہیٰ حالانکہ خانصاب معنی کرتے ہیں اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو

پوجتے ہیں گویا صدر الافاضل کے نزدیک اللہ کے سوا سے بت ہی مراد ہیں اور کوئی چیز ان کے شرک پسند ذہن میں آتی ہی نہیں۔ ایسی تصریحات کے ہوتے ہوئے ہم پر تلبیس و افتراء اور تحریف کا الزام لگانا خالص ناروا کاروائی ہے نیز مؤلف مذکور کا قادیان سے ہم پر وحی نازل کرنا خالص ٹیچی ٹیچی کی کاروائی ہے ہم نے جو یہ لکھا ہے کہ غرضیکہ لفظ غیر اللہ کو صرف بتوں پر بند کر دینا اور اولیاء اللہ کے لیے جانوروں کے نامزد کرنے کو آیت کے عموم سے نکال دینا نہ صرف علمی جہالت اور خیانت ہے بلکہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے ارشاد کے مطابق کتاب اللہ کی تحریف بھی ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے تنقید ص۱۶۵ کا حوالہ بالکل بجا ہے یہ تو صدر الافاضل کی عبارتیں تھیں اب ان کے مایۂ ناز شاگرد مفتی احمد یار خان صاحب بدایونی ثم گجراتی (المتوفی ۱۳۹۱ھ) کی بعض عبارتیں بھی ملاحظہ کیجیے وہ لکھتے ہیں۔ یعنی غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا جیسے کفار عرب کا دستور تھا کہ بتوں کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے الخ (ص۱۶۹ نور العرفان) نیز لکھتے ہیں کہ (ان کے نام پر جانور ذبح کرنا فسق اعتقادی یعنی کفر ہے الخ) (ص۲۴۳)

اور لکھتے ہیں کہ۔ نیز وہ بتوں کے متعلق دھوکہ کی شفاعت کے قائل تھے کیونکہ وہ بتوں کو الٰہ مان کر شفیع مانتے تھے۔ یعنی ان بتوں کی شفاعت نہ دنیا میں نہ آخرت میں (ص۲۲۴) اور دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ یعنی صرف خدا کو پکارتے ہیں بتوں کو نہیں پکارتے۔ پھر اسی صفحہ کے آخر میں لکھتے ہیں۔ یعنی کفار آرام میں اللہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور مصیبت میں بتوں کو۔ خیال رہے کہ بوقت مصیبت اللہ کے مقبول بندوں کو مدد کے لیے پکارنا کفر نہیں قیامت کی آفت میں دمعاف رکھنا یہ کاروائی وہاں غائبانہ اور مافوق الاسباب نہ ہوگی بلکہ جب سب لوگ میدان محشر میں جمع ہوں گے اور جن کی شفاعت مطلوب ہوگی تو ان کے پاس حاضر ہو کر شفاعت کرنے کی التجاء کریں گے کما ورد فی الحدیث۔ صعدن) سب شفیع ہی کو ڈھونڈیں گے اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق اور علم القرآن میں دیکھو یہ آیت بت پرستوں کے متعلق ہے انتہیٰ بلفظہٖ (ص۲۲۵) اور مَا نَعْبُدُھُمْ الآیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اور اس میں مشرکین کی تردید ہے جو بت پرستی میں گرفتار تھے اس سے اولیاء اللہ کو کوئی تعلق نہیں انتہیٰ پھر

آگے اسی صفحہ میں لکھتے ہیں کہ یعنی مشرکین عرب کہتے ہیں کہ ہم ان بتوں کو اپنا خالق یا حقیقی مالک سمجھ کر نہیں پوجتے خالق یا مالک تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں مگر انہیں خالق تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھ کر رب کا قرب حاصل کرنے کے لیے انہیں پوجتے ہیں یہ ان کا شرک ہے الیٰ قولہ یہ آیت کفار کے لیے ہے اے مسلمانوں اسے انبیاء اولیاء پر نہ چپکاؤ انتہیٰ بلفظہ (ص ۷۳۱)

قارئین کرام بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ من دون اللہ یا من دونہ وغیرہ کے عمومی الفاظ کو کس طرح ان کلمہ گو مشرکین نے صرف بتوں میں بند کر دیا ہے اور کس طرح حضرات انبیاء اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پوجا پاٹ کا چور دروازہ اپنے پیروکاروں کے لیے کھلا چھوڑا ہے اور دہائی یہ دیتے ہیں کہ اے مسلمانوں ان آیات کو انبیاء و اولیاء پر نہ چپکاؤ کیا مؤلف مذکور کو اپنے بڑوں کی یہ تحریف قرآنی نظر نہیں آئی؟ اور کیا ان کا افتراء علی اللہ اور یہ تلبیس نگاہوں سے نہیں گذری؟ بقول آپ کے ایسے آبرو باختہ مسلک کا کیا حال ہوگا؟ اور انصاف سے کہیں کہ کیا قرآن کریم کے معانی میں تحریف کرنا بڑا جرم ہے یا بقول آپ کے صدر الافاضل کی کسی عبارت میں؟ غرضیکہ آپ کے صدر الافاضل قدس سرہ دبی زبان سے اور ان کے مایۂ ناز شاگرد مفتی احمد یار خان ببانگ دہل صنم کی قید کو احترازی مانتے ہیں مگر آپ ہیں کہ اپنے اکابر کی عبارات سے بھی بالکل بے خبر اور جاہل ہیں بفضلہ تعالیٰ ہم نے من دون اللہ کی باحوالہ پوری تشریح اپنی کتاب گلدستۂ توحید میں کر دی ہے۔ اور توحید کی مزید وضاحت دل کا سرور، تبرید النواظر اور ازالۃ الریب وغیرہ کتابوں میں کر دی ہے انہی میں فوراً ملاحظہ کر لیں تاخیر نہ کریں ۔

دم کا نہیں بھروسہ جہان خراب میں — بیٹھے ہیں لوگ عمر کا ساماں کیے ہوئے

لغیر اللہ اور بغیر اللہ کا فرق اور سر فراز صاحب کا تیسرا شبہ

مؤلف مذکور نے یہ عنوان قائم کر کے لکھا ہے۔ کہ مولوی سرفراز صاحب نے اپنی علمی بے مائیگی کا راز فاش کرتے ہوئے اس بحث میں ایک شبہ پیش کیا ہے۔ قرآن کریم میں جو الفاظ آئے ہیں وہ لغیر اللہ کے ہیں بغیر اللہ کے نہیں اور عربی کا مبتدی طالبعلم بھی یہ جانتا ہے کہ لغیر اللہ کا معنیٰ یہ ہے کہ غیر خدا کے نام پر اس کو شہرت دی گئی ہو اور اسی کیلئے

وہ تقرب کے طور پر نامزد ہو اگر قرآن کریم میں الفاظ بغیر اللہ کے ہوتے تو یہ تاویل ایک حد تک سُنی جا سکتی تھی کہ بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کیا جائے (تنقید صفحہ ۱۶۳)

کاش مولوی سرفراز صاحب کو ایک مبتدی طالب علم جتنا بھی علم اور سلیقہ ہوتا تو وہ جان لیتے کہ ما اھل لغیر اللہ بہ کا معنیٰ ہے جس کو غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو اور اس غیر کو اس مالی عبادت کا مستحق سمجھا گیا ہو اور ما اھل لغیر اللہ کا معنیٰ ہے جس کو غیر اللہ کے ساتھ نامزد کیا گیا ہو اب ہم پوچھتے ہیں کہ دوسرے معنیٰ میں تقیید ذبح کا کون سا داعیہ ہے اور پہلے معنیٰ میں کون سا مانع ہے دروغ گورا حافظہ نہ باشد صفحہ ۱۵۲ پر تو آپ نے کہا تھا کہ ہاں بعض مفسرین نے عام رواج کے پیش نظر ذبح کے وقت غیر اللہ کے ذکر کی مشہور صورت ذکر کی ہے دیکھا آپ نے صفحہ ۱۵۲ پر مولوی سرفراز نے قید ذبح کو مشہور قرار دیا اور نو صفحہ بعد ایسی قلا بازی کھائی کہ مشہور عند المفسرین کو غیر مسموع بنا ڈالا اب سوچنے والے یہ نہیں سوچیں گے کہ جو بات علماء مفسرین کے درمیان مشہور ہو وہ کس طبقہ میں غیر مشہور ہو سکتی ہے؟ ہم نے گذشتہ سطور میں ذبح کی قید کو متعدد اجلہ تفاسیر سے ہدیہ رقم کیا تھا ان کے علاوہ دوسری تفاسیر میں بھی یہ تقیید موجود ہے پس اس قید کو غیر مسموع قرار دیکر اور جماعت مفسرین سے کنارہ کش ہو کر مولوی سرفراز صاحب نے جس طبقے میں اپنی جگہ بنائی ہے امید ہے کہ یہ امر ارباب ذوق سے مخفی نہ ہو گا بلفظہ۔

(توضیح البیان صفحہ ۲۲۳ و ۲۲۱)

الجواب، ہم پہلے مفصل ذکر کر چکے ہیں کہ غیر اللہ کے لیے تقرب اور تعظیم کے طور پر نامزد کیا ہوا جانور وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ کا مصداق ہے جمہور حضرات فقہاء کرام رح کے نزدیک اس میں عبادت کی کوئی قید نہیں ہے اور جن شوافع حضرات نے یہ قید لگائی ہے تو اس کا ذکر بھی پہلے ہو چکا ہے لہذا مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ غیر کو اس مالی عبادت کا مستحق سمجھا گیا ہو۔ قطعاً غلط اور ایجاد بندہ ہے۔ کیونکہ حضرات فقہاء کرام کے حوالے سے پہلے یہ گذر چکا ہے کہ کسی بڑے کی آمد پر جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں وہ حرام ہیں اگرچہ ان کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو اس لیے کہ اس کاروائی میں غیر اللہ کی تعظیم مقصود ہے اور مبتدی طالب

بھی یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ کسی ملک کے سربراہ کے آمد پر جانوروں کی بھینٹ چڑھانے یا توپیں داغنے کو کوئی شخص بھی عبادت نہیں سمجھتا بلکہ محض اس کی دُنیوی تعظیم ہی منظور ہوتی ہے اور یہ بد اور قبیح رسم آل روشن زمانہ میں بھی موجود ہے چنانچہ ایران کے معزول شاہ (رضا شاہ پہلوی) کی بیوی ملکہ ثریا لکھتی ہیں کہ:

گرمی کی آمد پر شاہی دربار کوہ البرز کے دامن میں واقع شمرام میں منتقل ہو گیا شمرام کی طرف جاتے ہوئے ہم جس گاؤں سے گذرتے لوگ گلیوں میں جمع ہو جاتے اور ہمارے لیے جانور ذبح کرتے اگرچہ شاہ نے اس قربانی کی وضاحت کی کہ مثلاً ہماری آمد پر بھینٹ چڑھاتے ہیں جیسے توپیں داغی جاتی ہیں. (صفدر) لیکن مجھے ان بے شمار بے زبان جانوروں کے قتل عام پر اپنے حقیقی جذبات و احساسات چھپانے کے لیے زبردست ضبط سے کام لینا پڑا۔

(ماخوذ ہفت روزہ پاکستانی فیصل آباد، ۱۲ر جنوری ۱۹۸۱ء ص۴ کالم ۲)

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ عبادت کی قید اس میں غیر ضروری ہے۔ علاوہ ازیں ہم نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے حوالہ سے یہ بات لکھی ہے جن کی اصل عبارت یہ ہے۔

ونیز اگر اُھِلَّ را بر ذبح حمل کردہ شود پس ذبح لغیر اللہ مراد خواہد شد ذبح باسم غیر اللہ از کجا فہمیدہ شود تا مدعائے ایں مردم حاصل شود پس دریں عبارت اہلال رابمعنی ذبح گرفتن باز لغیر اللہ را بجائے باسم غیر اللہ ساختن قریب بتحریف کلام الٰہی میرسد

(فتاویٰ عزیزی ج۱ ص۵۷ (تفسیر عزیزی ص۶۱۱ بقرہ)

اور نیز اگر اُھِلَّ کو ذبح پر حمل کیا جائے تو اس سے مُراد ذبح لغیر اللہ ہوگی ذبح باسم غیر اللہ کہاں سے سمجھا گیا تا کہ اس (غلط کار۔ صفدر) شخص کا مدعیٰ حاصل ہو سو اس عبارت میں اہلال کو ذبح کے معنی میں لینا پھر لغیر اللہ کو بجائے باسم غیر اللہ قرار دینا کلام الٰہی کی تحریف کے قریب پہنچتا ہے۔

ہم نے بحذف مضاف باسم غیر اللہ کو لغیر اللہ سے تعبیر کیا ہے (اور اس کا اقرار مؤلف مذکور کو بھی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں علی طریق حذف المضاف کما ہو شائع۔ توضیح البیان ص۲۱۸)

مؤلف مذکور کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ لغیر اللہ اور بغیر اللہ کے فرق کے سلسلہ میں وہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ

کا ذکر بھی کرتے تاکہ عوام کو بھی معلوم ہو جاتا کہ اصل فرق کس نے کیا ہے؟ اور پھر حضرت شاہ صاحبؒ کو اپنے کسی حفظ و ناظرہ اور قاعدہ کے دار العلوم اور جامعہ میں داخل کر کے مبتدی طالب علموں کی صف میں بٹھا کر تعلیم دیتے تاکہ مبتدیوں میں حضرت شاہ صاحبؒ بھی ہمارے ہم جماعتی اور کلاس فیلو ہو جاتے اور یعن طعن دونوں کو برابر ملتا علمی طور پر یہ کتنی بڑی بد دیانتی ہے کہ اصل حوالے پی کر اور عوام الناس کی آنکھوں میں دھول ڈال کر اصل بات آشکارا ہی نہیں کی جاتی اور نزلہ صرف ہم پر گرتا ہے مگر ؎

جفا کو تم وفا سمجھے ستم کو ہم کرم سمجھے ادھر کچھ دل میں تم سمجھے اُدھر کچھ دل میں ہم سمجھے

رہا مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ دوسرے معنیٰ میں تقیید ذبح کا کون سا داعیہ ہے اور پہلے میں کون سا مانع ہے۔ الخ سو گذارش ہے کہ ہمارے نزدیک تو کوئی تعارض نہیں ہمارے نزدیک وہ جانور بھی حرام ہے جس پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور اکثر مفسرین کرامؒ نے اپنے زمانہ کے مشرکین کے مخلص ہونے کی وجہ سے اسی کا تذکرہ کر دیا ہے اور وہ جانور بھی حرام ہے جس کو تقرب لغیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو اور شہرت دی گئی وہ جانور محض اس بدنیتی ہی سے حرام ہو جاتا ہے اور اس میں گتے اور خنزیر کی طرح پلیدی آجاتی ہے اور تکبیر پڑھ کر بھی ذبح کر لینے سے وہ حلال نہیں ہوتا جس طرح کہ کتا اور خنزیر جیسا کہ چالاک۔ اور ہوشیار بلکہ منافق مشرک ایسا کرتے ہیں کما مرّ عن الشاہ عبد العزیزؒ الغرض ہمارے ہاں کسی تقیید کا نہ تو کوئی داعیہ ہے اور نہ مانع ہے یہ سب مؤلف مذکور کی کم علمی اور کم عقلی کا نتیجہ ہے کہ وہ بلاوجہ ہمیں دروغ گو کہتے ہیں اور قلابازی کا طعن ہمیں دیتے ہیں حالانکہ وہ خود جہل مرکب کی وسیع فضاء میں قلابازی پر قلابازی کھاتے ہیں اور اسی شعبدہ بازی میں انہیں لطف بھی آرہا ہے کیونکہ ان کی متاع عزیز ہی شرک و بدعت۔ جہالت اہل حق سے بیر اور پیٹ بازی ہے جو کسی بھی عقلمند پر مخفی نہیں ہے۔ مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرات مفسرین کرامؒ کی بیان کردہ جس صورت اور شق کو ہم نے مشہور کہا ہے اب بھی بابانگ دھل کہتے ہیں کہ ان کے دور میں وہی مشہور تھی کیونکہ ان کے زمانہ کے مشرک مخلص ہوتے تھے لیکن اُھِلَّ کے لغوی معنیٰ اور امام رازیؒ

علامہ نیشا پوریؒ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور دیگر حضرات فقہاء کرامؒ کی بیان کردہ صورت کو بھی کس طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اب کے کلمہ گو مشرک شرک میں بھی مخلص نہیں منافق ہیں لیبل اسلام کا لگاتے ہیں اور اندر سے شرک کی پلید اور نجس شراب پیتے اور پلاتے ہیں ہم نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ حضرات مفسرین کرامؒ نے جو ذبح کی قید لگائی ہے وہ غیر مسموع ہے جیسا کہ مؤلف مذکور دجل سے کام لے رہے ہیں بلکہ ہم نے یہ کہا ہے کہ حرمت کی صورت صرف اسی میں منحصر نہیں اور نہ صرف اسی سے مقید ہے اور نہ اس کی گنجائش ہے ہمارے الفاظ یہ ہیں ۔
غرضیکہ وَمَآ اُهِلَّ کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت الخ ص۱۵۲ نیز ہم نے لکھا ہے کہ بعض مفسرین کرامؒ نے ذبح کے وقت غیر اللہ مثلاً اصنام وغیرہ کا ذکر کیا ہے تو یہ اس لیے نہیں کہ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ صرف اسی میں منحصر ہے بلکہ انہوں نے اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق صرف ایک شق کا ذکر کر دیا ہے جو بالکل بجا ہے الخ تنقید ص۱۵۷ ۔

قارئین کرام انصاف سے فرمائیں کہ ہماری ایسی صاف عبارت کے ہوتے ہوئے مؤلف مذکور کا ہمیں جماعت مفسرین کی تحقیق کا منکر اور کنارہ کش بتانا اور اس مقبول طبقہ کے مقابلہ میں لا کھڑا کرنا کتنا بڑا ظلم اور کیسی واضح بددیانتی ہے ؂

سچ بات کا انکار میں کیوں کر کروں اے بت　　بے شک مجھے آتی ہے کبھی یادِ خدا بھی

معصومانہ انداز

کسی بھی عقلمند کو اس میں شک وشبہ نہیں ہو سکتا اور نہ اس کی گنجائش ہے کہ تحلیل وتحریم (کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا) صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے اس کی دیگر صفات کی طرح اس میں بھی اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حلت وحرمت کو قطعیت کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور حضرات فقہاء کرامؒ اور ائمہ مجتہدینؒ جزئیات اور فروع کی شکل میں اس کی تشریح وتفسیر کرتے ہیں جس طرح کسی چیز کی حرمت کی دلیل مطلوب ہے اسی طرح حلت کی دلیل بھی درکار ہوتی ہے لیکن فریق مخالف کے مفتی اعظم اور مراد آبادی صاحب کے شاگرد رشید

نے شرک و بدعت کی حویلی میں داخل ہونے کے لیے اور من مانی کرنے کی خاطر چور دروازہ کھلا رکھا ہے چنانچہ مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں۔

یعنی اگر جانوروں کو حرام ماننے میں تم سچے ہو تو اس حرمت کی قطعی یقینی دلیل لاؤ معلوم ہوا کہ حلت کے مدعی سے دلیل نہ مانگی جائے گی (کیونکہ دلیل تو ہے کوئی نہیں اور یوں بچارے پیٹ پر زد پڑے گی۔ صفدر) بلکہ حرمت کے مدعی پر دلیل لانا لازم ہے۔ آجکل وہابی ہم سے ہر چیز کی حلت پہ دلیل مانگتے ہیں (جس سے ہم سراسر قاصر ہیں۔ صفدر) اور خود حرمت کی دلیل نہیں پیش کرتے (بلکہ دلائل اور براہین کا انبار لگا دیتے ہیں جس سے ہمارے اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ صفدر) یہ اصول قرآن کے صریح خلاف ہے دیکھو رب نے ان جانوروں کے حرام ماننے والوں سے دلیل مانگی۔ انتہیٰ بلفظہ (ص۲۳۲) اور نیز لکھتے ہیں کہ حلال ہونے کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں الخ (ص۲۲۳)

قارئین کرام! ملاحظہ کیجئے کہ اپنے حلوے مانڈے کے لیے کس طرح چور دروازہ وا رکھا ہے تاکہ تیجہ۔ ساتواں۔ دسواں۔ چہلم۔ عرس۔ میلاد۔ گیارہویں اور غیر اللہ کے لیے نامزد کیے ہوئے جانوروں کی حلت وغیرہ من مانی کاروائی کے سلسلہ میں ان سے کوئی دلیل طلب ہی نہ کرے اور ان کے پیٹ مبارک کا ہر طرف سے اور ہر رنگ میں خوب خوب انتظام ہوتا ہے اور ان کے استاد محترم مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ مسئلہ آیت اپنے عموم پر ہے ہر کھانے کی چیز اس میں داخل ہے جس کی حرمت پر نص وارد نہ ہوئی ہو (خازن) تو جو لوگ توشہ۔ گیارہویں۔ میلاد شریف۔ بزرگوں کی فاتحہ۔ عرس مجالس شہادت وغیرہ کی شرینی سبیل کی شربت کو ممنوع کہتے ہیں وہ اس آیت کے خلاف کر کے گنہگار ہوتے ہیں اور اس کو ممنوع کہنا اپنی رائے کو دین میں داخل کرنا ہے اور یہی بدعت وضلالت ہے۔ بلفظہ (خزائن العرفان ص۲۲۳)

بفضلہٖ تعالیٰ چونکہ ہم نے راہ سنت وغیرہ میں ان امور کے بدعت وضلالت ہونے پر باحوالہ مبسوط بحث کر دی ہے اس لیے ہم یہاں اس پر مزید بحث نہیں کرتے بس یہاں یہ

کہنا چاہتے ہیں کہ ان تمام امور کی نصوص سے ممانعت ثابت ہے اور حضرات فقہا کرام کا دین کے بارے میں نہایت ہی محتاط طبقہ ان امور کو بدعت و ضلالت کہتا ہے لہذا ان امور کی حلت کو ثابت کرنے والا نہ صرف یہ کہ گنہگار ہے بلکہ اپنے لیے شارع ہونے کا منصب بھی ثابت کرتا ہے اور ان امور بدعیہ کو حلال کہنے اور کرنے والا محرّف دین ہے اور اپنے لیے منصب قانون سازی ثابت کرتا ہے وہ راہزن ہے رہنما نہیں اس سے بڑھ کر اور گمراہی کیا ہو سکتی ہے؟ نعوذ باللہ تعالیٰ من ذٰلک۔ ؎

مجھے زنجیر پہنا دو مجھے سولی پہ لٹکا دو — مگر میں راہزن کو رہنما کہہ دوں یہ مشکل ہے

حلت و حرمت دونوں محتاج دلیل ہیں

نصوص شرعیہ سے یہ امر بالکل ثابت ہے کہ جس طرح حرمت بلا دلیل ثابت نہیں ہو سکتی اسی طرح حلت بھی بلا دلیل ثابت نہیں ہو سکتی اور اس پر ہم پہلے بھی بفضلہ تعالیٰ باحوالہ بحث کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ○

اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں۔ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو بے شک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔ (ترجمہ از خانصاحب)

(پ ۱۴ - النحل - ۱۵)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حلال اور حرام دونوں کا صراحۃً تذکرہ فرمایا ہے اور اس میں یہ سبق دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر محض اپنی زبانوں سے کسی چیز کو حلال اور حرام کہنا اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنا ہے اس سے بالکل عیاں ہو گیا کہ جس طرح حرمت دلیل کی محتاج ہے اسی طرح حلت بھی دلیل کی محتاج ہے لہذا یہ کہنا کہ حلت کے مدعی سے دلیل نہ مانگی جائے گی قطعاً باطل ہے اور یہ بدعات اور رسومات بد کے اجراء کیلئے چور دروازہ

ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مرادآبادی صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھ کر یکطرفہ کارروائی کی ہے کہ۔ آج کل بھی جو لوگ اپنی طرف سے حلال چیزوں کو حرام بتا دیتے ہیں جیسے میلاد شریف کی شرینی۔ فاتحہ۔ گیارہویں۔ عرس وغیرہ ایصال ثواب کی چیزیں جن کی حرمت شریعت میں وارد نہیں ہوئی (ان کے حرام بدعت اور مکروہ ہونے پر ٹھوس دلائل شرعاً وارد ہیں دیکھئے راہ سنت وغیرہ۔ صفدر) انہیں اس آیت کے حکم سے ڈرنا چاہیئے کہ ایسی چیزوں کی نسبت یہ کہہ دینا کہ یہ شرعاً حرام ہیں اللہ تعالےٰ پر افترا کرنا ہے (ص۲۱۸) ان امور کی حرمت وکراہت تو دلائل قاہرہ سے ثابت ہے دراصل آیت کریمہ میں بیان کردہ حکم سے اُن لوگوں کو ڈرنا چاہیئے جو اُن امور کو حلال کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے ہیں مگر عمل اس پر کرتے ہیں کہ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے اور توقع یہ رکھتے ہیں کہ لوگ انہیں بزرگ اور خادم دین سمجھیں جو دراصل ہادم دین ہیں ؎

قبا پوشی کے پردے میں جو عیاشی کے رسیا ہوں
میں ایسوں کو شیوخ و صوفیاء کہدوں یہ مشکل ہے

سرفراز صاحب کا چوتھا شبہ

یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر مصنف تنقید نے چوتھا اعتراض اس طرح کیا کہ رابعاً جانور ہو یا کوئی اور شئی جب کسی ولی اور بزرگ کے نام پر اس اعتقاد سے دی جائے کہ اس سے جلب منفعت یا دفع مضرت ہوگی تو وہ حرام ہے۔ انتہیٰ

یہ کلام بھی حسب سابق تحریف اور دروغگوئی کی اپنی آپ مثال ہے صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث میں کہیں یہ نہیں فرمایا کہ بزرگوں کے نام پر اس اعتقاد سے جانور دیا جائے کہ جلب منفعت اور دفع مضرت ہو البتہ ایصال ثواب کے لیے جانوروں کو نامزد کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیئے فرماتے ہیں یا وہ جانور جس سے اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانا منظور ہو اس کو غیر وقت ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے مگر ذبح ان کا فقط اللہ کے نام پر ہو۔ اس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے وہ حلال اور

طیب ہیں۔

فریق مخالف کے قطب عالم مولوی رشید احمد گنگوہی فتاوٰی رشیدیہ میں لکھتے ہیں کہ اگر یہ نیت ہو کہ اس کا ثواب لوجہ اللہ کسی کو پہنچے اس میں کوئی حرج نہیں تعظیم پر ذبح سے حرام ہوتا ہے (بحوالہ تنقید ص۱۳۳)

اور اسی حزب معاند کے حکیم الامت لکھتے ہیں۔

بعض لوگوں کو تفسیر احمدی کی عبارت سے یہ شبہ ہو گیا ہے اس کا جواب اس کے منشیہ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے تاویل ایصال ثواب کی بنا پر حلت کا حکم فرمایا ہے (بحوالہ تنقید ص۱۴۵) دیکھئے اہل تنقیص کے دو جغادری مولویوں کے کلام سے بالتصریح یہ امر ثابت ہو گیا کہ جانور کو ایصال ثواب کی خاطر اولیاء اللہ کے لیے نامزد کیا جائے تو یہ حلال اور طیب ہیں اور یہی بات حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے پھر یہ کیسا ظلم اور صریح بددیانتی ہے کہ آپ کے احبار و رہبان اگر ایک بات کہیں تو وہ حق ہے اور وہی بات اگر ہم پیش کریں تو باطل۔ باقی رہا اولیاء اللہ کے تقرب کے لیے نذر ماننا تو ہم اس بارے میں اپنا مسلک مراراً کثیرہ واضح کر چکے ہیں کہ تقرب علیٰ وجہ العبادۃ شرک ہے اور ہم ایصال ثواب کے قائل ہیں صدر الافاضل نے اپنی اس تفسیر میں بھی ایصال ثواب کا ذکر کیا ہے پس اس صورت میں اس طرح نذر ماننا کہ اے اللہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں نذر مانتا ہوں کہ میں فلاں جانور تیرے لیے ذبح کروں گا۔ اور پھر وہ اس نذر کا ثواب کسی شخص یا بزرگ کو پہنچائے تو اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی " انفاس العارفین ص۴۴" میں تحریر فرماتے ہیں (حضرت والد ماجد) قصبہ ڈاسنہ میں مخدوم اللہ دیا کی زیارت کو گئے رات کا وقت تھا۔ اس جگہ فرمایا کہ مخدوم ہماری دعوت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کچھ کھا کر جانا پھر حضرت بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ آدمیوں کا نشان منقطع ہو گیا۔ ساتھی اکتا گئے اس وقت ایک عورت اپنے سر پہ چاول اور شیرینی کا طبق لیے ہوئے آئی اور کہا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جس وقت میرا خاوند آئے گا۔ مخدوم اللہ دیا کے دربار میں بیٹھنے والوں کو پہنچاؤں گی

وہ اسی وقت آیا میں نے اپنی نذر پوری کی۔ اللہ اکبر کیسا عبرتناک منظر ہے کہ اہل سنت پر نذر و نیاز کی آڑ میں شکم پروری کا الزام رکھنے والوں کے مزعوم اکابر نذر و نیاز کے چاول اور شیرینی کے انتظار میں بیٹھے ہیں اب مولوی سرفراز صاحب سے پوچھئے کہ کیا یہ نذر جلب منفعت اور دفع مضرت کے اعتقاد پر مبنی نہ تھی ہم نے باقاعدہ ثبوت بہم پہنچا کر ثابت کر دیا ہے کہ آپ کے فتویٰ کی زد میں براہ راست آپ کے اکابر آ رہے ہیں ہمیں تو خیر سے آپ ہمیشہ کرتے رہتے ہیں اب اپنی خبر لیجئے یا عقیدہ بدلیے یا شجرہ نسب بدلیے ورنہ حرام خوروں کی معنوی اولاد بنیئے جو آسان معلوم ہو لگے ہاتھ کر ڈالیے ہم تو آپ کی بہتری میں خوش ہیں اور ہمیشہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بہتری فرمائے آمین انتہیٰ بلفظہٖ (توضیح البیان ص۲۲۴ تا ص۲۲۷)

الجواب:۔ ہم نے قارئین کرام کے سامنے مؤلف مذکور کی پوری عبارت نقل کی ہے تاکہ جواب کے سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئے ذیل کے امور پر غور سے دھیان رکھیں۔

(۱) ایصالِ ثواب کا مسئلہ اپنی شرائط کے ساتھ اپنے مقام پر حق اور صحیح ہے اس کا کوئی منکر نہیں اور نہ اس میں کوئی نزاع ہے اس کو وَمَا اُهِلَّ کی بحث میں بالتفصیل بیان کرنا خاص دخل ہے، حضرت مولانا گنگوہیؒ اور حضرت مولانا حکیم الامتؒ کے حوالے درست ہیں اور ہم ہی نے وہ تنقید متین میں نقل کیے ہیں اور ہمارے ہی شکار سے مؤلف مذکور نے استفادہ کیا ہے

(۲) اگر حضرات اولیاء اللہ کے نام پر جانوروں کا نامزد کرنا تقرب کے لیے نہیں بلکہ صرف ایصال ثواب ہی کے لیے ہے تو اپنے ماں باپ وغیرہ اقارب کے لیے نامزدگی کیوں نہیں کی جاتی جب کہ وہ ایصال ثواب کے حضرات اولیاء اللہؒ سے زیادہ محتاج ہیں؟ جاہل اور بدعقیدہ آدمی بخوبی جانتا ہے کہ ماں باپ کس قماش کے تھے؟ اس لیے ان کے تقرب و تعظیم سے تو مطلب حل نہیں ہوتا لہذا حضرات اولیاء کرامؒ کے نام پر وہ جانور وغیرہ نامزد کرتا ہے تاکہ اس طریق سے مطلب حل ہو جائے۔ فتاویٰ عزیزی اور روح المعانی کی مفصل عبارتیں پہلے گذر چکی ہیں اعادہ کی حاجت نہیں۔

(۳) خود مؤلف مذکور کے حوالہ سے یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ ایصالِ ثواب اور

نذر دو الگ الگ چیزیں ہیں ہاں بقول ان کے نذر کی بعض صورتیں ایصالِ ثواب کو مستلزم ہیں لیکن بعض صورتیں حضرات فقہاء کرام ؒ کے نزدیک ایسی بھی ہیں جن میں کوئی استلزام نہیں بلکہ نذر کی وہ صورتیں بالاجماع کفر ہیں کما مر

(۴) مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ ۔ پھر یہ کیسا ظلم اور صریح بددیانتی ہے کہ آپ کے احبار و رہبان اگر ایک بات کہیں تو وہ حق ہے اور وہی بات اگر ہم پیش کریں تو باطل باقی رہا اولیاء اللہ کے لیے نذر ماننا تو ہم اس بارے میں اپنا مسلک مرزا کثیرہ بیان کر چکے ہیں کہ تقرب علی وجہ العبادۃ شرک ہے اور ہم ایصال ثواب کے قائل ہیں الخ جہل مرکب کا پلندہ ہے کیونکہ ہمارے احبار و رہبان بشمولیت حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ایصال ثواب کو جائز کہتے ہیں اور تقرب و تعظیم لغیر اللہ کو جانور وغیرہ کی حرمت اور خباثت کی علت قرار دیتے ہیں اور آپ لوگ تقرب اولیاء اللہ کو ایصال ثواب قرار دیکر حلال و طیب قرار دیتے ہیں اور صرف تقرّب علیٰ وجہ العبادۃ کو شرک قرار دیتے ہیں اور پہلے باحوالہ عرض کیا جا چکا ہے کہ قدوم امیر کے لیے جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں وہ حضرات فقہاء کرامؒ کی تصریحات سے حرام ہیں کیونکہ اس صورت میں مقصود ضیافت نہیں ہوتی بلکہ تقرّب و تعظیم مطلوب ہے حالانکہ بادشاہوں کا تقرّب علیٰ وجہ العبادت کوئی بھی نہیں کرتا نہ ان اکثر ظالموں اور فاسقوں کو کوئی قابلِ عبادت سمجھتا ہے نہ ان کی عبادت کرتا ہے علت حرمت صرف تقرّب ہے۔

(۵) بعض افعال ہی اعتقاد پر دال ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ ان کے کرنے والا چلا چلا کر یہ کہے کہ میرا یہ عقیدہ ہے اگر محض ایصالِ ثواب ہی مقصود ہو تو بقول حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اتنی مقدار میں گوشت پر اکتفاء کر لی جائے اور بازار سے خرید کر مساکین میں بانٹ دیا جائے جانور کو اولیاء کرامؒ کے نام پر نامزد کرنے والے کے دل میں اکثر یہ فتور ہوتا ہے کہ اس نامزدگی سے اس کا تقرب حاصل ہو گا اور اس طریقہ سے مطلب براری ہو گی جیسا کہ قدوم امیر کے لیے جانور ذبح کرنے والا زبان سے تو یہ نہیں کہتا کہ میں اس کی تعظیم اور تقرب چاہتا ہوں مگر اسکی اس کارروائی کو حضرات فقہاء کرامؒ نے تعظیم و تقرب ہی قرار دیکر جانور کی حرمت کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ کما مر

(۶) اہل حق صاف الفاظ میں یہ کہتے ہیں کہ کسی جانور کی بنام خدا قربانی کر کے اس کا ثواب کسی ولی اور بزرگ کو پہنچایا جا سکتا ہے لیکن اس میں اپنی مطلب براری کا کوئی سوال نہیں ہوتا وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کی اُس شق میں اہل حق اختلاف کرتے ہیں جس میں غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب مقصود ہو وہ حرام ہے اور ایسے لوگ دنیا میں موجود تھے اور ہیں جو جانور کو غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب کے لیے ذبح کرتے تھے اور کرتے ہیں چنانچہ خود فریق مخالف کے صدر الافاضل وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

دسویں وہ جو کسی تھان پر عبادۃً ذبح کیا گیا ہو جیسے کہ اہل جاہلیت نے کعبہ شریف کے گرد تین سو ساٹھ پتھر نصب کیے تھے (یہ صرف پتھر ہی نہ تھے بلکہ ان میں بانیانِ کعبہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کے مجسمے بھی تھے۔ بخاری ص ۲/۶۱۴ اور بروایت مسند احمد حضرت مریم علیہا السلام کا مجسمہ بھی تھا۔ البدایہ والنہایہ ص ۴/۳۰۳) جن کی وہ عبادت کرتے تھے اور ان کے لیے ذبح کرتے تھے اور اس ذبح سے ان کی تعظیم و تقرب کی نیت کرتے تھے انتہیٰ بلفظہٖ (۱۵۶) اس سے بالکل عیاں ہو گیا کہ غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرنے والوں کی نیت میں ان کی تعظیم و تقرب کا پہلو بھی ہوتا ہے۔ اور یہ تعظیم اور تقرب پیغمبر، پیر بزرگ اور جن وغیرہ سب کے لیے ہوتا ہے جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے حوالہ سے پہلے بیان ہو چکا ہے فریق مخالف کی یہ بے حد کوتاہ فہمی یا نری ہٹ دھرمی ہے کہ وہ اس تقرب اور تعظیم کو پتھروں اور بتوں کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور حضرات اولیاء کرامؒ کے نام پر تقرب و تعظیم کے لیے نامزد کیے ہوئے جانوروں کو اس سے خارج کرتے ہیں اور یوں اپنے پیٹ کے لیے کھانے پینے کا چور دروازہ کھلا چھوڑتے ہیں کیونکہ کلمہ گو مسلمانوں کو بتوں سے تو کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ ہوتا ہے تو حضرات اولیاء کرامؒ سے ہوتا ہے مشرکین مکہ نے بھی قمری سال کے تین سو ساٹھ دنوں کے حساب سے تین سو ساٹھ مذہبی اور سیاسی بزرگوں کے بت اور مجسمے کعبۃ اللہ کی دیوار میں نصب کر رکھے تھے تاکہ ہر دن انہیں نیا چڑھاوا وصول ہو سکے اور سال کا کوئی دن بھی ناغہ نہ ہو یہی حال آج کے کلمہ گو

مسلمانوں کا ہے کہ کبھی کسی کا عُرس رچایا جاتا ہے اور کبھی کسی کا تاکہ وارے نیارے ہو جائیں اور بغیر کمانے کے پیٹ شریف کی خوب تواضع ہوتی ہے۔ ہم باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ کعبۃ اللہ میں جو تین سو ساٹھ ۳۶۰ بت تھے وہ محض صنم اور بت ہی نہ تھے بلکہ انسانوں میں عظیم ترین مذہبی اور سیاسی بزرگوں کے نام پر مجسّمے تھے جن میں خصوصیت سے حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل اور حضرت مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مجسّمے بھی تھے جیسا کہ اوپر باحوالہ بیان ہو چکا ہے مزید تحقیق گلدستۂ توحید میں دیکھیں۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ مشرکین عرب کا یہ نظریہ تھا کہ جن کے نام پر وہ نذریں دیتے تھے (نذر بھی عبادت ہے کما مرّ) اور جنہیں سجدے وغیرہ کر کے ان کی عبادت کرتے تھے۔ وہ خالق و مالک ہیں بلکہ یہ کہتے تھے کہ وہ ہمیں خدا تعالےٰ کے قریب کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کے ہاں ہماری سفارشیں کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا — ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر صرف اس لیے

اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى — کہ وہ ہمیں درجہ میں اللہ تعالےٰ کے قریب کرتے ہیں

اور اسی پہلو کو حضرات فقہاء کرامؒ تقرّب و تعظیم اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور ارشاد خداوندی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں۔

هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ — کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں

اور اسی مافوق الاسباب سفارش کو حضرات فقہاء اسلامؒ نے کفر کہا ہے جس کی مفصل باحوالہ بحث اپنی جگہ پر مذکور ہے۔ اور آج بھی حضرات اولیاء کرامؒ سے ایسی اندھی عقیدت رکھنے والے موجود ہیں الغرض تقرّب تعظیم اور ایصالِ ثواب کے لیے پتھروں اور بتوں کو ہی مختص نہیں کیا گیا جیسا کہ اہل شرک نے سمجھ رکھا ہے بلکہ اُن بزرگ ہستیوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے جن کے نام پر بت بنائے گئے۔ اور اسی میں عمر بسر کردی ہے سے ساری عمر تو کی معشوق بتاں میں مومن — آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے

دلچسپ گپ قارئین کرام کے سامنے ہم رسالہ ضیاء حرم کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ روایت ہے کہ شہر برہان پور میں ایک مالدار آتش پرست رہتا تھا وہ مذہب سے ہندو تھا مگر حضرت غوث الاعظمؒ کا معتقد تھا اپنے آپ کو آپ کا مرید

جاتا تھا اور آپؒ کی محبت میں ہر سال قسم قسم کے کھانے پکا کر علماء اور فقراء کو کھلاتا تھا جب فوت ہوا تو ہندوؤں نے اس کی چتا بنا کر لکڑیوں کو آگ لگا دی مگر آگ نے اس کے بال تک نہ جلائے ہندو یہ دیکھ کر طرح طرح کے مشورے کرنے لگے آخر یہ طے پایا کہ اسے پانی میں پھینک دیا جائے جب پانی میں پھینک دیا تو حضرت غوث الاعظمؒ نے ایک بزرگ کو خواب میں فرمایا کہ فلاں ہندو میرا روحانی فرزند ہے جس کا نام مردانِ خدا کے نزدیک سعد اللہ ہے اسے پانی سے نکال کر غسل دو نماز جنازہ پڑھ کر دفنا دو۔ انتہیٰ بلفظہٖ (ضیاء حرم رمضان، نومبر ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء صفحہ ۶۳ حاشیہ)

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ جب ایک ہندو حضرت غوث الاعظمؒ کی محبت میں قسم قسم کے کھانے پکا کر علماء وغیرہم کو کھلانے کی برکت سے سعد اللہ بن گیا اور حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا روحانی فرزند قرار پایا کہ نہ تو اس کو کسی مسلمان نے کلمہ پڑھتے اور نماز و روزہ وغیرہ ادا کرتے دیکھا اور نہ کسی ہندو نے تو مسلمان کہلانے والے اگر حضرت کی محبت میں آ کر گیارہویں شریف کے قسم قسم اور لذیذ کھانے علماء وغیرہم کو کھلائیں تو ان کے سعد اللہ بننے اور روحانی فرزند کہلانے اور نجات پانے و بخشش میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ پھر انہیں نماز و روزہ وغیرہ دین کے کاموں میں مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ محض حضرت غوث الاعظمؒ سے تقرب پیدا کر لیا بیڑا پار ہے بس صرف علماء وغیرہم کو قسم قسم کے کھانے کھلا دیں۔ ہمارے ہاں نہ تو خوابوں پہ دین کا مدار ہے اور نہ کوئی ہندو کسی ولی کا روحانی فرزند بن سکتا ہے فریق ثانی جانے اور اس کا کام۔ بقول اکبرؔ ؎

صبر و خودداری دلیری حق پرستی اب کہاں رکھ لیا اچھا سا اک نام اور مسلماں ہو گئے

(۷) مؤلف مذکور نے انفاس العارفین کا جو حوالہ نقل کیا ہے وہ ان کے دعویٰ سے بالکل غیر متعلق ہے کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے۔ کہ جانور کو ایصال ثواب کی خاطر اولیاء کرامؒ کے لیے نامزد کیا جائے الخ اور اس واقعہ میں نذر ماننے والی یہ نہیں کہتی کہ چاول اور شیرینی کا طبق میں نے مخدوم اللہ دیاؒ کے لیے نامزد کیا ہے کیونکہ ولی اور بزرگ تو مخدوم اللہ دیاؒ ہیں بلکہ وہ بقول مؤلف مذکور یہ کہتی ہے۔ کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جس وقت میرا خاوند آئے گا مخدوم

اللہ دیا کے دربار میں بیٹھنے والوں کو پہنچاؤں گی الخ تو یہ بیٹھنے والے نذر کا مصرف ہیں نہ یہ کہ ان سے جلب منفعت اور دفع مضرت کا پہلو وابستہ ہے اور فتاوٰی عزیزی کے حوالے سے پہلے اس کے جواز کی باحوالہ مفصل بحث گزر چکی ہے۔ ہماری قلبی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فریق مخالف کے ہر فرد کو بشمولیت مؤلف مذکور دعوے اور دلیل کی مطابقت کے سمجھنے کی توفیق بخشے تاکہ وہ فضول ہیرا پھیری سے محفوظ رہیں۔

(۸) مؤلف مذکور نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ وغیرہ حضرات کو ہمارے مزعوم اکابر کے نام سے تعبیر کیا ہے یہ ان کی کوتاہی ہے وہ حضرات بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے بالیقین اکابر ہیں اور ہندوستان کی سرزمین میں ان کے بعد آجکل ایسے اکابر پیدا ہی نہیں ہوئے۔

؎ اولئك اٰبائی فجئنی بمثلہم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

مؤلف مذکور یہ کہتے ہیں کہ۔ آپ کے فتوٰی کی زد میں براہ راست آپ کے اکابر آ رہے ہیں الخ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ وغیرہ ہمارے اکابر ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ہمیں اس پر بڑا فخر ہے کہ وہ ہمارے اکابر ہیں اور اس سے یہ بھی عیاں ہو گیا کہ وہ حضرات فریق مخالف کے اکابر نہیں ہیں اور بات بھی درحقیقت یہی ہے ہاں جب ان کی کسی مجمل یا مبہم عبارت سے فریق مخالف کی کسی بدعت کی تائید ہوتی ہو یا اس سے ان کے پیٹ مبارک کو کوئی رسد بہم پہنچتا ہو تو پھر بادلِ نخواستہ وہ ان کے اکابر بن سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کے بغیر ان کی گاڑی نہیں چلتی اور چلتی ہی کا نام گاڑی ہے اور یہ مقصد نہ ہو تو پھر انکے نزدیک معاذ اللہ تعالیٰ وہ حرام خوروں کا ٹولہ ہے اور ہم ان کی معنوی اولاد ہیں جیسا کہ مؤلف مذکور کے بیان سے واضح ہے۔ قارئین کرام اس کو غور سے پڑھیں عیاں راچہ بیاں۔

(۹) بلاشک نذر ناذر کے خیال میں جلبِ منفعت اور دفع مضرت کا سبب ہوتی ہے۔ اور حقیقتہً جیسا کہ حدیث میں آتا ہے لا یاتی ابن آدم النذر بشئ الحدیث (بخاری ج ۲ ص ۹۹۰) کہ ابن آدم کے لیے نذر کچھ نہیں کر سکتی ہے ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہو۔ لیکن اس طریق سے بخیل سے غریبوں کے لیے مال نکل آتا ہے اور مسلمان جب بھی نذر مانتا ہے تو خدا تعالےٰ

ہی کیلیے مانتا ہے یہاں اس واقعہ میں اُس بی بی نے بھی ایسا ہی کیا ہے ہاں اُس نے اپنے خیال میں اس نذر کے مصارف یوں متعین کیے ہیں کہ حضرت مخدوم اللہ دیاؒ کے دربار میں بیٹھنے والے کامضر ہیں اور اس طرح اُس نے اپنی نذر پوری کی بیٹھنے والوں سے نہ تو اُس نے جلب منفعت کی امید وابستہ رکھی اور نہ دفع مضرت کی آرزو مؤلف مذکور اللہ اکبر کا نعرہ مار کر بلا وجہ خوش ہو رہے ہیں اُن کا کوئی مقصد بھی کسی حوالہ سے پورا نہیں ہوا اُن کے لیے تو یہ جائز ورد کرنا زیادہ مناسب ہے کہ ؎

اے میرے باغ آرزو کیا ہے باغ ہائے تو
کلیاں تو گر ہیں چار سو کوئی کلی کھلی نہیں

سرفراز صاحب کا پانچواں شبہ

یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ۔ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر مولوی سرفراز صاحب کی پانچویں تحریف ملاحظہ فرمائیں۔ خامشا مولوی نعیم الدین صاحب نے جو لکھا ہے کہ کیونکہ مَآ اُهِلَّ بِهٖ کو اگر وقت ذبح کے ساتھ مقید نہ کریں تو مَا ذَكَّيْتُمْ کا استثناء اس کو لاحق ہوگا اور وہ جانور جو غیر وقت ذبح میں غیر خدا کے نام سے موسوم رہا ہو وہ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ سے حلال ہوگا یہ محض جہالت کا نتیجہ ہے اس لیے کہ یہ استثناء سب مذکورہ اشیاء کے ساتھ ملحق نہیں بلکہ صرف قریب کی چیزوں سے ملحق ہے مثلاً وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ وغیرہ اگر سب کے ساتھ ملحق ہو تو ان میں میتہ اور خنزیر کا تذکرہ بھی ہے اور اس اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ مردار جانور جو خود بخود بدون ذبح کے مر چکا ہو وہ حرام ہے مگر ہاں جس مُردار کو تم ذبح کر لو وہ حلال ہے اور خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے ہاں مگر جس کو تم ذبح کر لو تو وہ حلال ہو جائیگا۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) جب جانور مردار ہو چکا ہو تو پھر ذبح کرنے سے کیونکر حلال ہو سکتا ہے؟ اور خنزیر کس طرح ذبح سے حلال ہو سکتا ہے؟

انتہی کلامہ تنقید متین ص۱۴۵ (و طبع دوم ص۱۲۵) مولوی سرفراز صاحب نے یہ جاہلانہ اعتراض کر کے صدر الافاضل کی طرف جو گند اچھالا ہے اس نے ان کی عاقبت کو اس طرح پلید اور نجس بنا دیا ہے کہ وہ ذلت کی نگاہوں میں بھی رسوا ہو گئے۔

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے تو بالخصوص مردار اور خنزیر کو استثنار لاحق کیا اور نہ بالعموم یہ فرمایا کہ تمام مذکورہ اشیار کو استثنار لاحق ہوگا حتیٰ کہ میتہ اور خنزیر کو بھی لحوقِ استثنار لازم آئے۔ پس مولوی سرفراز صاحب نے جہالت عناد اور دروغگوئی کے پیشِ نظر جو صدر الافاضل کے کلام پر یہ رد کیا ہے کہ یہ استثنار سب مذکورہ اشیار سے ملحق نہیں یہ اُس وقت وارد ہوتا جب صدر الافاضل نے سب اشیار کے ساتھ لحوق استثنار کا دعویٰ کیا ہوتا اور اگر بعض (یعنی وَمَا اُھِلَّ بِہٖ) اُمور کے ساتھ استثنار کا لحوق کل کے ساتھ لحوق کو مستلزم ہے تو پھر یہ استلزام مشترک ہے کیونکہ بعض اُمور (وَمَا اَکَلَ السَّبُعُ) کے ساتھ لحوق استثنار تو آپ بھی مانتے ہیں ممکن ہے مولوی سرفراز صاحب کو ان بعض مفسرین کی عبارت سمجھنے میں غلطی ہو جو منخنقہ سے لیکر وَمَا اَکَلَ السَّبُعُ تک پانچ چیزوں کو استثنار لاحق کرتے ہیں اور جنہوں نے تصریح کی ہے کہ دم، میتہ، خنزیر اور وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ کو استثنار لاحق نہیں تو عرض یہ ہے کہ وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ کو جن مفسرین نے استثنار لاحق نہیں کیا وہ مَا اُھِلَّ کو مَا ذُبِحَ پر محمول کرتے ہیں پس اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ لاحق کرنے کا مفاد جب مَا اُھِلَّ سے حاصل ہوگیا تو اب اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ کا لاحق کرنا محض تحصیل حاصل ہے اور یہ بات اس مفہوم میں صریح ہے کہ اگر مَا اُھِلَّ کو ذبح پر محمول نہ کیا جائے تو اب اس کو اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ کا لحوق صحیح ہوگا کیونکہ علمار کی عبارات میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے۔

اب ہم آپ کے سامنے عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے استادِ گرامی مُلّا جیون رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیراتِ احمدیہ سے وہ کلام پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے وَمَا اُھِلَّ بِہٖ کو اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ کے لاحق نہ ہونے کی علت اُھِلَّ کا معنیٰ ذبح ہونا قرار دیا ہے ملاحظہ ہو (ہم نے مؤلف مذکور کے ترجمہ پر ہی اکتفار کی ہے۔ صفدر) اور ما تقدم سے استثنار کرنا جائز نہیں یعنی مردار خون لحم خنزیر اور مَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ سے جس طرح اس پر علامہ زاہدیؒ نے نص قائم کی ہے کیونکہ یہ اشیار لذاتہا حرام ہیں جنہیں کسی حال میں حلت لاحق نہیں

ہوئی اور قرآن میں ان کا ذکر متعدد بار بغیر استثنار کے کیا گیا ہے اور یہ اس پر کافی دلیل ہے نیز ان امور میں ذبح کا معنیٰ غیر متصور ہے کیونکہ مُردار تو بلا ذبح مرگیا اور خون کا مذبوح نہ ہونا بالکل ظاہر ہے اور خنزیر مطلقاً حرام ہے پس اسے مذبوح ہونے کے لیے الّا مَا ذَکَّیْتُمْ کے استثنار کی حاجت نہیں اور مَا اُھِلَّ کا معنیٰ مَا ذُبِحَ ہے پس اسے اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ لاحق کر کے دوبارہ ذبح کرنا کس طرح متصور ہو سکتا ہے؟

منصف مزاج آدمی کے لیے ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام میں ہدایت کا وافر مواد موجود ہے البتہ خواہ مخواہ کی ضد اور عناد کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ اور اگر مولوی سرفراز صاحب کو اب بھی کچھ شبہ رہ گیا ہو تو لیجئے اب تفسیر روح المعانی سے علامہ آلوسیؒ کی صریح نص پیش کرتے ہیں کہ یہاں استثنار وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ کی طرف راجع ہے چنانچہ علامہ آلوسیؒ آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آیت میں استثنار تمام محرمات کی طرف راجع ہے سوا ان چیزوں کے جو ذکاۃ کو قبول نہیں کرتیں اور وہ یہ ہیں مُردار۔ لحم خنزیر۔ خون اور جس کو درندے نے کھا پی لیا ہو اور اس کے کھانے کے بعد جانور زندہ نہ بچا ہو اس آیت کریمہ میں نو چیزوں کو محرمات میں شامل کیا گیا ہے۔ حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ ان میں چار کی طرف استثنار راجع نہیں ہے (۱) مردار (۲) خون (۳) لحم خنزیر اور (۴) درندے کا کھایا ہوا اور جن پانچ چیزوں کی طرف حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ نے استثنار راجع کیا ہے وہ یہ ہیں (۱) مَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ (۲) منخنقۃ (۳) موقوذۃ (۴) متردیۃ (۵) نطیحۃ۔ اس حوالے سے ناظرین پر واضح ہو گیا ہو گا کہ صدر الافاضل کی طرح صاحب روح المعانی، حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے بھی وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ کا استثنار لاحق کیا ہے اور اس لحوق پر سرفراز صاحب اس طرح برہم ہوئے ہیں۔ یہ ہے فریق مخالف کے مفسر کی قرآن دانی حقیقت یہ ہے کہ جب انسان خوفِ خدا سے بے نیاز

ہو جائے اور بدعات کا شیدائی بن جائے اور من مانی کاروائیوں میں اُتر آئے تو دینی معاملات میں قدم قدم پر ٹھوکر کھائے گا اور دُنیا و آخرت میں عند اللہ اور عند الناس رسوا ہو گا (تنقید متین ص۱۴۹)
اب آپ ہی سوچئے کہ ٹھوکروں پر ٹھوکریں کون کھا رہا ہے؟ اور دُنیا و آخرت کی رسوائی کس کا حصہ اور مقدر ہے بحمد اللہ ہم نے صدر الافاضل کے کلام سے وہ غبار دور کر دیا ہے۔ جو سرفراز صاحب کی مجرمانہ جسارت اور سعی کاذب کا حاصل تھا حلقہء لعنت میں گرفتار گکھڑوی کے دامن میں سوائے کذب و افتراء کے اور ہے بھی کیا؟

جس سے وہ اہل حق کے سامنے آسکیں انتہی بلفظہ (توضیح البیان ص۲۲۷ تا ص۲۳۱)

الجواب: ہم نے مؤلف مذکور اور ان کے دیگر حواریوں کی طرح یہ طریق اختیار نہیں کیا کہ جواب کے لیے صرف بعض ہی عبارتوں کو لے لیا جائے اور باقی تمام باحوالہ ٹھوس عبارتوں سے لاجواب عاجز اور قاصر ہو کر انہیں شیر مادر یا گیارھویں شریف کا لذیذ حلوہ سمجھ کر ہضم کر لیا جائے تنقید متین کے اول سے لے کر آخر تک اکثر ٹھوس حوالے مؤلف مذکور کو جواب کے لیے للکارتے ہیں اور انشاء اللہ العزیز تا قیامت للکارتے رہیں گے جن کو نہ تو انہوں نے عوام کے سامنے پیش کرنے کی جرأت ہی کی ہے اور نہ ان کا جواب دے سکے ہیں صرف سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے تنقید متین کی بعض باتوں کو لے کر جان چھڑانے کی ناکام کوشش کی ہے لیکن قارئین کرام اتمام البرہان کے چار حصوں سے بخوبی یہ اندازہ لگا چکے ہوں گے کہ مؤلف مذکور بڑی طرح اپنی مذموم کاروائی میں ناکام رہے ہیں اور اب تو انہوں نے جواب سے سراسر عاجز آکر اور یقیناً قاصر ہو کر راہ فرار اختیار کر لی ہے اور اتمام البرہان کا جواب دینے کے بجائے رُخ ہی بدل لیا ہے اور مقام ولایت و نبوت کے نام سے کتاب لکھ کر عوام الناس کو دھوکہ دہی کی سعی کی ہے انشاء اللہ العزیز بشرط زیست وصحت اتمام البرہان کے بقیہ حصوں کی تکمیل اور مقام ولایت و نبوت کے جواب میں قارئین کرام مؤلف مذکور کی جہالت اور عاجزی کا بخوبی اندازہ لگا لیں گے کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ وہ طبعی طور پر اس کو پسند کریں گے کہ ان کے خلاف کچھ بھی نہ کہا جائے تاکہ ان کے علمی بھرم کی حقیقت آشکارا

نہ ہو لیکن ؎

یہ دستور زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں — یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

مؤلف مذکور نے اپنی طویل اور لایعنی عبارت میں بہت سی علمی ٹھوکریں کھائی ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں نو چیزوں کو محرمات میں شامل کیا گیا الخ (توضیح البیان ص۲۳۰) اور ان کے صدر الافاضل لکھتے ہیں کہ گیارہ چیزوں کی حرمت کا ذکر کیا گیا الخ (ص۱۵۵) اور یہی بیان مفتی احمد یار خان صاحب کا ہے وہ لکھتے ہیں کہ یہاں گیارہ چیزوں کی حرمت کا ذکر فرمایا الخ (نور العرفان ص۱۶۹) قارئین کرام خود اندازہ کر لیں کہ جو شخص اپنے بزرگوں کی اردو تفسیروں سے ناواقف ہو اور باوجود ناواقفیت کے ان کی طرف سے تعصب میں مبتلا ہو کر دفاع کرتا ہو وہ عربی تفسیریں سمجھنے کے اہل کب ہو سکتا ہے؟ اور ان کے سمجھنے کی استعداد اُس میں کیسے آسکتی ہے؟

(۲) مؤلف مذکور پہلے تو لکھتے ہیں کہ صدر الافاضل نے اِلَّا مَا ذَکَّیۡتُمۡ کی استثنار کا سب اشیار مذکورہ کے ساتھ لحوق کا دعوے نہیں کیا۔ جس میں وَمَا اُھِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰہِ بِہٖ بھی شامل ہو (محصلہ ص۲۲۸) اور آگے لکھتے ہیں صدر الافاضل کی طرح صاحب روح المعانی حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے بھی وَمَا اُھِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰہِ بِہٖ اِلَّا مَا ذَکَّیۡتُمۡ کا استثنار لاحق کیا ہے (ص۲۳۰ و ص۲۳۱)

لو حضرات کا معاملہ تو آسان ہے کیونکہ ان کے کلام میں تعارض نہیں لیکن بقول مؤلف مذکور کے ان کے صدر الافاضل کے نظریہ میں کھلا تعارض ہے جیسا کہ کسی بھی ذی شعور سے مخفی نہیں کہ استثنار کے لحوق کی نفی بھی ہے اور اثبات بھی۔

(۳) وَمَا اُھِلَّ کو اگر وَمَا ذُبِحَ پر اس لیے حمل کیا جائے کہ مخلص مشرک ذبح کے وقت کھل کر اپنے معبودوں کا نام ذبح کے وقت لیتے تھے اور اسی کا اُن میں رواج تھا تو بجا ہے کیونکہ وَمَا اُھِلَّ کی ایک شق یہ بھی ہے اور بعض حضرات مفسرین کرامؒ کے

دور میں اسی کا رواج تھا۔ کیونکہ اُس وقت کے مشرک شرک میں مخلص تھے اور انہوں نے بنابر شہرت کے اسی کا ذکر کیا ہے اور اگر یہ مُراد ہو کہ مَا اُھِلَّ کا معنیٰ مَا ذُبِحَ ہے تو بقول حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ (کما مرّ) یہ قرآن کریم کی تحریف کے قریب ہے۔ معاذ اللہ تعالےٰ۔

مؤلف مذکور کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ اُن حضرات مفسرین کرامؒ (مثلاً امام رازیؒ علامہ نیشاپوریؒ شاہ ولی اللہ صاحبؒ۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور مصنف اکلیلؒ وغیرہ) کا تذکرہ بھی صراحت سے کرتے جن کے بعض حوالے تنقید متین میں موجود ہیں جو مَا اُھِلَّ کو مَا ذُبِحَ پر محمول نہیں کرتے بلکہ شہرت دینے اور نامزد کرنے پر محمول کرتے ہیں اور ان کے نزدیک اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ کے ساتھ لاحق کرنے سے تحصیل حاصل لازم نہیں آتی۔ مؤلف مذکور نے یک طرفہ کارروائی کیوں کی ہے اور اس کو نظر انداز کیوں کیا ہے؟

(۴) مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ۔ کیونکہ علماء کی عبارات میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے (صـ۲۲۶) یہ قول ان کا مجمل اور مبہم ہے مفہوم مخالف کے حجت ہونے اور نہ ہونے میں اصول فقہ وغیرہا کی کتابوں میں خاصی بحث ہے۔ علامہ فرہاروی تو فرماتے ہیں کہ وانکر الحنفیة والمعتزلة (نبراس صـ۲۷۵) کہ حضرات احنافؒ اور معتزلہ مفہوم مخالف کی حجیّت کے منکر ہیں مگر محشی کہتے ہیں کہ سارے احنافؒ منکر نہیں بلکہ بعض منکر ہیں کچھ بھی ہو یہ مسئلہ اختلافی ہے جو بظاہر مؤلف مذکور کو معلوم نہیں۔

(۵) حضرت عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ محترم حضرت ملا جیون رحمہ اللہ تعالےٰ نے جس طرح تفسیرات احمدیہ میں مَا اُھِلَّ کا معنیٰ مَا ذُبِحَ نقل کیا ہے اور اس سے مردار، دم، لحم خنزیر اور وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ کو خارج کیا ہے جو بجا ہے کیونکہ باحوالہ یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ مخلص مشرک ذبح کے وقت اپنے معبودوں کا نام لیتے تھے لیکن ہوشیار چالاک پیٹ پرور اور منافق مشرک جانور کو نامزد تو ولی کے نام پر کرتے ہیں جس میں کتے اور خنزیر سے بڑھکر خباثت پیدا ہو جاتی ہے لیکن ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں اسی طرح حضرت ملا جیونؒ نے مَا اُھِلَّ کے معنیٰ نامزد کرنے

کے بھی کیے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ معناه ذُبِحَ بِهٖ لاسم غير اللّٰه مثل لات وعزّٰى او اسماء الانبياء وغير ذالك (تفسیرات احمدیہ ص۲۹)	وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا معنی یہ ہے کہ اس کو غیر اللہ کے نام کی خاطر ذبح کیا جائے۔ مثلاً لات اور عُزّٰی یا حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ناموں کی خاطر۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

او الفسق الذی ذبح به لاسم غير اللّٰه مثل اللات والعزّٰى وغير ذلك الخ (ص۲۶۵)	یا نافرمانی کرتے ہوئے اس جانور کو مثلاً لات اور عُزّٰی وغیرہ کے ناموں کی خاطر ذبح کیا جائے

دونوں جگہ موصوف لاسم غیر اللہ کا جملہ بولتے ہیں باسم غیر اللہ کا لفظ نہیں بولتے اور پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے لِغَيْرِ اللّٰهِ اور بِغَيْرِ اللّٰهِ کا فرق نقل کیا جا چکا ہے۔ حضرت ملاجیونؒ کی پہلی عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ غیر اللہ میں صرف پتھر اور بت ہی نہیں جیسا کہ اہل بدعت اس پر مصر ہیں اور اسی کی رٹ لگاتے رہتے ہیں بلکہ غیر اللہ میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی شامل اور داخل ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ہم گلدستہ توحید وغیرہ میں باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ لات آدمی کا لقب تھا اور عُزّٰی ایک پری تھی۔ الغرض حضرت ملاجیونؒ کی نقل کردہ عبارت مؤلف مذکور کو مفید نہیں اور ہمیں کسی طرح بھی مضر نہیں کیونکہ جس طرح اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کی استثناء کے وَمَا اُهِلَّ بِهٖ کو لاحق نہ ہونے کی علت اُهِلَّ بمعنی ما ذبح ہے اسی طرح اس کا حرام لذاتہ ہونا بھی علت ہے اور ان کی عبارت میں یہ الفاظ موجود ہیں لان هذه الاشياء حرام لذاتها لم يلحقها الكل في حال من الاحوال اور ایک چیز کی متعدد اور مختلف علتیں بھی ہو سکتی ہیں جیسے حرارت کے لیے آگ اور سورج مؤلف مذکور کی علمیت پر نہایت ہی تعجب ہے کہ وہ حضرت ملاجیونؒ کی عبارت نقل کر کے اور اس کا یوں ترجمہ کر کے۔ کیونکہ یہ اشیاء لذاتہا حرام ہیں جنہیں کسی حال

میں علّت لاحق نہیں ہوتی الخ حرف لِاَنَّ هٰذه الاشیاء الخ سے ایک واضح علّت کو نظر انداز کر گئے ہیں اور طعن یوں دیتے کہ ۔ ممکن ہے مولوی سرفراز صاحب کو ان بعض مفسرین کی عبارت سمجھنے میں غلطی ہو الخ راقم اثیم نہ تو معصوم ہے اور نہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور نہ انسانوں میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ اصولاً کسی اور کو معصوم سمجھتا ہے لیکن بحمد اللہ تعالیٰ حضرات مفسرین کرامؒ کی تفسیریں اور دیگر دینی علوم کے سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ۔

(۶) مؤلف مذکور نے علامہ آلوسیؒ کا جو حوالہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل کیا ہے تو اس کے متعلق گذارش ہے کہ اس کے آخر میں خود انہوں نے علی تقدیر ابقائه علی ظاهره (اصل عبارت علی الظاہر ہے روح المعانی ص۵۸/۱۶) کا جملہ بھی نقل کیا ہے لیکن اس کا ترجمہ نہیں کیا اور اس کو بالکل پی گئے ہیں اہل علم ہی جانتے ہیں کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا ہے؟ خیر وہ جانیں اور ان کا کام ۔ علامہ آلوسیؒ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں ۔

ای ما وقع متلبساً به ای بذبحه الصوت لغیر اللّٰه تعالیٰ واصل الاهلال عند کثیر من اهل اللغة رؤیة الهلال لکن لما جرت العادة ان یرفع الصوت بالتکبیر اذا رؤی الهلال سمّی بذلك اهلالاً (روح المعانی ص۴۲/۲)	یعنی وہ جانور کہ اس کے ذبح سے غیر اللہ تعالیٰ کی آواز اور شہرت وابستہ ہو (یعنی غیر اللہ کے لیے نامزد ہو) اور اکثر اہل لغت کے نزدیک اہلال کے معنیٰ چاند دیکھنا ہے لیکن یہ عادت جاری ہے کہ جب چاند دیکھا جاتا ہے تو تکبیر کے ساتھ آواز بلند کی جاتی ہے تو اس وجہ سے اس کو اہلال کہا جاتا ہے ۔

اس عبارت میں اہلال کے لغوی معنیٰ کو ملحوظ رکھ کر کہ شہرت اور نامزدگی کے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جانور کی ذبح کا مقصد الصوت لغیر اللہ تعالیٰ ہو یعنی ذبح غیر اللہ کی خاطر ہو لغیر اللہ تعالیٰ کا جملہ بولتے ہیں بغیر اللہ تعالیٰ کا نہیں بولتے اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ

وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ اى رفع الصوت لغير الله تعالى عند ذبحه والمراد بالاهلال هنا ذكر ما يذبح له كاللات والعُزّٰى

(ص ۵۷ ج ۶)

اور وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ کا مطلب یہ ہے کہ ذبح کے وقت غیر اللہ کی آواز بلند کی جائے (یعنی یہ شہرت دی جائے کہ یہ فلاں کی خاطر ذبح کیا جا رہا ہے) اور اس جگہ اہلال سے مُراد اس کا ذکر کرنا ہے جس کیلیے جانور ذبح کیا جائے مثلاً لات اور عزیٰ

اس عبارت میں بھی وہ لات اور عزّٰی وغیرہا کی خاطر نامزد کر کے اور شہرت دیکر ذبح کر نامراد لیتے ہیں اور لغیر اللہ اور یا ذبح لہ کے جملے بولتے ہیں ان تمام حوالوں سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ علامہ آلوسیؒ کے نزدیک غیر اللہ کے لیے نامزد کیا ہوا اور شہرت دیا ہوا جانور وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ کا مصداق ہے اور یہ محرّمات میں داخل اور شامل ہے اور اس کی حرمت قطعی ہے پھر شرعاً یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ حرام قطعی بلا کسی شرط کے محض بنام خدا ذبح کرنے سے ہی حلال ہو جائے تو پھر خنزیر کا کیا قصور ہے کہ وہ حلال نہ ہو؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ غیر اللہ تعالےٰ کے لیے نامزد کیا ہوا اور شہرت دیا ہوا جانور حرام ہے ہاں اگر تم ذبح کر لو تو حلال ہے کون سلیم العقل اس معنیٰ کا تصور کر سکتا ہے یا یہ اللہ تعالیٰ کے فصیح و بلیغ کلام کا مفہوم ہو سکتا ہے؟ جو حرام ہے وہ بہر کیف اور بہر حال حرام ہے وہ حلال نہیں ہو سکتا اس کے حلال ہونے کی صرف وہی صورت ہے جو پہلے حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے حوالے سے عرض کی جاچکی ہے کہ غیر اللہ کے لیے جانور کو نامزد کرنے اور شہرت دینے والا واضح الفاظ میں اپنے سابق اور باطل نظریہ سے تائب ہو جائے اور پھر اس کو بنام خدا تعالیٰ ذبح کرے تو حلال ہو جائے گا۔

مؤلف مذکور نے لفظ تذکیہ پر غور نہیں کیا

حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مؤلف مذکور نے بحوالہ علامہ آلوسیؒ جو یہ نقل کیا ہے کہ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کی استثناء مثلاً وَمَا اُهِلَّ کو بھی لاحق ہے تو اس سے ان کی کیا مراد ہے؟ اگر یہ مُراد ہو کہ معاذ اللہ تعالیٰ غیر اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تقرّب کے لیے نامزد کیا ہوا اور شہرت دیا ہوا جانور حرام ہے ہاں اگر ذبح کر لیا جائے تو حلال ہے، تو ان پر خالص افتراء

اور بہتان ہے اور اللہ تعالیٰ کے فصیح وبلیغ کلام پر ایک قسم کا ظلم ہے اور تحریفِ کلام الٰہی ہے۔ جیساکہ خنزیر (جو اسی عبارت میں بدستور مُحَرَّمَات میں شامل ہے) ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوتا اگرچہ اس پر بسم اللہ بھی پڑھی جائے کیونکہ وہ حرام لذاتہٖ ہے اسی طرح غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب کے لیے مشہور اور نامزد کیا ہوا جانور بھی محض ذبح سے حلال نہیں ہوتا اور اگر ان کی مراد یہ ہو کر شرعی طور پر اس کا تذکیہ اور ذبح ہو تو علی الرأس والعین یہی ان حضرات کی مُراد ہو سکتی ہے اور وہ یونہی ہو سکتا ہے کہ بقول حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ایسا کرنے والا اپنے باطل نظریہ سے تائب ہو کر اُسے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اسی کے نام پر ذبح کرے چونکہ اس جانور کی حرمت خنزیر اور کُتّے کی طرح لذاتہا تو ہے نہیں کیونکہ فی ذاتہٖ وہ جانور شرعاً حلال ہے اس کی حرمت لغیرہا ہے کہ وہ غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہے جب وہ باطل نظریہ رفع ہو جائے تو حلّت لوٹ آئے گی اور شرعی تذکیہ کے قاعدہ کے مطابق اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کی استثنا اُسے لاحق ہو سکتی ہے اور یہ بات محل نزاع سے خارج ہے نزاع صرف اس نکتہ میں ہے کہ وہ جانور غیر اللہ کے لیے نامزد بھی ہو اور پھر اس کو استثنا بھی لاحق ہو اور وہ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کی استثناء کے تحت حلال بھی ہو جائے جیساکہ بظاہر مؤلف مذکور کا باطل مدعیٰ ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف مذکور کو شرعی باریکیاں سمجھنے کی توفیق بخشے۔

دین کی کمی اور عقل کی خامی

فریق مخالف کے صدر الافاضل اور مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ بزرگ اپنی تفسیروں میں وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کی تفسیر میں واشگاف الفاظ میں یہ لکھتے ہیں کہ حضرات اولیاء کرامؒ کے ایصال ثواب کے لیے نامزد کیا ہوا بکرا وغیرہ اور اسی طرح ولیمے اور عقیقے کا بکرا وغیرہ حلال اور طیّب ہیں۔ ایصال ثواب اور ولیمہ اور عقیقہ کے بکرے وغیرہ کے حلال ہونے میں تو کسی کا بھی کوئی اختلاف اور نزاع نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کو صریح الفاظ کے ساتھ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الآية رپ۔ بقرہ۔ ۲۱) (رپ۔ النحل۔ ۱۵) اور حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الآية رپ المائدہ۔ ۱) کے تحت ذکر کر کے مُحَرَّمَات میں داخل کیا ہے

پھر مَا اُهِلَّ کی تفسیر میں ایصالِ ثواب، ولیمہ اور عقیقہ وغیرہ کے بکروں کا ذکر چہ معنیٰ دارد؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ حرام کی تفسیر حلال وطیب سے ہوئی! معاذ اللہ تعالیٰ دینی بصیرت سے محرومی اور عقل کی خامی کا یہی نتیجہ ہو سکتا ہے جو بالکل عیاں ہے مؤلف مذکور سے گذارش ہے کہ ؎

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار　　یہ حقائق ہیں تماشائے لبِ بام نہیں

(۷) راقم اثیم نے فریق مخالف کے مفسر پر جو تنقید کی ہے اور ان کی قرآن دانی پر جو گرفت کی ہے وہ بحمد اللہ تعالیٰ بدستور باقی ہے وہ یوں کہ جو شخص[1] لغیر اللہ اور بغیر اللہ اور لاسم غیر اللہ اور باسم غیر اللہ کے فرق کو نہیں جانتا اور جو شخص[2] مَا اُهِلَّ کے لغوی معنیٰ سے ہی ناواقف ہے اور جو شخص[3] مَا اُهِلَّ کا مصداق صرف پتھر اور بت قرار دیتا ہے اور حضرات انبیاء کرام اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور جنوں اور جاندار مخلوق کو اس سے خارج کرتا ہے اور جو شخص[4] مَا اُهِلَّ کی تفسیر میں شہرت اور نامزد کرنے کی مشہور تفسیر سے جو تفسیروں (مثلاً تفسیر کبیر، تفسیر نیشاپوری، تفسیر اکلیل اور تفسیر عزیزی وغیرہ) میں منقول ہے ناواقف ہے یا تجاہل عارفانہ سے کام لے رہا ہے اور جو شخص[5] تقرب اور تعظیم لغیر اللہ کے واقعی پہلو کو جینگا مشتی ایصال ثواب قرار دیتا ہے۔ اور حرام کی تفسیر حلال اور طیب کرتا ہے اور جو شخص[6] ثواب کے مستحقین (مثلاً ماں باپ وغیرہ) کی بجائے حضرات اولیاء کرامؒ کے نام پر ہی ایصال ثواب کی تلقین کرتا ہے۔ جو بفضلہ تعالیٰ ہمارے ایصالِ ثواب کے محتاج ہی نہیں اور جو شخص[7] وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کو عقیقے اور ولیمے کے بکرے اور دنبے کے مساوی قرار دیتا ہو اور جو شخص[8] مَا اُهِلَّ کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنے پر ہی مُصر ہو اور دوسری شق کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہو اور جو شخص[9] یہ حصر بیان کرتا ہو کہ۔ اس آیت میں صرف اُسی کو حرام فرمایا گیا ہے جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو (بلفظہٖ ص ۱۵۵) گویا ان کے نزدیک ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لینا ہی حلت کی شرط ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور جو شخص[10] یہ کہتا ہو کہ وہابی جو ذبح کی قید نہیں لگاتے وہ آیت کے معنیٰ میں غلطی کرتے ہیں اور ان کا قول تمام تفاسیر معتبرہ کے خلاف ہے (حالانکہ اہل حق اس تفسیر کو بھی مانتے اور ملحوظ رکھتے ہیں اور شہرت اور نامزدگی کی

محقق اور معتبر تفسیر کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں جو معتبر اور مستند تفاسیر سے ثابت ہے۔ جیسا کہ تنقید متین اور اتمام البرہان کے ٹھوس حوالوں سے واضح ہے۔ یہ اور اس قسم کی دیگر باتیں کرنے والے شخص کی قرآن دانی کا رونا کیوں نہ رویا جائے؟ اب فیصلہ قارئین کرام کے ہاتھ میں ہے کہ وہ خود فیصلہ کریں کہ سرخروئی کس کی قسمت اور مقدر میں ہے؟ اور دینی و دنیوی رسوائی کس کا خاصۂ لازمہ ہے؟ صد افسوس کہ قرآن کریم جیسی معجز کتاب اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشن شریعت کو بھی ان لوگوں نے بدعات رسوات اور پیٹ پروری کا ذریعہ بنا رکھا ہے مگر رہیگا یہ قیامت تک سلامت معجزہ اُن کا وُہ قرآن میں نور ہدایت لے کے آئے ہیں

سرفراز صاحب کا چھٹا شبہ مؤلف مذکور کا یہ اس بحث کا آخری شوشہ ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ۔ مولوی سرفراز صاحب کی چھٹی عبارت ملاحظہ ہو ایصال ثواب کا مسئلہ صحیح اور حق ہے لیکن آخر چُن چُن کر بزرگوں کو ہی کیوں اس کے لیے انتخاب کیا جاتا ہے اپنے ماں باپ اور دیگر اعزہ و اقارب کو جو نفس الامر میں ثواب کے زیادہ محتاج ہیں ان کو یہ کیوں راس نہیں آتا؟ انتہیٰ (تنقید ص۱۴۹) مولوی سرفراز صاحب کو خواہ مخواہ بزرگوں سے عداوت ہے ورنہ رشتہ داروں اور بزرگوں اور وارثوں کو بھی ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ یہ لغو اعتراض مولوی سرفراز صاحب اس کتاب میں متعدد بار کر چکے ہیں اور اس کے جواب میں مکمل تفصیل ہم نے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کی بحث میں پیش کر دی ہے۔ مولوی سرفراز مار کھانے کے شوق میں بار بار پٹے ہوئے مہروں کو آگے بڑھاتے ہیں اور اب کی مار کی گردان سے اپنے آپ کو طفل تسلیاں دینا چاہتے ہیں انتہیٰ بلفظہٖ (توضیح ص۲۳۱)

الجواب:۔ قارئین کرام بخوبی ملاحظہ کر چکے ہیں کہ مؤلف مذکور نکتہ شناسی سے قطعاً محروم ہیں اور بالکل سطحی ذہن رکھتے ہیں اس لیے قدم قدم پر علمی مار کھاتے ہیں اور رسوائی کا زیور پہنتے ہیں اور پھر شرم بھی محسوس نہیں کرتے۔ قارئین کرام خود امور ذیل کو ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ہم نے یہ بات مطلق ایصال ثواب کے بارے نہیں کی بحمد اللہ تعالیٰ ہم شرعی قاعدہ کے مطابق ایصال ثواب کے قائل ہیں اور راہ سنت وغیرہ متعدد کتابوں میں ہم نے اس کی باحوالہ

بحث کردی ہے، یہ بات ہم نے وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کی بحث میں کہی ہے اور ہماری یہ علمی گرفت فریقِ مخالف کے صدر الافاضل پر بدستور جوں کی توں اور ووں کی ووں باقی ہے چنانچہ وہ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی تفسیر میں ایک جگہ یوں لکھتے ہیں: یا جن اولیاء کے لیے ایصالِ ثواب منظور ہے ان کا نام لیا جائے الخ (ص ۳۹) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ وہ جانور جن سے اولیاء کی ارواح کو ثواب پہنچانا منظور ہو اُن کو غیر وقت ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے مگر ذبح اُن کا فقط اللہ کے نام پر ہو اُس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے وہ حلال وطیّب ہیں الخ (ص ۵۵) ان کی ان عبارات کے پیشِ نظر ہم نے ان پر گرفت کی ہے اور ہماری گرفت تاہنوز باقی ہے کہ اگر وَمَا اُهِلَّ سے مراد ایصالِ ثواب ہے تو یہ مستحقین کو کیوں راس نہیں آتا اس کا مصداق حضرات اولیاء کرامؒ ہی کیوں ہیں؟ ان کے صدر الافاضل کو یہ کہنا چاہیئے تھا کہ اولیاء اور ماں باپ اور دیگر اعزّہ واقارب کے نام پر نامزد کردہ جانور حلال وطیب ہے صرف حضرات اولیاء کرامؒ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ چونکہ صدر الافاضل بخوبی جانتے تھے کہ اکثر عوام کو اپنے ماں باپ اور اعزّہ واقارب سے اُس تقرّب کے حاصل ہونے کی کوئی توقع نہیں ہوتی وہ جانتے ہیں کہ وہ کیا کچھ تھے؟ اس لیے اُن کے نام پر جانور نامزد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اُن کے لیے تیجہ وغیرہ کے ایصال ثواب میں دودھ پھل فروٹ اور عام کھانے نہ ہوں تو پانی ہی کفایت کر لی جاتی ہے اور یوں اُن کو ٹرخا دیا جاتا ہے ان کے لیے اس موقع پر بکرے اور دُنبے کون نامزد کرتا ہے؛ اس لیے حضرات اولیاء کرامؒ کی تخصیص کی گئی کہ ان سے عوام کی عقیدت (بلکہ بعض کی اندھی عقیدت) ہوتی ہے اور ان کے ناموں پر لوگ جانور نامزد کرتے ہیں لہذا کھانے پینے کا صیغہ برقرار رہے گا۔ اور پہلے ضیاء حرم کے حوالہ سے ایصال ثواب کے مستحقین میں علماء کا لفظ بھی گذر چکا ہے۔ وہیں ملاحظہ فرمائیں۔

بزعم خویش ایصال ثواب اور نذر ومنت کی اصل وجہ

مؤلف مذکور اور اُن کے اکثر ہمنوا ساتھی ایصالِ ثواب کا فقہی

اور مروّج لفظ بطور ہتھیار کے استعمال کرتے ہیں ان کا اصل مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضرات انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام خدائی اختیارات سے متصف ہیں اس لیے ان کے لیے ایصال ثواب اور نذر و منت سے ان کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے ان کے خیال میں ان کی تمام ضرورتیں اور حاجتیں وہ پوری کر دیتے ہیں ان کے اعلحضرت کے حوالے تو اپنی جگہ بیان کیے جا چکے ہیں۔ ان کے دو مسلّم بزرگوں کے حوالے مزید ملاحظہ فرمائیں

(۱) ان کے مولانا امجد علی صاحب اپنی مشہور کتاب بہار شریعت میں لکھتے ہیں۔ عقیدہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے نائب مطلق ہیں تمام جہان حضور کے تحت تصرف کر دیا گیا جو چاہیں کریں جسے جو چاہیں دیں جس سے جو چاہیں واپس لیں جہان میں ان کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں تمام جہان ان کا محکوم ہے اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں تمام آدمیوں کے مالک ہیں جو انہیں اپنا مالک نہ جانے حلاوت سنّت سے محروم ہے تمام زمین ان کی ملک ہے تمام جنت ان کی جاگیر ہے ملکوت السمٰوٰت والارض حضور کے زیر فرمان جنت و نار کی کنجیاں دست اقدس میں دے دی گئیں رزق و خیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں دنیا و آخرت حضور کی عطا کا ایک حصہ ہے احکام تشریعیہ حضور کے قبضہ میں کر دیئے گئے ہیں کہ جس پر جو چاہیں حرام فرمائیں اور جس کے لیے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں معاف فرمائیں۔ بلفظہٖ (بہار شریعت حصہ اوّل ص۲۲)

(۲) مؤلف مذکور نوعمر اور محدود مطالعہ کے دلدادہ ہیں اس لیے ان کے معلومات کے لیے عرض ہے کہ ان کی جماعت میں ایک بزرگ گذرے ہیں جو اپنے دور میں ان کی جماعت کے مناظر اعظم متصور ہوتے تھے جن کا نام نامی مولانا مولوی محمد حشمت علی صاحب سُنی حنفی قادری بریلوی تھا انہوں نے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی کی نافع تر اور مفید عوام و خواص کتاب بہشتی زیور کا رد لکھا ہے اس کا نام ہے اصلاح بہشتی زیور اس کی تشہیر اور اعلان کے لیے یہ الفاظ اختیار کیے گئے ہیں۔ اس میں انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نیاز و تحفہ دینے۔ نذر و منت ماننے۔ انُ سے مدد چاہتے۔ انہیں پکارنے یا رسول اللہ، یا علی، یا غوث

کرنے۔ انہیں نفع ونقصان کا مختار سمجھنے، انہیں ہر حال کی خبر ہے۔ اُن کے نام کا جانور پالنے چھوڑنے، ذبح کرنے۔ اُن کے مزارات پر عرس کرنے، چراغ جلانے۔ چادر مٹھائی حلوہ گلگلے وغیرہ چڑھانے۔ اُن کے نام کا وظیفہ کرنے۔ روزہ رکھنے۔ بازو پر پیسہ باندھنے۔ ان کی دُوھائی دینے۔ خدائی رات کرنے۔ کسی جگہ کا ادب و تعظیم طواف وسجدہ کرنے۔ کسی کے سامنے جُھکنے۔ کھڑا رہنے۔ عبدالنبی۔ غلام رسول۔ نبی بخش، علی بخش، غلام محی الدین وغیرہ نام رکھنے گلے میں کلاوا ڈالنے۔ بدھی پہننے سہرہ باندھنے اور ان کی شکل بہت سی باتوں کی جو بہشتی زیور میں مذکور اور وہابیہ کے نزدیک شرک وکفر وحرام و بدعت تھیں تردید اور علاوہ ان کے بہت سے مسائل فقہ کی اصلاح وتصحیح کی گئی ہے مسلمانوں کو ضرور اسے منگا کر دیکھنا اور گمراہوں کی گمراہیوں سے بچنا چاہیئے

انتہیٰ بلفظہٖ (اندرونی ٹائیٹل شمع ہدایت حصہ سوم صـ۲ طبع رشید المطابع بریلی)

غلام رسول اور غلام محی الدین نام رکھنے میں راقم اثیم کو تو کسی معتبر عالم کا کوئی اختلاف معلوم نہیں یہ نام جائز ہیں اس کے علاوہ کتاب کے اشتہار اور اعلان میں کفر و شرک اور بدعت و رسم مشرکین کی کون سی اصولی شق اور باقی رہ جاتی ہے جس کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو، غور فرمائیں کہ کس طرح نصوص قطعیہ، احادیث صحیحہ متواترہ۔ اجماع امت اور حضرات فقہاء کرامؒ کے صریح اقوال کے خلاف اسلام کے نام سے ایک مصنوعی اسلام کا خاکہ پیش کیا گیا ہے اگر یہ اُمور اسلام ہیں تو پھر کفر و شرک اور بدعت کس بلا کا نام ہے؟ مؤلف مذکور کو غصہ تھوک دینا چاہیے اور انصاف سے واضح الفاظ میں یہ بتانا چاہیئے کہ کیا اُن کے مُسلّم بزرگ کی کتاب اصلاح بہشتی زیور نے حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے نیاز و فاتحہ کے علاوہ نذر و منت ماننے اور اُن سے مدد چاہنے، انہیں نفع ونقصان کا مختار سمجھنے، انہیں ہر حال کی خبر رہنے اُن کے نام کا جانور پالنے اور چھوڑنے اور ان کے نام پر جانور ذبح کرنے وغیرہ کو کون سی کفریہ اور شرکیہ کارروائی کا مو خراہم نہیں کر دیا۔ وہ کس جرأت سے اہلِ حق کا مقابلہ کرتے اور ان کے منہ لگتے ہیں اور ایصالِ ثواب کا مروّج لفظ استعمال کر کے عوام الناس کو دھوکہ دے رہے ہیں اور اپنے بزرگوں کے نفس الامری اور واقعی عقاید اور نظریات عوام سے مخفی رکھنے کا ادھار

کھائے بیٹھے ہیں۔ عوام الناس بیچارے گویا اُن سے یوں گویا ہیں۔

ے راہوں کی مشکلات میں کھوتے تو غم نہ تھا
رونا ہے اس کا ہم سر منزل بھٹک گئے

(۲) ہم پر یہ الزام کہ معاذ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرات اولیاء کرامؒ سے عداوت ہے سفید جھوٹ اور خالص افتراء ہے ہم تو حضرات اولیاء کرامؒ سے دشمنی رکھنے والے کو اس حدیث قدسی کا مصداق گردانتے ہیں من عادیٰ لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب (بخاری ج۲ ص۹۶۳) رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اس کو میری طرف سے میرے ساتھ جنگ کرنے کا الٹی میٹم ہے ہم تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے تذکرہ کو نزولِ رحمتِ خداوندی کا سبب سمجھتے ہیں اور یہ نقطۂ نظر رکھتے ہیں کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا صحیح طور پر ذکر کیا جاتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

(۳) بفضلہ تعالیٰ ہم نے بھی وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ کی تفسیر میں اتمام البرہان ہی میں مؤلف مذکور کے بیان کردہ بے جان دلائل کا خوب پوسٹ مارٹم کیا ہے۔

لہٰذا اس مضمون کو وہاں ہی ملاحظہ فرمائیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان اور مسلمان کہلانے والے کو حق و باطل میں فرق و تمیز کرنے کی توفیق بخشے اور شرک و بدعات اور غیر اسلامی رسومات سے محفوظ رکھے آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ محمد
وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ واتباعہ اجمعین

احقر
ابوالزاہد محمد سرفراز
خطیب جامع مسجد گکھڑ وصدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم
گوجرانوالہ ۱۲ر شوال ۱۴۰۴ھ
۱۱ر جولائی ۱۹۸۴ء

احسن الکلام

فی

ترک القرأۃ خلف الامام (طبع سوم)

تالیف: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ

جس میں قرآن کریم، صحیح احادیث، آثار صحابہ کرامؓ و تابعینؒ و اتباع تابعین اور دیگر جمہور فقہاءؒ اور محدثین عظامؒ سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں کسی بھی قسم کی قرأت عموماً اور سورۃ فاتحہ کی قرأت خصوصاً ممنوع ہے اور جہری نمازوں میں تو امام کے پیچھے قرأت کرنا قرآن کریم، حدیث صحیح اور اجماع کے خلاف ہے اور فی نفسہٖ منکر اور شاذ ہے اور جہری نمازوں میں حضرات ائمہ اربعہؒ کا اتفاق ہے۔ نیز عقلی اور قیاسی دلائل سے اس مسئلہ پر فیصلہ کن بحث کی گئی ہے اور فریق ثانی کو مسکت جوابات دیئے گئے ہیں اور اس طبع میں "خیر الکلام" اور "الاعتصام" میں کیے گئے اعتراضات کے جوابات کو خصوصیت سے ملحوظ رکھا گیا ہے۔

ناشر:

مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم

گوجرانوالہ

غیر مقلدین کے رد میں

قابلِ مطالعہ کتب

- احسن الکلام فی ترکِ قرأۃ فاتحہ خلف الامام
- اطیب الکلام ملخص احسن الکلام
- طائفہ منصورہ
- عمدۃ الاثاث فی طلقات الثلاث
- رسالہ تراویح مع اردو ترجمہ ینابیع
- تحریری کیفیت مناظرہ
- نور الصباح فی ترک رفع الیدین بعد الافتتاح

ملنے کا پتہ

مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ